

نوحہ نمبر گھنٹا تہذیب و تمدن میں شام حسین رضی اللہ عنہما حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شاہد حسین رضی اللہ عنہما
(مولانا محمد علی جوہر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بجواب فلاح الکونین فی عزنا الحسین

بِشَارَاتِ الدِّیْنِ

السید

بِالصَّبْرِ عَلَی

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

مصنف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم امیر تحریک خدام اہل سنت و جماعت پاکستان

ناشر

تحریک خدام اہل سنت و جماعت چکوال ضلع جہلم



عقیدہ لائبریری

www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے۔

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com

www.sadaislam.com

www.zekr.tv

www.kalemeh.tv

www.ahlehaq.org/hq

www.islamhouse.com

www.eeqaz.com

www.tauheed-sunnat.com

www.islamic-forum.net

www.khatm-e-nubuwwat.com

www.kitabosunnat.com

www.muhammadilibrary.com

www.islamqa.info/ur

www.quran-o-sunnah.com

www.deeneislam.com

www.nadwatululama.org

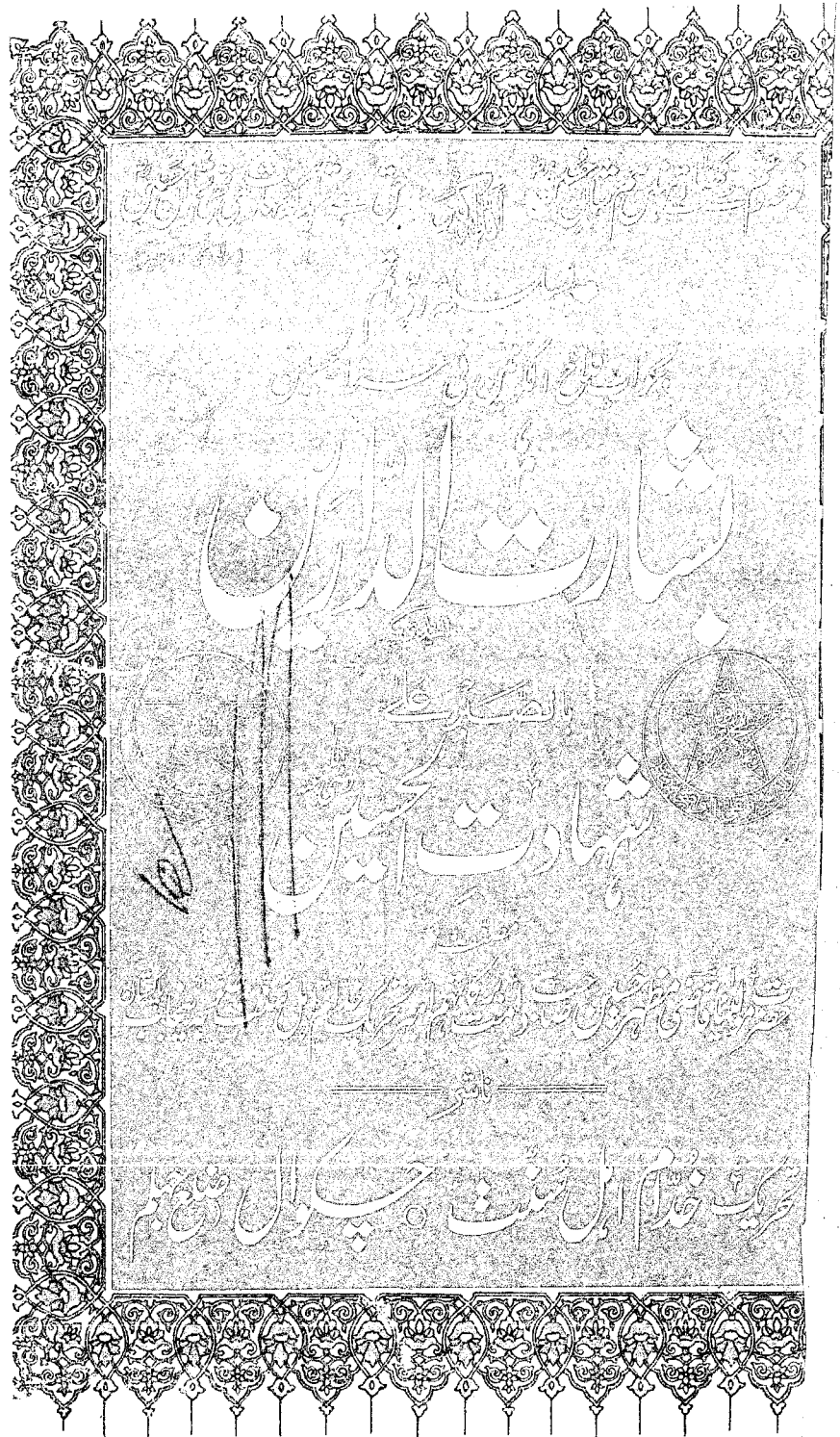
۵۔ قائم کے نبوت پر شیعہ کمال کی دلیل کر رہے ہیں۔ اس پر جواب دینا ضروری ہے۔
 جواب آیت کلامیہ جلد دوم برائے جلد اول سے مدظلہ زماں کے۔ مدظلہ زماں کے جواب آیت کلامیہ
 نسخہ برائے ص ۲۴، ۲۵

تصحيح اغلاط

بشارت الازارین کا مطالعہ کرنے سے پہلے تصحيح اغلاط فرمائیں تاکہ مطالعہ میں دقت نہ ہو۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۸	۱	یزید	ہند یزید
۲۲۰	۱		حاشیہ کی ابتدا میں لفظ امام پڑھا
۵۳۷	عنوان حق چار	حق یار	حق چار یار
	یار کی پہلی سطر		۱۔ ص
۵۶۳	۱۳		متواتر کے لئے حاشیہ
			۱۔ بقول شیعہ علماء (ملا خطہ ہو "فصل الخطاب")
۵۶۳	۱۶	شیخ صدوق	شیخ صدوق یعنی
۵۶۳	۱۶		مجمع البیان کے بعد شیخ طوسی پڑھیں
۵۷۲	صفحہ	۵۷۲	۵۷۳
۵۷۲		۵۷۳	مجال بالغیر
۵۹۷	۸	مجال بالذات	نکاح کی مدت پر حاشیہ ۱۔ ص
۶۰۳	۶		۱۔ اسی کو نکاح موقت کہتے ہیں
۶۰۳	صفحہ	۶۰۳	۶۰۵
۶۰۳		۶۰۵	۶۰۳

کتاب اجمالی نظر ص ۵۵۶ پر



ظہور الیوم نزاعوں میں محمد کا
سائن

نور و غم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسین
حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شاہان حسین
پونہ ۱۹۱۱ء

بجواب
فلاح الکونین نے عزا آئین

بشارت الدلائین بالصبر علی الحسین رضی شہادت آئین

مصنف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امت برکاتہم
امیر تحریک خدام اہلسنت صوبہ پنجاب

ناشر
خدمت اہلسنت چکوال (ضلع جہلم)

خدام اہلسنت کی دعا

سنة الفاضل حضرت حسین امیر تحریک اہلسنت صوبہ پنجاب

خدا یا اہلسنت کو ہمدان میں کامرانی دے
یہ ہے قرآن کی عظمت پیر سینوں کو گر مائیں ،
وہ ہمدان میں ہی کے یہ ریادوں کی صداقت کو
صاحبزادوں اہلسنت کی شان کو بھائیوں
سین کی اہلسنت کی برائی بھی کو بھائیوں کو
صحیح رہنے کیا تھا پر جہم اسلام کو بالا ،
تیری نصرت سے پیر جہم پر جہم اسلام لہرائیں
تیرے کون کے اسٹے سے ہو کہستان کو حاصل
ہر جہم ہی تحفظ ملک میں ستم موت کو
آزاد ستم رام کو تو میں نے اپنی عبارت کی ،
ہماری زندگی تیری رضائیں صرف ہر حالے
تیری آرزو سے ہم اہلسنت کے ہیں ستم رام

انہیں باوجود تیری نعمتوں سے ظہور الیوم

تیری نصرت ہر زمانہ میں ستمت میں تیری رضوان

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۹	قاضی نور اللہ شوستر کی کا اقرار لکھتے	۱	تقریظ از محمد فاضل نوشونیس
۵۰	سیط ابن جوزی شیعہ ہیں	۵	آغا زین العابدین
۵۳	بحث دلیل نمبر ۳ - قصہ یابیل شہید	۱۲	تسمیہ کتاب
۵۴	تفسیر ابن کثیر کا غلط حوالہ	۱۳	تقریظ کا لغوی و شرعی معنی
۵۵	ما تم مروّجہ حرام ہے (سجوالہ ترجمہ مقبول)	۱۶	قصہ حضرت یعقوب علیہ السلام (بحث دلیل)
۵۷	کتاب "روضۃ الشهداء"	۲۵	شیعہ مصنف کی کم فہمی اور خیانت
۵۸	کتاب "معارج النبوة" مغنبر نہیں	۳۰	برادران یوسف کا ماتم
۶۰	ماتمی کووا	۳۱	ماتمی اہل کوفہ
۶۱	ماتمی اولو	۳۲	ذکر سے خطاب از جوش ملیح آبادی
۶۲	ماتمی چڑیاں	۳۹	بحث ماتمی دلیل نمبر ۲
۶۲	سیاہ لباس کی بحث	۳۹	علمائے حبشہ کا ردنا
۶۵	سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے	۴۴	زیر بحث ماتم
۶۵	سیاہ لباس سنت فرعون ہے	۴۵	بحث ماتمی دلیل نمبر ۳
۶۷	پنجابی اشعار در بارہ رو ماتم	۴۵	آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
۶۸	بحث دلیل نمبر ۵ - ۷ - ۸	۴۷	کتاب "سیر الشہادتین" کی حیثیت
۶۸	(قورات و انجیل کی عبارات)	۴۸	آسمان کی سُرخی

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت:	بار اول محرم الحرام ۱۳۹۵ھ
نام کتاب:	بشارت الدارین بالقبور علی شہادت المؤمنین
مصنف:	حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
طابع:	
کاتب:	محمد فاضل مرغوب رقم
مطبع:	علی پرنٹنگ پریس پبلیہ اخبار لاہور
ناشر:	خدا مہنت چکوال (ضلع جہلم)
قیمت:	۲۵ روپے
تعداد:	دو ہزار

ملنے کے پتے

- ۱- مکتبہ رشیدیہ نیوجنرل مارکیٹ چکوال (ضلع جہلم)
- ۲- دفتر خدام اہل سنت والجماعت و خانہ عثمانیہ ویلڈار روڈ اچھرہ (لاہور)
- ۳- مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام - مئی مسجد مدنی محلہ (جہلم)
- ۴- کالج بک ڈپو ہسپتال روڈ چکوال (ضلع جہلم)
- ۵- مکتبہ تنزیل القرآن ۱۶- اردو بازار - لاہور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۸	سینہ کو بی کاغز آبی فلسفہ	۱۱۵	امام رضا کے نزدیک سجدہ قبر حرام ہے
۸۳	بحث دلیل نمبر ۹ - حضرت ابراہیم بن محمد	۱۵۲	سُنّت و بدعت
۸۵	کی وفات	۱۵۴	اذان میں علیؑ ولی اللہ بدعت ہے
۸۵	بحث دلیل نمبر ۱۰ - حضرت حمزہ کی شہادت	۱۵۷	بُت پرستی کی حقیقت
۸۶	اور ماتم	۱۶۰	تقریب پرستی
۸۸	ماتم کا لُغوی اور شرعی معنی	۱۶۳	۴۶ قولہ وزنی تقریب
۸۹	"سیرت النبی" مولانا شبلی نعمانی	۱۶۶	یزید کی بیوی نے امام حسینؑ کا ماتم کیا
۹۰	کی عبارت	۱۶۸	یزید بھی ماتمی ہے
۹۱	ماتمی دلائل کا خاتمہ	۱۶۸	بحث دلیل نمبر ۱۵ - (سجدہ قبور)
۹۱	حضرت حسینؑ کی شہادت کا استثنائی حکم	۱۷۰	مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کی عبارت
۹۹	بحث دلیل نمبر ۱۱ - (عام الحزن)	۱۷۳	اہل سُنّت کے نزدیک بوسہ و سجدہ قبر حرام ہے
۱۰۳	بحث دلیل نمبر ۱۲ (واقعہ حضرت اوسین قرنیؑ)	۱۷۵	غوث الاعظمؑ اور امام غزالیؑ کا فتویٰ
۱۰۴	حضرت عثمانؓ اور جناب اُحد	۱۷۵	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
۱۰۶	شجاعت علیؑ کی دوسری تصویر	۱۷۵	کا فتویٰ
۱۰۶	بحث دلیل نمبر ۱۳ - (فطرت انسانی)	۱۷۷	حضرت پیر صاحب گولڑوی کا فتویٰ
۱۰۹	بحث دلیل نمبر ۱۴ - (فرقہ بندی)	۱۷۹	دُعائیں انبیاء و اولیاء کا توسُّل جائز ہے
۱۱۱	مساجد ویران، امام باڑے آباد	۱۸۰	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا عقیدہ
۱۰۲	توحید و شرک	۱۸۱	شرح جامی کی عبارت کا مطلب
۱۱۳	فرقہ مفوضہ کا غلو	۱۸۳	نوحہ حرام ہے - (مولانا امجد علی بریلوی)
۱۱۳	شیعوں کے نزدیک سجدہ تعظیفی بھی شرک ہے	۱۸۳	امام غزالی کی عبارت (ذکر شہادت حسینؑ)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۶	حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا اختلاف	۱۳۹	امام رضا کے نزدیک سجدہ قبر حرام ہے
۱۸۸	معاویہؓ کے جھگڑے	۱۵۲	سُنّت و بدعت
۱۸۹	حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد	۱۵۴	اذان میں علیؑ ولی اللہ بدعت ہے
۱۹۰	حضرت علیؑ پر تنقید مودودی	۱۵۷	بُت پرستی کی حقیقت
۱۹۲	ابو مخنف راوی شیعہ ہے	۱۶۰	تقریب پرستی
۱۹۴	تاریخ طبری کی حیثیت	۱۶۳	۴۶ قولہ وزنی تقریب
۱۹۵	ذکر امام حسینؑ کے متعلق حضرت گنگوہی کا فتویٰ	۱۶۶	یزید کی بیوی نے امام حسینؑ کا ماتم کیا
۱۹۷	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا فتویٰ	۱۶۸	یزید بھی ماتمی ہے
۱۹۸	لعن یزید کا مسئلہ	۱۶۸	بحث دلیل نمبر ۱۵ - (سجدہ قبور)
۲۰۲	یزید کے متعلق مولانا بریلوی کا فتویٰ	۱۷۰	مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کی عبارت
۲۰۳	مقام امیر معاویہؓ مولانا بریلوی کے قلم سے	۱۷۳	اہل سُنّت کے نزدیک بوسہ و سجدہ قبر حرام ہے
۲۰۶	حضرت معاویہؓ کی یزید کو وصیت	۱۷۵	غوث الاعظمؑ اور امام غزالیؑ کا فتویٰ
۲۰۷	امام زین العابدین نے یزید کی بیعت کی	۱۷۵	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
۲۰۹	امام حسینؑ نے امیر معاویہؓ کی بیعت کی	۱۷۵	کا فتویٰ
۲۱۰	بحث دلیل نمبر ۱۶ (روایت مسند احمد بن حنبل)	۱۷۷	حضرت پیر صاحب گولڑوی کا فتویٰ
۲۱۳	اصابہ کا غلط حوالہ	۱۷۹	دُعائیں انبیاء و اولیاء کا توسُّل جائز ہے
۲۱۴	یزید کا رونا اور ماتم کرنا	۱۸۰	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا عقیدہ
۲۱۶	"ینایح المودت" کا مصنف شیعہ ہے	۱۸۱	شرح جامی کی عبارت کا مطلب
۲۲۱	کتاب "بر الشہادتین" شاہ عبدالعزیز صاحب	۱۸۳	نوحہ حرام ہے - (مولانا امجد علی بریلوی)
۲۲۱	کی کتاب نہیں ہے!	۱۸۳	امام غزالی کی عبارت (ذکر شہادت حسینؑ)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۵	جنگِ اُحد اور صحابہؓ	۲۲۲	غنیۃ الطالبيين کی روایت (فرشتوں کا رونا)
۲۲۶	حضرت علیؓ کی توہین	۲۲۳	غوث الاعظمؒ کے نزدیک یوم عاشوراء کو
۲۲۷	جزع و ماتم کے خلاف احادیثِ شیعہ	۲۲۴	غم منانا ناجائز ہے
۲۲۸	روایاتِ کافی اور ہذا کا فی شیعہ کی بحث	۲۲۵	امام حسینؑ کی مدد کو فرشتے لیٹ پہنچے
۲۲۹	ظاہر ہوں گے	۲۲۶	بحث دلیل نمبر ۱۸۔ (ماتمی اشعار کی حیثیت)
۲۳۰	بعد وفاتِ رسولؐ صرف چار مومن رہ گئے	۲۲۷	امام حسینؑ کی قربانی سے سنتِ رسولؐ ضائع ہوئی۔ (شیعہ نظریہ)
۲۳۱	سب مہاجرین و انصارِ حبیبی ہیں	۲۲۸	علامہ اقبالؒ اور اسلامی فتوحات۔ (شکوہ)
۲۳۲	امام حسنؑ وغیرہ ائمہ کے زمانہ میں شیعہ	۲۲۹	غزوہ تبوک میں صدیقؐ و فاروقؐ کا
۲۳۳	احادیث کی اشاعت نہیں ہو سکی	۲۳۰	ایشاد (اقبال)
۲۳۴	شامتِ لقیۃ	۲۳۱	غازیانِ جنگِ بدر (ابوالاثر حفیظ جالندھری)
۲۳۵	ایک مسئلہ کے تین مختلف جواب	۲۳۲	بحث دلیل نمبر ۱۹۔ (آیت فَصَلَتْ وَجْهَهَا بِنَجْوَى)
۲۳۶	صحیح بخاری اور الکافی کا موازنہ	۲۳۳	بحث دلیل نمبر ۲۰۔ (آیت لَا يُجِبُ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالنُّورِ)
۲۳۷	اہل بدعت کی روایت قبول ہونے کی شرط	۲۳۴	مرومہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل
۲۳۸	احادیثِ شیعہ سے ماتم کی تردید	۲۳۵	صبر اور جزع کا لغوی معنی
۲۳۹	بحث آیت إِنَّكَ لَنْ تَسْتَبِيحَ مَعِيَ صَبْرًا	۲۳۶	از روئے قرآن جزع صبر کے خلاف ہے
۲۴۰	(قصہ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ)	۲۳۷	صبر کا جامع مفہوم (امام راغب اصفہانی و
۲۴۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جازہ پر	۲۳۸ امام رازی)
۲۴۲	چار تکبیریں پڑھیں (حدیثِ شیعہ)	۲۳۹	وَلَا كِتَابَ سِوَا مِا رَحِمْنَا عَلٰی ہٰٓؤُلَاءِ مِیْنَ (تفسیر)
		۲۴۰	آیت میں لفظی تحریف (تفسیر قمی)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۴	سردرِ کائنات کی توہین	۳۰۴	وضو میں پاؤں دھونے کا ثبوت
۳۲۸	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۹	۳۰۵	(فروع کافی) ادیبِ اعظم کا غلط ترجمہ
۳۲۹	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۰	۳۰۶	بحث روایت کل جزع و جزع قبیح
۳۳۰	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴	۳۱۱	ماتمی مذہب میں صبر اور بے صبری برابر ہیں
۳۳۱	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۵-۱۶-۱۷		ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۵
۳۳۲	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۸	۳۱۲	مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی ممانعت
۳۳۳	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۱۹-۲۰	۳۱۳	(از تفسیر قمی)
۳۳۴	آیت لَا تَقْبَلُوا دَوْلَةَ تَحْتِ نَوْءِیْ بَحْتِ	۳۱۴	احادیثِ اہل سنت سے حرمتِ ماتم کا ثبوت
۳۳۵	غلبہ اسلام اور ملکی فتوحات	۳۱۵	خاتونِ جنت پر نوحہ کرنے کا بہتان
۳۳۶	خلافت کا چمن (مولانا ظفر علی خان)	۳۱۶	حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نوحہ کرنے کا بہتان
۳۳۷	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۱	۳۱۷	مصنّف کی علمی خیانت
۳۳۸	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۲	۳۱۸	حضرت عائشہؓ اہل بیت سے ہیں
۳۳۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا قصہ	۳۱۹	سیرت ابن ہشام سے نوحہ کی ممانعت
۳۴۰	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۳	۳۲۰	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۲
۳۴۱	الْاٰیٰتِ اٰوٰیءِ اللّٰہِ لَا تَخُوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا هُمْ		"معارج النبوة" قابل اعتبار نہیں
۳۴۲	یَخٰوْفُوْنَ	۳۲۱	مشکوٰۃ کا حوالہ اور ماتم مصنف کی خیانت
۳۴۳	آیت غار (لَا تَخٰوْفَنَّ) کی بحث	۳۲۲	احادیثِ اہل سنت سے نوحہ کی ممانعت
۳۴۴	آیت غار سے فضائلِ صدیقی کا ثبوت	۳۲۳	احادیثِ شیعہ سے نوحہ کی ممانعت
۳۴۵	خلافتِ صدیقی میں شام و روم کی فتوحات	۳۲۴	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۳
۳۴۶	یارِ غار (علامہ اقبالؒ)	۳۲۵	ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۴

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۹	تفسیر بالرائے کا مطلب	۳۷۷	اشعار (مولانا الطاف حسین حالی مرحوم)
۴۰۱	صراطِ مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہیں	۳۷۹	شیعہ مفسرین کی پریشانی
۴۰۴	ذِکِّ اَلْکِتَابِ سے مراد حضرت علیؑ ہیں	۳۸۲	حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحابیت کا منکر کافر ہے (مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ)
۴۰۳	غزوہٴ حنین اور حضرات صحابہؓ	۳۸۲	حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں (کتب شیعہ)
۴۰۹	تمام علماء اہلسنت کے نزدیک ماتم مردہ حرام ہے	۳۸۳	ردِّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۹
۴۱۱	پشاور کے سُنی مسلمانوں کی خدمت میں	۳۸۳	لَکِنَّا نَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَنَنْهَىٰ عَنِ الْعُرْيَانِ
۴۱۲	سُنی مطالبات کی تحریک	۳۸۳	مکت اور مکا کی بحث (منہج البلاغہ)
۴۱۳	دیوبندی بریلوی اختلاف اہل سنت کا	۳۸۲	اس آیت کی تفسیر حضرت علیؑ سے
۴۱۳	داخلی معاملہ ہے	۳۸۸	چار لاکھ روپیہ انعام
۴۱۵	امیر معاویہؓ پر طعن کرنے والا دوزخ کا کُتبا ہے۔ (مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی)	۳۸۹	شیعہ مذہب کو اہل مکہ و فریب نے ظاہر کیا
۴۱۵	صدیق و فاروقؓ کا کُتبا کافر ہے (۱۰۰)	۳۸۹	(اُصول کافی)
۴۱۶	حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کا دین و ایمان	۳۸۹	رسولِ خدا پر افتراء
۴۱۷ میں کوئی اختلاف نہیں (منہج البلاغہ)	۳۹۰	مجتہدین شیعہ کے نزدیک زنجیر زنی ناجائز ہے
۴۱۸	اولیاء اللہ کے چاروں روحانی سلسلے	۳۹۳	شیعہ مجتہدین سے ایک سوال
۴۱۹	حضرت پیر صاحب گوڑوی نے حضرت گنگوہی کو	۳۹۴	سینہ کو بی حرام ہے (ایک اصفہانی شیعہ
۴۱۹	مقتدائے زمانہ لکھا ہے	۳۹۴	مجتہد کا فتویٰ
۴۱۹	مولانا محمد اسماعیل شہید پر ایک ریشاعت کا بہتان	۳۹۶	نکاح صاحب کے چیلنج کا جواب
۴۲۱	مسئلہ ختم نبوت	۳۹۸	حُرمتِ ماتم پر ایک ہی آیت کافی ہے
۴۲۲	روافض کے خلاف پیرانِ پیر کا فتویٰ	۳۹۸	حق تصنیف کا معاملہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲۲	حضرت غوث الاعظم پر بہتان	۴۲۲	حضرت علیؑ المرتضیٰ نے بھی پیدائش حسینؑ کو ناپسند کیا
۴۲۳	حضرت پیرانِ پیر سید ہیں	۴۲۳	حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علیؑ کے صبر کا موازنہ
۴۲۵	شیعہ سادات اپنا نسب چھپاتے رہے	۴۲۵	حضرت ابراہیمؑ نے بھی شہادتِ حسینؑ کا ماتم کیا
۴۲۶	ماتم و تعزیر کے خلاف مولانا بریلوی کا فتویٰ	۴۲۶	کربلا میں حضرت آدمؑ کا ماتم
۴۲۸	حرمیتِ ماتم و تعزیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز	۴۲۸	حضرت نوحؑ صحرائے کربلا میں
۴۲۸	محدث دہلوی کا فتویٰ	۴۲۸	حضرت ابراہیمؑ کا کربلا میں گھوڑے سے گر پڑے
۴۲۹	شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف منسوب عبارت	۴۲۹	کربلا میں حضرت اسماعیلؑ کی بھڑوں کا سوگ
۴۳۲	تشفہ اثنا عشریہ میں حرمیتِ ماتم کی تصریح	۴۳۲	حضرت سلیمانؑ کا تخت کربلا میں گر پڑا
۴۳۳	بحثِ ماتم کا خلاصہ	۴۳۳	حضرت زکریاؑ اور کربلا
۴۳۴	سُورۃ الممتحنہ کی آیت سے حرمیتِ ماتم	۴۳۴	حضرت عیسیٰؑ کا کربلا میں شہر نے گھیراؤ کر لیا
۴۳۴	(حاشیہ ترجمہ مقبول)	۴۳۴	قیامت تک ماتم ہی ماتم
۴۳۷	اصل اشیاء میں اباحت ہے یا توقفت	۴۳۷	حضرت حسینؑ کی لاش گھوڑوں سے پامال نہیں ہوئی
۴۳۸	ماتمی تحریک پر ایک اجمالی منظر	۴۳۸	جہنم کا ماتم
۴۳۹	مصائب پر صبر کرنے والوں کے لیے بشارت	۴۳۹	آگ کا ماتم
۴۴۰	شہداء زندہ ہیں	۴۴۰	شیعیت کی رفتار
۴۴۱	رسولِ خداؐ بھی غم نہ کھائیں (ترجمہ مقبول)	۴۴۱	دو در رسالت میں شیعہ
۴۴۳	خلاصہ آیات	۴۴۳	دو در رسالت کے بعد صرف تین چار شیعہ تھے
۴۴۴	ماتمی تحریک کی ابتداء و انتہاء	۴۴۴	حضرت علیؑ المرتضیٰ کے دور خلافت کے شیعہ
۴۴۴	رسولِ خداؐ کے ولادتِ حسینؑ کو پسند نہیں فرمایا	۴۴۴	خلافتِ امام حسنؑ میں شیعوں کا کردار
۴۴۵	حضرت فاطمہؑ نے بھی پیدائش حسینؑ کو پسند نہیں فرمایا	۴۴۵	حضرت امام حسینؑ کا دور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۳	قرآن مجید میں اتباعِ سنت کی تاکید	۵۱۵	حضرت علیؓ کی زبان سے سوادِ اعظم کی تعریف
۴۶۴	آیت اُذی الامر کا مطلب	۵۱۵	حضرت ابن عباس کی زبان سے اہلسنت کی تعریف
۴۶۴	احادیثِ اہل سنت سے اتباعِ سنت کی تاکید	۵۱۶	قیامت کو اہلسنت کے چہرے روشن ہونگے
۴۶۴	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک روافض، خوارج اور نو اصحابِ باطل ہیں	۵۱۶	حضرت عمرؓ کا ارشاد
۴۶۵	جماعتِ رسولؐ کی عظمت قرآن مجید میں	۵۱۶	رسولؐ خدا کی زبان مبارک سے اہلسنت کا ثبوت
۴۶۶	شعبہ مفسر آیت لَنْ نَمُنَّ بِخَيْرِ أُمَّتٍ میں تحریف کے قائل ہیں	۵۱۷	امام حسنؓ و امام حسینؓ اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں - (ارشاد نبویؐ)
۴۶۸	تہتر فرقوں کی عظیم پیشگوئی (احادیثِ اہلسنت)	۵۱۷	اہل سنت کا عروج و زوال
۴۶۲	احادیثِ مذہبِ شیعہ	۵۱۸	ممتاز ترین علمائے اہل سنت
۴۶۴	فرقہ ناجیہ کونسا ہے	۵۲۰	حضرت محمدؐ زُ اَلْفِ ثَانِي
۴۶۵	اصحابِ رسولؐ معیارِ حق ہیں (حدیثِ شیعہ)	۵۲۱	خاندانِ ولی اللہی
۴۶۸	امام ربانی کا ارشاد	۵۲۳	آکا بردیو بند کی خدماتِ جلیلہ
۴۸۱	اہل سنت و الجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہیں	۵۲۴	حضرت نالوتومی کی ہدیتِ الشیعہ اور حضرت گنگوہی کی ہدایتِ الشیعہ
۴۸۱	سنت و جماعت پر مرنے والا عذاب	۵۲۴	مدیحِ صحابہ کا جو خوب (ارشادِ حضرت مدنیؒ)
۴۸۲	سے محفوظ رہے گا - (حدیثِ شیعہ)	۵۲۸	امام اہلسنت مولانا عبدالشکور بھٹوی
۴۸۳	اہل سنت و الجماعت کے الفاظ کا ثبوت	۵۲۹	مولانا ابوالفضل دیر مصنف کتاب ہدیت کی ندرت
۴۸۹	اہل سنت کی تعریفِ حضرت علیؓ کی زبان سے	۵۲۹	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
		۵۳۰	جو وجودِ دور اور اہلسنت کی عمومی غفلت
		۵۳۱	ولانا محمد اسحاق صدیقی کا درد مندانہ پیام
		۵۳۳	خدا م اہل سنت میدانِ عمل میں
		۵۳۳	تنظیمِ اہل سنت کی خدمات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳۵	حضرت پیر نور شید احمد صاحب کا گرامی نامہ	۵۳۵	حضرت علیؓ کی زبان سے سوادِ اعظم کی تعریف
۵۳۶	خدا م اہل سنت کنونشن لاہور	۵۳۶	حضرت ابن عباس کی زبان سے اہلسنت کی تعریف
۵۳۷	حق چار یار	۵۳۶	قیامت کو اہلسنت کے چہرے روشن ہونگے
۵۳۸	لفظ یار کا مفہوم	۵۳۶	حضرت عمرؓ کا ارشاد
۵۴۰	خطبہ جمعہ کا شعار	۵۳۶	رسولؐ خدا کی زبان مبارک سے اہلسنت کا ثبوت
۵۴۱	شاہانِ بادشاہ غازی کی سکنی گزشتہ چار یار کے نام کند ہیں۔	۵۳۷	امام حسنؓ و امام حسینؓ اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں - (ارشادِ نبویؐ)
۵۴۲	پاکستان کا ایک غیر تاریخی نیشنل قومی ہے لیکن مزایا کو کا فر قرار دیا۔	۵۳۷	اہل سنت کا عروج و زوال
۵۴۳	۷ ستمبر کا تاریخی دن	۵۳۸	ممتاز ترین علمائے اہل سنت
۵۴۴	ملتِ اسلامیہ کو مبارک باد	۵۳۸	حضرت محمدؐ زُ اَلْفِ ثَانِي
۵۴۶	حضرت صدیق کا عظیم کارنامہ خلافت	۵۳۸	خاندانِ ولی اللہی
۵۴۷	سنتی مطالبات کی تحریک	۵۳۸	آکا بردیو بند کی خدماتِ جلیلہ
۵۴۸	سنتی مطالبات کا خلاصہ	۵۳۹	حضرت نالوتومی کی ہدیتِ الشیعہ اور حضرت گنگوہی کی ہدایتِ الشیعہ
۵۴۹	ایک غیر متصانہ فیصلہ	۵۳۹	مدیحِ صحابہ کا جو خوب (ارشادِ حضرت مدنیؒ)
۵۵۰	حصہ نظم - چار یار مصطفیٰ اہل یقین (حاجی مدد اللہ)	۵۳۹	امام اہلسنت مولانا عبدالشکور بھٹوی
۵۵۱	خیر القرونِ قرنی	۵۳۹	مولانا ابوالفضل دیر مصنف کتاب ہدیت کی ندرت
۵۵۱	فلسفہ شہادتِ امامِ عالی مقام (ظفر علی خان)	۵۳۹	مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
۵۵۲	حق چار یار (از محمد یونس سرور دہلوی)	۵۳۹	جو وجودِ دور اور اہلسنت کی عمومی غفلت
۵۵۲	مقام چار یار (از ڈاکٹر منظور احمد منظور)	۵۳۹	ولانا محمد اسحاق صدیقی کا درد مندانہ پیام
۵۵۳	اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے (حمزہ حسن)	۵۳۹	خدا م اہل سنت میدانِ عمل میں
۵۵۳	اصحابی کالجیوم (عزیز فیضانی)	۵۳۹	تنظیمِ اہل سنت کی خدمات
۵۵۴	جو صابر و شاکر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے		
۵۵۶	ماتمی مجتہد محمد حسین ڈھکو کی کتاب		
۵۵۶	"تجلیاتِ صداقت" پر ایک اجمالی نظر		



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ سَلِّمْ عَلٰی عِبَادِہِ الذِّیْنَ اِضْطَحُّوْا

میری انتہائے نگارشن یہی ہے! ترے نام سے استدرا کر رہا ہوں

قارئین کرام! یہ تصنیف کسی بادشاہ، کسی امیر، کسی وزیر یا قلم فروش ادیب کی نہیں۔ یہ تصنیف میرے ایک فاضل بزرگ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ ارشد حضرت مدنی) کی ہے۔ فقیر پُرِ تفسیر اپنے بزرگوں یعنی علمائے دیوبند کی تصانیف کو بغرض ثواب و اصلاح نفس پڑھا رہتا ہے۔ چنانچہ مولانا موسوی کی اس کتاب مُسْتَطَابُ الْمَسْتَبٰہِ "بَشَارَاتُ الدَّارِیْنِ" کی کتابت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا شرف بھی راقم الحروف کو نصیب ہوا۔

جی میں آیا کہ اس کتاب مُسْتَطَابُ پر حضرت مولانا کی اجازت سے ایک تقریظ لکھوں۔ گو میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، یہ کام کسی عالم دین کا ہے لیکن جسارت کر کے قلم اٹھا رہا ہوں۔ میری اس تقریظ کی مثال اس بڑھیا کی طرح ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری میں ایک موت کی انٹی پیش کی تھی اور لوگوں کے تمشخراڑانے پر یہ کہا تھا کہ میں یہ موت کی انٹی اس لیے نہیں لائی کہ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید سکوں گی، بلکہ اس لیے لائی ہوں کہ حضرت یوسف کے خریداروں میں خدائے عز و جل کے ہاں میرا نام بھی درج ہو جائے۔

یہ گنگار انسان، کج مزاج زبان کہ جس کا فن کتابت میں مرغوب نام اور وہ خود مغلوب ہوں گے نام ہے اس نیت، دارادہ سے یہ تقریظ پیش کر رہا ہے کہ شاید سہی تقریظ میرے لیے توشہ آخرت بن جائے اور اگر روزِ شکر اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس فرمائے کہ سے

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے پیش کر غافل! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے! تو بارگاہِ الہی میں یہ گنگار عرض کرے گا، یا اللہ العالمین اور تو مجھ سے کوئی نیک عمل نہیں ہو سکا

سولے اس کے تیرے محبوب سرور کائنات، مفخر موجودات، رحمت عالمیان، صفوت آدمیان تتمعہ دوز زمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے مداح ایک عالم دین سے یہ کتاب مُسْتَطَابُ لکھوا کر لایا ہوں۔ جس میں امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر تاریخی مجالس اور تاریخی جلسوں، مروجہ ہنگامہ آرائیوں کی حرمت کو شرعی دلائل سے ثابت کر کے حضرت حسینؓ اور خاندانِ نبوت کے صبر و ثبات کا راستہ دکھایا گیا ہے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام اور خلفائے عظام پر روافض کے عائد کردہ ہتانات کا مدلل جواب دے کر تحفظ ناموس صحابہ کا فریضہ ادا کیا گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی شان میں پاکستان کے شاعر بکیتا اور سنتِ اسلامیہ کے نامور فرزند مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ "زمین مدار" لاہور نے ایک نظم لکھی تھی جس کے صرف تین شعر سپرد قلم کرتا ہوں سے

شاد باش و شاد زنی لے سر زمین دیوبند ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند!
تجھ میں قاسم ہوں کہ الور شاہ کہ محمود الحسنی سب کے دل تھے درد مند اور سب کی نظر آجندہ
گرئی ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج! جن سے پرچم ہے روایات سنت کا سر بلند!
یہ بات مستم ہے کہ ہر مدعی انانیت کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نیک بشتہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے ہر فرعون نے رام موسیٰ۔ مدیر "زمین مدار" علیہ الرحمۃ نے اپنے اشعار میں جن علمائے دیوبند کا ذکر فرمایا ہے، یہ ابھی بقید حیات ہی تھے کہ پنجاب کی مردم خیز زمین نے ایک عالم دین پیدا کیا جس کا نام نامی، اسم گرامی مولانا محمد کرم الدین صاحب دسیر ہے۔ مولانا دبیر مرحوم وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے پنجاب میں فتنہ مرزائیت اور فتنہ رافضی کے استیصال میں اپنے دوز میں جوگا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ایک لاجواب مناظر بھی تھے، شیعہ و سُنی نزاعی مسائل میں آپ نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ آپ کی شہرہ آفاق کتاب "آفتابِ ہدایت" اس کا منہ بولنا نمونہ ہے۔ انگریز کے خود کاشتہ پونے مرزا غلام احمد قادیانی (کادیانی) سے آپ نے براہ راست ٹکری اور اُس کی جھوٹی نبوت کا اچھی طرح پوسٹ مارٹم کیا۔ حتیٰ کہ اُس کے خلاف ایک مقدمہ کے سلسلہ میں سر زمین قادیان (ضلع گورداسپور)

پیشی پر بھی جاتے رہے اور بہ نصرت خداوندی اس مقدمہ میں کامیاب ہوئے اور مرزا قادیانی کو گورڈا سپور
کی عدالت سے چھ ماہ قید محض کی سزا سنائی گئی۔ اس مقدمہ کی مفصل روئیداد حضرت مولانا دبیر مرحوم
کی کتاب "تازیانہ عبرت" میں موجود ہے۔ اسی نیک سیرت عالم دین کے ہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت
قاضی صاحب کو پیدا فرمایا۔ آپ نے بھی اپنے والد بزرگوار (علیہ الرحمۃ) کے نقش قدم پر چل کر دینی
علوم حاصل کئے۔ پنجاب میں تحصیل علم سے فراغت کے بعد علم کی تشنگی آپ کو کشان کشان دارالعلوم
دیوبند ضلع سہارنپور (دیوبند) لے گئی۔ دیوبند میں شیخ العرب والجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی
کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں زبانِ حال اپنی عقیدت و محبت کا اظہار
یوں کیا۔

کبھی آندھی، کبھی بجلی، کبھی برسات نے روکا
ہر رات کے، ہر ڈھنگ کے طاباات نے روکا
پڑ شوق مراڑک نہ سکا ان رخسہ گردوں سے
میں آہی گیا اڑکے محبت کے پروں سے!
قصہ مختصر! چشمہ دارالعلوم دیوبند سے اپنی علمی پیاس بجھائی اور دورہ حدیث شریف سے
فادغ ہو کر واپس لوٹے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں، آپ
کے مزاج میں شاہی بھی ہے اور فقیری بھی۔ ع، شاہی و درویشی ایجا باہم است۔ آج کل آپ
مذہب اہل سنت و الجماعت اور تحفظ ناموس صحابہ کی خاطر شمشیر برہنہ لے کر میدانِ عمل میں آئے ہیں۔
بے شک زمانہ حاضر میں مذہب اہل سنت و الجماعت کی تباہی و خرابی اور تحفظ ناموس صحابہ کیلئے
میدانِ عمل میں آنا بڑی کٹھن منزل ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں توفیق عطا فرمائیں
اس سعادت بزورِ باؤ و نبیت تانہ بخشہ خدائے سبحانہ!

حضرت قاضی صاحب نے اس میدان میں قدم رکھتے ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع
کر دیا ہے۔ یہ کتاب مشتطاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت موصوف گویا اپنی باقی ماندہ
زندگی ہی مذہب اہل سنت کی خدمت اور تحفظ ناموس صحابہ کے لیے وقف کر چکے ہیں بقول احسان اللہ
ہے کہ قبول افتد زہے عز و شرف لے جان شوق میں معتون زندگی کرتا ہوں تیرے نام سے

یہ علمی جواہر پائے جو "بشارت الدارین" کے نام سے منظر عام پر آ رہے ہیں کسی طویل تمہید و تعارف
کے محتاج نہیں۔ یہ کتاب حضرت مولانا کی خاموش محنت کا ثمر شیریں ہے، عربی زبان میں شیعہ و سنی علماء کی
تفسیر و تصانیف کا دقت نظر سے مطالعہ کرنا اور پھر ان منتشر جواہر ریزوں کو یکجا جمع کرنا سالہا سال کی
محنت شاقہ چاہتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اہل سنت و الجماعت اور تحفظ ناموس صحابہ کی خاطر علماء
کی خدمات کے بارے میں قلم اٹھانے کا کام کسی منصف مزاج اور صحیح النظر نقاد کے سپرد ہوا تو حضرت قاضی
صاحب کا نام بھی انشاء اللہ عزیز سرفہرست آئے گا۔

اس دلائل کتاب کی تعریف و تحسین میں کچھ لکھنا میرے نزدیک تحصیل حاصل کی کوشش ہی نہیں کرام
خود آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ آفتاب کے وجود کی کوئی دلیل، آفتاب کی تابش و ضیاء باری سے
زیادہ قاطع و ساطع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب! جس کتاب مشتطاب میں صحابہ
کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مدح و تعریف زینت اوراق ہو اور ان کے خلاف یا وہ گویا دہرہ مرائی
کرنے والے گروہ کا منہ توڑ۔ دندان شکن اور مشکٹ جواب ہو۔ اس کتاب کے اوراق کی سیاہی کیوں نہ
شمرے چشم اہل سنت و الجماعت ہو اور وہ اوراق کیوں نہ مسلمانانِ پاکستان کیلئے قابل دید ہوں!
انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقش صفحہ روزگار پر یادگار رہے گا اور مصنف کا شہرہ علم و فضل تار و زینت شمارہ
گا۔ آخر میں، میں اپنے غلو و تمہ پر بھی ناز کرتا ہوں کہ اس مایہ ناز تصنیف کی دیباچہ نگاری کا
فخر مجھ عامی کے قلم کج کج رقم کو عطا کیا گیا ہے۔ ان مختصر الفاظ کے ساتھ میں یہ گلہ مستہ علم و حکمت
از باب ذوق دین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ علوم دینی
کے اس عزیز الوجود اور کامل العمل عالم کو مذہب مقدس اسلام کی خدمت کے لیے تادیر سلامت رکھے
این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد۔ ومن اللہ التوفیق و هو خیر الرفیق + حسبی اللہ و نعم
الوکیل + نعم المولی و نعم النصیر +

جامعہ چوہدری گلارڈن
اسٹیٹ - لاہور
راجی شفاعت و غفران
محمد فاضل اعوان!
مورخہ
۹-۱-۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعْزَازِیْنَ

کتاب ”بَشَادَةُ الدَّارِیْنِ بِالْقَبْرِ عَلٰی شَهَادَاتِ الْحُسَیْنِ“ بجواب ”فَلَا حُ الْكُوفَتَیْنِ فِی عَزَاةِ الْحُسَیْنِ“ اہل اسلام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ محرم ۱۳۹۲ھ میں ایک پمفلٹ بنام ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ مؤلفہ ملک غلام عباس صاحبہ بی۔ اے، شیخان تلنگ ضلع کیمپور کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ جس کے جواب میں تلنگ صاحبہ کے سنی احباب کی فرمائش پر میں نے ایک رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ لکھا۔ اس کے جواب میں ملک غلام عباس صاحب نے ایک سائیکلو سٹائل اشتہار بنام ”کھلی چھٹی بک نامہ منظرہ حسین مولوی چودھویں صدی“ تقسیم کیا۔ جس کا جواب بھی ہماری طرف سے شائع کر دیا گیا۔ بعد ازاں ان دونوں جوابی رسالوں کا مجموعہ بنام ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا۔ چونکہ یہ رسالہ عام فہم تھا اور اس میں شیعوں کے دلائل کا نمبر وار جواب دیا گیا تھا نتیجہ مذہب کی سب سے صحیح ترین کتاب حدیث ”اصول کافی“ اور ”قرور کافی“ کی احادیث سے بھی مرد و جلہا فعال ماتم کا ناجائز ہونا ثابت کیا گیا تھا، اور قرآنی آیات صبر بھی مذہب اہل سنت کی تائید میں پیش کر دی گئی تھیں۔ اس لیے شیعی دنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر اہل سنت اپنے موقف کی حقانیت سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے ماشاء اللہ کئی سنی نوجوانوں کا عقیدہ مستحکم ہو گیا۔ جو لوگ باجوڑ سنی المذہب ہونے کے ماتمی مجالس میں شریک ہوتے تھے انہوں نے توبہ کر لی۔ تلنگ کے مسلمانان اہل سنت اپنے طویل خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور مذہب اہل سنت کی خدمت و نصرت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور وہاں سنی جلسوں اور سنی کانفرنسوں کا ایک کامیاب سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور

اے ملک بازخان صاحب ~~.....~~ تلنگ نے اس سلسلہ میں جو محنت کی ہے وہ قابلِ داد ہے (دانی لکھنوی)

اپنے اپنے دائرہ میں سنی علماء و خطباء نے اس اہم فریضہ مذہبی کی طرف توجہ کی اور اہل سنت ایک نئے دور کے ساتھ میدانِ عمل میں آگئے۔ یہ نتائج و اثرات ماتمی گروہ کے لیے بالکل خلاف توقع تھے کیونکہ وہ یہ کہہ کر چکے تھے کہ اہل سنت جس غفلت اور بے بسی، کم متقی اور انتشار میں مبتلا ہو چکے ہیں اب ان کے لیے اس سے خلاصی مشکل ہے۔ لیکن ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

ماتمیوں کے رسالہ ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ نے ہی ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ مسئلہ ماتم اہل تشن اور اہل تشیح دونوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ہمارے جوابی رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ نے سارے ملک کو متاثر کیا، اور چونکہ اہل تشیح ماتمی ہنگاموں کے ذریعہ ہی ناواقف سنی عوام کو متاثر کرتے تھے اور اس ذریعہ سے اپنے مذہب کو فروغ دے رہے تھے۔ اس لیے اُن کی راہ میں ہمارا جوابی رسالہ بڑی رکاوٹ بن گیا اور انہوں نے اپنے علماء و مجتہدین سے اس کا جواب التجواب تیار کرنے پر بہت اصرار کیا۔ جس کے نتیجہ میں انجن حیدری چکوال کی طرف سے ایک کتاب بنام ”سَلَامٌ الْكُوفَتَیْنِ فِی عَزَاةِ الْحُسَیْنِ“ رمضان ۱۳۹۳ھ میں شائع کی گئی جو ۱۸-۲۴ سائز کے ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر مصنف کا نام آفا صید صفت صاحب نقوی ساکن ربال تحصیل چکوال درج ہے۔ اس کتاب پر شیعوں کے علامہ مولوی محمد حسین صاحب المعروف برڈھکو صاحب سابق پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا اور علامہ نصیر حسین صاحب سابق پرنسپل دارالعلوم محمدیہ کی تقریظیں لکھی ہیں۔ لیکن یہ یقین نہیں آتا کہ کتاب کے مصنف آغا صاحب موصوف ہی ہیں۔ کیونکہ ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے اور ہم بھی اُن کے نام سے اسی کتاب کے ذریعہ واقف ہوئے ہیں۔ ان کا نام چکوال کی مجالس ماتم کے ایک اشتہار میں بھی سجائے علماء کے ذاکرین میں درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخان چکوال کے ہاں بھی وہ ذمہ علماء میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے

بقیہ تحت المتن ص ۱- وہ ایک آنکھ اور بے خون سپاہی کی طرح مرکز کم لادہ پتے ہیں۔ تلنگ کے سنی مسلمانوں کی تحریک میں ان کی جدوجہد نمایاں ہے۔

ان کی خدمات قبول فرمائیں اور مذہب اہل سنت والجماعت کی خدمت کے لیے زیادہ سے زیادہ مخلصانہ طور پر توفیق عمل نصیب ہو

آمین

اغلب یہی ہے کہ کتاب کے مصنف کوئی اور شیعہ عالم ہیں اور بظاہر یہ کتاب آغا واصف حسین صاحب کی طرف منسوب کر دی گئی ہے اور شیعہ علماء سے یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تفتیہ اُن کے ہاں ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر موقع پر کام دے سکتا ہے اور اپنی تعینیت کو کسی اور کے نام سے شائع کرنے کا اقرار تو خود مولوی محمد حسین صاحب علامہ موصوف نے اپنی کتاب ”احسن الفوائد“ میں کر لیا ہے۔ چنانچہ اپنی تصانیف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :- ”ایک کتاب جس کے نام کا ذکر مناسب نہیں، بعض مصالح کی بنا پر بعض دیگر اہل علم حضرات کے نام پر چھپی ہے“ اس لیے یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ”فلاح الکونین“ کے مصنف بھی علامہ محمد حسین صاحب ہی ہوں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

بہر حال اگر آپ اس کتاب کے مصنف نہیں ہیں تو آپ کا مقررہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کتاب میں آپ کی تقریظ موجود ہے۔ جس میں آپ نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے ماتمیوں کو بائیں الفاظ تاکید کی ہے کہ :- ”اہل ایمان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ اس رسالہ کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ خود پڑھیں دوسروں کو پڑھائیں اور جہاں جہاں اصل رسالہ پہنچا ہے وہاں وہاں جو ابی رسالہ شریفہ (فلاح الکونین فی عشاء الاحسنین) بھی پہنچائیں، اور اس طرح انصارِ حسین میں اپنا نام درج کرائیں“

آپ کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ بھی میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ سے متاثر ہوئے ہیں اور علامہ صاحب کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ماتمی گروہ میں کمی نہ آجائے۔ علامہ صاحب موصوف پریشانی کے عالم میں یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ :- ”اسی سلسلہ قیصر کی ایک کڑی وہ رسالہ بھی ہے جس کا نام ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ ہے۔ جو چکوال کے ایک قاضی صاحب کے علم و قلم کا شاہکار ہے جس میں دل کھول کر عزاداری سید الشہداء کے خلاف زہر اُگلایا ہے۔ نہ معلوم اس رسالہ پر فتنہ لکھنے والے ایک چنیوٹی مولوی کس ”حَدَّثَ الْحَقْمَاءُ“ میں بستے ہیں۔ جنہوں نے تزلزل میں آکر یہ لکھ دیا

لے یعنی مبلغ اہل سنت جناب مولانا حافظہ محمد حسین صاحب چنیوٹی۔ جنہوں نے میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے متعلق اپنی تقریظ میں یہ لکھا تھا کہ :- ”جس میں قرآنی آیات و احادیث و اقوال ائمہ سے اٹھارہ دلائل مروجہ ماتم کے حرام ہونے پر مؤلف مدللانہ نہایت تحقیق کے ساتھ پیش فرمائے ہیں۔ جن کا جواب کوئی غالی شیعہ شیخ کی جرأت قیامت تک نہ کر سکے گا“

کہ قیامت تک اس رسالہ کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ اگرچہ رسالہ اپنے دلائل کی ناپختگی اور طرزِ تحسیر پر کی ناشائستگی کی وجہ سے محتاجِ جواب نہ تھا مگر چونکہ بعض ناپختہ اذہان کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ابھی مقررہ کی آواز فضائے محیط میں گونج رہی تھی کہ ایک غیور سید اپنی خیرت قومی و ملی کے نشہ سے سرشار ہو کر اور دلائل قاطعہ سے مسلح ہو کر عرصہ پیکار میں کود پڑا الخ۔ علامہ صاحب نے یہاں جو کچھ لکھا ہے وہ علم و تحقیق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ میں نے آپ کی محبوب عزاداری کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اُس پر کتابتِ سنت کے دلائل و براہین پیش کر دیئے ہیں۔ جن کا صحیح جواب آپ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک نہیں دے سکتے اور آپ مروجہ ماتم کو جس کو آپ عزاداری سید الشہداء سے تعبیر کرتے ہیں، سنت و عبادت کیونکر قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ یہ افعال ماتم صبر کے خلاف ہیں اور قرآن مجید میں مومنین کو صبر کا حکم دیا گیا ہے اور منع شد آیات میں صابرین کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، اور از روئے لغت بھی جزیع کرنا صبر کے خلاف ہے کیونکہ صبر اور جزیع باہم ضدین ہیں اور قرآن مجید میں سورۃ ابراہیم کی حسب ذیل آیت سے بھی صبر اور جزیع کا آپس میں متناقض ہونا ثابت ہوتا ہے :- ”سَوَّأْنَا عَلَيْنَا اَمْ جَزَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنَ مَحْجَبٍ“۔ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے :- ”مگر ہمارے لیے تو دونوں حالتیں برابر ہیں خواہ ہم روئیں بیٹھیں یا صبر و سکوت اختیار کریں“

اس آیت کی تفسیر میں شیعہ مجتہد شیخ بوعلی طبرسی لکھتے ہیں :- ”والجزع انزعاج النفس بوس و دما یغم و ذقیضہ الصبر“۔ یعنی جزیع نفس کے اس تعلق و اضطراب کو کہتے ہیں جو کسی غم پہنچانے والی بات سے لاحق ہوتا ہے اور اس کی نقیض صبر ہے“ اور اہل علم جانتے ہیں کہ اجتماعِ نقیضین محال ہے یعنی جو دو حالتیں آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہوں وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ لہذا جہاں صبر ہوگا وہاں جزیع نہیں ہوگا اور جہاں جزیع ہوگا وہاں صبر نہیں ہوگا۔ یعنی جزیع کرنے والوں کو صابرین نہیں کہہ سکتے اور یہ بھی ملحوظ ہے کہ جب جزیع صبر کے خلاف ہے تو مروجہ ماتم جو جزیع سے کہنے جتنے زائد بقیاری اور اضطراب کے مظاہرہ کا نام ہے وہ صبر کے کیوں خلاف نہ ہوگا۔ اس بحث کی تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ (۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لینے وقت ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرمادیا تو آپ اُن

کو اعمال صالحہ اور سنت و عبادت منوانے پر کیوں اتنا اصرار کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر فی مشورہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے بھی سورۃ المستحکمہ کی آیت لَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْصِيَتِكَ تَحْتَ يَدَيْهِ لَكَ كَافِي میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا نے مکہ کو فتح کیا تو مردوں نے بیعت کی پھر عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا تعالیٰ نے یہ پوری آیت نازل فرمائی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا أُسِّدْتُمْ هُنَّ قَوْلَهُنَّ كَمَا كُنَّ هُنَّ بِأَبْنَائِهِنَّ كَمَا كُنَّ بِأَبْنَائِهِنَّ وَتَحْتَ يَدَيْهِ لَكَ كَافِي اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور اُمّ الحکم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی۔ یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچہ نہ مارو، اپنے منہ نہ نوچو، اپنے بال نہ کھسوٹو، اپنے گریبان چاک نہ کرو، اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہانپنے والے نہ کہو۔ پس آنحضرت نے انہی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں بیعت صلیبی چاہی الخ

علامہ محمد حسین صاحب شیعہ مجتہد سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ کی مروّجہ "عزاداری سید الشہداء" میں نبیؐ فقال ماتم کا برہمی فنکاری کے ساتھ مظاہرہ نہیں کیا جاتا؟ جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے؛ اور یہ حوالہ اہل سنت کی کسی کتاب حدیث و تفسیر کا نہیں پیش کیا گیا بلکہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے الکافی سے منقول ہے جس کے متعلق آپ "شافی ترجمہ اصول کافی" کے مقدمہ میں یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ کافی کو حضرت امام مہدی کی رضائے سکوتی حاصل ہے۔ کیونکہ شیخ کلینی کی ملاقات اُن سفر اربعہ سے ہوتی تھی جو امام غائب کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ علاوہ اذین یہ حدیث تفسیر قمی میں پائی جاتی ہے جس کے مصنف شیخ علی بن ابراہیم قمی جو امام حسن عسکری کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ایسی مستند حدیث کو آپ کیونکر رد کر سکتے ہیں؛ باقی یہی یہ تاویل جو شیعہ علماء پیش کرتے ہیں۔ اور مصنف "فلاح الکونین" نے بھی پیش کی ہے کہ ہر تبرع فرج قبیح ہے مگر امام حسینؑ کی شہادت کیلئے یہ قبیح نہیں۔ تو یہ بات انتہائی غیر معقول اور نامشروع ہے، کیا امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو بلا شرعی محرّمات و منکرات کو شیعوں کیلئے حلال بلکہ سنت و عبادت قرار دینے کے لیے تھی؟ واہ! کیا خوب عزاداری حسینؑ ہے۔ امام حسینؑ تو دین و شریعت کے لیے جان قربان کریں اور مائمتی حضرات کیلئے اُن کی یہ شہادت شریعت سے خلاصی پانے کا ذریعہ بن جائے۔

جنوں کا نام حسد رکھ دیا، خرد کا بنیوں جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے میں شیعہ عوام و خواص سے عرض کروں گا کہ وہ حدیث و تفسیر کی مذکورہ عبارات پر غور فرمائیں انھیں رُغَب کے عمیق کنوئیں سے نکل کر سنت و شریعت کی پیروی کر کے اُخروی نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ بہر حال میری کتاب "بشارت الدارین" کے ذریعہ مسئلہ مائمت میں شیعہ علماء و مجتہدین پر اتمام حجت ہو گیا ہے۔ میں نے اس میں کوشش کی ہے کہ مصنف "فلاح الکونین" کے استدلال و اعتراضات کا کوئی پہلو نشہ ہوا تب نہ رہے۔ حتیٰ کہ بعض ایسی باتوں کا جواب بھی عرض کر دیا گیا ہے جو علمی حیثیت سے کسی طرح بھی قابل اعتناء نہ تھیں۔ "فلاح الکونین" کا سرمایہ زیادہ تر بے سند اور من گھڑت روایات ہیں جن سے عموماً مائمتی مجالس کی نینت قائم ہے اور عوام جذبات کے تحت اُن سے متاثر ہوتے رہتے ہیں ورنہ کسی شرعی مسئلہ کی تحقیق میں اُن کا کوئی وزن نہیں ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ میں نے اس کتاب میں آغا و اصف حسین صاحب آنت ربّال کو مخاطب نہیں کیا۔ میرے مخاطب وہ شیعہ عالم ہیں جو "فلاح الکونین" کے اصل مصنف ہیں یا علامہ محمد حسین صاحب ڈھکو ہیں جنہوں نے اس کی پُر زور تائید و تصویب کی ہے۔

چونکہ "فلاح الکونین" کے مصنف مسئلہ مائمت کے علاوہ بعض اور مسائل بھی زیر بحث

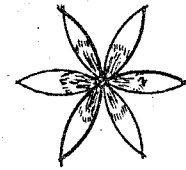
"بشارت الدارین" میں تاخیر کی وجہ

لے آئے تھے۔ اس لیے جواب میں اُن مسائل پر بھی حسب ضرورت بحث کرنی پڑی۔ پھر دیگر مشاغل بھی اس میں خارج ہوتے رہے ہیں۔ "فلاح الکونین" کا جواب تو ربیع الاول ۱۳۹۴ھ میں ہی مکمل کر لیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ سنت رسول اور جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت اور اہل سنت و الجماعت کے نام و عنوان کو بھی زیر بحث لانا ضروری سمجھا گیا۔ پھر آخر میں مسئلہ خلافت کے متعلق بھی لکھنا شروع کر دیا کیونکہ مسئلہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین بہت معرکہ آرا ہے۔ شیعہ علماء و مجتہدین بلکہ اُن کے مرثیہ خوان اور ذاکرین بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر زور دیتے رہتے ہیں اور اُس کے برعکس اہل سنت باوجود خلفائے راشدین کی عقیدت کے مسئلہ خلافت سے بہت کم واقف ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء و مبلغین اس قسم کے مباحث کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ حالانکہ تقریر و تحریر کے ذریعہ مسئلہ خلافت سمجھانے

کی بڑی ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر پہلے ارادہ عقلمندہ خلافت کی بحث بھی ”بشارت الدارین“ میں لکھ دی جائے گی۔ لیکن باوجود اختصار کے ارادہ کے یہ مسئلہ طویل ہونا گیا، جس سے کتاب کی ضخامت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس لیے بحث خلافت کو نامکمل چھوڑ کر باقی کتاب کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ اب انشاء اللہ حسب فراغت مسئلہ خلافت مکمل کر کے علیحدہ کتاب شائع کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کتاب ”بشارت الدارین“ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کو اس سے دینی نفع حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین! بِحَوْلِ النَّبِيِّ الْكَرِيمِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَآصْحَابِهِ وَسَلَّمَ خَادِمِ أَهْلِ سُنَّتِ الْأَحْقَرِ مُحَمَّدِ بْنِ عَفْرَةَ دَفَائِلِ دِيُونِمْ خَطِيبِ مَدَنِي جَامِعِ مَسْجِدِ جَلْوَالِ

وامیر ”تحریک خدام اہل سنت“ صوبہ پنجاب (پاکستان)

۱۲۔ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۹۔ ستمبر ۱۹۷۴ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسول محمد رحمة للعالمين وامام الصابرين وخاتم النبيين وعلى خلفائهم الراشدين وعلى اهل الطيبين واصحابه المرصطين اجمعين۔ اما بعد
برادران ملت کی خدمت میں عرض ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین مسئلہ صبر و ماتم ایک اہم اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے۔ شیعہ فرقہ ماتم کو سنت اور عبادت قرار دیتا ہے اور اہل سنت کے ہاں شیعوں کا تجوزہ ماتم شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور میری اس کتاب ”بشارت الدارین“ بالصدر علی شہادت الحسين“ میں یہی مسئلہ زیر بحث ہے جو شیعوں کی ایک کتاب ”فلاح الکونین فی عزاء الحسين“ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے شیعہ دلائل و اعتراضات کا اس میں مکمل و مدلل جواب موجود ہے، اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ تعصب اور فرقہ بازی سے بالاتر ہو کر ان دونوں کتابوں کے دلائل اور مضامین کا جائزہ لیں انشاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔ و اتوفى الله عليه توكلاً واليه انيب۔

تسمیہ کتاب

اس کے موضوع کے مناسب ہے۔ ہماری کتاب میں چونکہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مصائب و آلام پر نصرت میں صبر کرنے کا حکم ہے اور بشارت صابرين ہی کو دی گئی ہے اس لئے کتاب کا نام ہی اس کے مضمون کو واضح کرنے والا ہے۔ یعنی ”بشارت الدارین بالصدر علی شہادت الحسين“ جس کا مطلب یہ ہے جو مسلمان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر صبر اختیار کرے گا اس کے لئے دونوں جہانوں میں بشارت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و بشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهندون (بارہ دم۔ رکوع ۳) اور (اسے میرے رسول) آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں کہ جب بھی ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی بیشک اللہ کی ملک میں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے خاص رحمتیں بھی ہونگی اور عام رحمتیں بھی، اور یہی لوگ ہیں ہدایت پانے والے یعنی مصائب پر صبر کرنے والے لوگ اس جہان میں بھی ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو گا۔ یہ ہے مومنین صابرين کے لئے دونوں جہان کی بشارت۔ لیکن اس کے برعکس شیعہ مصنف نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے یعنی ”فلاح الکونین“، فی عزاء الحسين“ اس کا معنی تو یہ ہے کہ عزائے حسین میں دونوں جہانوں کی فلاح ہے اور عزاء کا لغوی معنی صبر ہے نہ کہ ماتم۔ لیکن کتاب میں

خلاف صبر افعال یعنی منہ پینے اور سینہ کوٹنے کو باعث فلاح قرار دیا گیا ہے۔ برعکس نام نہند زنگی کا زور، اور توجہ ہے کہ شبیہ
 ذاکرین و مٹا ہر ماتم کرنے والوں کو عزاداران حسین کہتے ہیں۔ اسی بنا پر میں نے اپنے جوابی رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے"
 کے آخر میں بحث فلام عباس صاحب بی۔ لٹے مولت "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" سے یہ سوال کیا تھا کہ: "آپ ماتم کی جگہ میں تعزیر
 کا جیوس بھی لنگاتے ہیں۔ اگر آپ تعزیر کا لغوی معنی سمجھتے ہیں تو یہ بتائیں کہ شبیہ و ضلہ امام حسینؑ کو تعزیر کہنے کی وجہ کیا ہے؛
 میرے اس سوال کے جواب میں "فلاح الکونین" کے مصنف صاحب کہتے ہیں: کہ تعزیر کے لغوی معنی صرف ہم ہی نہیں بلکہ
 ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ تعزیرت، تعزیر عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ جن کے معنی ہیں ماتم پرسی کرنا، ماتم کرنا۔ جس کو
 پنجابی زبان میں "ٹکان دینا" کہتے ہیں (صفحہ ۱۲ الجواب دی) اول تو آپ کی یہ جہالت کہ تعزیرت اور تعزیر کو دو جدا
 جدا الفاظ سمجھ لیا حالانکہ یہ لفظ ایک ہی ہے جس کو عربی رسم الخط میں تعزیرۃ اور دو میں تعزیرت لکھا جاتا ہے۔

تعزیر کا لغوی معنی

(دب) دوم آپ نے تعزیرت کا لغوی معنی ماتم کرنا لکھا ہے جو بالکل غلط اور من گھڑت ہے، کیا
 لغت کی کسی کتاب سے یہ معنی ثابت کر سکتے ہیں؟ آپ تو غالباً سمجھنا چاہتے ہی نہیں لیکن درمیل
 کو سمجھانے کے لئے کتب لغت کے حوالجات حسب ذیل ہیں (۱) بیان اللسان میں ہے۔ تعزیرت، مصیبت زدہ کو صبر کی
 ہدایت کرنا۔ (۲) المنجد میں ہے، عزی (تعزیرۃ) الرجل سلطۃ۔ اُس مرد کی تعزیرت کی یعنی اس کو تسلی دی (۳)
 عربی کی مشہور اور مستند کتاب قاموس میں ہے۔ العزیر، الصبر و عزیۃ تعزیرۃ یعنی اس کو صبر دلایا۔

تعزیر کا شرعی معنی

مسلمانان اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل میت کے پاس تعزیرت کرنا مسنون ہے (۱) قال
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عزی مصاباً فله مثل اجر و رواہ القومونی وابن ماجہ
 (مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کو صبر دلانے اس کو اسکی
 مثل اجر ملے گا (۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عزی کسی بردائی الجنتۃ رواہ القومذی (مشکوٰۃ شریف)
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس عورت کو صبر دلانے جس کا بچہ مر گیا جو اس کو جنت میں ایک چادر پہنائی جائے
 گی اور تعزیرت یعنی صبر اور تسلی دلانے میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رضوی بریلوی
 اپنی مشہور کتاب "بہار شریعت" حصہ چہارم ص ۱۹ میں لکھتے ہیں: "تعزیرت مسنون ہے، حدیث میں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی مصیبت
 پر تعزیرت کر لے ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے کرامت کا جوڑا پہنائیگا، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے" (مشکوٰۃ مصیبت پر

صبر کرے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں ایک مصیبت کا دوسرا صبر کا، اور جزع فرح سے دونوں جلتے رہتے ہیں" (مشکوٰۃ تعزیرت
 کے لئے اکثر عربیوں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روقی بیٹی فوج کر تی ہیں انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے "بہار شریعت"
 اس کتاب بہار شریعت حصہ چہارم کی تقریظ میں بریلوی مکتب فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں: "مطالعہ
 کیا الحمد للہ مساکل صحیحہ رحیمہ حقیقہ ہنتمہ پر مشتمل پایا۔"

احادیث شریفہ

پولکہ ہم نے شیعوں کے مرد و بے تعزیر کا خلاف لغت و شرع ہونا ثابت کرنا ہے اس لئے تعزیرت کے شرعی
 معنی سمجھنے کے لئے مذہب شیعہ کی مستند کتب حدیث کی عبارات درج ذیل ہیں: (۱)
 فروغ الکافی جلد اول میں باب المتعزیرۃ ایک مستقل باب ہے جس کے اردو ترجمہ الشافی میں لکھلے۔ "باب التعزیرت" میاں شہ
 ان احادیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے (۱) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آنے والا
 تعزیرت کے لئے آیا جس کی خفی آواز تو سنی گئی مگر وجود نظر نہ آیا۔ اس نے کہا سلام ہو تم پر اے اہل بیت اور اللہ کی رحمت ہو بیشک ہر
 ذی حیات مرنے والا ہے، تم روز قیامت صبر کا اجر پاؤ گے۔ جو نارسے دور ہوا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور نفل
 دنیا متاع مزدور کے سوا کچھ نہیں۔ پس مرضی خدا کے لئے ہر مصیبت میں صبر کرنا چاہئے (المشافی ص ۱۵۷) (۲) فروغ الکافی قواعد الشریعہ
 کے باب میں ہے کہ فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں کہا۔ زنی پسر مردہ کو صبر دلانے والے کی
 کیا جزا ہے؟ فرمایا میں اُس کو اپنے سایہ میں اُس دن جگہ دوں گا جس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا (۳) فرمایا امام
 جعفر صادق نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کسی رنجیدہ کو صبر دلانے کی قور و قیامت اس کو ایسا لباس پہنایا
 جائیگا جس سے وہ خوش ہوگا۔ (المشافی ص ۱۵۸) یہ ہے تعزیرت کا مطلب جو اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب احادیث میں مذکور

سلسلہ کتاب الکافی کے دو حصے ہیں۔ ۱۔ اصول الکافی اور فروغ الکافی و اولہ فروغ الکافی تین جلدوں میں ہے، الکافی کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب اعلیٰ ہیں۔ اصول
 الکافی اور فروغ الکافی کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید خضر حسن صاحب نے الشافی کے نام سے لکھا ہے، اور الشافی ترجمہ اصول الکافی کا مقدمہ شیعوں سلطان النقیں
 علامہ محمد صاحب سابق پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھانے لکھا ہے اور فلاح الکونین فی عزرا لعین پر تقریظ لکھنے والے بھی ہیں مولوی محمد حسین صاحب ہیں،
 اصول فروغ الکافی مذہب شیعہ کی کتب حدیث میں سب سے اعلیٰ درجے کی کتاب ہے چنانچہ اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب نوموت لکھتے ہیں کہ: "اصول الکافی متناہر
 (کافی) من ذلک جعفر الفقیہ۔ تہذیب الاحکام اور استنباعہ میں سب سے پہلی اور سب سے افضل کتاب ہے۔ جن روز سے یہ طبعی گئی ہے اس روز سے آج تک برابر
 مربع فضا و تمدن اور علم و علما نے عالمین اور روشنی شہم شیعہ میں ہی ہے (۱) (مقدمہ الشافی ص ۱)

ہے۔ اس کے بعد بھی کیوں ابی انصاف شیعہ عالم ماتم حسین کو عزت کے حسین اور تعزیر یہ مرتبہ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روزہ کی شبیہ کو تعزیرت کے نام سے موسوم کر سکتا ہے۔ جس میں مبر دلانا نہیں بلکہ صبر کھونا مقصود ہے۔ لیکن مصنف "فلاح الکونین" تعزیرت کے لغوی اور شرعی معنی کو نظر انداز کرتے ہوئے، یہ کیسا ہی عجیب جواب لکھتے ہیں کہ وہ بعض اوقات موضوع لغوی کے لئے واضح ہے یہ لفظ وضع کیا ہو عامۃً الناس کی روزمرہ کی زبان میں اس کا مفہوم اس قدر بدل جاتا ہے، اُس میں اتنا تضاد پیدا ہو جاتا ہے کہ لغوی معنی بیکار ہو جاتے ہیں مثلاً لغوی لحاظ سے کسی گڑھی ہوئی چیز کو گاڑی گئی" کہتے ہیں مگر عرف عام میں یہی لفظ متحرک اشیاء پر استعمال ہوتا ہے۔

الجواب اولیٰ سبحان اللہ! کیا علمی تحقیق ہے۔ ایک عربی لفظ تعزیرت کے لغوی اور شرعی معنی کے جواب میں کیسی جاہلانہ گاڑی کی مثال پیش کر دی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ گاڑی کی وجہ تسمیہ کیلئے اور نہ صرف کسی لفظ کے لغوی معنی سے بحث ہے کہ عرف عام میں اس کا مفہوم برعکس ہو گیا ہے۔ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ لغوی معنی کے علاوہ جب احادیث کی ذہنی میں تعزیرت کا مطلب کسی دوسرے مصیبت زدہ کو صبر اور تسبیح دلانا ہے تو اس شرعی مفہوم کے بالکل خلاف ماتم اور تعزیر مروجہ کو اہل تشیع کی مذہبی اصطلاح میں کیوں ان ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے جن سے مطلوب و مقصود ہی صبر اور تسبیح کی حقیقت سے بالکل نا آشنا بنا دینا ہے۔ (ب) اردو و محاورہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یابچہ جیسا کہ لفظ صلوة ہے جس کے لغوی معنی دُعا کے ہیں۔ واضح نے اس معنی کے لئے وضع کیا تھا لیکن شریعت اسلام نے اس لفظ کو اپنی اصطلاح میں نماز کے معنی میں استعمال کیا اور اب اس کا استعمال قرآن اور حدیث میں ہی نہیں بلکہ عرف عام میں بھی نماز کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ یہی لفظ صلوة محمد و آل محمد پر درود بھیجے کے ضمن میں بھی استعمال ہوتا ہے بالکل اسی طرح لفظ تعزیرت کے معنی موضوع لغوی ماتم سے ہمدردی کرنا۔ ماتم کرنا تھے، لیکن اصطلاح عام میں منقول ہو کر اس کے معنی شبیہ روزہ امام حسین ہو گئے جو اس لفظ کے سنتے ہی مبتداءً االی الذہن ہوتے ہیں"۔ (فلاح الکونین)

الجواب :- آپ نے یہاں جو صلوة کی مثال پیش کی ہے یہ آپ کے مخالف ہے اور ہمارے موافق کیونکہ صلوة کا لغوی معنی شرعی اور عرفی استعمال میں موجود ہے۔ کیونکہ صلوة کا لغوی معنی دُعا بھی ہے اور رحمت بھی دیکھئے قاموس ادا المتجددین اور نماز، درود شریف اور نماز جنازہ سب میں دُعا اور رحمت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہذا شریعت اور عرف عام میں ان عبارات کا مفہوم لغوی معنی کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔ لیکن برعکس اس کے تعزیر مروجہ میں تعزیرت کا لغوی اور شرعی مفہوم یعنی

مصیبت زدہ کو صبر دلانا دونوں باقی نہیں رہتے اور ان معانی کے خلاف مظاہرہ کیا جاتا ہے اور آپ بھی اس کو سوس کر رہے ہیں اسی لئے تو جواب میں کسی لفظ کے لغوی اور عرفی معنی کے تضاد اور مخالفت کی مثال پیش کر رہے ہیں۔

ملک غلام عباس صاحب بی۔ نے ابتدائی ماتی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں نمبر وار ۱۸ دلائل پیش کئے تھے جن کے نمبر وار جوابات میرے جوابی رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں دیدیئے گئے تھے اور انہی کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" نے ان ۱۸ دلائل پر نمبر وار مفصل بحث کی ہے، اور گونڈ کو ٹریکٹ کے اکثر دلائل قابل ذکر ہی نہیں تھے اور "فلاح الکونین" میں بھی حسب ذیل یہ اعتراف موجود ہے کہ ملک غلام عباس صاحب موصوف عالم نہیں ہیں۔ ملک صاحب بیٹنگ چودھویں صدی کی پیدائش ہیں مگر وہ علامہ سے نہیں بلکہ عوام سے ہیں (ص ۱۹) لیکن مصنف صاحب موصوف نے مذہبی تعصب کی بنا پر چونکہ ماتی ٹریکٹ میں مندرجہ ہر استدلال کی تائید کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے خواہ وہ کتنی ہی جاہلانہ بات ہو۔ اس لئے اس کتاب میں بھی نمبر وار ان کے دلائل اور جوابات پر بحث کی گئی ہے۔ تاکہ مطالعہ کرنے والوں کے لئے علمی تحقیق آسان ہو جائے۔ وَأَوْصُواكُمْ بِاللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَبَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔

قصہ حضرت یعقوب علیہ السلام

(بحث دہم نمبر ۱)

ماتی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں پہلی دلیل کے تحت یہ آیت پیش کی گئی تھی :- وَابْتَغُوا عَيْنًا كَامِنًا فَخَلَوْا بِهَا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (سورۃ یوسف) :- اور اس نے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا بے افسوس یوسف پر اور غم و اندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ (۱) وَابْتَغُوا عَيْنًا كَامِنًا فَخَلَوْا بِهَا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اور آپ کی آنکھیں حزن و غم سے سفید ہو گئیں، پس وہ اپنے منہ پھیرنے اندر روکنے والے تھے، "یوسف نے اس میں حزن و غم کا ترجمہ اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اُس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ کظیم اُس شخص کو تھے جس کے دل میں بہت صدمہ ہو لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبر میل ہے جس کا اعلان آپ نے اُس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ چھوٹی خبر دی تھی کہ یوسف کو بھیڑ یا کھا گیا ہے (۲) آیت میں نہ منہ پھیرنے کا لفظ ہے نہ سبب کوئی اور ماتم کا بلکہ صرف حزن کا لفظ ہے جس کا معنی صرف غم و اندوہ ہے (۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کا صدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسلسل رہا لیکن جب دور فراق ختم ہوا اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت مقرر ہوئے کی بشارت ملی تو پھر آپ کا غم بھی جاتا رہا اور آنکھوں کی روشنی بھی نہیں

لوٹ آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا مدد ملاحظہ ہے لیکن میرے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ گناہ نہیں اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام عالی مقام اور آپ کے اعتراف و احباب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی۔ شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کو جنت مل گئی تو پہلی مصیبت بھی ختم ہو گئی۔ اب شہدائے کربلا کی روحوں کو حسب آیات قرآنی جنت کا رزق ملتا ہے اور وہ وہاں خوش ہیں تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقع ہے۔ ہم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا باقی تین کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں توشیاں منانے کا یقین نہیں ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں۔ (۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس گدڑی تہی مصیبت کی یاد گاری میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟ (۵) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے سانحہ کربلا ایک بہت بڑا ایمانی امتحان تھا جس میں آپ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہوئے تو اب واہ واہ! حسین، امام کربلا کی شان کے مناسب ہے یا ہائے حسین، ہائے حسین۔ جو امام عالی مقام کو پاس سمجھتا ہے وہ واہ واہ کرے اور جو دفعہ بابتہ) قیل سمجھتا ہے وہ ہائے ہائے کہے گا۔ نگاہ اپنی پسند اپنی اپنی دھم مانتے کیوں متعین کرتے صلید)

اس کے بواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" میرے مذکورہ جوابات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ فہم و کظیم کا ترجمہ اس لئے ترک کر دیا گیا کہ اس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے، ہرگز نہیں۔ بے شک کظیم کے لغوی معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں مگر قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو ڈور نہیں کیا تھا وہ ہمیشہ زبان اور آنکھوں سے اس کا ذکر کرتے رہے، اسی لئے مولانا اشرف علی تھانوی نے فہم و کظیم کا ترجمہ "وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" کیا ہے، یہی ترجمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کی تصدیق حضرت یوسف علیہ السلام کے ان بیانیوں کی زبان سے ہو رہی ہے جو حضرت یعقوب کے اس غم و الم کا باعث بنے تھے اور جن کے سلسلے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں اس حالت تک پہنچ گئے تھے کہ انہیں قالوا تانا اللہ لفتقوا تذکرہ یوسف حتی تکون حوضاً اذ تکون من انہا لیکن کہا پڑا "تجد معلوم ہوتا ہے تم مدد کے سد یوسف کی یاد گاری میں گئے رہو

میاں تک کہ لعل لعل کر دم لب ہو جاؤ گے یا کہ باکل ہی مر جاؤ گے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ بیٹے کے غم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا جی ہی جی میں کڑھنا اس قدر شدید تھا کہ بیٹوں کو باپ کی ہلاکت کا منظر دیکھنا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حزن و ملال، رنج و الم اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطور مذہب تھا جو باہر اذہبند کیا جاتا ہے۔

یا آسف علی یوسف - ہائے افسوس یوسف پر!

الجواب (۱) آپ نے کظیم کا لغوی معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والا تسلیم کر لیا تو پھر اس کیفیت صبر کو مانتے کیوں نہیں؟ اور ساتھ ہی آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو ڈور نہیں کیا تھا۔ یہ لکھنے کی آپ کو کیوں ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ کیا میں نے یہ لکھا ہے کہ آیام مصیبت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو ڈور کر دیا تھا؟ نہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر جیل کے تحت غم کو بہت زیادہ ضبط کیا اور غم کا مظاہرہ بصورت منہ پٹینے، سینہ کو ٹٹنے، سیاہ کپڑے پہننے اور ماتمی جلوس لگانے کا نہیں کیا، اور اگر کیا ہے تو ثابت کریں، و جب حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو ترجمہ آپ نے پیش کیا ہے کہ "وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ غم کو اپنے اندر دبائے ہوئے تھے۔ کیا آپ اس کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غم کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود کرتے ہوئے لگی کپڑوں میں ماتمی جلوس نکالا کرتے تھے، اور لوگوں کو منہ پٹینے اور سینہ کو ٹٹنے کی دعوت دیتے رہتے تھے؟ علاوہ ازیں آپ کی علمی خیانت یہ ہے کہ حضرت تھانوی کی بابت عبارت چھوڑ دی جس میں آپ نے لکھا ہے: "کیونکہ شدتِ غم کے ساتھ جب شدتِ ضبط ہو گا جیسا کہ صابرین کی شان ہے تو کظیم کی کیفیت پیدا ہوگی۔"

مولانا تھانوی کے نزدیک صابرین کی شان غم شدید کو سختی کے ساتھ اپنے اندر ضبط کر لے ہے یا تائبین کی طرح ماتمی غم کے جلوس دکھانا مولانا تھانوی کی اس تشریح سے تو آپ کے ماتم کی بنیاد ہی گرا دی۔ عوہ الزام ہم کو دیتے تھے تصور اپنا لکل آیا۔

شیعوں کے مشہور مفسر شیخ طبری اپنی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں: "وَالْمَنْظَرُ اجْتِرَاعُ الْمُحْتَرَبِ تَفْسِيرُ تَعْلِيمِهِ" وہو ان یمسکہ فی قلبہ ولا یشہہ انی غیرہ۔ "کلمہ کہتے ہیں غم کے گھونٹ پینے کو اور وہ یہ ہے کہ غم کو اپنے دل میں روکے اور اس کو دوسرے تک نہ پھیلانے" فرمائیے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کظیم کا بول مطلب

اسے تفسیر مجمع البیان کے مصنف شیخ ابو علی طبری میں جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ شیخ علامہ کے نزدیک ان کا علی مقام بہت بلند ہے چنانچہ دور حاضر کے شیعوں مفسروں نے اپنی تفسیر میں ان کی تفسیر مجمع البیان کے جاہا عبارات پیش کئے ہیں۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مذہب شیعہ کی ایک اور سند کتاب "اصحاح طبری" کے مصنف احمد بن ابی طالب طبرستانی ہیں۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔

لکھا ہے وہی آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی نے بیان کیا ہے اور یہی میں نے لکھا تھا کہ :- کظیم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے دل میں بہت حد مرہ ہو لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبر جمیل ہے جس کا اعلان آپ نے اس وقت کیا تھا جب مجاہدوں نے یہ جھوٹی خبر دی تھی کہ یوسف کو بیٹھایا گیا۔

آیت اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي كَمَا مَطْلَب

آپ نے لکھا ہے کہ جب بیٹوں نے آپ کے حزن و ملال پر اعتراض کیا تو آپ نے قَالَ اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي اِلَى اللّٰهِ فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رونے دھونے کو بے صبری نہیں فرمایا مگر آپ کا لوگوں کو اس فعل سے یہ کہہ کر منع کرنا کہ یہ بے صبری ہے کیا یہ حکم خدا کی مخالفت اور سنت نبی کا انکار نہیں ہے؟ - (فلاح الکونین ص ۱۸)

الجواب دلی، اہل سنت اور اہل تشیع کی تفاسیر کے مندرجہ حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے شدت غم کو اپنے دل میں رکھا اور مولیٰ اللہ تعالیٰ کے اپنے غم کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا، باقی رہا یہ کہ بیٹوں نے جو یہ کہا تھا کہ :- بخدا معلوم ہوتا ہے تم سدا یوسف کی یاد گاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ باکل ہی مر جاؤ گے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) تو اگر آپ کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے غم کا دوسروں کے سامنے اظہار کیا تھا، تو یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي وَ حُزْنِي اِلَى اللّٰهِ کے خلاف ہے، جس کا ترجمہ آپ نے خود کیا ہے کہ :- فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- المعنى انما اشكو حزني وحاجتي و اختلاف حالى و انتشارها الى الله في ظلم الليالي و اوقات خلواتى لا اليكم :- معنی یہ ہے کہ میں اپنے غم اور حاجت اور اپنے حال کے تغیر اور اس کے اضطراب کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں راتوں کے اندھیروں میں اور اپنی تنہائیوں کے اوقات میں، نہ کہ تمہارے آگے اور نیز شیخ طبرسی فہو کظیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- وَاَلَكَلِيمُ هَيْهَاتَا بِمَعْنَى الْكَاطِمِ وَهُوَ الْمَلُومُ الْهَيْهَاتَا وَالْحَزَنُ الْمُسْتَعْتَبُ لِلْغَيْظِ لَا لِشُكُوهِ لَأَهْلٍ زَمَانَهُ وَلَا لِظُهُورِهِ بِلِسَانِهِ

وَلَذَلِكَ لِقَبِّ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ الْكَاطِمُ لِكَثْرَةِ مَا كَانَتْ يَتَجَرَّعُ مِنَ الْغَيْظِ وَالْغَمِّ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
میان معنی کاظم ہے اور وہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر رنج و غم بھرا ہوا ہو اور وہ روکنے والا ہو اپنے غم کو

اور وہ اس رنج و غم کی شکایت اپنے زمانہ کے لوگوں سے نہ کرتا ہوا اور نہ وہ اس غم کو اپنی زبان سے ظاہر کرتا ہوا اور یہی وجہ سے امام موسیٰ بن حضرت جعفر علیہ السلام کا لقب کاظم پڑ گیا تھا کیونکہ اپنی زندگی کے طویل عرصہ میں آپ نے اس غم اور غم کے اپنے اندر ہی روکے رکھا تھا۔ علاوہ ازیں شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں خصم جبریل کا مطلب یہ لکھا ہے اِى فَامْرِي صَبْرًا حَبِيْلًا لَّجَزَعٍ مَعَهُ دَلِيْلِيْ مِرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع نہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی سنت کی مخالفت ماتی گروہ کرنا ہے یا ہم اہل سنت۔ آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی کی تفسیر سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے زبان سے بھی لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار نہیں کیا بلکہ آپ رات کی تاریکیوں میں اور اپنی تنہائیوں میں غم کا اظہار صرف اپنے رب کے سامنے کیا کرتے تھے۔ اس سے تو آپ کے ماتم کی بنیاد ہی متہدم ہو گئی ہے جب تک اس کا سنت و عبادت ہونا ثابت ہو، اور یہ حکم بھی اس غم کے متعلق ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے سینہ میں انتہائی شدت اختیار کر چکا تھا۔ لیکن آپ نے لوگوں کے سامنے زبان اس کو ظاہر تک بھی نہیں کیا اور جہاں دلوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم ہے ہی نہیں محض تکلف اور بناوٹ ہے اور فنکاری کے طور پر عواماً ماتی لوگ دُور دُور سے ماتی مجالس اور جلوسوں کے لئے بلائے جاتے ہیں اور خوب ان کی شکم پروری کی جاتی ہے، معاوضہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس ماتم کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی سنت صبر جمیل کیا تعلق ہے؟ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔

فلسفہ ماتم

شیعوں کے محقق شیخ طبرسی کی تفسیر واضح ہو گیا کہ صبر جمیل وہ ہے جس میں زبان سے بھی غم کا اظہار نہ کیا جائے لیکن اس کے برعکس مصنف "فلاح الکونین" اپنے ماتم کا فلسفہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ :- مصائب سید الشہداء علیہ السلام کا تذکرہ سن کر اولاً ہمارے چہروں پر آثار حزن و ملال ظاہر ہوتے ہیں انکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، ہچکیاں بندھ جاتی ہیں، گلے رندھ جاتے ہیں۔ جب یہ جذبات غم شدت اختیار کرتے ہیں تو سر اور سینہ پیٹتے ہیں، چھریوں اور چاقوؤں سے چھاتیوں اور لپٹوں کو کاٹتے ہیں چونکہ رونے سے سینہ کو بی اور زنجیر زنی تک تمام افعال فطری ہیں لہذا ان پر عمل کرنا مقتضائے فطرت ہے اور ان کی مخالفت کرنا خلاف فطرت اور قسادت قلبی ہے یہ ہے اس ارفطری سے مروجہ ماتم کی دلیل اثبات "دعوتہ" الجواب دلی، یہ حرکات و افعال تو ماتمیوں کی مسخ شدہ

۱۔ آپ پر اتام وقت کے لئے تفسیر صحیح البیان کا حوالہ کافی ہے، درنہ اہل سنت کی تفاسیر میں بھی یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ (۱) تفسیر خازن میں ہے المصبر الجمیل الذی لا شکوی فیہ ولا جزع (صبر جمیل وہ ہے جس میں نہ شکایت ہو اور نہ جزع) باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

فطرت کا مقتضی ہیں، نہ کہ فطرت انبیائے کرام علیہم السلام کے۔ قرآن سے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر جمیل کا یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے زبان سے بھی غم کا اظہار نہیں کیا، لہذا آپ کا سارا تاملی نقشہ قرآن عظیم کے خلاف ہے، اور اس کو دین، سنت اور فطرت قرار دینا قرآن مجید کا انکار اور شریعت اور سنت کی معنوی تحریف ہے۔ اہل فہم و انصاف غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے حزن، بت، اور افسوس کا لفظ استعمال کیا ہے اور بکاء کا لفظ بھی ذکر نہیں فرمایا، اور بقول مفسرین جو آپ کی آنکھوں سے شدت غم کی وجہ سے آشوجاری ہوئے جس کے اثر سے آنکھیں سفید ہو گئیں تو یہاں تک اختیار ہی معاملہ ہے، لیکن زبان سے اظہار غم نہ کرنا چونکہ اپنے اختیار میں مقاس لئے آپ نے لوگوں کے سامنے بھی کبھی زبان سے غم کا اظہار نہ کیا۔ صرف اپنے پردہ کا کے سامنے رات کی تاریکیوں میں اظہار کرتے رہے۔ مانتی گروہ جن افعال کو انسانی فطرت قرار دے رہا ہے اگر یہ صحیح ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی فطرت سلیمہ تحت بھی تو ان افعال ماقم کا صدور ضرور ہوتا، اور جب ایسا نہیں ہوا۔ جیسا کہ صبر جمیل اور انشاء شکوہی و حزن الی اللہ کی آیات کا مطلب واضح کیا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ مانتی افعال و حرکات انتہائی بگڑی ہوئی فطرت کا نتیجہ ہیں اور بدبختی کی علامت۔ (ب) مزید اتمام حجت کے لئے دور حاضر کے مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب نے ہلوی کی تفسیر حسب ذیل ہے :- صبر جمیل وہ ہے جس میں آدمیوں کے سامنے کوئی شکوہ اور شکایت نہ کی جائے۔ (ترجمہ مقبول)

بقیہ قصت اذہن عنہما :- تفسیر ظہری میں ہے، الصبر الجمیل الذی لا شکوی فیہ (۳) تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں عن الحسن انہ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قولہ صبر جمیل فقال صبر لا شکوی فیہ ذم بنی ثعلب لیسوا یحییٰ کریم سے صبر جمیل کا مطلب پوچھا گیا تو حضور نے فرمایا کہ ایسا صبر جس میں شکایت نہ ہو، اور جس نے غم کو بھلا یا اس نے صبر نہ کیا اور بدست مروی ہے صبر جمیل ای من غیر جزع (صبر جمیل وہ ہے جس میں جزع نہ ہو) نیز امام رازی فرماتے ہیں قد ائسست لسانہ عن انبساطہ و بصرہ فذاتہ یوتوب نے نوہ کرنے سے اپنی زبان کو روکا، اور قہو کظیمہ کا معنی لکھتے ہیں :- بمعنی انکاظم و هو الممسک علی حزنہ فلا یظہرہ (یعنی کظیمہ، کاظم کے معنی ہیں :- وہ شخص جو اپنے غم کو روکے رکھتا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کرتا) اور امام رازی انشاء شکوہی و حزن الی اللہ کے متعلق لکھتے ہیں :- ای لا اذکر العزیز العظیم والذون القلیل الذم اللہ یعنی میں نہیں بیان کرتا بڑے غم کو یا محض غم کو کہ اللہ کے سامنے) اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ مصیبت میں جزع کرنا صبر جمیل کے خلاف ہے، اور ایسا ماقم کرنے والے صابرین سے خارج ہو گئے۔

ایک اور جہالت

آپ نے لکھا ہے کہ :- حضرت یعقوب علیہ السلام کا حزن و ملال اور رنج و امل اس پر وال ساتھ کہ آپ کا یہ غم بطور مذہبہ تھا جو باآواز بلند کیا جاتا ہے۔ کیا آسفی علی یوسف :- ہائے اشوس یوسف پر (ہذا سوا الکوئین عنہ) الہی جو آپ نے آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ پر دلیل نمبر ۱ کی بحث میں شرح جامی سے نمبر ۱ کی تفسیر پیش کی ہے وہاں انشاء اللہ العزیز، عربی عبارت کے ترجمہ میں آپ کی جہالت اور خیانت ثابت کی جاسکے گی (ب) تفسیر خازن میں آیت کیا آسفی علی یوسف کے تحت لکھتے ہیں :- وقد اعترض بعض ائمہا کی علی یعقوب علیہ السلام فی قولہ کیا آسفی علی یوسف، فقال ہذا شکوہ و اظہار جزع علی یوسف بمعنی ذالک، ویسی الامور کما قال ہذا العاقل المعترض لادن یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام شکا الی اللہ لا منہ، فقولہ کیا آسفی علی یوسف معناه یا رب ارحم افسفی علی یوسف اور بعض جاہلوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول کیا آسفی علی یوسف پر اعتراض کیا ہے کہ یہ شکایت ہے اور جزع کا اظہار ہے جو آپ کے منصب نبوت کے لائق نہیں، حالانکہ ایسا معاملہ نہیں ہے جیسا کہ اس جاہل معترض نے کہا ہے، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تھی نہ کہ اس سے، پس آپ کا یہ قول کہ کیا آسفی علی یوسف اس کا معنی یہ ہے کہ اے میرے رب، مجھے جو حضرت یوسف کا غم ہے، اس میں مجھ پر رحم فرما) اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اللہ کو لپکا رہا ہے نہ کہ بطور مذہبہ حضرت یوسف علیہ السلام کو (ج) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے جاہلوں کا یہی مذکورہ جواب دے کر فرمایا ہے کہ :- وکن ذلک یدل علی انہ لما عظمت مصیبتہ و حقیت محنتہ فانہ صبر و تجرع العصۃ و ما اظہر الشکایۃ فلا یجزم استوجب بہ المدح العظیم و الثناء العظیم (یعنی یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب آپ کی مصیبت بڑھ گئی اور شدت سخت ہو گئی تو آپ نے صبر کیا اور غصے کو اپنے اندر روکے رکھا اور شکایت ظاہر نہ کی، اس لئے آپ مدح و ثنائے عظیم کے مستحق ہو گئے)

(۲) الفاظ کیا آسفی علی یوسف سے استدلال کرنا آپ کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں کیونکہ آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :- وروی عن سعید بن جبیر انہ قال لقد اعطیت ہذہ الامۃ عند المصیبتہ ما لم یعط الانبیاء قبلہم انا للہ وانا الیہ راجعون ولوا عطیہا الانبیاء لا عطیہا یعقوب اذ یقول یا افسی

علی یوسف (سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ فرمایا کہ مصیبت کے وقت اس امت کے لئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ
پڑھنا عطا کیا گیا ہے جو ان سے پہلے انبیاء کو بھی عطا نہیں ہوا، اگر ان کو یہ عطا کیا جاتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام
کو بھی یہ عطا کیا جاتا، جبکہ آپ نے فرمایا تھا يَا اَسْفَى عَلِيُّ يُوْسُفُ ۙ

(۳) شیعہ مذہب کی سب سے قدیم تفسیر فقہی میں ہے :- و سئل ابو عبد الله عليه السلام ما بلغ من حزن
يعقوب علي يوسف ؟ قال حزن سبعين ثعلبي با وادها وقال ان يعقوب لم يعرف الاسترجاع و
من هنا قال و اسفا علي يوسف (اور امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر حضرت یوسف
علیہ السلام کا غم کس حد تک پہنچ گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان ستر عورتوں کے غم کے برابر جن کی اولاد مر گئی ہو اور
آپ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب استرجاع (یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ) نہیں جانتے تھے اس لئے آپ
نے فرمایا :- يَا اَسْفَى عَلِيُّ يُوْسُفُ ۙ

(۴) مشہور شیعہ منسٹر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- تفسیر عیاشی اور تفسیر
قمی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام کا حزن یوسف علیہ السلام
کے بارے میں کس حد کو پہنچ گیا تھا ؟ فرمایا ستر عورتوں کے رنج کے برابر جن کی اولاد مر گئی ہو۔ تفسیر قمی میں اتنا اور
زیادہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کلمہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ سے واقف نہ تھے اس لئے يَا اَسْفَى عَلِيُّ يُوْسُفُ فرمایا

لے تفسیر قمی کے مصنف شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی ہیں جن کے متعلق تفسیر قمی کے مقدمہ میں شیعوں کی حجۃ الاسلام علامہ سید سلیمان موسوی
جزاوی لکھتے ہیں :- کان فی عصر الامام العسكري عليه السلام وعاش الی سنة ۳۰۷ھ وقد اکثر ثلثة الاسلام معتدین یعقوب
الکلیبی الروایة عنه فی الکافی (آپ امام حسن عسکری کے زمانہ میں تھے اور ۳۰۷ھ تک زندہ رہے اور ثلثۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی رحمہ اللہ
نے اپنی کتاب حدیث) کافی میں ان سے اکثر روایت کی ہے) اَوَّلُ یَوْمٍ یُّکْفَرُ بِشَرِّهِمْ لَمْ یَمُوتُوا لَمْ یَمُوتُوا لَمْ یَمُوتُوا لَمْ یَمُوتُوا لَمْ یَمُوتُوا
کہتے ہیں :- ان الامام الصادق الناطق بالحق یقول، قم بلدنا وبلد شیعتنا مطہرۃ مقدّسة (یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا ہے
کہ قم ہمارا اور ہمارے شیعوں کا شہر ہے پاک اور مقدس) واصلمۃ من الکوفة وانتقل الی قم واصحابنا یقولون انہ اول من کشر
حدیث الکوفیین بقم (شیخ قمی دراصل کوفہ کے رہنے والے ہیں پھر آپ شہر قم کی طرف منتقل ہو گئے اور ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے
شخص ہیں جنہوں نے کوفہ کی حدیثوں کو شہر قم میں پھیلا یا ہے اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے امام رضا علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے)۔

حدیث نبوی میں وارد ہے کہ سوائے امت محمدی کے اور کسی امت کو مصیبت کے وقت کلمہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ
نہیں عطا کیا گیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب یعقوب علیہ السلام پر سخت مصیبت پڑی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا
اِلَيْهِ رٰجِعُونَ نہیں کہا بلکہ يَا اَسْفَى عَلِيُّ یُوْسُفُ کہا (حاشیہ ترجمہ مقبول) فرمائیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے
تو ایک مرتبہ سالہا سال کے بعد بے اختیار ہو کر کلمہ تأسفت فرمایا تھا جب کہ آپ کو بنیامین کے متعلق یہ اطلاع ملی تھی کہ ان
کو عزیز مصر نے روک لیا ہے، اور یہ بھی طوطا رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ کلمہ کیا اَسْفَى عَلِيُّ یُوْسُفُ بھی لوگوں
سے علیحدہ ہو کر فرمایا تھا جس پر آیت کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں فتویٰ عنہم فقال يَا اَسْفَى عَلِيُّ یُوْسُفُ چنانچہ آپ کے
شیخ طبری اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں :- ای الفوف واعرض عنهم لشدة الحزن لما بلغه حبس بن یامین
ذہاج ذلت وجدہ بوصف لانه کان یستلجی بہ (یعنی آپ واپس پلٹے اور ان سے منہ پھیرا جو بوجہ شدت غم کے جو
انہیں بن یامین کے روکے جانے کی خبر سے لاحق ہوا تھا اور اس نے آپ کے غم میں ہجرت پیدا کر دیا تھا کیونکہ بن یامین کے
ساتھ آپ تسلی کر لیا کرتے تھے (تفسیر مجمع البیان) فرمائیے آپ کی مزمومہ ماتمی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تَخَوُّبُ لِلّٰهِ
بیٹوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر اس موقع پر مجلس ماتم بنا کرتے جس میں سینیہ کو بی، زنجیر زنی ہوتی اور بد بون کو پھیر لیں ہوا ان
کیا جاتا، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے۔ ان کی پاک فطرت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بیٹوں سے بھی علیحدہ ہو کر تنہا
میں بیٹھ گئے اور وہاں ہی بے اختیار اللہ کے سامنے یہ زبان سے نکلا :- يَا اَسْفَى عَلِيُّ یُوْسُفُ۔ علاوہ ازیں یہ بھی ثابت ہوا
کہ آپ کو اور دیگر انبیاء کو امام علیہم السلام کو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ کا حکم بھی عطا نہیں ہوا تھا لیکن
قرآن مجید میں تو مومنین صابرین کے لئے یہ فرمایا گیا ہے :- وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمُ مُصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا
لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ (اور اے میرے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دیدیں کہ جن پر جب
بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ کہتے ہیں۔ اس آیت کی تشریح انشاء اللہ العزیز و اللطیف صبر
میں بیان کی جائے گی۔

فرمائیے! آپ کے شیعہ مفسرین نے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول صبر جمیل کے تحت لوگوں کے سامنے
انہار غم کو بھی صبر جمیل کے خلاف لکھا ہے، اور امام الانبیاء والمرسلین حضور خاتم النبیین، رحمتہ لعمومین، شفیع المذنبین،
امام الصّٰبرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اصحاب و اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق

یہی رہا ہے کہ وہ مصیبت کے موقع پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ہی پڑھا کرتے تھے، تو پھر آپ قرآنی حکم
تفاصلاً کے خلاف اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم - طریق صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی پیروی کو چھوڑ کر بجائے
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اور صبر و رضا کا سبق پڑھانے کے فرقہ شیعہ کو ہائے حسین، ہائے حسین کا درس کیوں
دے رہے ہیں۔ کیا آپ اس قرآن عظیم پر ایمان نہیں رکھتے؟ اور کیا آپ کے لئے آخری کامل و مکمل شریعت محمدیہ علی صاحبہا
الصلوة والسلام کا حکم کافی نہیں ہے؟

”فلاح المکونین“ کے مصنف صاحب لکھتے ہیں: قاضی صاحب!
شیعہ مصنف کی کم فہمی اور خیانت
جس غم و اندوہ، گریہ و ماتم کو ناجائز اور حرام ثابت کرنے کے لئے
آپ نے قلم کا پورا اندر صرف کر ڈالا۔ آخر اسی قلم سے یہ لکھ کر خود ہی اس کے جواز کو تسلیم کر لیا کہ: ”جب تک کسی محبوب کی
مصیبت باقی ہو اور اس کا صدمہ لاحق رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ کوئی گناہ
نہیں“ اس کو کہتے ہیں حق جو باطل کے مٹانے سے مٹتا نہیں، دبانے سے دبتا نہیں اور چھپنے سے چھپتا نہیں۔ (ص ۱۱۱)

الجواب
(د) آپ نے میری پیش کردہ عبارت کا یہ آخری چلہ کیوں چھوڑ دیا: ”اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے
تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے“ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے، حصہ اول ص ۱۱۱) کیا اس جملہ سے آپ کے ماتم کی
ساری بنیاد ہی نہیں ختم ہو جاتی۔ یا تو آپ کی یہ علی خیانت ہے کہ ان الفاظ کو قصداً چھوڑ دیا، اور یا آپ اتنے کم فہم ہیں کہ
میری مذکورہ عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکتے۔ کیا ایسا شخص کسی علمی مذہبی موضوع پر بحث کرنے کی اہلیت
رکھتا ہے؟ (ب) حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے جو انتہائی درجہ کی خصوصیت
محبت تھی اور اُس کی وجہ بھی اُخروی محبت تھی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس دُنیا میں جنت کا جمال
نصیب ہوا تھا (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ عارفین نے بیان فرمایا) اور آپ
کو حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی سے جو شدید رنج و غم لاحق ہوا تھا اور اس کو بھی آپ نے صبر جلیل کے تحت
دل ہی دل میں روکے رکھا تھا اور لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار تک بھی نہ کیا۔ لیکن اتنا شدید حقیقی غم بھی اسی وقت تک
رہا جب تک کہ آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت مصر پر منتقل ہونے کی اطلاع نہیں ملی۔ لیکن جب آپ کو اس
کی اطلاع پہنچ گئی تو سابقہ سارا غم ختم ہو گیا، اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ: اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدان کو بلا میں حضرت امام

عالی مقام اور آپ کے اعزاء و اصحاب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی۔ شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کی جنت
مل گئی تو پہلی مصیبت ختم ہو گئی۔ اب شہدائے کربلا کی روجوں کو سب آیات قرآنی جنت کا رزق مٹا ہے اور وہاں خوش
ہیں۔ تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقع ہے؟ ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ
مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی
بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ کیا ماتیوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے
جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں“ اور
نمبر ۸ کے تحت یہ لکھا تھا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام
نے اس گدڑی ہوئی مصیبت کی یادگار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے حصہ اول ص ۱۱۱)

عجیب جاہلانہ جواب
میرے ان سوالات کے جواب میں مصنف ”فلاح المکونین“ لکھتے ہیں کہ: حضرت یعقوب
عجیب جاہلانہ جواب
کا غم جو حضرت یوسف کے فراق اور مصائب پر تھا وہ کچھ تو حضرت یوسف کی ملاقات سے
دور ہوا اور کچھ بیٹے کو تخت مصر پر جلوہ افروز دیکھ کر جاتا رہا۔ اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ
کے عزیز اقربا، یار و انصار نے جن روح فرسا مصائب و آلام کا سامنا کیا ان کے عوض امام علیہ السلام کے سر پر کونسا
ذیوی تاج رکھا گیا۔ آپ کی اولاد کو کونسی حکومت حاصل ہوئی، جس کو دیکھ کر ہم عزادار، جگر گوشہ رسول، فرزند نبول
کے غم کو بھول جائیں“ (ص ۱۱۱)

الجواب
(د) میں نے لکھا تھا کہ: مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا ماتیوں کو حضرت
حسین کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے
بعد کی عبارت میں یہ تو تسلیم کر لیا کہ: اس میں شک نہیں کہ شہدائے کربلا علیہم السلام نے وقتی طور پر مصائب اٹھائے
اور اپنی جانیں راہِ خدا میں قربان کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہو کر جنت کے اعلیٰ و ارفع مقامات حاصل کر لئے اور
لیکن یہ واضح طور پر تسلیم نہیں کیا کہ تخت مصر سے جنت کا مقام حسین اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ (ب) بلکہ اس کے برعکس آپ
یہ لکھ رہے ہیں کہ: آپ کی اولاد کو کونسی حکومت حاصل ہوئی، جس کو دیکھ کر ہم عزادار، جگر گوشہ رسول، فرزند نبول کے غم
کو بھول جائیں؟ اس جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ماتیوں کے نزدیک جنت کے اعلیٰ و ارفع مقام سے یہ بہتر ہے کہ امام

حسینؑ کے سر پر دنیوی تاج رکھا جاتا، نہ حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ۔ یہ ہے ماتمی فطرت کا نتیجہ، یعنی اگر حضرت حسینؑ کو دنیا میں حکومت مل جاتی تو پھر شہید آپ کے ساتھ مناسب و آلام کو بھول جاتے، اور ان کو اس بات کی بھی سمجھ نہیں ہے کہ عالم اسباب میں یہ مصائب و آلام ہی آپ کے رفع درجات اور جنت میں اعلیٰ و ارفع مقام کے حصول کا سبب بنے ہیں اور آپ کو جنت کے ہواؤں کے سردار ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت حسینؑ یا آپ کی اولاد کو دنیوی حکومت مل جاتی تو پھر تو آپ ان کے مصائب و آلام کو بھول جاتے اور ماتم کی حاجت ہی نہ رہتی۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کا یہ ماتم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آلام و مصائب کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس غم کی وجہ سے ہے کہ آپ کو دنیوی حکومت نہیں ملی۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کچ فہمی ہو سکتی ہے؟ کیا یہی حسینؑ محبت ہے اور یہی ہے شہدائے کرام کے فضائل و درجات کی عظمت :-

امام حسین کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں پہنچی و عنائے شیعہ عوام کو نالہ و شہیوں، گریہ و نوحہ، سینہ کو بی اور زخیر ذنی وغیرہ رسوم ماتم میں مبتلا کر کے اپنے فن کا وہاں منولتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ شیعوں کے شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ سے کسی شخص نے دورانِ خطبہ غازیوں کے فضائل و دیانت کئے تو آپ نے وہ فضائل بیان فرمائے جو خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے، جن میں یہ بھی ہے کہ جب غازی دشمن کے مقابلے میں نکلے میں تو :- *حفتهم الملائكة باجمعها يدعون الله بالنصرة والتثبيت فينادون الجنت تحت ظلال السيوف فتكون الطعة والسرعة على الشهيد اهلون من شرب الماء البارد في اليوم الصائف واذا زال الشهيد من فرسه بطعت اوضربة لم يصل الى الامم حتى يبعث الله اليه زوجة من الحور العين فتبشرو بما اعد الله له من الكرامة، فاذا وصل الى الارض تقول له الارض مرحبا بالروح الطيبة الذي اخرج من البدن الطيب البتة* (تفسیر مجمع البیان سورۃ آل عمران ص ۱۳) "اُس غازی کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے نصرت اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں، پھر پکارنے والا پکارتا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے، پس نیزے اور تلوار کی ضرب شہید کیلئے گرمی کے موسم میں ٹھنڈا پانی پینے سے بھی آسان ہوتی ہے، اور جب وہ شہید نیزے یا تلوار کے زخم سے گھوٹے سے

بہا ہوتا ہے تو زمین پر گرنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی طرف خوبصورت خور میں سے اس کی زوہر کو بھیج دیتا ہے اور وہ اس کو اس کرامت (وعزت) کی بشارت دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی۔ پس جب وہ زمین پر پہنچتا ہے تو زمین کہتی ہے کہ مر جا! خوش آمدید ہلے پاک روح جو بدن سے نکالی گئی ہے۔ تجھے جنت کی بشارت ہے" فرمائیے جب حضرت حسینؑ کو اعلیٰ درجے کی شہادت اپنے پر کوئی تکلیف ہی نہیں پہنچی بلکہ ان کے لئے نیزوں اور تلواروں کے زخم ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ فرحت بخش تھے تو پھر ان کے جسم اطہر کے زخموں اور درد و الم کی بنیاد پر یہ ماتم کیسا؟ (ب) اس میں آپ کے اس سوال کا بھی جواب آگیا کہ آپ حضرت حسین شہید کو بجائے ہائے ہائے کے واہ واہ کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ حسب حدیث بالا ان شہداء کو زمین مر جا کہتی ہے، اور مر جا اور واہ واہ کے الفاظ ہدیہ تسمیت و تحسین پیش کرنے کے لئے ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ آپ کو زمین گرونا یاد رہا اور اس کا مر جا کہنا بھولی گئے؟

ایک اور سوال اگر آپ کے ماتم مروجہ کی بنیاد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور آپ کی اولاد کا دنیوی حکومت سے محروم رہ جانا ہے تو یہ تو امر واقع ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خلافت و حکومت نصیب ہوئی، اور تقریباً پانچ سال تک آپ صاحبِ اقتدار رہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ کا بھی ماتم مناتے ہیں۔ آپ کو اپنے بیان کردہ فلسفہ ماتم کے پیش نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ماتم تو ترک کر دینا چاہیے۔ اور یہ بھی فرمائیں کہ جب قرب قیامت میں حضرت امام مہدی کو حکومت و خلافت اسلامیہ نصیب ہوگی اور آپ کے ذریعہ تمام دنیا میں نظام عدل قائم ہو جائے گا، تو اس مہدوی دور میں تو مجالس ماتم کی حاجت نہیں رہے گی؟ - تو جب ماتم ہی کا خاتمہ ہو جائے گا تو شیعیت کی پہچان کیا ہوگی؟ نہ رہے بانس اور نہ شیعہ بائسری۔ کاش! کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے کہ تمام ائمہ کرام اہل سنت تھے، اسی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور اقتدار میں بھی شہدائے بدر واحد اور بالخصوص سید الشہداء حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار شہید کی مجالس ماتم قائم نہیں کیں، اور نہ ہی حضرت امام مہدی آخری دور میں ایسی مجالس قائم کریں گے بلکہ اس قسم کی تمام رسوم و بدعات کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ مصنف "فلاح الکونین" میرے سوال کی دوسری جزو کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :- اسی فطری تقاضے کے پیش نظر جب حضرت یوسف کی جدائی والادن آتا ہو گا یا کسی حضرت یعقوب کی نظر اس درخت پر پڑتی ہوگی جس کو "شجرة الوداع" کہا جائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقیناً وہ

مصیبت یاد آجاتی ہوگی، جس کا آغاز ”شجرۃ الوداع“ سے ہوا تھا۔ آپ اس وقت حضرت یوسف سے ضرور کہتے ہوں گے یوسف بیٹا! وہ آج ہی کا دن تھا، جس دن تم مجھ سے جدا ہوئے تھے اور میری وہ مقام ہے جہاں میں نے تمہیں وداع کیا تھا (ص ۱۱۱)

الجواب

دلی میں نے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت مصر پر غلام ہونے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ غم کے اذالہ کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت سے پیش کیا تھا۔ خدا ان جاء البشیر انقہ علی وجهہ فارتد لبصیراً ”پھر جب تو شجرہ دینے والا آیا اور اس کرتے کو یوسف کے منہ پر ڈالا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں“ (ترجمہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی) فرمائیے! حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ایک قاصد بشارت لے کر آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا سالہا سال کا غم و الم دور ہو گیا، اور قلبی حدیث کی روشنی ہو نازل ہو گئی تھی، وہ واپس لوٹ آئی۔ لیکن حسب آیت قرآنی وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ... خداوند عالم کی طرف سے مؤمنین صابریں کو بشارت دینے والے خود نبی کریم رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ملائکہ، انبیاء، سب مخلوقات سے اعلیٰ اور افضل ہیں، اور وحی قرآنی کے علاوہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے منجانب اللہ اپنے پیارے دونوں نواسوں کو یہ بشارت بھی دی ہے کہ سید اشباب اہل العتہ الحسن والحسین (یعنی جنت کے جوانوں کے سردار حسن اور حسین ہوں گے) لیکن قرآن وحدیث کی ان عظیم الشان بشارتوں کے باوجود صدیاں گزرنے کے بعد بھی حضرت امام حسین اور آپ کے رفقاء نے کربلا کی شہادت کا غم و الم آپ کے سینہ سے نازل نہیں ہوتا، تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ آپ کو ان بشارتوں پر یقین و ایمان نہیں ہے اور یا آپ کو یہ دکھ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں شہادت کا اعلیٰ مقام نصیب ہوا، اور آپ کو جنت کے جوانوں کے سردار ہونے کی فضیلت کیوں عطا ہوئی۔ تو اس کا علاج ہمارے پاس کیا ہے؟ یہ تو حضرت زینب کی بدعا ہی کے آثار ہیں، العیاذ باللہ! (ب) آپ کا یہ مفروضہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ”شجرۃ الوداع“ کو دیکھ کر الٹا ہوتے ہوں گے، تو یہ آپ کی ماتمی ذہنیت کا اختراع ہے جس کا حضرت یوسف علیہ السلام کی مصیبت ختم ہوجانے کے بعد صاحب صبر جمیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی محدث پیغمبرانہ، صابرانہ زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

آپ قرآنی آیات سے مولے حُزُن، بَتَّ اور يَا أَسْفَى کے الفاظ کے حضرت برادرانِ یوسف کا ماحم

مروجہ ماتم سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی مصیبت پر قلبی رنج و غم کا لامتن ہو جانا زیر بحث ہے، لیکن آپ کے ماتم حسین کا کچھ جلوہ اگر نظر آتا ہے تو وہ برادرانِ یوسف کے کردار میں ہے جنہوں نے خود ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا، چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:- وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَتَبَوَّنُ هَاؤُلَاءِ بَابَنَا أَنْ نَدْهَبَ نَا نَسْتَبِيحُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّبَابُ، وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَكَوْكَبْنَا مُدْغِقِينَ ه وَجَاءَكَرُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ هَاكَ بَل سَوَّلَكَ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْ رَأَيْتُمْ فَصَبْرًا جَمِيلًا، وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ه (سورۃ یوسف) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد شیبلی دہلوی یہ لکھتے ہیں: اور وہ سب شام کو اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے، کہنے لگے بابا جان! ہم تو آپس میں دور لگانے لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ دیا تھا، پھر اس کو بھیڑیا لکھا گیا اور گو ہم سے بھی ہوں مگر آپ ہماری بات کب ماننے والے ہیں اور یوسف کے کتے پر چھوٹا خون لگائے۔ یعقوب نے فرمایا دیوں تو نہیں ہے، بلکہ کسی بڑی کاروائی پر تمہارے نفسوں نے ورغلا کر آمادہ کیا، لہذا صبر ستر ہے اور جو کچھ تمہارا بیان ہے اس کے متعلق خدا ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ اس کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد موصوف لکھتے ہیں کہ:- تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ایک بکری کا بچہ ان کے کرتے پر ذبح کیا تھا اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے وہ کرتے لایا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بھیڑیا یوسف پر تو ایسا غضبناک تھا کہ اس کو لکھا گیا اور کرتے پر ایسا مہربان کہ اس کو بچاؤ انک نہیں۔ علاوہ انہیں شدید مجتہد شیخ طبرسی اپنی تفسیر ”معجم البیات“ میں لکھتے ہیں:- وَانْصَابُ الظُّمُرِ وَالذِّبَابُ عَنِ هُمَا انْهَمْرُ صَدِّ مَوْتٍ وَفِي هَذَا دَلَالَةٌ عَلَى انْ الذِّبَابُ لَا يَجِبُ صَدَقِ دَعْوَى الْبَاكِ فِي دَعْوَاهُ (اور بے شک انہوں نے رونے کا اظہار کیا تاکہ وہ اس دہم میں ڈالیں کہ وہ سچے ہیں اور اس میں بی وولات ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ رونے والا بود عرفی کرے وہ اس میں سچا ہی ہو)۔

بہر حال ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر چھوٹا لہو لگا کر دس افراد کا ایک ماتمی جلوس اپنے حرم پر پردہ ڈالنے کے لئے دوڑتے دھچکتے، ہائے یوسف! ہائے یوسف! پکارتے، مٹھ پیٹتے، سینہ کو بٹی کرتے (کیونکہ ماتمیوں

کے یہ فطری تقاضے ہیں) رات کے اندھیرے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے لیکن حضرت یعقوب ہی علیہ السلام اس ماتم میں شریک نہیں ہوئے بلکہ ان کے جھوٹے لہو اور جھوٹے آنسوؤں کے پیش نظر فرمایا کہ یہ بات سب سے پہلے سننی اور شیعی تقاضیہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر جمیل وہ ہے جس میں جرز فزع نہ ہو یعنی ماتم مردہ سے جس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام تو اس قسم کے بالکل پاک ہیں۔ ہاں اگر جرز فزع کا مظاہرہ کیا ہے تو برادران یوسف نے جو خود مجرم تھے۔ لہذا آپ کا یہ قول غلط ثابت ہو گیا کہ ع۔ قاتل کبھی مقتول کا ماتم نہیں کرتے۔ بلکہ برادران یوسف نے ثابت کر کے سے مظلوم کے کرتے یہ لہو جھوٹا لگا کر قاتل بھی ہیں مقتول کا ماتم کیا کرتے

ماتم اہل کوفہ

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کو فونیوں نے دھوکے سے بلا کر شہید کر لیا اور بڑی کوراضی کرنے کی کوشش کی، اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے حضرت حسین کا پہلا ماتم بھی خود کو فونیوں نے ہی بنا لیا۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب "جلاء العیون" جلد دوم مؤلفہ علامہ باقر مجلسی میں ہے کہ اُم کلثوم ہمیشہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرثیہ سید الشہداء میں چند شعر ارشاد فرمائے جس کے سننے سے اہل کوفہ نے خردش و دادیلا، و احسرتا بلند کیا۔ غلغلا، نالہ و زاری و گریہ و سوگوازی و تومہ و خروش فلک سیاہ پوکا تک پہنچا۔ ان کی عورتوں نے اپنے بال کھول دیے۔ خاک حسرت اپنے سر پر ڈال کر اپنے منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور وادیلہ کا شور مچا کتی تھیں، اور ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدہ روزگار نے کبھی نہ دیکھا تھا (ص ۵۵) یہ بھی لکھا ہے کہ۔ زنان کوفہ ان مقرران حضرت ذوالجلال کے حال پر گریہ کرتی تھیں۔ اُم کلثوم نے جب ان کی صدائے گریہ سنی تو حمل سے آواز دی اور فرمایا اے زنان کوفہ! تمہارے مردوں نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اور ہم اہل بیت کو اسیر کیا ہے، پھر تم کیوں روتی ہو۔ خداوند عالم بروز قیامت ہمارا، تمہارا حاکم ہے (ص ۵۵) اور کوفیوں کے اس ماتم کا اعتراف خود مولوی محمد حسین صاحب شیبی علامہ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب "سعادت الدارین فی مقتل الحسین" میں لکھتے ہیں کہ:- راوی کہتا ہے کہ جناب اُم کلثوم کے خطبہ کا اتنا اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بڑھ گئیں۔ عورتیں بال بکھیر کر ان میں مڑلنے لگیں اور مومنوں پر طمانچے مارنے شروع کئے، اسی طرح مرد شدت غم سے نڈھال ہو کر اپنی ڈاڑھیاں فوجپے لگے۔ اس روز سے زیادہ رونے والے مرد اور عورتیں کبھی نہیں دیکھی گئیں (ص ۵۶)۔ کیا اب بھی انکار کی گنجائش ہے کہ.....

ع۔ قاتل بھی ہیں مقتول کا ماتم کیا کرتے۔

دو روزہ حاضر کے ماتمی

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ کوفیوں نے ہی حضرت حسین کو شہید کیا تھا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے ماتم برپا کیا اور ماتم بھی ایسا کہ کوفی عورتیں اپنے منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور یہ تومہ خروش فلک سیاہ پوش تک پہنچا، اور یہ امر واقع ہے کہ آجکل جو ماتم برپا کیا جاتا ہے وہ کوفیوں کے ماتم کا ہی نمونہ ہے، اور برادران یوسف کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا تو سچا تھا گو لہو جھوٹا تھا۔ لیکن ماتم برادران یوسف نے ثابت کر کے کہ کوفی چیز اصلی نہیں ہے۔ جھوٹا لہو، جھوٹے تیر، جھوٹے ٹشوار، جھوٹے نشانے اور جھوٹی دُلہا۔ کیا ان میں سے کوئی چیز سچی اور اصلی ہے۔ ایک عرصہ پہلے ماتمی جلوس میں جس گھوڑے کو استعمال کیا جاتا تھا اس کو ماتمی لوگ دُلہا کہتے تھے، حالانکہ دُلہا گھوڑے کا نام نہیں بلکہ اُس خچر کا نام ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری تھی اور حاکم اسکندری نے بدیر کے طور پر بھیجی تھی۔ چنانچہ مجمع البحار میں ہے، دُلہا اسم بخلتہ صلی اللہ علیہ وسلم (دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کا نام ہے) اور آجکل ماتمی گروہ اس گھوڑے کو جو ماتمی جلوس میں استعمال ہوتا ہے "ذوالجناح" کہتے ہیں۔ حالانکہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کا نام "ذوالجناح" نہیں تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب موسوی (فلاح الکونین پر تقریظ لکھنے والے) نے لکھا ہے کہ:- اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟ عام طور پر مشہور "ذوالجناح" ہے۔ مگر تمام قابل وثوق کتب سیر و مفاصل کی ورق گردانی کے بعد مجھے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا، البتہ اس کی رد میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملے ہیں الخ سعادت الدارین فی مقتل الحسین فرمائیے! اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر جھوٹا لہو لگانے والے مجرم تھے تو جن کے پاس سب ماتمی اشیاء بناؤنی اور جھوٹی ہیں، ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ اسی بنا پر تو مشہور شیعہ شاعر پوشش یلیح آبادی اپنے اشعار میں یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں:-

ذکر سے خطاب

حیث ہے اے ذاکر افسردہ طبع و نرم خو
تیرے آگے کار و باری شے ہے مولیٰ کا لہو
تاجرانہ مشق ہے تیرا شکارِ ہاؤ ہو
فیس کی محتاج ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالم اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خون اہل بیت میں لقمہ کو تر کرتا ہے تو

حرم نے تجھ کو سکھایا ہے وناعت کاسبق
کر بلا کے ذکر میں دیتا نہیں کیوں رس حق
چشمہ دولت ہے تیرا سبب اشک بے قلق
خون کی چادر سے سونے کے بتانا ہے ورق

خانہ برباد ہے عشرت سرائی کے لیے
اک دہینہ ہے زمین کر بلا تیرے لیے

۱۳۵۵ھ
(منقول از ماہ نامہ النجم لکھنؤ ۱۱ معجم الحوام)

ایک اور سوال کا جواب

آپ لکھتے ہیں: حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابو لؤلؤ کی تلوار سے،
حضرت عثمان بعض صحابہ کبار کے ہاتھوں بقول آپ کے بحالت مظلومی
شہید ہوئے۔ کیا یہ حضرات اپنے اپنے امتحان میں کامیاب نہیں ہوئے؟ اگر اس بات کا جواب اثبات میں ہے
تو پھر آپ ان حضرات کے یوم شہادت پر جشن مناتے کیوں نہیں مناتے، مجھنگڑا کیوں نہیں ڈالتے، تالیان کیوں
نہیں بجاتے اور واہ واہ کیوں نہیں کرتے؟ جب دوسرے شہداء پر رسم تہنیت ادا نہیں کی جاتی، تہنیت و
آفریں اور واہ واہ نہیں کی جاتی، تو پھر نواسہ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے ایسا کرنے کو کیوں
کہا جاتا ہے؟ (فتح الکونین)

الجواب

دلی، خوشی میں جھنگڑا اور ناچ تو ہمارے نزدیک شرعاً حرام ہیں، ہاں! آپ کی فکر درست
کا تقاضا ہو سکتا ہے اور حضرت عثمان ذوالنورین کو کسی صحابی نے بھی شہید نہیں کیا آپ
کا یہ ازام خلاف تحقیق ہے، پنانچہ محدث ابن کثیر لکھتے ہیں: - واما ما يذكره بعض الناس من ان بعض
المصحابه أسلموا ورضى بقتلهم فهذا لا يصح عن احد من الصحابة انه رضى بقتل عثمان رضى الله عنه
بل كلهم كرهه وبقته وسب من فعله (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸۱) اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ بعض
صحابہ نے حضرت عثمان کو دشمنوں کے سپرد کیا اور آپ کے قتل پر راضی تھے، تو یہ کسی صحابی کے متعلق بھی صحیح نہیں ہے
بلکہ تمام صحابہ نے آپ کے قتل کو ناپسند کیا اور غضبناک ہوئے اور جس نے یہ فعل کیا اُس کی مذمت کی اور تاریخ
الخلافا میں علامہ سیوطی ابن عساکر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: جس شخص نے حضرت عثمان کو قتل کیا مصر والوں میں
ایک شخص تھا، نیلی آنکھوں والا، سرخ رنگ والا، اس کا نام حمار تھا۔ (مترجم صحیح) اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرت

محمد بن ابی بکر نے آپ کو قتل کیا تھا تو اس کے متعلق تاریخ الخلافا میں خود محمد بن ابی بکر کا یہ قول درج ہے کہ: بیشک
خدا کی قسم میں ان کے پاس گیا تھا لیکن انہوں نے مجھے میرا باپ یاد دلا دیا۔ میں فوراً ہی اُن سے الگ ہو گیا اور خدا
سے توبہ کرنے لگا، خدا کی قسم نہ میں نے اُن کو قتل کیا ہے اور نہ پکڑا ہے: (ایضاً ص ۱۸۱)

(ب) بے شک حضرت عمر فاروق بھی شہید ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین بھی، شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ اور
امام کر بلا حضرت حسین بھی لیکن ہم شہدائے کرام کا دن اس طرح نہیں مناتے جس طرح آپ مناتے ہیں۔ ہم موقع بوق
ان حضرات کے مناقب و فضائل بیان کرتے رہتے ہیں، اور اُن کے مجاہدانہ کارناموں اور عظیم قربانیوں پر تحسین و آفرین
کی صدا بھی بلند کرتے ہیں اور یہ غازیان کرام شابسش اور آفرین کے ہی مستحق ہیں نہ کہ ہائے و اوہلا کے۔ ہمارے نزدیک
ان کے دنیوی مصائب اور شہادتیں آخرت میں اُن کی مزید بلند ہی درجات کا سبب ہیں۔ یہیں فرمے اُن کے صبر استقامت
اور ان کی قربانی و شہادت پر۔ ہمیں ان کی شہادت کا کوئی غم نہیں کیونکہ حسب اعلان خداوندی وہ جنت میں خوشحال
منارے ہیں، اور آپ یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہدائے کرام اور مبتلائے مصائب و آلام کے بارے میں
رحمۃ تلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کے وارثین و احباب کو بشارت اور خوشخبری سنائی ہے
اور آیت و کثیر القابریں میں بشارت کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور پارہ چہارم میں بھی و کثیر البشرون بالذین لکم
لیحقوا بہم کے الفاظ ہیں۔

فرمائیے! تہنیت اور بشارت اور تحسین و آفرین کے الفاظ کیا ایک ہی حقیقت کو نہیں ظاہر کرتے؟ اور تفسیر
"مجمع البیات" کے حوالے سے پہلے ثابت کیا گیا ہے کہ حوریں شہداء کو بشارت دیتی ہیں اور زمین بھی ان کو مرحبا کہتی
ہے۔ پھر اگر ہم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صبر و ثبات اور ان کے مقام عزیمت و رضایہ واہ واہ کریں تو آپ
کو اس سے کیوں قلق و اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ کیا ان کا عظیم الشان کارنامہ واہ واہ کا مستحق نہیں ڈالتے حسین
ہائے حسین کر کے ان کو صرف ایک مظلوم کی حیثیت میں پیش کرنا ہی ان کی محبت کا تقاضا ہے۔ ماتم کے ایسچ پر خاندان
نبوت کی پردہ نشین و پاکباز خواتین کا نام لے لے کر اُن کی مظلومیت کو شیعہ ذاکرین اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے
ان کی توہین ہوتی ہے۔ ان کے سروں سے دوپٹوں کے اترنے اور ان کے برہنہ پاؤں اور برہنہ سر ہونے کی پوری تصویر
پیش کرتے ہیں، اور جانباز شہداء کے بدن کے ٹکڑے کرتے ہیں، ان کی لاشوں کی چیر بچاؤ کرتے ہیں اور اُن کو یاساس

نہیں ہوتا کہ یہ کس کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ آپ خود ہی سوچیں کہ اگر آج کوئی دشمن کسی کی ماں بہن کا دوپٹہ اتار دے تو کوئی غیور شخص سیٹھوں پر اپنی ماں بہن کی یہ داستان سن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا محبت حسینؑ کے یہی مناظر اور مظاہر ہو سکتے ہیں؟ ہم واضح طور پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم قوم کو مانگی نہیں بنا نا چاہتے، بلکہ وہ حق کے غامخ اور مجاہد بنا نا چاہتے ہیں۔ پرچم اسلام ماتم سے نہیں بلند ہوتا بلکہ اعمال صالحہ اور اتباع سنت سے بلند ہوتا ہے۔ جب حضرت حسینؑ کی مقدس زندگی اور ان کی عبادات میں ماتم جیسی عبادت کا کوئی نام و نشان تک نہیں ملتا تو پھر اس ماتم سے حضرت حسینؑ کا مشن کیسے پھیل سکتا ہے؟ جوش ملیح آبادی کے دوسرے اشعار بھی سن لیجئے۔

کر بلا میں اور تجھ میں اتنا بعد المشرقین اُس طرف شورِ رجز خوانی، ادھر سے دے کے بین
اُس طرف تکبیر، ادھر ہنگامہ صد شور و شین اِس طرف اشکوں کا پانی، اُس نظر خونِ حسین
وہ تھے کس منزل میں، اور تو کونسی منزل میں ہے

شرم سے گڑجا، اگر احساس تیرے دل میں ہے

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حشرین جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حشرین جس نے سب کچھ کسو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

وہ کہ خونِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر

مُسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

راقم الحروف، خادم اہل سنت و عقیقہ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں "ستانِ حسین" کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی، جو اس وقت بعض مذہبی رسائل میں بھی شائع ہوئی تھی، مناسبت موضوع کی وجہ سے اس کے چند اشعار ہدیہ قارئین ہیں:-

کس کے سیاسے نمایاں تھا ولایت کا نشان؟ کس کے چہرہ کی چمک مثل چرخ تاباں؟

کس کے دم سے ہوئی عالم میں حقیقتِ عریاں؟ کس کے سینہ میں منور محبتِ جیراغِ عریاں؟

جو نواسہ تھا محمدؐ کا، عدلی کا پیرا

حضرتِ سناطمہ کی آنکھ کا جو سمت تارا،

خونِ دشمن کا نہ اعدا کی ستم کاری کا تیغ و خنجر کا نہ باطل کی جفا کاری کا

پسین و رومی و ہندی کا نہ تائاری کا قلبِ مومن میں بھروسہ تھا فقط باری کا

گرگز تو حید سے دشمن کے صدم کو توڑا

راہِ حق میں بخوشی جاہ و حشم کو چھوڑا

دعویٰ اراںِ محبت نے مہلا کیا سیکھا تفریہ سازی کا بس ایک تماشہ سیکھا

بت پرستی کا یہ اک طرزِ نرالا سیکھا ہمارے ہو، شور و شر و گریہ و غوغا سیکھا

انِ خرافات کو کب رکھتا روا ہے اسلام

سے بُرا فعل یہ، الحاد ہے، بدعت ہے حرام

استیارتِ حق و باطل تھا دکھایا اُس نے دینِ فطرت پہ مسلمان کو چلایا اُس نے

جہل و بدعت کے اسیروں کو بھڑایا اُس نے ڈنکا تو حید کا عالم میں بجایا اُس نے

تخت و دولت نہ حکومت کا وہ شہدائی تھا

منظرِ حق تھا، شہادت کا وہ خود داعی تھا

ہم اہل سنت کے نظریہ شہادت اور اہل تشیع کے نظریہ شہادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم حضرت حسینؑ

حسینؑ اور دیگر ائمہ اہل بیت کی محبت کو جزو ایمان مانتے ہیں، ان کو اہل سنت کا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں۔ ان کی

محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور ان سے عداوت خدا اور رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا سبب، لیکن محبت وہ قبول ہوتی ہے جو محبوب کی مرضی کے مطابق ہو، اور اگر گلِ محبوب کی

اداؤں کے خلاف ہو تو وہ حقیقت میں محبت ہی نہیں۔ اگر کوئی محبوب کی نافرمانی کو محبت کا نام دیتا ہے تو وہ فریب خوردہ

ہے، گم کردہ راہ ہے۔

اسیماں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ پیٹھے تو صرف ملنگ لوگ ہی ہاتھوں میں لوسے کے کڑے پہنتے تھے،

اور جو زیادہ حُبِ حسینؑ کا مدعی ہوتا تھا وہ اپنے جسم پر اچھا خاصا وزنی بولاجاتا تھا۔ لیکن اب ماتمی

گروہ میں بظاہر سفیدہ اور تعلیم یافتہ افراد بھی بازوؤں میں خوبصورت کڑے پہنتے گئے ہیں اور اس کا رواج بڑھ رہا ہے۔

ماتمی کرا

لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ یہ لوہے کی زنجیر میں اور کڑے پہننا کس کی سنت ہے؟ کیا حضرت امام زین العابدین نے یہ خود پیسنے سے یا دشمن نے ان کو زنجیر اور ہتکڑی لگائی تھی۔ کیا انہوں نے خوشی سے پہنی تھی یا ناگواری سے؟ تو جو کام دشمنوں نے کیا تھا، کیا محبتان حسین اس کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔ اگر کوئی مانتی کسی دوسرے مانتی کو کڑا پہناتا ہے تو وہ کوئیوں کی سنت پر عمل کرتا ہے نہ کہ امام زین العابدین کی سنت پر۔ کاش ایہ لوگ اتنی بات بھی سمجھ لیتے۔ بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں جتنی آیات مذکور ہیں ان میں تو اس ماتم کا نام و نشان تک موجود نہیں، جس کو ”فلاح انکوئین“ کے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اہل تشیع کے جتھے متحقق شیخ طبری کی تفسیر سے بھی ثابت کر دیا گیا ہے کہ صبر وہ ہے جس میں ہرج نہ ہو، اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو زبان سے بھی لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے قصہ سے غلط استدلال کرنے کے علاوہ دلیل اول کی بحث میں مصنف صاحب موصوف نے بعض اور روایات بھی پیش کی ہیں، جن کا جواب ہمارے مذکورہ استدلال و جوابات ہی سے اہل عقل و شعور سمجھ سکتے ہیں، لیکن اس خیال سے کہ آپ کہیں گے کہ ہماری پیش کردہ روایات کا جواب نہیں دیا، ان کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیتا ہوں۔

شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی کتاب ”جذب القلوب الی دیار الحبیب“ سے پہلی روایت ایک روایت پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد مسجد میں پڑ گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت حسین نے عرض کیا کہ، حضور اس سے پہلے آپ کی ایسی حالت نہیں دیکھی تو فرمایا کہ ”اے فرزند آج میں تیرے حال کو دیکھ کر اس قدر مسرور ہوا کہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ ناگاہ جبرائیل علیہ السلام نے خداوند عالم کی طرف سے آکر یہ خبر دی کہ میری امت تجھ کو بحالت عزت اور کربت شہید کرے گی۔“ (فلاح انکوئین ص ۱۹) یہاں ترجمہ میں مصنف نے کربت کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے حالانکہ اصل فارسی عبارت میں صرف یہ الفاظ ہیں: ”امتیان من ہر کہ ام شمار البقرت تو ہند گشت، دُعا کردم کہ اگر دُنیا من موصائب بر سر شمار دود بارے عاقبت کار شامخیر باشد“ (جذب القلوب فارسی ص ۱۹) مصنف صاحب نے ”شہید کرے گی“ تک ترجمہ لکھا اور بعد کی عبارت کا ترجمہ چھوڑ گئے جس کا معنی یہ ہے کہ: ”میں نے دُعا کی ہے کہ اگر دُنیا میں تمہارے سر پر موصائب اور کالبت نازل ہوں (تو ہوں) مگر آپ کا انجام کار بہتر ہو“۔ فرمائیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے

کیا آپ کا موعودہ ماتم ثابت ہو سکتا ہے؟ اور شہادت حسین کی خبر سے وقتی طور پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گریہ جاری ہو گیا تو یہ طبعی تاثر تھا۔ کیا آپ نے اس تصور کے تحت پھر ہر سال گریہ بھی کیا، چہ جائیکہ یہ ماتم؟

دوسری روایت میں آپ نے ملا حسین و اعظ کا شفیق کی کتاب ”روضۃ الشہداء“ کی مندرجہ ذیل روایت کے آخری الفاظ کا یہ ترجمہ پیش کیا ہے کہ: ”أم الغضل زوجہ حضرت عباس بیان کرتی ہیں، آنحضرت نے فرمایا اے فاطمہ! یہ جارتہ حسین کے بچپن میں نہ ہو گا بلکہ اُس وقت ہو گا جبکہ نہ میں ہوں گا نہ تم ہو گی نہ علی ہوں گے اور نہ حسن۔ یہ سن کر جناب سیدہ فاطمہ نے حدیثاً ہی ہوئیں اور کہلے مظلوم پسر اے بکس فرزند جبکہ اُس وقت تیرے جد و پدر، اور دربر اور نہ ہوں گے، تو کون ہو گا جو اُس وقت تیری مصیبت کی تعزیت بجالا سکے، رادی کتا ہے کہ ہاتھ نے آواز دی۔ حسین کا ماتم مصیبت زدگان اُمت قیامت تک بر پار کھیں گے اور ہر سال جب وہ وقت آئے گا، جس میں حسین شہید ہوں گے تو وہ لوگ تعزیت حسین کو تازہ کیا کریں گے اور شرط مصیبت کو بجالا لیا کریں گے“

(فلاح انکوئین ص ۱۹)

الجواب

اول ”روضۃ الشہداء“ اس وقت میرے پاس موجود ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اس کے مصنف ملا حسین و اعظ کا شفیق شیعہ ہیں اور اگر انہوں نے کہیں اپنا اہل سنت ہونا ظاہر نہیں کیا ہے تو وہ تفتیہ پر مبنی ہے کیونکہ اس کتاب میں انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام مہدی تک بارہ اماموں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق لکھا ہے: ”در شواہد النبوۃ آورده کہ امیر المؤمنین لہم ظلم امام علی امام اول است از ائمہ اثنا عشر یعنی حضرت علی بارہ اماموں میں سے امام اول ہیں اور صکتاً پر امام حسین کے کتاب متعلق لکھا ہے: ”وے امام دوم است از ائمہ اثنا عشر یعنی امام حسن دوسرے امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بجا اعظ آخر میں ص ۳۲ پر حضرت امام مہدی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ بارہویں امام ہیں اور ۲۳ رمضان ۲۵۸ھ کو دغان سے ص ۳۲ من رانی میں وہ پیدا ہو چکے ہیں اور پھر آپ غائب ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کے عقیدہ میں امام و خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق ہیں، اور جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت مہدی قیامت میں پیدا ہوں گے، ابھی تک پیدا نہیں ہوئے (وہ) مندرجہ روایت بھی مانتی ذہنیت کی من گھڑت ہے کہ ہاتھ نے آواز دی کہ حسین کا ماتم مصیبت زدگان اُمت قیامت تک بر پار کھیں گے، اور تعزیت ہے کہ مصنف ”فلاح انکوئین“ اس روایت ماتم کو دلیل نمبر اول

کی بحث میں لائے ہیں۔ جس میں پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حسب تفاسیر شیعہ زبان سے اظہارِ رسم اور جزع صبر کے خلاف ہے۔ انشاء اللہ العزیز لفظ جزع کا مفہوم اور اس کی تشریح فردوس الکانی کی احادیث مرویہ ائمہ اہل بیت کی بحث میں بیان کی جائے گی (ج) مندرجہ روایت میں تقریر کا لفظ ہے جس کا لغوی اور شرعی معنی مصیبت زدہ کو صبر لانا ہے، نہ کہ منہ پیٹنا اور سینہ کو پی کرنا، تو اس سے بھی مراد ثابت نہیں ہونا۔ (د) خود ملاحسین واعظ کاشفی نے کتاب کی ابتداء میں آیت حبشہ انصاریوں کے تحت یہ لکھ دیا ہے کہ: "بشارت وہ صبر کندگان را کہ درین بیات طریقہ تنگیائی پیش آرند و رسوم جزع و فرغ و شکایت فرو گذارند" (ص ۱) اور آپ بشارت دیدیں صبر کرنے والوں کو جو کہ ان مسیبتوں میں صبر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور جزع، فرغ اور شکایت کی رسموں سے باز رہتے ہیں۔

فرمائیے! میرا واعظ کاشفی نے بھی آیت صبر سے آپ کے ماتم جزع فرغ کی تردید کر دی اور آپ کو اس کے حوالے سے بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ علاوہ ازیں حضرت حسین کی شہادت کے متعلق پیشگوئی پر مبنی جو بعض روایات پیش کی ہیں ان میں بھی کہیں منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کا نام و نشان نہیں ملتا، نہ ہی کسی سے یہ ثابت ہے کہ اس قسم کی پیشگوئیوں کے بعد ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وارث مصائب حسین کے تصور میں کبھی سال میں مجالس ماتم بپا کی ہیں، تو پھر ایسی روایات سے آپ کا مراد جو ماتم کیسے ثابت ہو گیا، اور حضرت حمزہ شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتم کے متعلق آپ نے جو استیعاب اور سیرت البقی وغیرہ کا حوالہ دیا ہے اس کی مستقل بحث انشاء اللہ تعالیٰ دلیل نمبر ۱۰ کے تحت آ رہی ہے۔ وہاں آپ کے علم و فہم کی حیثیت معلوم ہو جائے گی۔

بحث دلیل نمبر ۲

آیت وَإِذْ أَسْمَعُوا مَا أَنزَلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ وَمَنَ يُؤْفُونَ مِنَ الْحَقِّ دَيْ، ۱۰۱) ماتمی ٹریکٹ میں اس کا ترجمہ یہ لکھا گیا تھا: "اور جب وہ

سننے میں اس کو جو رسول کی طرف اتارا گیا۔ تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے سنی کو پہچان لیا" میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ (۱) یہ آیت ان عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو ملک حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ شریف پہنچے تھے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے قرآن مجید سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، "میں تو صرف آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کا ذکر ہے اور وہ بھی قرآن سننے پر، اس کو تمہارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟ (۲) اگر تمہیوں کے

نزدیک اس آیت کا مطلب ماتم کرنا ہے تو پھر قرآن سننے پر ماتم کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۱) اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ: "آپ کے خیال میں مذکورہ بالا آیت مجیدہ ان عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سن کر مسلمان ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی جوڑو اور اقتدار کی بھجاک دوڑ سے آپ کو اتنی فرصت ہی نصیب نہیں ہوتی کہ آپ کتب تفاسیر و تواریخ کا مطالعہ کریں۔ آپ کی تفسیر قرآن سے بے خبری کی بین دلیل ہے کہ آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ آیت شریفہ ان لوگوں کے لیے تری ہے جو حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ میں پہنچ کر مسلمان ہوئے یا نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے عمار کے حق میں نازل ہوئی ہے"

اس کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کی تفسیر کا حوالہ پیش کیا ہے کہ..... سب بادشاہ نے مسلمانوں کو بلوا کر پوچھا اور قرآن پڑھا کر سنا۔ وہ اور اس کے عمار بہت روئے..... اور یہ آیات ان کے حق میں نازل ہوئیں اگر آپ چاہیں تو دوسری تفاسیر و تواریخ سے اس کی تائید میں متعدد روایات پیش کی جاسکتی ہیں (فلاح الکونین ص ۱۱)۔

الجواب

(۱) آپ نے شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کا جو حوالہ پیش کیا ہے وہ صحیح ہے لیکن اس سے آپ نے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا کہ میرا پیش کردہ واقعہ غلط ہے، اور شان نزول کے خلاف ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ مفسرین نے بھی دونوں باتیں لکھی ہیں۔ یعنی نجاشی بادشاہ کے دربار میں بھی قرآنی آیات سن کر وہ اور اس کے عمار روئے اور جب وہ عیسائی عمار مدینہ منورہ پہنچے تو دربار رسالت میں بھی آیات سن کر رو پڑے، اور میں آپ کو دیگر تفاسیر پیش کرنے کی تکلیف نہیں دیتا بلکہ خود ہی اہل سنت اور اہل تشیع کی عبارات پیش کر دیتا ہوں تاکہ آپ اپنی علمی تحقیق پر ماتم کر سکیں۔

تفاسیر اہل سنت

(۱) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:۔ اور ان میں سے جنہوں نے حق قبول کر لیا تھا، وہ نجاشی بادشاہ اور ان کے مصاحب ہیں کہ حبشہ میں بھی قرآن سن کر روئے اور مسلمان ہو گئے۔ پھر تیس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور قرآن سن کر روئے اور اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر آیت کا نزول ہوا (تفسیر بیان القرآن)

(۲) تفسیر خازن میں ہے:۔ ودانی مع جعفر سبعون رجلاً علیہم الشیاب القفوف منہم اثنتان وستون رجلاً من الحبشہ

و ثمانیۃ من المشام فقرا علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ یس الی آخرہ فی القوم حین سمعوا القرآن وامنوا :- ” اور حضرت جعفر کے ساتھ ستر آدمی آئے جو صوف کے کپڑے پہننے ہوئے تھے ان میں بائٹ حبشہ کے آدمی تھے اور آٹھ شام کے تھے۔ پس ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری سورہ یس پڑھی پس وہ قرآن سن کر روئے اور ایمان لائے۔“

(۳) حافظ علام الدین محدث لکھتے ہیں :- قال سعید بن جبیر والسدی وغیرہما نزلت فی وفد بعثتم النجاشی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیسعوا کلامہ ویرو: صفاتہ فصار اودہ وقرا علیہم القرآن اسلموا وبکوا (تیسری کثیر) ”سعید بن جبیر اور سدی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ آئیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئیں بن کو نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کی باتیں سنیں اور آپ کی صفات دیکھیں۔ پس جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے ان کو قرآن پڑھ کر سنا یا تو وہ مسلمان ہو گئے اور رونے لگے“

(۴) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں :- ”انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا، یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لطف اندوز ہوئے تو کلام الہی سن کر وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر دبتا امتنا یہ کلمات جاری تھے“

تفاسیر شیعہ

شیعی مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے تفسیر قمی کے حوالہ سے ہجرت حبشہ اور شاہ نجاشی کے مخالف بھیجے کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :- ”اور میں اثنائے علانیہ ذہب عیسوی بھیجے اور ان سے یہ کہہ دیا کہ آنحضرت کی ہر بات کو غور سے دیکھیں۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو آنحضرت نے دین اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید پڑھ کر سنا۔ جو آیت آنحضرت نے سنائی وہ یہ تھی :- اذ قال اللہ یعیسیٰ بن مریم سے ان هذا الا سحر مبین تک۔ وہ علماء یہ سن کر رو پڑے اور ایمان لے آئے۔ نجاشی کے پاس واپس گئے، آنحضرت کی اس کو خبر سنائی اور جو کلام خدا سنا تھا وہ بھی جا کر سنا یا۔ نجاشی بھی وہ کلام سن کر رو یا اور وہ علماء پھر روئے، نجاشی نے اسلام قبول کر لیا“

(۲) شیعہ مفسر مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں :- ”یہ آیت حبشہ کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ

جب حضرت جعفر طیار وغیرہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تو نجاشی بادشاہ حبشہ وغیرہ نے قرآن کو سنا اور معجزات کو سماعت کر کے ایمان لائے۔ حضرت جعفر نے وہاں سے مراجعت کی تو نجاشی نے ستر علماء ان کے ساتھ کئے اور جب حضرت رسول اکرم کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کے سامنے سورہ یس کی تلاوت کی۔ وہ علماء سن کر بہت روئے اور ایمان لائے اور کہنے لگے کہ قرآن کس قدر انجیل کے مشابہ ہے۔“

(۳) شیعہ مجتہد مفسر شیخ طبرسی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- فقرا علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ یس الی آخرہ فبکوا حین سمعوا القرآن وامنوا ”پس ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری سورہ یس تلاوت فرمائی۔ پس جب انہوں نے قرآن سنا تو روئے اور ایمان لے آئے“ (تفسیر مجمع البیان)

(۴) امام حسن عسکری کے معاصر شیخ قمی لکھتے ہیں :- فلما وافوا المدینۃ دعاهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الی الاسلام وقرأ علیہم القرآن واذ قال اللہ یعیسیٰ بن مریم ان هذا الا سحر مبین :- فلما سمعوا ذلك من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ بکوا وامنوا ورجعوا الی النجاشی فاخبروه خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وقرأوا علیہم ما قرأ علیہم فی النجاشی وکی القسیسون ”یعنی جب وہ لوگ مدینہ پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو قرآن کی یہ آیات پڑھ کر سنائیں (و اذ قال اللہ یعیسیٰ بن مریم) پس جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیات سنیں، روئے اور ایمان لے آئے اور نجاشی کی شکر واپس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنائے اور اس کو وہی آیات پڑھ سنائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سنائی تھیں۔ پس نجاشی رو پڑا اور عیسائی علماء بھی روئے۔“

آیت زیر بحث کے شان نزول میں چار سنی اور چار شیعہ مفسرین کی عبارتیں یہاں درج کر دی گئی ہیں۔ اسباب ہی فرمائیں کہ ان سے میری عبارت کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اور تفاسیر سے کون تاواقت ہے آپ یا میں؟ (ب) آپ نے جو سیاسی جوڑ توڑ کا الزام لگایا ہے، یہ محض آپ کا افتراء ہے۔ ہاں اگر آپ اس امر کو سیاسی جوڑ توڑ سمجھتے ہیں کہ تحریک خدام اہل سنت والجماعت، عوام اہل سنت کو ان کا مذہب حق سمجھا رہی ہے اور ان کو متحد و منظم کرنے کے لیے کوشاں ہے اور اس جماعت کی جدوجہد سے سواد اعظم کے متفقہ ”سنی مطالبات“ ملک میں پھیل رہے ہیں اور سنی کا نذر نوا کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور اس سے آپ کو پریشانیاں لاحق ہیں، تو میں اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ میں بھی اہل سنت

کے ایک خادم کی حیثیت سے اس تحریک میں شامل ہوں، اور میرے ہی مؤلفہ رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کہتے“ نے ماتمی دنیا میں پہلی مجاہدی ہے، تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟

جنوں کا نام ضرور رکھ دیا، حسرت کا جنوں جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

(۲) آپ فرماتے ہیں کہ: ”آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہونا رونا نہیں تو پھر آپ ہی بتائیں رونا اور ہے کیا؟“ قرآنِ کلامِ حق ہے اور شہادتِ حسین بھی حق ہے۔ جس طرح اہل ایمان کلامِ حق کو سُن کر بھی متاثر ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں آنسو بھرتی ہیں، اسی طرح ذکرِ شہادتِ حسین کو سُن کر اہل حق کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

اب خود ہی سوچ لیں کہ اس آیت کا ہمارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟ ہم جیسے تذکرہ شہادتِ حسین کو سُن کر ماتم کرتے ہیں، یونہی کلامِ مجید جو کلامِ حق ہے، کو سُن کر بھی متاثر ہوتے ہیں اور روتے ہیں (فلاح الکوئین ص ۲۷)

(د) میرا سوال تو یہ تھا کہ مذکورہ آیت سے شیعوں کا ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ کیا اس کا آپ ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کو تو ماتم نہیں کہتے۔ ماتم کا مظاہرہ تو کچھ اور

یہی ہوتا ہے۔ (ب) اگر آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا ہی (جسے گریہ و بکا کہتے ہیں) ماتم ہے تو فرمائیے قرآن کے لیے آپ نے کتنے ماتمی جلسوں نکالے ہیں؟ آپ کی ماتمی ذہنیت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جس دن سبھی شاہینہ

اور اُس کے علمائے قرآنی آیاتِ سُن کر روتے تو پھر ہر سال روتے اور ماتم کی مجالس قائم کی جائیں۔ علاوہ ازیں میری تحریر کردہ شانِ نزول پر جو آپ نے اعتراض کیا ہے اس میں آپ ایک دوسرے پہلو سے بھی چوک گئے ہیں۔ کیونکہ اگر

سبھی کے دربار میں عیسائی علمائے قرآن سُن کر روتے تھے تو پھر وہ مدینہ منورہ میں بھی ضرور روتے اور جہاں جاتے بولنے کی مجالس قائم کرتے کیونکہ آپ وقتی تاثر کو دوامی مانتے ہیں۔ باقی رہا ماتمیوں کا قرآن کی تلاوت میں بھی رونا تو ان کے

لیے یہ تاثر تو بہت مشکل ہے یہ محض آپ کا تکلف ہے۔ تلاوتِ قرآن کی اُن کو کیا حاجت جب کہ ماتمِ حسین میں ہی اُن کو جنت مل جاتی ہے، اور اگر بالفرض کوئی ماتمی قرآن سُن کر بھی روتا ہے تو فرمائیے کیا شیعہ فرقہ اس کو بھی ماتم

سے تعبیر کرتا ہے یعنی فلاں ذکرِ قرآن پڑھتے ہوئے ماتم کر رہا ہے؟ (ج) اگر کسی حق کی بات کو سُن کر رونا لازمی ہے اور یہی ماتم ہے تو فرمائیے حضورِ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات و اعمال سب حق ہیں، آپ

کے معجزات و کمالات سب حق ہیں۔ کیا اُن کے بیان پر بھی ماتمی روتے ہیں؟ اور سبب کوئی میں مشغول ہو جلتے ہیں

اور پھر قرآن مجید الحکمہ سے لے کر الدنیا تک سب کلامِ حق ہے، پھر ہر آیت کو پڑھ سُن کر بھی رونا لازمی ہو گا اور یہی آپ کا ماتم ہو گا۔ کچھ تو ہوش و حواس قائم کر کے استدلال پیش کیا کیجیے، لیکن ماتم کے گنبد میں بیچ کر کھینے میں سولے ماتم کے اور کیا سوجھتا ہو گا؟ جس ماتم کے سنت اور عبادت ہونے کے آپ مدعی ہیں آپ کو اور سب تشیع کے جملہ مجتہدین کو ہمیشہ کے لیے مہلت ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے اس کا ثبوت پیش کر دیں: هَاذَٰلِكَ اَبْرَاهِيْمُ كَتَمَ صِدْقِيْنَ ۝

کسی مصیبت پر دل میں غم لاحق ہونا، یا آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا جسے گریہ و بکا کہتے ہیں) اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ جائز ہے، بلکہ آدمی کو انتہائی خوشی میں بھی رونا

آجاتا ہے اور بھی اس کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں لیکن یہ مسد زیر بحث نہیں ہے، بلکہ زیر بحث مسئلہ آپ کا تجویز کردہ ماتم ہے۔ اسی بنا پر میں نے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے صفحہ میں مروجہ ماتم کے عنوان کے تحت یہ لکھا تھا کہ: ”

جگر گوشہ بقول، نواسہ رسول، جو انانِ حجت کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ کربلا کی بنیاد پر ہر سال ماتمی ٹولہ جس طرح مجلس ماتم بپا کرتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے:۔ سیاہ کپڑے پہننا، زبان سے ہائے

حسین ہائے حسین کہتے ہوئے منہ پٹینا، سینہ کو بے کرنا، زنجیروں اور پھڑکیوں سے اپنے سینوں کو بھونکانا اور جو اُن زخموں کی تاب نہ لا کر مرجائے اس کو شہید قرار دینا) تابوت، تفسیر اور دل (ذوالجناح) کا جلوس نکالنا

وغیرہ۔ اس قسم کے مروجہ ماتم کو عبادت ماننے والوں پر تو یہ لازم تھا کہ قرآن شریف، حدیث شریف، سیرت انبیاء اور سیرت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماتم کی مروجہ شکل و صورت کو ثابت کرنے لیکن

جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے تو یہ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔“ اس لئے قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ وہ پہلے بحث کا موضوع اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور پھر دیکھیں کہ ”فلاح الکوئین“ کے مصنف اس ماتم کے

سنت اور عبادت ہونے میں کوئی صحیح، محسوس اور محکم دلیل پیش کر سکے ہیں یا نہیں۔ جہاں کہیں کسی کتاب میں گریہ اور بکا کا لفظ آتا ہے اس کو پیش کر دیتے ہیں یا کوئی خواب ذکر کر دیتے ہیں یا اپنا ماتمی فلسفہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن

ان امور کو دلائل شرعیہ کے ساتھ کیا تعلق ہے جن سے ماتم مروجہ کا عبادت ہونا ثابت کیا جاسکے۔

بحث دلیل نمبر ۱ آیت فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین (سورۃ النحل آیت ۶۹)

تو ارشاد ہوتا ہے: نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین نے گریہ کیا اور نہ انہیں اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی، اس سے ثابت ہوا کہ قرآنی نقطہ نظر سے بد اعمال کا تقاضا یہ ہے کہ بد اعمالی پر نہ رویا جائے۔ اس کے مقابل جو حسن عمل کھتے ہوں وہ مستحق گریہ ہیں۔ اس کا جواب میں نے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ لکھا تھا کہ (۱) اس آیت میں شہادت کا ذکر ہے نہ ماتم کا، تو اس سے مراد جو ماتم کیے ثابت ہو گیا۔ (۲) اس آیت میں کوئی حکم نہیں ہے کہ نیک لوگوں پر دنا چاہیے۔ (۳) کیا ماتمی لوگ زمین و آسمان کے مذہب کے پیرو ہیں۔ (۴) اگر اللہ کے مقبول اور صالح بندے مستحق گریہ ہیں تو پھر حضرت امام حسن اور دیگر صلحاء اُمت کی وفات پر ہر سال کیوں گریہ و ماتم کی مجلس بیان نہیں کرتے؟ (۵) اس کے جواب الجواب میں آپ لکھتے ہیں کہ: آیت مذکورہ اس قوم کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آچکی تھی لہذا ان پر نہ زمین رویا نہ آسمان۔ آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان میں رونے کی صلاحیت ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بد عمل اور کافر تھے لہذا ان پر زمین و آسمان نہ رونے اس کے برعکس نیک اعمال اور خاصا خدا پر ضرور رونا چاہیے، ورنہ رونے کی صلاحیت نہ ثابت ہو سکے گی۔ مشکوٰۃ شریفین فصل ۱ ص ۹۔ ہر مومن کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک وہ جس سے اُس کا عمل اور جاتا ہے اور ایک وہ جس سے اس کا رزق نیچے اُترتا ہے۔ قالوا اذا مات بکیا علیہ۔ یہ ہے قول خدا، نہ رویا ان پر آسمان و زمین، یعنی بروں پر نہیں رونے، اچھوں پر ضرور روتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اپنے ترجمہ قرآن مجید موضوع القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”مسلمان کے مرنے پر رونا ہے دروازہ آسمان کا، جس سے اُس کی روزی اُترتی ہے اور زمین جہاں وہ نماز پڑھتا ہے“ تاریخ کامل ابن اثیر ص ۱۳ پر ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد دو تین مہینے تک طلوع آفتاب کے وقت سے دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں۔ (فلاح الکونین ص ۳۶) اس کے بعد آپ نے ”سیر الشہادتین“ (حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) اور اس کی شرح ”تصویر الشہادتین“ سے کچھ واقعات خوارق عادت نقل کئے ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد رونما ہوئے۔

سکھو الجواب مشکوٰۃ شریف اور موضع القرآن سے آپ نے جو عبارتیں نقل کی ہیں ان سے آپ کا ماتم کیے ثابت ہو گیا؟ ان سے تو صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ نیک بندوں کی وفات کے بعد ان کے اعمال صالحہ ادا کرنے کی جگہ اور آسمان میں وہ دروازہ روتا ہے جہاں اس کے لیے رزق اترتا تھا اور جہاں سے اس کے نیک اعمال ادا پر چڑھتے تھے، تو اس رونے کا سبب بھی حدیث میں بتایا گیا ہے یعنی اعمال خیر سے ان جگہوں کا تعلق منقطع ہو جاتا، نہ یہ کہ زمین و آسمان اس نیک آدمی کی مظلومیت اور مصیبت کی وجہ سے روتے ہیں۔ جو آپ کے ماتم کی بنیاد ہے، اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ زمین مومنین پر چالیس دن تک روتی ہے (تفسیر ابن کثیر وغیرہ) فرمائیے! آیت میں تو صرف بکار کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے رونا، اس سے منہ پٹینا اور سینہ کو ٹسا وغیرہ کیے ثابت ہو گیا؟ (دب) یہ بھی زمین و آسمان کے متعلق مذکور ہے، ورنہ اگر بندوں کے لیے بھی یہ کوئی شرعی حکم ہوتا تو قرآن و حدیث میں ضرور اس کا حکم آجاتا، کہ مومنین صالحین کی وفات پر ضرور رونا چاہیے۔ (ج) آپ زمین و آسمان کی سنت کے پابند ہیں یا رحمتہ تعالین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت طیبہ کے؟۔ زمین سے جو چیز نکلے اور آسمان سے جو چیز گرے کیا وہ آپ کے لئے سنت بن جائے گی؟ (د) اگر آسمان کے رونے کو خون بہانا لازم ہے تو پھر تمام نیک بندوں کی وفات پر آسمان کو خون بہانا چاہیے۔ دوسرے شہد ار کی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اس میں کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے، اور اگر آیت کے پیش نظر آپ اپنی صلاحیت استعداد کے ماتحت روتے ہیں اور زیادہ صلاحیت کا تقاضا منہ پٹینا اور سینہ کو ٹسا ہی ہے، تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو ہر مومن صالح کی وفات پر نعوذ باللہ ایسا کرتے، اور پھر حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حسین وغیرہ سب ائمہ کرام ہر ہر مومن کی وفات پر سینہ کو ٹس کرتے، اور اگر آپ اپنے عقیدہ کے تحت دوسرے صحابہ کرام کو مومن نہیں سمجھتے تو کم از کم حضرت ابوذر غفاری، حضرت مقداد اور حضرت سلمان فارسی کی وفات پر تو یہ ائمہ اسلام اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مجالس ماتم مباح کرتے، اور اب تک ان تینوں صحابہ کا تو ماتم ضرور منایا جاتا۔ جب ایسا نہیں ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ کا اپنے مراد جو ماتم پر اس آیت سے استدلال کرنا محض بے بنیاد اور باطل ہے۔

روایات عجیبہ آپ نے تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث

دہلوی کی کتاب "سیر الشہادتین" سے جو روایات پیش کی ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آسمان سے خون برسا اور زمین سے بھی خون پھوٹا۔ تو اگر یہ روایات صحیح ہیں تو بھی ان سے آپ کا ماتم تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ اس قسم کے واقعات کو خوارق کہا جاتا ہے جو مخلقات عادت ظاہر ہو جائیں، اور تحریر الشہادتین سے جو روایات آپ نے لکھی ہیں، وہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث کی نہیں بلکہ وہ کتاب کی منج لکھنے والے نے درج کی ہیں، اور ان سے بھی ماتم ثابت نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے باوجود ان روایات کے درج کرنے کے یہ لکھا ہے کہ :- "نور سیناں و بکار ایشان عبارت است از گریستن بفریاد و فغان فقط نہ آن نور ممنوع کہ معمول و مرسوم مبتدعان این زمان است کہ در کتب صحاح و روایات معتدہ ممانعت شدید و زجر و منع و وعید بران ثابت و مستحکم، پس عبارت متن رسالہ شریف را محمول بر سند بدعت ساختن خود را در باویہ صلاحت انداختن است الخ (تحریر الشہادتین ص ۱۱) :- "اور جنوں کے توجہ اور گریہ کا مطلب ان کا فریاد و فغان کے ساتھ روتا ہے، نہ کہ وہ ممنوع توجہ کہ اس زمانہ کے بدعتیوں (یعنی شیعوں) کا رسم و رواج ہے کیونکہ صحیح اتحاد کی کتابوں میں اور قابل اعتماد روایات میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے اور اس پر سخت عذاب ہونے کی خبر ثابت اور یقینی ہے۔ اس لئے رسالہ شریف (یعنی سیر الشہادتین) کے متن (اصل عبارت) کو اپنی بدعت کے لئے سند بنانا اپنے آپ کو گمراہی کے گڑھے میں گرانا ہے" فرمائیے! آپ ان عبارات سے جو فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، خود مصنف "تحریر الشہادتین" نے ہی اس کی تردید کر دی۔

۱۔ "سیر الشہادتین" ایک میز مودت کتاب ہے جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی طرف منسوب ہے، لیکن اس میں بھی کلام ہے کیونکہ اس میں بعض ایسی روایات درج کی گئی ہیں جو اتنی ذہنیت کی پیراوار ہیں اور جن کی حافظ ابن کثیر محدث نے تردید کر دی ہے، جس کا حوالہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ لہذا یہ یقین نہیں آتا کہ تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف، حضرت شاہ عبد العزیز صبیح محقق محدث ان روایات کو قابل اعتماد سمجھ کر اپنی تصنیف میں شامل کریں۔ علاوہ انہیں اور بھی متعدد وجوہات ہیں جن کی بنا پر یہ بات قابل تسلیم ہے کہ "سیر الشہادتین" حضرت شاہ صاحب کی تصنیف نہیں، اور حضرت شاہ صاحب کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا ہے، جس کے متعلق آپ نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہ تصریح کر دی ہے کہ بعض کتابیں شیعہ علماء خود تصنیف کرتے ہیں اور پھر ان کو کسی سنی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ کتاب "سیر الشہادتین" کو اب شیعوں کے ادارہ "علوم آل محمد" نے بھی شائع کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

آسمان کی سُرخی

اس کے بعد "فلاح الکوفین" کے مصنف آسمان کی سُرخی (یعنی شفق) کے بارے میں لکھتے ہیں :- "علامہ سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص" میں لکھتے ہیں کہ اس سُرخی کی حکمت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو عقہ آتا ہے تو ہمارا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے، مگر خدا کا چہرہ نہیں لہذا اس نے اپنے عقے کو جو اس کو امام حسین کے قتل سے ہوا تھا، اس طرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سُرخ کر دیا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ واقعہ کربلا کس قدر عظیم حادثہ ہے الخ۔

الجواب

دو علامہ سبط ابن جوزی شیعہ ہیں، جن کی عبارت آپ نے "تذکرۃ الخواص" سے نقل کی ہے، اور ان کا شیعہ ہونا ان کے اس عقیدہ سے بھی ثابت ہے جو اسمی "تذکرۃ الخواص" میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ :- "قلت ومن شرط الامام ان يكون معصوماً كذلك يقع في الخطاء والذنوب صلباً عنہ نجف اشرف) :- "اور میں کہتا ہوں کہ امام کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ معصوم ہو تاکہ کسی خطا میں نہ پڑ جائے" حالانکہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ سوائے انبیاء عظیم السلام کے کوئی معصوم نہیں ہے البتہ محفوظ ہو سکتے ہیں، اور معصوم وہ ہے جس سے کسی قسم کا گناہ ہو ہی نہیں سکتا، اور محفوظ وہ ہے جس سے گناہ صادر نہ ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا فضل شامل حال ہو جائے تو اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور سبط ابن جوزی موصوف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں۔ حالانکہ جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ ابھی آپ پیدا نہیں ہوئے البتہ قرب قیامت میں پیدا ہوں گے۔ (ب) اور یہ بھی تعجب خیز بات ہے کہ سبط ابن جوزی نے باوجود شیعہ ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں بھی کتاب لکھی ہے اور اس قسم کی تصانیف سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ سُنی حنفی عالم تھے، حالانکہ یہ ان کے تفتیہ کے کمالات پر مبنی ہے، اور کتنے شیعہ علماء ایسے ہیں جنہوں نے از روئے تفتیہ سنی حنفی بن کر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنی لاجواب کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں شیعہ علماء کے بارے میں لکھا ہے کہ :- "ایک کتاب بنا کے اس کو کبر لئے اہل سنت (کے نام) پر لگاتے ہیں اس مطاعین صحابہ اور بطلان اہل سنت درج کرتے ہیں، جیسے کتاب "سیر العالمین" کہ اس کو امام غزالی کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور مستشرقین اہل سنت کا ہر ایک میں نام لگا دیا ہے۔" تحفہ اثنا عشریہ

قاضی نور اللہ شوستر کی کتابیں

اور شیعہ علماء کی معنی برتتہ تصانیف کا اقرار خود قاضی نور اللہ صاحب شوستر نے بھی کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

صاحبان معرفت اور اصحاب بصیرت کے دہائے مصفا پر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امیر المؤمنین کی خلافت کے زمانے سے لے کر سلاطین صفویہ کے ظہور سلطنت تک اہل تشیع میں بلائے فقہ کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے اصول و فروع کی ترویج ہی ممکن تھی بلکہ علماء و فقہائے معتزلہ و اشاعرہ کے اصول و فروع پر ظاہر میں عمل رہا کرتا تھا، اس سبب سے مخالفین کے مختلف فرقوں نے تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں، لیکن علمائے شیعہ سب ساہما سال منہلوم اہل شکارہ کے گوشہ تقیہ میں چھپے رہتے تھے اور اپنے کوششوں یا مخفی ظاہر فرماتے تھے اس سبب سے اپنے اکابر کے حالات نہ لکھ سکے۔ بلکہ شہرت دنیا کیسا؛ چھپانے کی ضرورت تھی۔ صرف احادیث رسول اور آجبادائے کے راویوں کے نام اور حالات میں کتابیں لکھی ہیں اور اپنے فضل کو چھپانے کی غرض سے اجمال و اختصار سے کام لیا ہے۔ باوجود اس کے ان کتابوں سے اکثر کتابیں دشمنوں کے جلاوینے اور دھو ڈالنے سے محفوظ ہو گئیں اور بہت سی کتابیں بادشاہان ظلم کے خوف سے زمین کی تہوں اور مکانات کے گوشوں میں چھپا دی گئیں، اور مرور زمانہ کے سبب سے دیکھوں کی نذر ہو گئیں الخ (مجالس المؤمنین قاضی نور اللہ شوستر ص ۵۵)

فرمائیے! جب حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر صدیقوں تک تقیہ کی بلا اہل تشیع پر اس قدر مسلط رہی ہے، تو ان کے مذہب اور ان کی کتابوں پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے؛ تو یہ علامہ سبط ابن جوزی

لے یہ قاضی نور اللہ شوستر کی یادیں ہمیں ہمیں ہونے ہیں اور شیعہ فرقہ کے نزدیک وہ شہید ثالث کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی شہادت کے متعلق "فلاح المومنین" پر تقریظ لکھنے والے علامہ محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:- بہت بلند پایہ عالم، عظیم الشان متکلم، قیصر البیان تھے۔ باوجود ناظلم حالات سے دوچار ہونے کے علم کلام میں بہت سی کتب جلیلہ تصنیف فرمائیں..... یہ بزرگوار ان منہلوم علمائے شیعہ میں سے ہیں، جنہیں شیخ کے جرم میں جاہم شہادت نوش کرنا پڑا۔ انہیں جہانگیر نے ملاؤں کے مطابقت

شہید کر لیا۔ (رحمن الفوائد ص ۲۵)

بھی ان ہی تقیہ باز شیعہ علماء میں سے ہیں جو سنی حنفی بن کر کتابیں لکھتے رہے، اسی لئے بعض محققین اہل سنت شواہد فہمی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان جلد ۶ ص ۳۲۵ میں علامہ سبط ابن جوزی کے متعلق واضح کر دیا ہے کہ:- یہ بزرگ مغنیوں میں حنفی تھے، جنہوں نے حنبلی تھے اور شیعوں میں شیعہ تھے اور شیعوں کے لیے انہوں نے تصانیف مدون کی ہیں چنانچہ ایک کتاب جس کا نام "اعلام الخواص" بھی ہے اور اسی کتاب کو تذکرۃ الخواص کے نام سے اب شیعوں نے مطبع العلمیہ نجف اشرف سے شائع کیا ہے۔ یہ تصنیف بھی سبط مذکور کی ہے اور شیعہ مسلک کی نائید میں مدون کی ہے۔ اہل سنت علماء خبردار رہیں! ذبحوا الذکرت حدیث ثقلین مؤلفہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدرس جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ)

مشہور روایات کی حقیقت - حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:- وقد باخ الشیعة فی یوم عاشوراء فوصوا احادیث کثیرة کذبا فاخشأ من کون الشمس کسفت یومئذ حتی بدت النجوم وما یرفع یومئذ حجرا لا وجد تحتہ دم وان ارجاء السماء احمرت وان الشمس کانت تطلع وشعاعها کا نه الدم وصارت السماء کا بنا علقة وان الکواکب صرت بعضها بعضا وامطرت السماء دما احمر وان الحجرۃ لم تکن فی السماء قبل یومئذ ونحو ذلک..... دللتیة والرافضة فی صفة مصرع الحسین کذب کثیر واخبار باطلاتہ (البدء والنهاية جلد ۱) :-

"اور تحقیق شیعوں نے یوم عاشوراء کے بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور انہوں نے بہت احادیث وضع کر لی ہیں جو فاضل جھوٹ ہیں مثلاً یہ کہ اُس دن سورج کو گرہن لگا، حتیٰ کہ ستارے ظاہر ہو گئے اور جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون نکلتا تھا اور آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے اور آسمان سے خون کی بارش برسی، اور یہ سنی آسمان پر اس دن سے پہلے نہیں تھی وغیرہ..... اور شیعوں اور رافضیوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کے قتل کے بارے میں بہت جھوٹ بولا ہے اور باطل خبریں بنائی ہیں"

البتہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمادیا ہے کہ حضرت حسین کے قاتلوں کو جو مختلف قسم کی سزائیں بطور عذاب دیا میں ملی ہیں اس قسم کی روایات اکثر صحیح ہیں۔ علاوہ ازیں اپنی تفسیر میں بھی مذکورہ جھوٹی روایات درج کرنے کے بعد محدث ابن کثیر نے یہ لکھ دیا ہے کہ:- والظاهر انه من سخط الشیعة وکذبهم لیجزم الامر لا شک انه عظیم ولكن الذی لم یقطع هذا الذی اختلوا وکذبوه وقد وقع ما هو اعظم من قتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنه ولم یقع شیخ

مسا ذکوہ الخ یعنی ظاہر یہ ہے کہ ایسی روایات شیعوں کے جھوٹ اور کم علمی پر مبنی ہیں تاکہ امر شہادت حسین کو عظیم کر کے دکھائیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر عظیم ہے لیکن انہوں نے جو روایتیں جھوٹی بنائی ہیں وہ یقینی نہیں ہیں۔ حالانکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے بھی بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں اور اس قسم کے واقعات ظاہر نہیں ہوئے مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے جو حضرت حسین سے افضل ہیں، پھر حضرت عثمان مظلوم و محصور ہو کر شہید ہوئے، اور حضرت عمر ابن خطاب صبح کی نماز میں، محراب میں شہید کئے گئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دنیا و آخرت میں سید البشر ہیں، جس دن وفات پائی اس قسم کے واقعات ظاہر نہیں ہوئے، اور جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اور سورج کو گرہن لگا لوگوں نے سمجھا کہ یہ وفات ابراہیم کی وجہ سے ہو ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

آسمان کی شفقت

اور علامہ سبط ابن جوزی کی عبارت جو آپ نے "تذکرۃ الخواص" سے نقل کی ہے کہ: آسمان کے کناروں کی سرخی شہادت حسین سے پہلے نہ تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ظہور کی ایک صورت ہے وغیرہ تو یہ قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانشقاق میں فرمایا: - فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَّتْ (پس قسم ہے شفق کی اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ ڈھانک لیتی ہے الخ) (مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ) یہاں پر اللہ تعالیٰ نے شفق کی قسم کھائی ہے اور شفق کے منشاخ تفسیر فی میں لکھا ہے: - والشفق الحمرۃ بعد غروب الشمس "اور شفق وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد ہوتی ہے" تو کیا فرماتے ہیں مصنف "فلاح الکونین" اور شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین صاحب سرگودھی مصنف "أحسن الفوائد فی شرح العقائد" کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شفق کی قسم کھائی ہے تو اس وقت یہ شفق آسمان پر موجود تھی یا نہ؟ (۲) قرآن کے بعد حدیث و سنت کا درجہ ہے، اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث میں نماز مغرب کے وقت کے تعیین میں شفق کا ذکر ہے (۱) چنانچہ اہل سنت کی کتاب حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے: - وعلی المغرب قبل ان یغیب الشفق (مولیٰ صحیح مسلم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفق نماز

ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھی (جب) اور شیعہوں کی کتاب حدیث فروع الکافی جلد اول میں ہے: - اذا غابت الحمرۃ من هذا الجانب یعنی من المشرق فقد غابت الشمس من شرق الامرض وغیرہا فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے جب سرخی مشرق سے غائب ہو جاتی ہے تو سمجھو کہ سورج شرق وغیرہ زمین کے حصوں سے غائب ہو گیا (الشافی ترجمہ فروع الکافی مؤلفہ ادیب اعظم) اس روایت سے معلوم ہوا کہ سرخی کے غائب ہونے کا تعلق سورج کے غروب ہونے سے ہے۔ (۳) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان اللہ خلق حجبا من ظلمة مما یلی المشرق وکل به ملگا فاذا غابت الشمس اغتوت ذالک الملك غرسة بیده ثم استقبل بها المغرب یتع الشفق ویتخرج من بین یدیه قلیلا ویبضی ویدو فی المغرب عند سقوط الشفق: - فرمایا ابو عبد اللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) نے کہ اللہ تعالیٰ نے تاریکیوں کے کچھ پردے مشرق سے منقل خلق فرمائے ہیں اور ان پر ایک فرشتہ کومعین کر دیا ہے جب سورج غائب ہوتا ہے، تو وہ اپنے ہاتھ سے اس تاریکی کے ایک پردے کو کھول دیتا ہے۔ پھر مغرب کی طرف آتا ہے اور شفق پیدا ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے غائب ہو جاتی ہے اور سورج کے غروب کے بعد سرخی مغرب میں ہوتی ہے" (الشافی ترجمہ فروع الکافی جلد اول)

فرمائیے! سنی اور شیعہ دونوں کی احادیث سے ثابت ہو گیا کہ غروب آفتاب کے بعد شفق (آسمان کی سرخی) نمودار ہوتی ہے اور یہ نماز مغرب کا وقت ہے اور ظاہر ہے کہ اوقات نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں اور نماز پڑھی ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت یہ شفق یعنی آسمان کے کناروں کی سرخی موجود تھی، علاوہ ازیں دوسری روایت شیعہ نے تو معاملہ صاف کر دیا کہ اس کام پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو مغرب کی طرف آتا ہے تو مشرق میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ روایت قرآن و حدیث کے خلاف کتنے بڑے جھوٹ پر مبنی ہے کہ شفق آسمان پر سے نہ تھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ہی ظاہر ہوئی ہے۔

سبط ابن جوزی نے یہ لکھا ہے کہ: - اس سرخی کی حکمت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو غصہ آتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، مگر خدا کا چہرہ نہیں لہذا اُس نے

خدا کا غصہ

اپنے غصے کو جو اس کو ابام حسین علیہ السلام کے قتل سے ہوا، اس طرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سرخ کر دینے۔

الجواب

سبحان اللہ! اس توجیہ میں کس قدر اللہ تعالیٰ کی توہین ہے۔ انسان کے پہرے پر غصہ کی حالت میں جو سرخی ظاہر ہوتی ہے وہ تو اس آگ کا ظہور ہے جو اس کے جسم کی ترکیب میں پنہاں ہے۔ کیا مائیموں کے نزدیک نفوذ باللہ ذاتِ خداوندی میں بھی کوئی آگ کا عنصر موجود ہے؟ (ب) پہلی قوموں پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور مختلف صورتوں میں عذاب کا ظہور ہوا۔ کسی کو پانی کے سیلاب سے غرق کیا گیا، کسی پر پتھروں کی بارش ہوئی، کسی کو سخت تند و تیز آندھی سے ہلاک کیا گیا وغیرہ، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے غصہ کا ظہور سرخی کی شکل میں کیوں نہیں ہوا؟ (ج) خود رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک جنگِ احد میں زخمی ہوئی، دندان مبارک شہید ہوئے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے خون کے ایک قطرے کے مقابلے میں دنیا کے تمام شہیدوں کا خون کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مترجمانہ کرام شہید ہوئے، حتیٰ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ناک، کان وغیرہ اعضاء کاٹ دیے گئے۔ ہند نے آپ کا سینہ چیرا اور کلیجہ نکال کر منہ میں چپایا کیا اس دن اللہ تعالیٰ کو کوئی غصہ نہیں آیا تھا؛ پھر آسمان سے خون کیوں نہ برسا؛ سرخی کیوں نمودار نہیں ہوئی اور مصنف نے حضرت حمزہ کے ماتم کی جو روایت یہاں مختصر لکھی ہے، اس پر انشاء اللہ تعالیٰ دلیل نمبر ۱۰ کے تحت مفصل بحث کی جائے گی۔

قصہ حضرت ہابیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

(بحث دلیل نمبر ۱۰)

ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۱۰ کے تحت یہ لکھا تھا کہ :- حضرت آدم نے حضرت ہابیل کی شہادت پر مرثیہ پڑھا اور پڑھ کر خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلا یا اور ہر سال جب وہ دن آتا اُس دن مرثیہ پڑھ کر خود روئے اور دوسروں کو رُلا یا کرتے تھے (تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر)۔

اس کے جواب میں رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ لکھا گیا تھا کہ :- (۱) ہابیل کی شہادت پر قرآن میں تو حضرت آدم کے رونے کے رُلانے کا ذکر تک نہیں ہے، باقی رہی تفسیر تو ابن کثیر میں بھی عبارت نہیں ملتی جو اس پمفلٹ میں درج کی گئی ہے بلکہ تفسیر ابن کثیر میں تو اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ :- کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے اُن کے غم دُور ہونے اور ہنسی آنے کی دُعا کی :- (تفسیر ابن کثیر مترجم جلد اول ص ۱۰۰) فرمایا: کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم ہر سال غم کی مجلس قائم کرتے تھے؟ یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کے غم کو دُور کرنے کی دُعا کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ غم دور کرنا ضروری ہے، نہ کہ باقی رکھنا۔ (۲) حضرت آدم نے نہ مٹنے پٹانہ سیتہ کو بی کی، اور نہ کالے کپڑے پہنے۔ تو ماتمی لوگ یہ کام کر کے کس کی سُنّت کی پیروی کرتے ہیں؟ (۳) اگر تمہیں شہادتِ حسینؑ کا غم ہے تو ساری عمر کے لیے ہنسنا اور خوشی کرنا چھوڑ دو۔“

اس کے جواب الجواب میں مصنف ”خلاصہ المکتوبین“ لکھتے ہیں کہ :- تفسیر ابن کثیر لویہ الفاظ جو پمفلٹ میں نقل کئے گئے ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا ہابیل کی شہادت پر مرثیہ پڑھنا، خود رونا اور دوسروں کو رُلانا نہ ہوں گے، لیکن اتنا تو آپ نے بھی مان لیا کہ :- اس صدمہ سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال تک انہیں ہنسی نہ آئی..... اگر آدم علی نبینا وعلیہ السلام مصروفِ گریہ و بکا نہ ہوتے تو فرشتوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ آپ کے لیے ہنسنے اور خوش ہونے کی دُعا کرتے۔ معلوم ہوا غمگین ہونے کا مطلب ہے رونا خوش ہونا یا واہ واہ کرنا نہیں“ (ص ۱۰۰)

الجواب

(۱) اگر تفسیر ابن کثیر میں وہ الفاظ نہیں تو ماتمی ٹریکٹ میں جھوٹا حوالہ کیوں پیش کیا گیا تھا۔ ہاں! آپ کے لیے اس کا جواب آسان ہے کہ یہ تفسیر پر مبنی ہے۔

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب بلا تہ تقیہ ہم نے کیا تھا، ہمیں ثواب بلا (ب) مذکورہ عبارت میں حضرت آدم کے لیے لفظ غمگین کا آیا ہے، اس سے آپ کا ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ یہ غم تو ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو لاحق ہوا تھا۔ لیکن دونوں معصوم پیغمبروں نے کوئی مجلس ماتم قائم نہیں کی، اور شیعہ روایت میں تو رونے کی مدت چالیس دن لکھی ہے۔ چنانچہ مولوی مقبول احمد

صاحب دہلوی لکھتے ہیں :- آدم علیہ السلام تشریف لے گئے اور ہابیل کو مقتول پایا پس آدم نے اس زمین پر لعنت کی جس نے ہابیل کا خون قبول کیا تھا اور ہابیل کے ماتم میں چالیس دن روتے رہے (حاشیہ ترجمہ مقبول) حج فرشتوں نے جب غم ڈور ہونے کی دعا کی تو اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ اگر کسی کو صحیح طبعی غم لاحق بھی ہو تو اس کو ڈور کرنا چاہیے اور حضرت آدمؑ کا غم فرشتوں کی دعا سے ایک سال بعد باچالیس دنوں کے بعد ڈور کیا گیا لیکن کیا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ابھی تک چالیس دن یا ایک سال نہیں گذرا اور غم بھی کہاں ہے، اور پھر انہما غم کا طریقہ بھی وہ جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ الممتحنہ کی آیت وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرَفٍ، کے تحت مشہور شیعی مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :- کافی

ماتم مروجہ حرام ہے

میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا نے مکہ فوج کیا تو مردوں نے بیعت کی پھر عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا نے یہ پوری آیت نازل فرمائی :- يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّ اس وقت ہندہ نے تو یہ کہا کہ ہم نے اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور اُمّ الحکم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی، یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر ٹھانچے نہ مارو، اپنے منہ نہ ٹونچو، اپنے بال نہ کھسوٹو، اپنے گریبان چاک نہ کرو اپنے کپڑے کالے نہ رنگو، اور ہائے ولے کر کے نہ روؤ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں، بیعت لینی چاہی کہ (ترجمہ مقبول، استقلال پریس لاہور) بارہ پنجم تعداد ایک ہزار) اور ترجمہ مقبول طبع چہارم ۱۹۵۲ء ناشر افتخار بکٹ ڈپو کرشن نگر لاہور میں بھی مذکورہ روایت درج ہے، لیکن بعد میں افتخار بکٹ ڈپو کرشن نگر لاہور میں نے جو ترجمہ مقبول چھپوایا ہے اس کے حواشی میں یہ روایت درج نہیں ہے۔ لیکن اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا کیونکہ یہ حدیث فروع کافی میں بھی موجود ہے اور تفسیر فی میں بھی، اور ماتمیوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آیا ایمان کا تقاضا

ہونا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اگر کہیں غم اور رونے کا لفظ آیا ہے تو اس کو اپنے ماتم کی سند کے طور پر پیش کیا جائے، اور قرآن مجید کی آیت کریمہ کے تحت امام جعفر صادق سے جو حدیث مروی ہے اور جن افعال قبیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے ان کو سنت اور عبادت قرار قرار دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر بھی محبت حسین کے نام پر کیا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ہو سکتی ہے؟ (۵) جب فرشتوں کی دعا سے حضرت آدم خوش ہوئے تو پھر ماتم کیسا؟ خوشی کے بعد بھی آپ واہ واہ نہیں کرنے دیتے۔ جب تیرہ سو سال حضرت حسینؑ کی شہادت کو گذر گئے اور آپ حسب وعدہ قرآنی جنت کا رزق کھاتے اور وہاں خوشیاں مناتے ہیں، تو اب ہائے ہائے کا کیا موقع ہے۔ لیکن ماتی گروہ کتا ہے کہ حضرت حسین کے مجاہدانہ کارناموں پر بھی کوئی مسلمان واہ واہ نہ کرے۔ کیا عیب محبت ہے سبحان اللہ جو ش ملیح آبادی نے ماتمیوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے

کھول آنکھیں لے اسیرِ کاکلی زشت و نکو آہ! کن موہوم موجوں پر مہاجاتا ہے تو
ختم ہے آسُو مہانے ہی پہ تیرا آرزو اور شہیدِ کربلا نے تو بہا یا تھا ابو
ہاتھ ہے ماتم میں تیرا سینہ افکار پر
اور حسینؑ ابن علیؑ کا ہاتھ مٹا تلوار پر

حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں آپ نے ملاحسین واعظ کاشفی کی کتاب ”روضة الشهداء“ سے حسب ذیل فارسی کی ایک عبارت پیش کی ہے کہ :- آب دیدہ آدم چوں سیلے بیروں می آمد ز دیدہ راست
ادماند آب درجہ وانہ چشم چپ او مثل آب فرات الخ

(۱) پہلے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ ملاحسین واعظ کاشفی شیعہ ہیں پھر ان کی بات ہم پر کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ (ب) آپ نے مندرجہ عبارت سے پہلے الفاظ چھوڑ دیے ہیں جن میں تصریح ہے کہ آپ کا یہ رونا اپنی توبہ کے سلسلہ میں تھا، چنانچہ الفاظ یہ ہیں :- یکے از محققان، فرمودہ کہ سبب قبول توبہ آدم سے چیز بود، حیا و بکا و دعا، بعض محققین نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا سبب تین چیزیں تھیں، حیا، رونا اور دعا کرنا۔ اس کے بعد آپ کی حیا کا ذکر ہے کہ

الجواب

زمین پر آنے کے بعد آپ نے تین سو سال سر اور پر نہیں اٹھایا اور آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی
نثر مساری کی وجہ سے۔ اس کے بعد آپ کے بکاؤ کا ذکر ہے۔ جو آپ نے فارسی عبارت لکھی ہے آپ
نے مذکورہ الفاظ کو غالباً اس لیے نہیں لکھا تاکہ ناواقف لوگ اس مغالطہ میں رہیں کہ حضرت آدم علیہ
السلام کا یہ روتا حضرت بائبل شہید کے متعلق تھا، اور جو عبارت درج کی ہے اس کا ترجمہ بھی آپ نے
نہیں لکھا کیونکہ وہ بھی ایک خلاف عقل بات معلوم ہوتی ہے، چنانچہ اس فارسی عبارت کا مطلب یہ ہے
کہ (حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں آنکھ سے دریائے دجلہ کے پانی کی طرح اور بائیں آنکھ سے مثل دریائے
فرات کے آنسوؤں کی ندیاں بہتی تھیں، اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھوں سے
حسرت کی بارش اس طرح زمین پر برسی کہ اُس پانی سے ہوائی پرندے پانی پیتے تھے اور وہ ایکے سرے سے
گتے تھے کہ یہ پانی کیسا ہی اچھا ہے، کہ اب تک ہم نے ایسا پانی نہیں پایا) روضة الشہداء فارسی باب
اول صلا مطبوعہ شیخ المہدی بخش، جلال الدین تاجران کتب لاہور۔ آنسوؤں کی ندیوں اور
دریائوں کی یہ روایت انتہائی مبالغہ آمیز اور غیر معقول ہے۔ کیا حضرت آدم علیہ السلام کے جسم
مبارک میں اتنا پانی تھا جو آنکھوں سے ندیوں کی مثل بہتا رہتا۔ اسی پر قیاس کر لیں کہ حضرت امام حسینؑ کی
کی شہادت کے متعلق من گھڑت روایات کا کیا حال ہوگا، اور شرعی اصول تو یہ ہے کہ خواہ کسی کتاب میں
کوئی روایت ہو، اگر وہ قرآن و حدیث کے احکام و ارشادات کے خلاف ہے تو رد کر دی جائیگی۔

یہ بھی ائمہ صابریں کی کرامت ہے کہ گو اُن کے نام سے بے بنیاد روایات درج
کر دی ہیں، لیکن اسی کتاب ”روضۃ الشہداء“ میں ماتم مروجہ کے خلاف بھی
عبارتیں موجود ہیں، مثلاً حضرت حسینؑ کے متعلق لکھا ہے کہ: ”قدم در سر پرودہ نہاد مخدرات اہل بیت ہم
بخدمت او حاضر شدند، فرمود کہ اے پرودہ گیرانِ حرم چادر ہا بر سر کنید و میانہا استوار بر بندید و مصیبت او
آمادہ باشید، اما جامہ مدرد و فرغ منہائید و یتیمانِ مرانیو دارید، پس امام زین العابدین را در بر گرفت
و رُوئے اور ابوسہ داد (روضۃ الشہداء باب نہم ص ۲۳۱)“ حضرت امام حسینؑ ضمیمہ میں تشریف لائے تو
تمام مستورات حاضر خدمت ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے پرودہ نشینانِ حرم چادریں اپنے سروں پر کر لو

اور اپنے میان مضبوط باندھ لو اور میری مصیبت کے لیے تیار ہو جاؤ، مگر کپڑے مت مچاڑنا اور فرغ نہ کرنا
اور میرے یتیموں کو اچھی طرح رکھنا، پس امام زین العابدین کو بغل میں لیا اور اس کے منہ کو چوما، اسی
کتاب کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حسینؑ نے اپنی ہمشیرہ زینب کو تسلی دی اور اپنی زوجہ شہر بانو کو
وصیت فرمائی کہ: ”چوں مرا بہ بی بی دریں موضع از اسب در افتادہ و سر و رُوئے در ہم شکستہ و اعضا از زخم
تیغ و تیر و نیزہ مجروح گشتہ، ازینہارتا کہ سر و موئے بر من نہ کنی و سینہ و رُوئے خراشی۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۳۱
مطبوعہ لکھنؤ)“ جب تو مجھے اس حال میں دیکھے کہ گھوڑے سے گرا ہوا ہے، سر اور منہ شکستہ ہے اور اعضا
تلوار، تیروں اور نیزوں سے زخمی شدہ ہیں تو خبردار! سر اور بال اپنے ننگے نہ کرنا اور سینہ اور منہ نہ چھیلنا۔“
فرمائیے! کیا آپ نے ”روضۃ الشہداء“ میں یہ روایات نہیں پڑھیں، جو آپ کے مزعومہ ماتم کی وضع
تردید کر رہی ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں مصنف ”فلاح الکونین“ نے
ایک اور روایت کتاب ”معارج النبوة دکن اول ص ۲۱۲“ سے فارسی عبارت بھی پیش کی
ہے جس کا ساتھ ہی ترجمہ بھی کر دیا ہے کہ: ”جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ پر اور تیری اولاد پر رحمت
کروں گا، چونکہ رحمت گناہ کے بعد ہوتی ہے لہذا حضرت آدم اپنی اولاد کے گناہوں کو یاد کر کے روپڑے
ہائے ہائے کہنے لگے اور سر پر ہاتھ رکھ کر پٹینے لگے اور اس سنت کو اپنی اولاد میں چھوڑ گئے۔“ اس سے زیادہ
حضرت آدم کے ماتم کا اور کیا ثبوت پیش کیا جائے؟ آپ تو امام حسینؑ پر ماتم کو دوزخیوں کا فعل کہتے ہیں لیکن
آپ کے علمائے سابقین ماتم کو سنتِ انبیاء قرار دے رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ آدم ماتم کریں تو ابو البشر کلاسیں
اور شیعہ ماتم کریں تو بقول شما..... دوزخی۔ بریں عقل و دانش باید گریست“ (ص ۲۱۲)

آپ نے کتاب ”معارج النبوة“ کا حوالہ پیش کیا ہے لیکن یہ کتاب بھی اہل سنت
الجواب کے ہاں معتمد علیہ نہیں چنانچہ (۱) اہل سنت کے بریلوی مکتب فکر کے امام مولانا
احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے پوچھا گیا کہ کتاب ”معارج النبوة“ کیسی کتاب ہے، اور اس کے
مصنف عالم اہل سنت، معتبر محقق تھے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ”سُنی واعظ تھے، کتاب

میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔ (احکام شریعت حصہ دوم ص ۵۲) (ب) علامہ سید سلیمان ندوی اس قسم کی غیر معتبر کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و معجزات پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ قیرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں۔ سناخریبے عام طور پر یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا وہ طبری، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بزاز اور ابو نعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں۔ حافظ قسطلانی نے اپنی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر عوامی لکڑنیہ میں داخل کیا اور میں نے فراموشی سے ان کو "معارض النبوة" میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے۔" (سیرت النبی جلد سوم، حصہ دوم ص ۴۲۳)

کتاب -
معارف النبی
کے متعلق زبرد
بحث ص ۳۲۲

فریٹے! جو کتابیں غیر مستند اور غیر معتبر ہیں اور ان میں صحیح و غلط ہر قسم کی روایتیں شامل ہیں وہ ہلکے خلائق کیونکر حجت ہو سکتی ہیں؟ (۲) اس روایت میں بھی اولاد آدم کے گناہوں کا تذکرہ ہے، جس سے متاثر ہو کر حضرت آدم نے اپنے سر پر ہاتھ مارا، نہ یہاں کسی کی شہادت کا ذکر ہے نہ مصیبت کا، اور ایک بار حسرت سے سر پر ہاتھ مارنا یہ بھی ایک وقتی تاثر ہے۔ اس کو آپ کے ماتم سے کیا تعلق؟ فارسی کے الفاظ تو صرف یہ ہیں: - دست بر سر زدہ گفت (آپ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا) اور آپ نے اس سے مجلس ماتم نکال لی۔ نفوذ باللہ کیا آپ حضرت حسینؑ کے گناہوں کو یاد کر کے منہ سرٹھتے ہیں؟ (۳) اگر حضرت آدم علیہ السلام اس سنت کو اولاد میں چھوڑ گئے ہوتے تو پھر تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپ کی اولاد میں بہر نبی اپنی اپنی امت کے گناہوں کو یاد کر کے سر پر ہاتھ مارتا، اور مجلس ماتم برپا کرتا۔ اکیسا ذی اللہ، کیا انبیائے کرام اور بالخصوص حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سنت پر عمل کیا اور پھر کیا حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمعیل ذبیح اللہ حتیٰ کہ حضور رحمتہ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دادا حضرت آدم کی اس سنت پر عمل کیا؟ ہرگز نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت من گھڑت ہے اور ماتمی ذہنیت کی پیداوار ہے۔ انبیائے معصومین اور ائمہ اہل بیت تو اس سنت پر عمل نہ کریں، اور اگر عمل نصیب ہو تو ماتمی کردہ کو

اور جو ستیں حضرت آدم کی اور دیگر انبیائے کرام کی یقینی طور پر ثابت ہیں مثلاً ڈاڑھی رکھنا اور لبس کمانا ان سُنن کے نزدیک بھی نہ جائے گا۔ الا ما شاء اللہ (۴) بعض روایتوں میں جو حضرت آدم علیہ السلام کے مرثیے کے اشعار لکھے ہوئے ہیں ان کے لیے تفسیر خازن میں ہے: - عن ابن عباس اِنَّه قال من قال ان آدم قال شعراً فقد كذب وان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم والانبیاء کلہم فی النہی سواہ (حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضرت آدم نے شعر کہا ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء شعر کہنے سے منع کئے جانے میں برابر ہیں۔ یعنی کوئی نبی شعر نہیں کہتا اس پر مرزا غلام احمد قادیانی و دجال کی نبوت کو پرکھ لیا جائے، کیونکہ اس نے نکلیں، اشعار اور بیت لکھے ہیں حالانکہ کوئی نبی شاعر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس جھوٹی نبوت کے عظیم فتنہ سے بھی ملک و ملت کو نجات عطا فرمائیں، آمین اور امام رازی رحمۃ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق جن روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت ہابیل کے مرثیے میں فلاں اشعار لکھے ہیں، یہ سب جھوٹ ہے (تفسیر کبیر)

مصنف "فلاح الکوکبیین" نے یہاں ایک اور عجیب و غریب دلیل پیش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ: - کلام پاک میں ہے کہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد قابیل کئی دن تک لاش کو کاندھوں پر اٹھائے پھرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ہابیل کی لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے قابیل کو اس لاش کے دفن کرنے کا سبق دینے کے لئے قَبَعَتَ اللہُ عُرَابًا - عُرَابُ کو سیاہ پروں کا لباس پہنانے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا سیاہ پوشی سمجالتِ غم مرضیاتِ اللہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے وہ عُرَابُ کے پروں کو کوئی دوسرا رنگ بھی دے سکتا تھا۔

(۱) قرآن مجید میں ہے: - فَبَعَثَ اللہُ عُرَابًا لِيَبْحَثَ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سُوْءَ آخِيهِ، فَاصْبَحَ مِنَ النَّارِ مَرِيئًا ۝ ۵ (دپ ۶ - سورۃ المائدہ، ص ۹۶) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیبلی نے یہ کیا ہے: - پھر اللہ نے ایک کو ابھیجا وہ زمین کو دیکھتا تھا تاکہ وہ اُسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی حالتِ بد (لاش) کو کیونکر چھپائے، تو وہ کہنے لگا، ہائے خرابی میری! کیا میں اسے (بھی) عاجز ہوں کہ اس کو اُسے کی مانند ہو جاؤں اور اپنے بھائی کی حالتِ بد (لاش) کو چھپا دوں، غرضیکہ وہ نام

الجواب

ہوا، (ترجمہ مقبول) اور مولوی فرمان علی صاحب شیبلی مفسر، قَالَ يَوْمَئِذٍ كَا تَرْجِمُهُ يَه لَكِنَّتُمْ هِيَ :-
 کہنے لگا ہلے افسوس! الخ۔ قرآن مجید میں تو اتنا ہی ہے کہ قابیل (قاتل) کو لاش کا دفن کرنا معلوم نہ تھا
 اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ سکھانے کے لیے ایک گواہوں بھیج دیا۔ لیکن اس سے آپ نے اپنے ماتمی سیاہ
 لباس کا ثبوت نکال لیا، کیا عجیب عقل ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کو اپنا کیا تھا،
 اور کوئے کی جنس پہلے نہیں تھی؟ آیت میں تو ہے فَجَعَلْنَا اللَّهُ عُرْشًا لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيُخْبِرَ قَوْمَهُ
 لِيَوْمَ يَأْتِيهِمْ كَيْفَ مَنَعَهُمْ فَذَكَرَ آلِمُوسَىٰ أُولَئِكَ يَنْفَكُونَ مِنْكَ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ آلِ لُقْيَانَ
 لِيَوْمَ يَأْتِيهِمْ كَيْفَ مَنَعَهُمْ فَذَكَرَ آلِمُوسَىٰ أُولَئِكَ يَنْفَكُونَ مِنْكَ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ آلِ لُقْيَانَ
 نے یہ بتا لیا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئے کو اپنا کیا؟ (۲) اور بقول آپ کے جب اللہ تعالیٰ نے کوئے کو سیاہ
 ماتمی لباس پہنا کر بھیجا تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلا ماتمی کو اسے، اور اس حیثیت سے وہ ماتمیوں کا امام ہے
 مبارک ہو اور کوئے کی مکروہ آواز کاٹیں کائیں" گویا کہ کوئے کا نوحہ ہوا۔ مبارک ہو، اور جب پہلا ماتمی کو آ
 ہے تو اگر ماتمیوں کو "فرقہ شرابیہ" کا نام دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ماتمی کوئے کو لباس بھی کیا دیا، اور آواز بھی کیسی دی۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر اور کوئی
 مضحکہ خیز ماتم کی دلیل ہو سکتی ہے؟ ع۔ برس عقل و دانش بااید گریست! آپ نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ
 اگر اللہ تعالیٰ نے کوئے کو ماتمی بنا کر بھیجا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اُس کو بھیجا جاتا جن کو
 حضرت ہابیل شہید کا صدرہ لاحق تھا، اور وہاں مجلس ماتم بپاکی جاتی، اور کوئے بھی خوب اپنے ماتمی تڑپ
 دکھاتا، اور اگر آپ اس پر مُصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئے کو سیاہ ماتمی لباس پہنا کر ہی بھیجا تھا تو ہم کہتے کہ
 اُس کے بھیجنے کی ایک حکمت تو یہی تھی کہ قابیل (قاتل) کو بھائی کی لاش دفن کرنے کا طریقہ سکھائے، اور دوسری
 یہ بھی حکمت ہو سکتی ہے کہ قاتل کو یہ عبرت دلانا بھی مقصود ہو کہ اپنے نیک بھائی کو قتل کرنے کی وجہ سے تیرا
 دل اور تیرا چہرہ اسی طرح سیاہ ہو گیا ہے جس طرح میرے پروں کا رنگ کالا سیاہ ہے، اور جہنم میں بھی تو
 اسی سیاہ چہرے کے ساتھ عذاب دیا جائے گا، اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اُس کا سارا بدن سیاہ ہو
 گیا تھا۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا: - بَلْ كُنْتَ ذَلِك
 اسود جلدت (بلکہ تو نے ہابیل کو قتل کیا ہے اس لئے تیری جلد سیاہ ہو گئی) عبرت! عبرت! عبرت!
 ماتمی اَلْوَيْ: ماتمی کوئے کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماتمی اَلْوَيْ کا بھی ذکر کر دیا جائے، چنانچہ شیعہ مذہب

کی مستند اور معتبر کتاب "جلاء العیون" مصنفہ علامہ باقر مجلسی، میں ہے کہ :- بسند ہائے معتبر امام جعفر صادق
 اور امام رضا سے روایت کی ہے کہ اُوَ زَمَانَهُ جَنَابُ رَسُولِ خُدَا فِي رَاَتِ كُوْهُرُوْنَ فِيْنَ رَا كُرْتِي تَحْتِيْ اُوْر
 آدمیوں سے بہت انس و محبت رکھتے تھے اور جب دسترخوان بچھنا تھا وہ بھی اُس کے بیٹھے تھے، اور کھانا لوگ اُن
 کے آگے ڈالتے تھے، لیکن امام حسین کے شہید ہونے کے بعد آدمیوں سے اُلُو بھگنے لگا اور آبادی سے ویرانی
 میں نکل گیا اور صحرا و جنگل میں مقیم ہوا، اور کہا تم لوگ بُری اُمت ہو کہ اپنے پیغمبر کے فرزند کو قتل کر کے ہو
 اور میں تم سے مطمئن اور بے خوف نہیں ہوں۔ پس دن کو مصیبت امام حسین کے غم سے روزہ رکھتا اور رات
 پانی نہیں کھاتا ہے۔ جب رات ہوتی ہے صبح تک امام حسین پر نوحہ و زاری کرتا ہے۔ (جلد دوم مترجم
 ۲۵۵ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور) آخر اَلْوَيْ اَلْوَيْ ہے، ورنہ اگر کچھ مشورہ رکھتا تو
 مخالفین امام حسین سے بھاگتا، لیکن ماتمیوں کے ساتھ تو اُنس رکھتا اور اُن کے ماتم میں شریک ہوتا۔ یہ
 بھی عجیب حکمت ہے کہ ماتم کرنے کے لیے وہ پرندے بچھنے گئے یعنی کوئے اور اَلْوَيْ جو اپنی اپنی نوعیت میں
 نرالے ہیں۔

گر ہمیں طار و ہمیں صافتم کار ایماں تمام خواہد شد

اور اسی "جلاء العیون" جلد دوم میں ہے کہ :- بعض کتب معتبرہ میں فتح عابد
 سے روایت کی ہے، کہا کہ ہر روز میں چڑیوں کے لیے روٹی کے ٹکڑے توڑتا تھا اور
 اور وہ کھاتی تھیں لیکن بروز عاشوراء بدستور جب میں نے روٹی کے ٹکڑے توڑے، انہوں نے نہ کھائے اس
 سبب سے میں نے جانا کہ سخیال تعزیت امام حسین نہیں کھائیں۔ (صفحہ ۲۵۵) چڑیاں اُلُو سے سمجھا رہی تھیں،
 کیونکہ نہ وہ ویرانی میں بھاگیں اور نہ انہوں نے پھر عاشوراء میں دانہ پانی چھوڑا۔ معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ
 کے لیے ماتم کی پابندی نہیں کرتیں۔

مصنف "فتح الکونین" نے بعنوان "ماتمی
 لباس سُنتِ رسول ہے؟ کیا سیاہ لباس سُنتِ رسول ہے؟

فاطمہ الزہرا ہے" یہ لکھا ہے کہ :- علامہ ابوالفتح اسفہانی (مشہور عالم اہل سنت) نے اپنی کتاب

”نور العین فی مشہد الحسین“ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۶ھ ص ۶۶ پر جناب سکینہ بنت حسین کا ایک خواب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :- واذا برجل اقبل وهو متغیر اللون وله نورٌ ساطعٌ مُخْتَمٌ بِسَبِيلِ كَالْمِرَاةِ الشَّكْلِي قَابضٍ عَلَى لِحْيَتِهِ بَاكِيًا حَزِينًا فَخَلَّتْ لَعْلًا مَرَّ مِنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي هُوَ مُتَلَبِّسٌ بِالْحِزَانِ فَقَالَ لَعْنَةُ فَنَلَّتْ لَ، قَالَ هَذَا جَدُّكَ ”ناگاہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو اس عالم میں آگے بڑھے کہ چہرے کا رنگ متغیر تھا اور نور ساطع ہو رہا تھا اور فرط رنج و غم سے گسے پڑے تھے، جیسے پسر مردہ عورت کا حال ہوتا ہے۔ میں نے غلام سے پوچھا یہ بزرگ جو غم و اندوہ کا لباس پہننے ہوئے ہیں کون ہیں؟ غلام نے کہا تمہیں پہچانتی نہیں ہو؛ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے بتایا کہ تمہارے جدِ امجد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی معصومہ نے جناب سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کو جس حال میں دیکھا اس کو یوں بیان کیا ہے :- وَكَيْفَ تَمَّ امْرَأَةً عَظِيمَةَ الْخَلْقَةِ نَاشِرَةً شُكْرَهَا وَعَلَيْهَا شَيْبٌ سَوْدٌ وَمَعَهَا قَمِيصٌ مَلَطَخَ بَدَنُهَا ”اور اُن عورتوں کے درمیان ایک منظمہ ہیں، جن کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اُن کا لباس سیاہ ہے، اُن کے سامنے خون میں لتھڑی ایک قمیص ہے۔“ علامہ اسفراینی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جناب سکینہ نے جب رسول خدا صلعم کو دیکھا تو آپ ماتمی لباس میں تھے۔ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کے لباس کا رنگ سیاہ تھا، کیونکہ ماتمی لباس ہمیشہ سیاہ ہوا کرتا ہے اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا بھی اپنے نور عین حضرت حسین علیہ السلام کے غم میں سیاہ پوش تھیں لہذا ماتمی لباس پہنتا، سیاہ پوش ہونا خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی بیٹی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی سنت ہے الخ۔ (فلاح الکونین ص ۳۳)

الجواب

دل) یہ ایک خواب ہے اور غیر نبی کا خواب شرعاً حجت نہیں ہوتا۔ یہ خواب جلاء العین“ جلد دوم ص ۳۳ میں بھی کم و بیش الفاظ کے ساتھ مذکور ہے، اور ”نور العین“ اور ”جلاء العین“ دونوں میں یکساں ہے کہ یہ خواب جناب سکینہ نے خود یزید کو سنایا تھا، چنانچہ جلاء العین میں یہ الفاظ ہیں :- ”ایک روز سکینہ نے یزید پلید سے کہا، شب کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے اگر تو اجازت دے تو میں بیان کروں، اس نے کہا بیان کرو۔“ یہ خواب ہی ماتمیوں کا من گھڑت ہے، کیا خاندان نبوت کی مستورات کا مقام حیا و پردہ داری مہی ہو سکتا ہے کہ وہ بلا تکلف براہ راست ایک غیر محرم مرد یزید کو اپنا خواب

سنائیں جو خود ماتمیوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ ملعون ہے (حی) اور اس خواب میں یہ بھی ہے کہ جناب سکینہ سے داستانِ غم و الم سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم روتے ہوئے بے ہوش ہو گئے، ”خکی حتی اغنی علیہ“ (نور العین ص ۶۱) کیا امام القابریں، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و ضبط کا یہی نمونہ ہو سکتا ہے، حالانکہ اولیاء اللہ کے متعلق قرآن مجید میں ہے :- الْاٰدَاتُ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ه (آگاہ ہو کہ جو) دوستانِ خدا (ہیں) اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت کے حاشیہ میں پوری مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :- ”امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم نے علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کی کتاب میں یہ لکھا ہوا پایا کہ آگاہ رہو، اولیاء اللہ وہ ہیں کہ اُن کو آئندہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خوف اور نہ وہ گذشتہ کے متعلق رنجیدہ ہوں گے، بعد الموت جب اولیاء اللہ کا یہ مقام ہے تو امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا غم کیسے لاحق ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ اس خواب میں ہے (ج) آپ نے خواب کے الفاظ (مَنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي هُوَ مُتَلَبِّسٌ بِالْحِزَانِ) کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ :- ”یہ بزرگ جو غم و اندوہ کا لباس پہننے ہوئے ہیں وہ کون ہیں؟ اور اس سے ماتمی لباس ثابت کیا ہے تو یہ تو اصرارِ حجت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ لَبِيسٌ ثَلَاثِيٌّ جَرْدٌ سے تو کپڑا پہننے کے معنی میں آتا ہے، لیکن ثَلَاثِيٌّ مزید فیہ تَلَبِّسٌ تَلَبِّسٌ اس معنی میں نہیں آتا۔ تَلَبِّسٌ کا معنی اختلاط ہے نہ کہ کپڑا پہننا، چنانچہ اَلْمَسْتَجِدُّ میں ہے تَلَبِّسٌ بِالشَّيْءِ، اختلاط بہ (وہ اس چیز کے ساتھ مل گیا) لہذا تَلَبِّسٌ بِالْحِزَانِ کا معنی بہت زیادہ غمگین کے ہوں گے، اور لَبِيسٌ التَّقْوَى بھی بمعنی حیا و پردہ پر نگرانی کے مستعمل ہے، نہ بمعنی تقویٰ کے کپڑے پہننے کے۔ لہذا تَلَبِّسٌ بِالْحِزَانِ سے ماتمی کپڑے مراد لینا آپ کی نرمی جہالت ہے۔

(۵) خواب میں البتہ یہ تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور یہی بات خواب کے من گھڑت ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ کپڑوں سے عورتوں کو خصوصیت سے منع فرمایا ہے (ص) اس خواب سے بھی آپ کے ماتمی کی تردید ہوتی ہے، چنانچہ اس خواب میں بھی مذکور ہے کہ :- شَرَّ قَالَتْ يَا سَكِينَةَ صَبْرًا جَمِيْلًا الخ (نور الحسین فی مشہد الحسین مطبوعہ ۱۳۰۹ھ ص ۵۵)۔ پھر حضرت فاطمہ الزہراء نے فرمایا اے سکینہ صبر جمیل اختیار کر“ اور دلیل نمبر ۱

کی بحث میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول فصیح جلیل کے تحت اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تقاسیر سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر جمیل وہ ہے جس میں زبان سے بھی لوگوں کے سامنے غم کا اظہار نہ کیا جائے۔ واللہ المہادی۔

سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے | آپ نے تو سیاہ ماتمی لباس کے ثبوت کے لیے ایک من گھڑت خواب کا سہارا لیا ہے، اور احادیث کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ لیکن آپ کے نظریہ کے خلاف مذہب شیعہ ہی کی مستند کتب حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے (۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ الصلی فی القلنسوة السواد آء قال لا تصل فیہا فاتیما لباس اهل النار :- (ترجمہ۔ "میں نے (امام جعفر صادق) سے پوچھا کہ کالی ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا! مت پڑھو، کیونکہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے) (السنائی ترجمہ خود الکافی) یہاں یہ ملحوظ ہے کہ فروع کافی کے مترجم، شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امرہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (۲) "من لا یحضرہ الفقیہ" میں بھی یہی روایت موجود ہے (۳) تقاسیر شیعہ سے بھی سیاہ لباس کا ممنوع ہونا ثابت ہے، چنانچہ امام حسن عسکری کے زمانہ کے شیعہ مجتہد شیخ قمی **سُوءُ الْمَنْتَقَہِ** کی آیت **وَلَا یُحْمِیْکُمْ فِی مَعْرُوفٍ** کے تحت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ پر عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے جن امور سے منع فرمایا تھا، ان میں یہ بھی تھا :- **وَلَا تَسْوَدْنَ تَوْبَکًا** اور اپنے کپڑے سیاہ نہ کرنا) (تفسیر قمی) (۴) شیعوں کے مشہور مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اس آیت کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لکھا ہے کہ :- سیاہ کپڑے رنگنا) اور حواشی ترجمہ مقبول کی پوری عبارت دلیل نمبر ۴ کی بحث میں بعنوان "ماتم مرد و عورتوں کے حرام ہے" درج کی جا چکی ہے۔

سیاہ لباس سنت فرعون ہے | **من لا یحضرہ الفقیہ** میں ہے :- وقال امیر المؤمنین علیہ السلام فیما علمہ لا صحابہ (فیما علم اصحابہ) لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون (اور امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم

۱۔ "من لا یحضرہ الفقیہ" کے مصنف ابن بابویہ ہی ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اور مولوی محمد حسین (باقی اگلے صفحہ پر)

دیتے ہوئے فرمایا کہ سیاہ لباس مت پہنو کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے۔) مبارک! مبارک! مبارک! اور اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ ارشاد اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ کرام کے حکم کے خلاف "خلاح الکونین" کے مصنف صاحب اس بات پر مُصر ہیں کہ سیاہ لباس سنت رسول ہے اور ناواقف شیعوں کو یہی لباس پہننا چاہتے ہیں تو پھر فرقہ امامیہ سے نہیں بلکہ فرقہ غرّابی کے تعلق رکھتے ہیں۔

من آنچه شرط بلایں است با توئے گویم توخواہ از و سپند گیر و خواہ ملال،
فروع الکافی جلد اول کتاب الصلواتہ میں یہ روایت بھی ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال بکرة السواد الا فی مثلثة، الخف والعمامة والکساء
استثنائی حکم :- (فرمایا ابو عبد اللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) نے سیاہی مکروہ ہے مگر تین جگہ، موزہ، عمامہ چادر۔) (السنائی ترجمہ خود الکافی) اس روایت میں امام جعفر صادق سے سیاہ موزے، پگڑی اور چادر کے استعمال کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماتم کے لیے اس کا اجاز ہے کیونکہ ماتم کے لیے تو سیاہ کپڑے پہننے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحت منع فرمادیا ہے

بقیہ تحت المسئ ص :- نے انہی کے رسالہ اعتقادہ کی شرح "احسن الفوائد فی شرح العقائد" لکھی ہے جس میں ان کی تشریح میں لکھا ہے کہ :- "یہ عالم ربانی دوزشستانی، رئیس المحدثین اپنی علمی و علمی جلالت و شہرت کی بنا پر ہر قسم کی تفریق و توصیف سے مستغنی ہے اور ان کی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- یہ ہماری ان کتب اربعہ میں سے ہے، جن پر مدارِ شیعہ ہے۔ علاوہ انہیں خود شیخ صدوق موصوف نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے کہ :-
ولما قصد فیہ ليقصد المصنفین فی ایراد جمیع ما رُوّیہ بل قصدت الی ایراد ما اختی بہ و احکم بصحتہ واعتقد فیہ اسنہ حجة فیما بین و بین ربی الخ :- اور میں نے عام مصنفین کی طرح یہ ارادہ نہیں کیا کہ اس میں ان کی تمام روایات جمع کر دوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ اس میں وہی روایت درج کروں جس پر میں فتویٰ دیتا ہوں اور جس کو صحیح قرار دیتا ہوں، اور اس میں میرا اعتقاد یہ ہے کہ یہ میرے اور میرے رب کے درمیان محبت ہے کیا اس کے بعد کوئی شیخ عالم و مجتہد ان کی روایات کو ضعیف اور بے ثناء کہہ سکتا ہے؟

جیسا کہ حاشیہ ترجمہ مقبول سے پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے، اور سیاہ لباس کا سوگ اور غم و اندوہ کی وجہ سے پہننا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی موقع پر بھی ثابت نہیں ہے یہ تو محض مانیوں کی ایجاد ہے۔ جس کی ایک دلیل ان کے ہاں غراب (کوئے) کے پروں کا سیاہ ہونا ہے، لیکن یہ غراب فلسفہ ہے نہ کہ شرعی ہے۔

اذا كان الغراب دليل قوم سيهد بهم طريق الها لكينا

(جب کسی قوم کا رہنما کوٹا ہو، تو ان کو وہ ہلاکت والوں کے راستے پر لے جائے گا)

مصنف "فلاح الكونين" ایک اور غرابیہ (لطیفہ) یہ لکھتے ہیں کہ :- یہ قانون عادت جاری ہے کہ خوشی کی محفوں، مسرت

ایک اور غرابیہ

تقریبوں میں غم کا ذکر نہ ہو کیونکہ یہ بُرا شگون ہوتا ہے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم نے عادت جاری کی اس قانون کو توڑ کر رکھ دیا۔ عزادارانِ حسین شہید کے رونے والے، ولادت ہو کر ہو یا اور کوئی تقریب مسرت، جب تک عزائے امام میں آسٹونہ بہالیں تب تک اس تقریب کو مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ (ص ۳۳)۔

آپ کے لیے قانون عادت جاریہ کو توڑنا کیا مشکل ہے، جب کہ آپ بڑے آسانی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور اپنے ائمہ معصومین

الجواب

کے فرمان کو توڑ کر سیاہ کپڑے پہننے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں، اور خوشی کے مواقع پر بھی آپ کا ماتم حسین کے انسانی فطرت کے مسخ ہونے کی دلیل ہے نہ کہ محبتِ شہید کی۔ کیا یہ بھی سنتِ رسول ہے کہ خالص خوشی اور شادمانی کے موقع پر بھی ضرور اظہارِ غم و اندوہ کیا جائے؟ اور دراصل یہ اُس بددعا کا ظہور ہے جو حضرت زینب نے قاتلانِ حسین کو ماتم حسین کا مظاہرہ کرنے پر دی تھی۔

چنبابی اشعار

کراں دُعا خداوند لگے سچے دلوں بجانوں
شالاؤندے پڑے جاؤندے ایس جبانوں

خوشی تسانوں کدین ہوئے نار کبھی مسائے روزِ حشر تک ثقت نساڈا اینوں رب لنگائے
ایہہ عاقبول مائی دی کیتی پاکٹ الہی دیکھو سُن تک سارا اولہ ہے اندر گراہی
چہ دے سال ایہہ ماتم کرے رب مقبول نہ ڈرے
دل و چہ ہنک امام مُکرم حُسنہ حُسنہ کرے

(منقول از آفتابِ ہدایت ص ۳۳)

"تورات و انجیل کی عبارات" :- ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۵ میں یہ تھا کہ :- حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کی

بحث دلیل نمبر ۵-۷-۸

وفات پر ماتم اور گریہ کیا (توراہ باب پیدائش)۔ دلیل نمبر ۷ میں یہ لکھا تھا کہ :- حضرت شعیب دس برس تک روتے رہے جس کے سبب سے آنکھوں سے نابینا ہو گئے۔ (توراہ) اور دلیل نمبر ۸ میں یہ لکھا تھا کہ :- حضرت ہارون نے سپاڑ پر وفات پائی، حضرت موسیٰ تیس دن تک وہاں ماتم کرتے رہے (توراہ باب ۲۰)۔ اس کے جواب میں رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ لکھا گیا تھا کہ (۱) ان عبارتوں میں بھی منہ سپینے اور سینہ کو بی کرنے کا کوئی ذکر نہیں، پھر مروجہ ماتم کیونکر ثابت ہوا۔ (۲) قرآن کے بعد تورات، انجیل آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں، جن کی عبارتیں مسلمانوں کے لیے حجت نہیں کیونکہ اصلی آسمانی کتابوں میں تبدیلی ہو گئی ہے (۳) اگر تورات اور انجیل کے مذہب کی پیروی کرنی ہے تو کیا اس پر بھی ایمان لاؤ گے جو تورات میں لکھا ہے کہ (دلی) حضرت یعقوب نے خدا کے ساتھ کشتی کی مٹی (پیدائش ص ۲۷)۔ اس کے جواب میں مصنف "فلاح الكونين" لکھتے ہیں :- آپ فرماتے ہیں کہ ان عبارات میں بھی منہ سپینے اور سینہ کو بی کرنے کا کوئی ذکر نہیں پھر مروجہ ماتم کیسے ثابت ہوا۔ مگر عبارات میں صریح طور پر ماتم کا لفظ موجود ہے۔ دنیا کے ہر طبقہ و خیال کے لوگ ماتم کا مفہوم رونا پینٹنا ہی سمجھتے ہیں، پھر خدا جانے مروجہ ماتم کیا ہے جس کا ثبوت آپ مانگ رہے ہیں۔ علاوہ انہیں آپ کے بار بار مروجہ ماتم کی رٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ماتم کی صرف مروجہ شکل پر اعتراض ہے نہ کہ اصلی ماتم پر، ورنہ بار بار مروجہ ماتم کے لفظ کو

استعمال نہ کرتے۔ اسی سے ہمارا مدعا حاصل ہے (صفحہ ۷۴)۔

(۱) یہ بھی آپ کی انتہائی کج فہمی ہے، بحث ایک شرعی دینی موضوع پر ہولہ ہی **الجواب** ہے۔ فروع کافی کے حوالہ سے پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ماتم کا مفہوم صرف تین دن تک میت کا سوگ کرنا ہے، جس میں منہ پٹیٹا اور سینہ کو ٹٹنا ہرگز شامل نہیں ہیں جو آپ کے مروجہ ماتم کے لوازمات میں سے ہیں۔ البتہ بیوہ عورت کے لیے خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کے ہیں جو اس کی عدت ہے، اور یہ تین دن یا چالیس دن کا سوگ بھی ضروری نہیں، جائز ہے۔ علاوہ ازیں تورات اور انجیل اپنی اصلی زبانوں میں موجود نہیں، اور دوسری زبانوں میں ان کے تراجم میں بھی تبدیلی و تحریف ہو چکی ہے تو اگر آپ کے نزدیک ماتم مروجہ سنت اور عبادت ہے تو اس کے لیے کتاب و سنت کی نصوص پیش فرمائیں۔ شریف شدہ تورات و انجیل کی عبارتیں شرعی مسائل میں کیونکر حجت ہو سکتی ہیں؟ جبکہ ان میں لغو ذلالت انبیائے کرام کی طرف شراب پینا، بدکاری کرنا اور ریت پرستی کرنا وغیرہ باتیں منسوب ہیں، اگر بالفرض ان میں منہ پٹیٹے اور سینہ کوٹنے کے الفاظ بھی مذکور ہوتے تو وہ شرعی سند نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ آپ اپنے اس استدلال سے رجوع کریں، اپنی مزید جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: صرف یہ کہہ دینا کہ منسوخ شدہ آسمانی کتابیں ہمارے لئے حجت نہیں، کافی نہیں۔ حجت تو بیشک قرآن کریم ہی ہے، لیکن اگر قرآن کریم کی تصدیق ان صحائفِ سماوی سے ہوتی ہو تو پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیوں نہ مانا جائے جبکہ آپ کے یہاں صفاتِ ایمان میں دُسلِہ سے پہلے کُتِبِہ (میں نے مانی کتابیں اللہ کی) آیا ہے چنانچہ اب تک تو آربابِ سلیم کے یہاں یہی طریقہ رائج رہا ہے۔ گیارہویں صدی کے مشہور و معروف عالم اہل سنت مولانا عبد الرحمن چشتی نے رسالہ ”مراۃ المخلوقات“ میں، مولوی عبد العزیز صاحب حنفی نے ”کبشمارت احکامیکہ“ میں، مولانا عبد الحق و دیار محی نے اپنی انگریزی تصنیف *Mohammed* *and* *his* *world* *creatures* میں اور محقق لائٹانی حکیم سید محمود گیلانی (سابق مدیر الجھڑیٹ) وغیرہم علماء تمام منسوخ شدہ کتب سماوی سے ہی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرتے رہے۔ ان سے تو کسی نے نہیں کہا کہ آپ منسوخ شدہ کتابوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی نبوت و رسالت کیوں ثابت کرتے ہیں۔ بیشک یہ کتابیں سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سو اور چند ہزار سال پہلے نازل ہوئیں مگر ان میں پیشگوئیوں کے طور پر جو واقعات بیان کئے گئے تھے، وہ بعد میں حرف بگرفت صحیح اور سچے ثابت ہوئے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ پیشگوئیاں درست تھیں۔ کم از کم ان کے اس حصے میں جس میں یہ پیشگوئیاں ہیں، کوئی تحریف نہیں کی گئی اور نہ اُس میں کوئی رد و بدل ہوا (صفحہ ۷۳)

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کی سمجھ ماتم کھا گیا ہو تو اس کی کیا علاج ہے؟ آپ اپنی تحریر کو غالباً خود بھی نہیں سمجھتے ورنہ ایسا جاپلانہ جواب نہ پیش کرتے۔ بیشک ہم سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام اور سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہی یہ مذکور ہے: **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ نِيْمًا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مِنَ رَّبِّهِ وَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اٰمَنَ بِاٰلِهِهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُوْلِهٖ (سورۃ بقرہ آخری رکوع) :-** (ایمان لائے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر جو آپ کے رب طرف سے آپ پر نازل ہوا، اور مومنین بھی (ایمان لائے ہیں) ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر، اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر) لیکن اللہ تعالیٰ کی جن کتابوں پر ہمارا ایمان ہے اور قرآن حکیم جن کی تصدیق کرتا ہے وہ فرسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی تھیں، نہ کہ موجودہ محرفہ توراہ و انجیل جن میں شرک و کفر کی باتیں درج ہیں، اور جن میں انبیائے کرام کی صریح توہین موجود ہے، اور موجودہ کتابوں کی جن پیشگوئیوں کو ہم مانتے ہیں، وہ اس لئے مانتے ہیں کہ قرآن مجید میں اُن کی خبر دی گئی ہے۔ سورہ اعراف (رکوع ۱۹) میں ہے: **اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ اَلَّذِيْ اَتٰهُ الَّذِيْ يٰحٰدُوْهُ وَ هُوَ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰتِ وَ اَلْاِنْجِيْلِ :-** (وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں اپنی اُس نبی اُمی کی جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) و ترجمہ مولوی مقبول صاحب (دہلوی) سورہ الفتح آخری رکوع میں ہے: **مَحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَلَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشٰدَةُ عَلٰى الْكُفٰرِ رُحَمَآءٌ بَيْنَهُمْ تَرٰثَمُوْنَ لَمَّا سَجَدُوْا يُبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سَيُبٰهَدُوْنَ فِيْ وُجُوْهِهِمْ اَشْرَ السَّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰتِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ :-** (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی حقیقتاً اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس میں رحم دل۔ تم اُن کو رکوع و سجود کی حالت

ہیں دیکھو گے کہ وہ خدا کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے خواستگار ہیں۔ اُن کی علامتیں اُن کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں، یہ مثل تو اُن کی تورات میں بیان کی گئی ہے اور انجیل میں اُن کی مثل یہ ہے: ” (ترجمہ مقبول) جوشی میں مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں :- تفسیر قی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کے بارے میں خدا تعالیٰ پہلے فرحکا ہے :- الذیبت انبناہم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم ترجمہ کے یہ دیکھو پارہ نمبر ۱۷۲ (۱۷۲)۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ تورات میں اور انجیل میں اور زبور میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت، آنحضرت کے اصحاب کے حالات، آنحضرت کی بعثت اور ہجرت کی جگہ سب کچھ بتلا چکا تھا اور اسی کو اپنے اس قول میں یہاں جتلیا ہے ” (قول مترجم) صحابہ پرست لفظ صحابہ دیکھ کر بیجا خوشی نہ کریں اس لیے کہ اصحاب منافقین کو ان صفتوں سے، جن کا اس آیت میں ذکر ہے کوئی بہرہ نہ تھا۔ یہ صرف اصحاب مومنین کا ذکر ہے۔“ آخر میں شیعی مترجم مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے قرآنی منشاء کے خلاف اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا ہے۔ حالانکہ جن حضرات کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے اُن میں کوئی منافق نہیں ہے، تاکہ اصحاب کی دو قسمیں بتائی جائیں (منافقین اور مومنین)۔ علاوہ ازیں ہم پوچھتے ہیں کہ اصحاب مومنین کی تعداد کتنی ہے؟ جن کا ان آیات میں تذکرہ ہے۔ شیعہ عقیدہ میں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کے سوا مردوں میں صرف تین چار اصحاب ایمان پر باقی رہ گئے تھے، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سلمان فارسی، حضرت مقداد اور حضرت عمار۔ ان کے علاوہ فتوہ باللہ سارے مرتد ہو گئے تھے (ملاحظہ ہو اصول الکافی)۔

تو کیا ان آیات کا مصداق صرف یہ چار اصحاب ہیں، پھر کفار پر کون غالب آئے اور کس نے فتح کیا اور تورات میں یہ پیشگوئی بھی تو مذکور ہے :- یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کما خدادند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ ایک آتش شریعت اُن کے لئے تھی ” (کتاب استثناء باب ۳۳-۳۲-۳۱)۔ یہ پیشگوئی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہے اور دس ہزار

قدوسیوں سے مراد صحابہ کرام کا وہ لشکر اسلام ہے جنہوں نے کلمہ فتح کیا اور اُن کی تعداد دس ہزار تھی۔ اب ہم شیعہ علماء و مجتہدین سے پوچھتے ہیں کہ کلمہ فتح کرنے والے یہ دس ہزار قدوسی کیا تین چار اصحاب کے سوا سب منافق ہی تھے؟ مذکورہ آیت وَالذیبت کعبتاً میں تقریباً چودہ سو صحابہ تو خصوصیت سے مراد ہیں جو حرمیمہ کے موقع پر بعیت رضوان میں شامل ہوئے تھے، اور بعد ازاں بھی جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اور صحبت کا شرف حاصل ہوا، وہ سب ان اوصاف عالیہ کا درجہ بدرجہ مصداق بنتے ہیں اور خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے مخلص و مومنانی ہونے میں تو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے، جو اب تک رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روضہ مقدسہ میں آرام فرما ہیں اور قیامت تک اُن کو یہ معیت خصوصی حاصل ہو چکی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

بہر حال قرآن مجید میں تورات و انجیل کے متعلق جو کچھ مذکور ہے، وہ حق ہے۔ اب اگر بالفرض یہود و نصاریٰ اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں سے تمام پیشگوئیاں نکال بھی دیں تب بھی قرآن مجید کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آسکتا، اور پہلے ان کتابوں سے یہ پیشگوئیاں ثابت بھی ہو چکی ہیں۔ تو علمائے اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے متعلق جو پیشگوئیاں تورات و انجیل سے ثابت کرتے ہیں، وہ قرآن مجید کے اعلان کے تحت ہی کرتے ہیں اور اُن سے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) پر تمام حجّت مقصود ہوتا ہے، جو اب بھی ان کتابوں کے اصلی ہونے کے مدعی ہیں لیکن اہل اسلام پر ان کتابوں سے حجّت قائم نہیں ہو سکتی، جو موجودہ تورات و انجیل کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ نے مذکورہ مصنفین اسلام کا جو تذکرہ کیا ہے اس کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ آپ پہلے قرآن سے اپنا ماتم ثابت کریں، لیکن اگر قرآن مجید میں ماتم کا لفظ تک بھی مذکور نہیں ہے تو یہ ماتم آپ اہل کتاب سے بھی نہیں منوا سکتے؛ جیسا کہ آپ نے آخر میں تورات کی عبارتیں درج کرنے کی یہ تاویل کر دی ہے کہ :- کیا یہ امر ممکن نہیں کہ یہ عبارتیں کتاب ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ میں یہود و نصاریٰ کے لیے نقل کی گئی ہوں ” (خدا سہ الکویتین ص ۱۷)۔ یہ امر ممکن تو ہے لیکن اگر علمائے اہل کتاب آپ پر یہ اعتراض کر دیں کہ یہ ماتم مراد وہ شیعہ ہیں بھی حرام ہے اور

استدلال میں تفسیر قلمی، ترجمہ مقبول اور کانی کی مذکورہ عبارات پیش کر دیں تو آپ کو اٹھائینے کے دینے پڑ جائیں گے، اور سولے ماتم کرنے کے آپ کے پاس اہل کتاب کے اس اعتراض کا کوئی جواب ہوگا اور یہ بھی فرمائیں کہ کیا اہل کتاب کے ساتھ ماتم کے موضوع پر آپ کی کوئی بحث ہوئی ہے، جس کی بنا پر آپ کو تورات و انجیل سے استدلال کی ضرورت پڑی ہے؟

آپ نے ماتم کی تائید میں تورات و انجیل سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ :- اب ہم کچھ مزید وضاحت کے لیے "کتاب مقدس" برٹش اینڈ فرنچ بایبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۵۱ء کی مطبوعہ سے تورات کی کتاب اجماع کے باب ۲۳ کی ۲۲ سے ۲۳ تک آیات پیش کرتے ہیں۔ آیت نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۵ اور ۲۶ نے موسیٰ سے کہا، بنی اسرائیل سے کہہ ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ تمہارے لئے خاص آرام کا دن ہے۔ اس میں کوئی باری کے لیے زینے چھوکنے جاویں اور مقدس جمع ہو، آیت نمبر ۲۵۔ تم اس روز کوئی خادمانہ کام نہ کرنا اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گزارنا، آیت نمبر ۲۶۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا، اسی ساتویں مہینے کو کفارہ کا دن ہے اس روز تمہارا مقدس جمع ہو اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گزارنا، آیت نمبر ۲۸۔ تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا، کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس دن خداوند تمہارے خدا کے حضور ہکاڈے لیے کفارہ دیا جائے گا، آیت نمبر ۲۹۔ جو شخص اس دن اپنی جان کو دکھ نہ دے گا وہ اپنے لوگوں سے کاٹ ڈالا جائے گا، آیت نمبر ۳۰۔ اور جو شخص اس دن کسی طرح کام کرے اسے میں اس کے لوگوں میں سے فنا کر دوں گا آیت نمبر ۳۱۔ تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ تمہاری سب سکونت گاہوں میں پشت در پشت سدا ہی آئین رہیگا آیت نمبر ۳۲۔ یہ تمہارے لئے خاص آرام کا سبت ہے، اس میں تم اپنی جانوں کو دکھ دینا، تم اس مہینے کی نویں تاریخ سے دوسری شام تک اپنا سبت ماننا، مندرجہ صدر آیات پر ذرا غور سے توجہ دیں! جس عبادت و ریاضت کا حکم دیا جا رہا ہے اس کا وقت ساتویں مہینہ کا پہلا عشرہ ہے۔ نویں کی شام سے لے کر دسویں کی شام تک یہ خصوصیت سے منائی ہوئی تھی، اور اگر ان ایام میں اپنی جانوں کو دکھ نہ پہنچائے گا تو وہ اپنے لوگوں سے کاٹ ڈالا جائے گا۔ حالانکہ ان کے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کو وہ دیکھ یا سُن کر اپنی جانوں کو دکھ پہنچانے کا سبب

پیدا کرتے۔ ان کے ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ اور محرم کی پہلی تاریخ دونوں ایک تھیں۔ ان کے ساتویں مہینے کا نام تشرین ہے چنانچہ تاریخ طبری مطبوعہ مصر کے بیان کے مطابق یکم محرم الحرام ۶۱ھ مطابق یکم تشرین ۶۸۰ء ہے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ یکم محرم الحرام ۶۱ھ کو ماہ تشرین کی پہلی تاریخ تھی۔ بعض عجمی شہروں میں اس دن سورج برج میزان میں ساڑھے سترہ درجہ پر اور چاند برج دلو کی میسویں منزل پر تھا۔ ثابت ہوا کہ محرم ۶۱ھ سے ماہ تشرین کی تاریخیں تو ام ہو گئیں۔ نمونہ :- مندرجہ بالا آیات تورات سے ایام محرم الحرام میں غم منانے، ماتم کرنے (جان کو دکھ دینے) کا صریح حکم موجود ہے۔ مزید برآں اکتیسویں آیت کے مطابق یہ دائمی قانون ہے اور یہ بات قدرت سے بعید نظر آتی ہے کہ ایک طرف قانون ابدی ہو اور دوسری طرف کچھ عرصہ کے بعد اسے منسوخ کر دے نیز ایسا ہونا قرآن کریم کی آیت مجیدہ :- كُنْ تَجِدَ لِسِتَّةِ تِسْعٍ دِيْنًا كَے خلاف ہے۔ "فَلَمَّا مَكَوْنَتِ مَدِيْنَةُ" (۱) میں نے اس سلسلے میں آپ کی ساری عبارات درج کر دی ہے تاکہ قارئین پر آپ کے استدلال کی راکت (بودا بن) واضح ہو جائے۔ آپ کی مندرجہ آیات سے پہلے اسی باب ۲۳ کی پہلی آیت سے آٹھویں آیت تک یہ احکام مذکور ہیں :- پھر خداوند نے موسیٰ سے خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو فرما اور ان سے کہہ کہ خداوند کی عیدیں جن کے لیے تم منادی کر دو گے تاکہ مقدس جمعیتیں جمع ہوویں عیدیں یہ ہیں۔ چھ دن کاروبار کیا جاوے پر ساتویں دن جو سبت آرام کرنے کے لیے ہے، اس میں مقدس جماعت ہوگی۔ تم کوئی کام نہ کرو، یہ تمہارے سب گھروں میں خداوند کا سبت ہے۔ یہ خداوند کی عیدیں اور مقدس جماعتیں ہیں کہ تم ان کے خاص دنوں پر ان کی منادی کیا کر دو گے، پہلے مہینے کی چودھویں تاریخ زوال اور غروب کے درمیان خداوند کی عید فسخ ہے سو تم سات دن تک فطیری ہی روٹی کھاؤ۔ پہلے دن مقدس جماعت کمیو۔ تم اس دن کوئی دنیوی کام نہ کرنا اور تم سات دن تک خداوند کے لیے آگ کی قربانی گزارنا اور ساتواں دن مقدس جماعت کا ہے، تم اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیجو۔ ان عبادتوں سے معلوم ہوا کہ یہاں ان کی مذہبی عیدوں کا تذکرہ اور حکم ہے، عید فسخ اور عید فطیر وغیرہ اور سبت (ہفتہ کا دن) ان کے آرام کا دن ہے۔ یہ پہلے مہینے کی عیدیں ہیں۔ (دب) اور آپ نے جو ساتویں مہینے کی تاریخوں کا ماتم شہادت حسینؑ ثابت کرنے کے لیے خصوصی حوالہ پیش کیا ہے اس کی آیت ۲۳ میں بھی یہ لکھا ہے

کہ :- پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ ساتویں مہینے کے پہلے دن تمہارے لیے عید اور یادگاری کے لیے اور قرائتوں کے پھونکنے کا وقت اور جماعت مقدس ہوگی، تم کوئی کار دنیاوی مت کیجیو اور خداوند کے لیے آگ کی قربانی گذرانو۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کے ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ جس کو آپ طبری اور یعقوبی کے حوالے سے یکم محرم کی پہلی تاریخ ثابت کر رہے ہیں، یہ دن ان کے لیے عید کا دن تھا اور اس میں ان کو قرائتیں سنانے کا حکم تھا، تو فرمائیے عید کا دن جس میں قرائتیں سجائی جائیں یہ ان کے لیے تو کسی خوشی کا دن ہے، کیا اس کو ماتم کا دن کہہ سکتے ہیں؟ اور ماتم بھی اس واقعہ شہادت کے متعلق جو ہزار سال بعد میں رونما ہونے والا تھا، کچھ تو عقل و ہوش سے کام لیں۔ تو راکہ مندرجہ الفاظ ہی آپ کے ماتم کی تردید کر رہے ہیں۔ (جج) آپ کا یہ لکھنا بھی بالکل غلط ہے کہ :- حالانکہ ان کے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کو وہ دیکھ یا سُن کر اپنی جانوں کو دکھ پہنچانے کا سبب پیدا کرتے۔ کیونکہ یہاں جانوں کو دکھ دینے کا مطلب سینہ کو ٹھننا اور چھریاں مارنا نہیں بلکہ روزہ وغیرہ عبادات کا بجالانا ہے۔ آپ میں اگر کچھ بھی شعور و دیانت ہو تو اس دن کو ہرگز ماتم کا دن قرار نہ دیں، کیونکہ اس دن کو صافات الفاظ میں عید کا دن کہا گیا ہے، اور قرائتیں سنانے کا اس میں حکم دیا گیا ہے۔ کیا آپ عاشورار کو عید کا دن کہتے ہیں اور کیا اس میں منیڈ باجوں کے ذریعہ اظہارِ مسرت جائز سمجھتے ہیں (د) ان آیات میں بنی اسرائیل کو یہ عیدیں منانے کا حکم دیا جا رہا ہے، آئندہ کے لیے اس میں کوئی پیشگیوںی نہیں، اور بعد کی آیات میں اس عید اور خوشی کی وجہ بھی صریحاً مذکور ہے کہ :- اور تم ہر سال خداوند کے لیے ان سات دنوں کی عید کی محافظت کر لو، یہ تمہارے قرونوں کے لیے قانونِ ابدی ہوگا، تم ساتویں مہینے یونسی عید کیجیو، تم سات دن تک خمیوں میں رہو، جتنے اسرائیل کی نسل کے ہیں سب کے سب خمیوں میں رہیں تاکہ تمہاری نسل در نسل جائیں کہ جب میں بنی اسرائیل کو زمین مصر سے نکال لایا تو میں نے انہیں خمیوں میں آباد کیا۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں، سو موسیٰ نے بنی اسرائیل سے خداوند کی عیدوں کا ذکر کیا (ایضاً باب ۲۳ - آیت ۴۴)۔ تو رات کی ان عبارتوں میں تصریح ہے کہ ان ایام میں کچھ بنی اسرائیل کو صدیوں کے بعد فرعون کے مظالم سے نجات ملی تھی، اس لیے اس خوشی میں ان کے لیے یہ عیدیں مقرر کی گئیں۔ لیکن آپ نے بالکل برعکس اس سے غم اور ماتم کا دن مراد لے لیا، بریں عقل و دانش بیاید

گرسیت - (دس) آپ نے طبری اور یعقوبی کی عبارتوں کے تحت تشریح اور محرم کی تاریخوں کی تطبیق دینے کی تکلیف بے فائدہ اٹھائی ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ مدینہ کے یہودی دسویں محرم عاشورار کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں ہے :- عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما هذا اليوم الذي تصومونه فقالوا هذا يوم عظيم انجى الله فيه موسى وقومه وغرق فرعون وقومه فصاموا موسياً شراً فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فصح احق واولى بموسى منكم فصاموا رسول الله صلى الله عليه وسلم وامر بصيامه متفق عليه (مشکوٰۃ شریف) :- حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہود عاشورار کا روزہ رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ کیسا دن ہے، جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک عظیم دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر اس دن روزہ رکھا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ مختار اور زیادہ قریب ہیں نسبت تمہارے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دن روزہ رکھا اور اس میں روزہ رکھنے کا (اصحاب ک) حکم دیا۔ (یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں مذکور ہے)۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت یہود دسویں محرم کو روزہ رکھتے تھے، اور بوجہ فرعون کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے نجات پانے کے ان کے ہاں یہ عید اور خوشی کا دن تھا۔ یہ دن پہلے سے مبارک تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی عاشورار کے دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہادت نصیب فرمائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تو یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ (دس) تو رات کی جو آپ نے یہ آیت لکھی ہے کہ :- تم اس مہینے کی نویں تاریخ سے دوسری شام تک اپنا سبت مانتا، اس سے بھی روزہ ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ اگر اس دن کو بوجہ شہادتِ امام حسین ماتم کا دن قرار دیا جائے، تو وہاں دوسری شام تک سبت منانے

کی حد بیان کی گئی ہے، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دسویں محرم کی شام تک ہی ماتم کرنے کی آخری حد ہے؟ اور حضرت حسینؑ بھی اُس دن بعد ظہر ہی شہید ہوئے ہیں تو گویا تورات کی بنا پر تو عاشورا کے ماتم کی مدت بمشکل تین چار گھنٹے ہی نہیں گی۔ کیا آپ تورات کی اس حد بندی کے مطابق ماتم حسین کی پابندی کرنا منظور کر سکتے ہیں؟۔ بس دو چار گھنٹے منہ سرپیٹ لیا کریں، سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا، مبارک ہو۔

ایک اور جاہلانہ نکتہ

آپ لکھتے ہیں کہ:- مندرجہ بالا آیات تورات سے آیام محرم اکرم میں غم منانے، ماتم کرنے (جان کو دکھ دینے) کا صریح حکم موجود ہے۔ مزید براں اکتیسویں آیت کے مطابق یہ دائمی قانون ہے، اور یہ بات قدرت سے بعید نظر آتی ہے کہ ایک طرف قانون ابدی ہو اور دوسری طرف کچھ عرصہ کے بعد منسوخ کر دے، نیز ایسا ہونا قرآن کریم آیت مجیدہ **لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا** کے خلاف ہے "وَفَلَاخُ الْكُوفَيْنِ ص ۳۵)۔

الجواب

(۱) یہ کتنی صریح غلط بیانی ہے کہ یہاں ماتم کرنے کا صریح حکم موجود ہے، بلکہ صریح حکم تو عید منانے اور قرنائیں بجانے کا ہے۔ ہاں! اگر عید اور قرنائیں بجانے کو آپ کی اصطلاح میں ماتم کرنا کہتے ہیں، تو یہ آپ کی ماتمی فطرت کا بگاڑ ہے اور دکھ دینے سے پیسے ثابت ہوا کہ روزہ رکھنا مراد ہے اور اس بنا پر یہود عاشورا (دسویں محرم) کو روزہ رکھتے تھے۔ (۲) یہ حکم اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیم کے لیے نہیں، بنی اسرائیل کے لیے تھا اور جب شریعت محمدیہ کے آنے سے شریعت موسویہ ساری ہی منسوخ ہو گئی۔ تو اگر یہ حکم بھی منسوخ ہو جائے تو آپ کو کیوں دکھ لاحق ہوتا ہے، اور اگر آپ فرمائیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس دن روزہ کیوں رکھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، آپ نے اُس دن روزہ بطور فرض کے رکھا اور رمضان المبارک کا حکم نازل ہونے کے بعد پھر یہ روزہ نفی رہ گیا۔ (۳) اور تورات کی مندرجہ آیات میں ہی یہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:- جتنے اسرائیل کی نسل کے ہیں سب کے سب خیموں میں رہیں تاکہ تمہاری نسل در نسل جائیں، تو اس

میں تصریح ہے کہ یہ عیدیں اور یہ احکام یہودی نسل یعنی بنی اسرائیل کے لیے ہی ہیں۔ اب اگر کوئی یہودی نسل میں سے ہو اور قرآن کی بجائے اس کا موجودہ محرف توراہ پر ایمان ہو تو وہ تو اس پر اصرار کر سکتا ہے، مدعیان اسلام اس پر اصرار کیوں کریں۔ عبرت! عبرت! عبرت!

ایک اور کم فہمی

اسی سلسلہ میں مصنف "فلاح الکوفین" لکھتے ہیں کہ:- "نیز صاحبان معرفت پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تورات و انجیل کے وہی احکام منسوخ سمجھے جائیں گے، جن کے نسخ پر قرآن مجید کی صراحت ہوگی ورنہ مسلمانوں کے لیے بھی حجت ہوں گی۔ مدعی نسخ میں اگر کچھ دم خم ہے تو قرآن کریم سے اس حکم کا نسخ ثابت کریں"

الجواب

(۱) تورات کی آیات سے ہی آپ کے استدلال کا البطل کر دیا گیا ہے پہلے یہ تو ثابت کریں کہ ان عبارات میں ماتم حسین کا ہی حکم ہے، اور یہ عباراتیں غیر محرف ہیں اور اسی تورات کا ترجمہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور پھر یہ احکام اُمت محمدیہ کے لیے ہیں؟۔ چونکہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ احکام بنی اسرائیل (یہودی نسل) کے لیے ہیں، اب آپ جس کھاتہ میں چاہیں اپنے آپ کو ڈال دیں (دب، قرآن سے نسخ ثابت کرنا سابقہ شرع کے ان احکام میں ہوتا ہے جو قرآن میں مذکور ہیں مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا۔ لہذا جب تک شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیم سے اُن کا منسوخ ہونا نہ ثابت ہو جائے وہ احکام بحال رہتے ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی جمالت سے اس مسئلہ کو الٹا سمجھ لیا، کہ جو احکام موجودہ محرف شدہ تورات و انجیل میں موجود ہیں، اُن کو تو یقینی سمجھا جائے گا اور جب تک قرآن میں اُن کے منسوخ ہونے کا ثبوت نہ ہو تو اُمت محمدیہ کے لیے بھی لازمی قرار دیا جائے گا۔ آخر جمالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپ تو جہل مرتکب میں مبتلا ہیں۔

آنکس کہ نداند و بداند! کہ، بداند در جہل مرتکب ابدالہ

دیہ کی پیشگوئی کی حقیقت

مصنف "فلاح الکوفین" نے اپنے ماتم کی تائید میں ویدوں کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:- "مہامت کے ان دونوں

کس نے زہر دیا ہے، لہذا دونوں نواسوں کا حال برابر نہ ہوا۔ (جب) اس میں یہ لکھا ہے کہ "ساری زمین اُن کے مار ڈالنے کے بعد بے سر ہو جائے گی حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کر کے اُن کی خلافت کو تسلیم کر لیا، اور تمام اُمت کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اتفاق ہو گیا، اسی لیے اس سال کو عامُ الْجَمَاعَةِ کہا جاتا ہے اور حضرت امیر معاویہ کے دور میں بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور اسلام کو شوکت نصیب ہوئی چنانچہ بانی جماعت اسلامی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بھی باوجود حضرت معاویہ کے خلاف زہر افشانی کرنے کے اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں کہ :- حضرت معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں، ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے، اُن کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دُنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا، اُن پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے، وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے۔ لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا کہ صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں" (خلافت و سلوک) اور جب یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو مودودی صاحب نے بھی تسلیم کر لی ہے، تو وید کے یہ الفاظ امام حسن کے بارے میں تو بالکل جھوٹ ثابت ہو گئے کہ "ساری زمین اُن کے مار ڈالنے کے بعد بے سر ہو جائے گی" امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی صلح - علاوہ

ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت امام حسنؓ اور آپ کا سارا خاندان حضرت امیر معاویہؓ کے بیت المال سے وظیفہ لیتا رہا۔ چنانچہ شیعوں کے رئیس الحدیث علامہ باقر مجلسی اپنی کتاب "جلاء العیون" میں لکھتے ہیں کہ :- قطب راوندی نے جناب صادق سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؓ نے امام حسینؓ و عبد اللہ بن جعفر سے فرمایا کہ جائزہ و وظیفہ معاویہ کی جانب سے پہلی تاریخ تمہیں پہنچے گا جب پہلی تاریخ ہوئی جس طرح حضرت نے فرمایا تھا، جائزہ معاویہ پہنچا، اور امام حسنؓ بہت قرضدار تھے جو کچھ حضرت کے لیے اُس نے بھیجا تھا اُس سے اپنا قرض ادا کیا اور باقی اہل بیت اور اپنے شیعوں میں تقسیم کر دیا اور امام حسینؓ نے بھی اپنا قرض ادا کیا اور جو کچھ باقی رہا اس کے تین حصے کئے، ایک حصہ اپنے

اہل بیت اور شیعوں کو دیا اور دو حصے اپنے عیال کے لیے بھیجے اور عبد اللہ بن جعفر نے اپنا قرض ادا کیا اور جو باقی بچا وہ معاویہ کے ملازم کو انعام میں دیا اور جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی اُس نے عبد اللہ بن جعفر کیلئے بہت مال بھیجا، (مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۵۴ھ)۔

فرمائیے! اگر حضرت امیر معاویہؓ ایسے ہی تھے جیسا کہ اہل تشیع اُن کو سمجھتے ہیں تو پھر جنت کے جوازوں کے سردار حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے اُن سے وظیفہ کیوں لیا ہے؟ کیا امام برحق کسی ظالم دشمن کا وظیفہ خوار ہو سکتا ہے؟ یہ واقعات حضرت امام حسنؓ کے بعد ساری زمین کے بے سر ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اُمتِ مسلمہ کے اتفاق و اتحاد اور عروج و غلبہ کی دلیل ہیں۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت قبول کر لی اور حضرت معاویہؓ نے اُن کے ساتھ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اور سابقہ نزاع سب ختم ہو گیا۔ چنانچہ محبوب ربانی، قطب سبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ :- حضرت علیؓ کی وفات پا جانے اور حضرت حسنؓ کے خلافت کے ترک کر دینے کے بعد حضرت معاویہؓ نے ابی سفیان پر خلافت کا مقرر ہونا درست اور ثابت ہے اور حضرت حسنؓ نے جو خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی تھی، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمانوں میں فتنہ اور فساد مٹے گا اور خوتریزی ہوگی اور حضرت حسنؓ کے ایسا کرنے سے رسول مقبولؐ کا قول بھی سچا ہو گیا جو آپؐ نے اُن کے حق میں فرمایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے، ان کے وسیلہ سے خداوند تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا، اس لیے حضرت معاویہؓ کو جو خلافت پہنچی تھی، وہ حضرت حسنؓ کے سپرد کر دینے سے پہنچی تھی اور جس سال یہ خلافت مقرر ہوئی تھی اس کا نام سالِ جماعت رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اُس میں سب لوگوں کے درمیان اتفاق ہو گیا تھا اور مخالفت درمیان سے اُٹھ گئی تھی اور سب نے اتفاق سے حضرت معاویہؓ کی فرمانبرداری قبول کی اور اس موقع پر انوں فریق ہی خلافت کے دعویدار تھے، کوئی تیسرا فریق موجود نہ تھا کہ مخالفت کرتا اور جو دونوں گروہ حاضر تھے ان میں آپس میں صلح ہو گئی تھی (رغنیۃ الطالبین مترجم مکتب)۔

لیکن جو لوگ حضرات اہل بیت کے بظاہر محبت اور باطن دشمن تھے، انہوں نے اس مصالحت

کی بنا پر حضرت امام حسنؑ کی بھی سخت مخالفت کی۔ جس کا اقرار خود اہل تشیع کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی نے بھی کیا ہے۔ جب امام حسن پر مدائن میں خنجر مارا، زید بن وہب جہنی امام حسن کی خدمت میں آیا اس وقت حضرت کو دردِ اہم تھا، زید نے کہا یا ابن رسول اللہ! کیا مصلحت ہے بدرستیکہ لوگ اس کام میں متحیر ہیں۔ حضرت نے فرمایا بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا، میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند! اگر معاویہ سے میں عہد لیں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل و عیال میں ایمن ہو جاؤں، اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میرے اہل و عیال اور عزیز و اقارب ضائع ہو جائیں۔ (جلد العیون جلد اول ص ۲۷۷ مطبوعہ لکھنؤ ان واقعات کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کے محبت کون تھے اور دشمن کون؟

امام حسینؑ کے ساتھ کوفیوں کا سلوک

حضرت امام حسنؑ کے ساتھ جن لوگوں نے دشمنی کی اور ان کو قتل کرنا چاہا، انہی لوگوں نے بعد میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکا دیا اور آخر کار میدانِ کربلا میں آپ کے مقابلے پر آئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ چنانچہ کوفیوں نے حضرت حسینؑ کو مکہ معظمہ میں جو خطوط لکھے، ان میں یہ بھی تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حسین بن علی کو ان کے شیعہ مومنین و مسلمانوں کی طرف سے، جلد روانہ ہوئے! لوگ آپ کے منتظر ہیں، سب کی رائے بس آپ ہی کے اوپر ہے، جلد ہی کیجئے! جلد ہی کیجئے! والسلام علیک! (خاتمیہ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کواچی) اور علامہ باقر مجلسی نے بھی یہ لکھا ہے:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ عریض شیعوں، فدویوں اور مخلصوں کی طرف سے خدمتِ امام حسین بن علی بن ابی طالب میں ہے، انا بعد بہت جلد آپ اپنے دوستوں اور ہواخواہوں کے پاس تشریف لائیے، کہ جمیع مردمانِ ولایت منتظر قدمِ مینت لزوم ہیں اور بغیر آپ کے دوسرے لوگوں کی طرف لوگوں کی رغبت نہیں (جلد العیون مترجم جلد دوم ص ۱۸۲ مطبوعہ لاہور)

شیعوں کی امام حسینؑ سے بیوفائی

مکہ معظمہ سے کوفہ روانہ ہونے کے بعد جب حضرت حسینؑ کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی تو:۔ اپنے

سب لوگوں کو ایک تحریر پڑھ کے سنائی، بسم اللہ الرحمن الرحیم! ایک بہت ہی سخت واقعہ کی خبر مجھے پہنچی ہے۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، عبد اللہ بن قطر قتل کئے گئے، ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، تم میں سے جو کوئی جانا چاہے، چلا جائے۔ میں نے تم سے اپنا ذمہ اٹھالیا۔ یہ سنتے ہی وہ سب لوگ متفرق ہو گئے، کوئی داہنی جانب چلا کوئی بائیں طرف۔ یہ نوبت پہنچی کہ جو لوگ مدینہ سے آپ کے ساتھ چلے تھے بس وہی رہ گئے! (خاتمیہ مطبوعہ لاہور ص ۲۳۱)

کوفی میدانِ کربلا میں

علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین نے میدانِ کربلا میں کوفیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ تم نے ہنگامِ اضطراب و اضطراب اپنی مدد کو مجھے بلایا اور جب میں نے تمہارا کہنا قبول کیا اور تمہاری نصرت و ہدایت کرنے کو آیا، اس وقت تم نے شمشیر کینہ مجھ پر کھینچی، اپنے دشمنوں کی تم نے یاری و مدد گاری کی اور اپنے دوستوں سے دستبرداری کر کے دشمنوں سے مل گئے۔ بغیر اس کے کہ انہوں نے تم میں اپنی کوئی عدالت ظاہر کی ہو! (جلد العیون مترجم جلد دوم ص ۱۸۲ مطبوعہ لاہور)۔

کوفیوں کا شیعہ ہونا مسلم ہے!

اس امر میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت حسینؑ کو کوفیوں نے ہی بلایا تھا، اور ہزار ہا کی تعداد میں میت ہونے کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ دیا اور ان کی مدد نہ کی، اور پھر وہی لوگ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے مقابلے میں آئے اور کوفیوں کے اہل تشیع ہونے کے متعلق شیعوں کے شہید ثالثت افی نور اللہ شوستری نے بھی خود اقرار کیا ہے کہ:۔

ابا جملہ تشیع اہل کوفہ حاجت یا قامت دلیل ندارد دستنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج دلیل است گو ابوحنیفہ کوفی باشد (ترجمہ - حاصل کلام تشیع اہل کوفہ محتاج کسی دلیل کا نہیں ہے، بلکہ سنی ہونا کوفی الاصل کا خلاف اصل اور محتاج دلیل ہے اگرچہ ابوحنیفہ کوفی تھے۔) (مجالس المؤمنین مترجم ص ۷۱، مطبوعہ شمسی مشین پریس آگرہ ۱۳۲۲ھ)

مطلب یہ ہے کہ ہر کوفی کو شیعہ ہی تسلیم کیا جائے گا، کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ ہاں! کسی کوفی کے سنی ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوگی۔ جب تک کسی قومی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ وہ سنی مسلمان ہے اس

وقت تک کوئی شخص کو شیعہ ہی ماننا پڑے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت امام حسینؑ کے قاتل شیعہ ہی تھے۔ شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب قاتلانِ حسینؑ کے مذہب کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- ”درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے بعد اس سوال کا موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سنی تھے یا شیعہ۔“ (سحادتُ الاممین فی مقتلِ الحُسنین ص ۱۸۱)۔

قاتلانِ حسینؑ کا سنی نہ ہونا تو آپ نے بھی تسلیم کر لیا، لیکن اگر وہ شیعہ بھی نہیں تھے تو پھر حضرت حسینؑ کا مذکورہ یہ ارشاد غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ :- ”ہمارے شیعوں نے ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔“ حالانکہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ کے پاس شیعوں کے نام درج ہوتے ہیں چنانچہ اصولِ کافی ص ۱۳۶ مطبوعہ لکھنؤ میں ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ :- ”اتالنعرف الرجل اذا ما ائینا بحقیقة الایمان و حقیقة النفاق و ات شیعتنا لمکتوبون عندنا باسماؤہم و اسماء آباءہم :-“ (اور بے شک ہم لوگ آدمی کو دیکھ کر اس کے ایمان اور نفاق کی حقیقت معلوم کر لیتے ہیں اور بے شک ہمارے شیعوں کے نام اور ان کے آباء کے نام ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں) لہذا ائین کی حسب ذیل عبارت سے مراد بھی وہی لوگ ہوں گے کہ :- ان کے مار ڈالنے والے پیچھے ہوں گے، دین و دنیا سے مردود ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ مہابت کے فرزندوں کے چال چلن کے خلاف بہت سے کام ضد سے اختیار کریں گے۔ اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے موافق بہت سے کام کریں گے۔ فرمائیے! حضرت امام حسنؑ کن لوگوں کی شکایت فرما رہے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس نے بلایا اور کس نے شہید کیا اور خود امام موصون جن کو طاعت کر رہے ہیں وہ کون تھے؟۔

اہلِ کوفہ ہی پہلے ماتمی ہیں

وید کی پیش گوئی کے یہ الفاظ بھی کہ :- ”اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے موافق بہت سے کام کریں گے“ ماتمیوں کی ہی نشاندہی کرتے ہیں، کیونکہ یہ اہلِ تشیعہ ہی کی کتابوں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جب خاندانِ نبوت کا قافلہ کربلا سے کوفہ پہنچا، تو کوفیوں نے ہی زبردست ماتم بپا کیا تھا۔ فرمائیے! کہ قاتلانِ حسینؑ یعنی کوفیوں کے اس ماتم کی پیروی کون لوگ کر رہے ہیں، ہم یا آپ؟

ماتمِ دما خانہ یزید

مورخ طبری لکھتا ہے کہ :- اس کے بعد اہلِ حرم کا داخلہ دربار

میں ہوا، انہیں دیکھ کر یزید کے گھر کی عورتیں اور معاویہ کی بیٹیاں اور سب گھروالے نالہ و فریاد کرنے لگے۔ (تاریخ طبری ص ۳) اور خود شیعوں کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ :- ”جب خدشات اہل بیت عصمت و طہارت اس کے عمل میں داخل ہوئے۔ عورت ابی سفیان نے اپنے زیور اتاد دیے اور لباس ماتم پہن کے آواز نوحہ و گریہ و زاری بلند کی اور تین روز ماتم رہا۔ ہند دختر عبد اللہ بن عامر کہ اس زمانے میں یزید کی زوجہ تھی اور پیشتر امام حسینؑ کی خدمت میں تھی، اس نے پردہ کا خیال نہ کیا اور گھر سے نکل کے مجلس یزید ملعون میں جس وقت کہ بیچ عام تھا آگے کہا، اسے یزید اٹوٹے سر مبارک امام حسینؑ پر ناطقہ الزہرا کا میرے دروازہ پر لٹکا دیا ہے۔ یزید نے دوڑ کے کپڑا اس کے سر پر ڈال دیا اور کہا گھر میں چلی جا اور گھر میں جا کر فرزند رسول خدا بزرگ قریش پر نوحہ و زاری کر۔ ابن زیاد نے ان کے بارہ میں جلدی کی میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔ مؤلف فرماتے ہیں یہ بات اس طعنوں نے اپنی زوجہ ہند کو سمجھانے کے لیے کہی تھی ورنہ قاتل امام حسینؑ کا وہی طعن تھا۔“ (جلد ۱۶ العیون جلد دوم ص ۲۴۵ مطبوعہ لاہور)۔

مؤلف کتاب یعنی علامہ باقر مجلسی یہ فرما رہے ہیں کہ قاتل امام حسینؑ یزید ہی تھا، اور اس کے گھر میں اسی کے حکم سے ماتم بھی ثابت کر رہے ہیں، حتیٰ کہ تین دن تک خانہ یزید میں ماتم پر پارہا۔ تو اب تک قاتلانِ حسینؑ کی پیروی کون کر رہا ہے، ہم یا آپ؟ اور قتل کرنے والوں کے موافق کام کرنے والے کون ہیں؟ کوفیوں اور یزیدیوں کے ماتم حسینؑ کو سنت اور عبادت منوانے والے یا اس کو ناجائز اور حرام قرار دینے والے؟

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں :- لو! آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا
آپ نے کوشش تو یہی کی تھی کہ وید کی عبارت کا مصداق اہل سنت کو ثابت کریں، لیکن معاملہ برعکس ہو گیا اور وید کی عبارت کا خود ہی نشانہ بن گئے۔ ہم نے آئینہ پیش کر دیا ہے، اپنا چہرہ خود ہی دیکھ لیں۔ عبرت! عبرت! عبرت!

دوسرے مہتانات

آپ نے غلط بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :- ”اپنی کتب تفسیر کا مطالعہ کریں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی تفسیروں میں انبیاء و ائمہ سابقہ

کے جس قدر حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں کالم حصہ تورات سے اخذ کیا گیا ہے اور بعض ایسے واقعات بھی درج کئے گئے ہیں جو عصمتِ انبیاء کے سراسر منافی اور باعثِ توہین ہیں مثلاً (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹا بولنا۔ (ب) حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک شادی شدہ عورت پر عاشق ہونا (ج) حضرت یعقوب کا اپنی والدہ کے ایما پر اپنے پدر بزرگوار حضرت اسحاق کو بکری کے کباب کھلا کر دھوکہ سے نبوت حاصل کرنا (د) رسولِ خدا کا مسجدِ فصح میں بیٹھ کر شراب پینا وغیرہ وغیرہ خرافات کُتبِ اہلِ سنت میں موجود ہیں۔ ہمیں تورات و انجیل پر ایمان لانے اور توراتِ انجیل کے مذہب کی پیروی کا قطعاً یا مشورہ دینے والے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں۔ بہت کچھ مان لینے کے بعد پیرا دل، ب) میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی مان لیں تو کیا حرج ہے؟ (فلاح الکونین ص ۱۱۱)

الجواب

(۱) اگر یہ حوالجات صحیح ہیں اور علمائے اہل سنت ان کو صحیح مانتے ہیں، تو اگر آپ میں دیانت و صداقت ہوتی تو ان کتابوں کا بھی حوالہ پیش کر دیتے، جن میں یہ باتیں مذکور ہیں، لہذا اجمالی جواب تو یہی کافی ہے کہ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (۲) تفصیلی جواب یہ ہے کہ کیا ہر وہ کتاب جو کسی مصنفِ اہل سنت کی طرف منسوب ہو، اس پر مذہبِ اہل سنت کا مدار ہوتا ہے اور کیا اہل سنت کے نام سے ہر تفسیر، ہم پر حجت ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ: "یہ واقعہ ہے کہ بعض کتابیں شیعہ علماء نے تصنیف کر کے علمائے اہل سنت کی طرف منسوب کر دی ہیں، اور شیعہ علماء از روئے تقیہ سنی بنے رہے اور ایسی کتابیں تصنیف کر کے اہل سنت کو بدنام کیا، اور گزشتہ اوراق میں خود قاضی نور اللہ شوستری شیعہ مجتہد کے اقرار سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ شیعہ علماء اپنے آپ کو حنفی اور شافعی ظاہر کرتے رہے، اور غالباً اسی بنا پر آپ نے ان کتابوں اور ان کے مصنفین کا نام نہیں لیا تاکہ حقیقت بے نقاب نہ ہو جائے، اور یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ آپ خود تو اپنی کُتبِ اربعہ کا کافی وغیرہ کی روایات کو بھی ضعیف اور بے بنیاد قرار دے کر ہمارے دلائل و براہینِ قاہرہ سے جان چھڑائیں اور خود بلا حوالہ بعض باتیں درج کر کے ہم پر حجت قائم کریں۔ ع۔"

ابن کار از تو آید و مردانِ چمنیں گنند

قصہ حضرت داؤد علیہ السلام

آپ نے نمبر (ب) میں جو لکھا ہے کہ :- حضرت داؤد کا ایک شادی شدہ عورت پر عاشق ہونا، تو قصے کی اس نوعیت کو محققینِ اہل سنت نے بالکل رد کر دیا ہے۔ چنانچہ (۱) امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :- والذی ادین بہ و اذہب الیہ ان ذلک باطلٌ (پ ۲۳ سورۃ ص) :- (اور میرا دین و مذہب اس میں یہ ہے کہ یہ قصہ باطل ہے) (۲) حافظ ابن کثیر محدث فرماتے ہیں :- قد ذکرہا المفسرون قصۃ اکثرہا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ (مفسرین نے یہاں ایک قصہ بیان کیا ہے کہ اکثر حصہ اس کا اسرائیلیات میں سے ہے اور حضرت نبی معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے کہ اس کا اتباع ہم پر واجب ہو) (۳) حضرت قاضی شہار اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں :- فهو کذب مفتوی (تفسیر منظر ہی) (وہ قصہ جھوٹ اور من گھڑت ہے) (۴) قاضی عیاض محدث تحریر فرماتے ہیں کہ :- اس قصہ کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ قرآن مجید میں نہ اس کی تصریح ہے نہ کسی صحیح حدیث میں۔ مؤرخین کی باتیں ہیں جن کو بعض مفسرین نے تفسیر میں لکھ دیا۔ (۵) حضرت مولانا اشرف علی صاحب خان نوری فرماتے ہیں :- "اور ختتاکہ کی تفسیر میں قول مشہور ہے جس میں ایک بی بی سے نکاح کرنے کا واقعہ ہے، مگر محققین نے اس کا ابطال کیا ہے" (بیان القرآت) (۶) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے لکھا ہے :- اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کئے ہیں، مگر حافظ عماد الدین ابن کثیر ان کی نسبت لکھتے ہیں :- "قد ذکر المفسرون ہمنافقۃ اکثرہا من الاسرائیلیات ولم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ" اور حافظ ابو محمد ابن ہریم نے کتاب الفضل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے" (فوائد عثمانی) (۷) حضرت مولانا عبدالحق صاحب حنفی تحریر فرماتے ہیں :- بعض بے ہودہ گو قصہ خوانوں نے اس قصہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں چسپاں کر دیا کہ جو آیات مذکورہ میں تھا، مگر قد مانے اسلام اس کے سخت منکر تھے اور ہیں۔ چنانچہ سعید بن المسیب و حارث اعور نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے

فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کی نسبت اس قصہ کو نقل کرے گا، میں اُس کو ایک سو ساٹھ کوٹے ماروں گا، جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے (ابن کثیر) رہی کتاب "مسومین" جس کی تقلید بعض حقائق اسلام نے کی ہے، سو آج تک پورا پورا اہل کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا مصنف کون ہے۔ وہ ایک تاریخ کی کتاب یہود میں مرقح تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی تصور کر لیا۔ (تفسیر حقائق) (۸) تفسیر خازن میں ہے: - اعلم ان من خصّہ اللہ تعالیٰ بنبوۃ واکومہ برسالۃ وشرّفہ علی کثیر من خلقہ واثمنہ علی وحیہ وجعلہ واسطۃ بینہ و بین خلقہ لایلیق ان ینسب الیہ ما لو نسب الی احاد الناس لاستنکف ان یحدث بہ عنہ :- "جاننا چاہیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت سے مخصوص کیا ہو اور اپنی رسالت سے اکرام بخشا ہو اور اس کو اپنی اکثر مخلوق پر شرف عطا کیا ہو، وہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ ان کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے کہ جو اگر عام کسی آدمی کی طرف منسوب ہو تو وہ اس کو عار سمجھے" محققین اہل سنت کی ان تصریحات کے بعد بھی کیا مصنف "فلاح الکونین" اسی ضد پر رہیں گے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ بات اہل سنت کا مذہب و عقیدہ ہے؟

قصہ عشق داؤد تفسیر قمی میں

تفسیر قمی شیعہ مذہب کی مستند اور قدیم ترین تفسیر ہے، اس میں شیخ قمی نے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے عشق کا یہ قصہ تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ:-

وهو فی محرابہ یضلی فاذا اطأرت قد وقع بین ید یدہ جناحہ من زبرجد اخضر ورجلہ من یاقوت احمر وراسہ و منقارہ من لؤلؤ و زبرجد فاعجبہ جد اونسى ما کان فیہ ، فقام لیأخذ فطام الطائر فوق علی حائط بین داؤد و بین اوریابن حنان وکان داؤد قد بعث اوریابی بعث نصبہ داؤد علیہ السلام لِحائط لیأخذ الطیر و اذا امرأة اوتویا جالسة تغتسل فلما رأت ظل داؤد نشرت شعرها وغطت بہ بدنہا ، فنظر الیکماد اؤد فافتتن بہا ورجع الی محرابہ (تفسیر قمی جلد ۲ ص ۲۰۷)

اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے محراب (عبادت خانہ) میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک پرندہ

آپ کے سامنے گرا کہ جس کے پر سبز زبرجد کے اور اُس کے پاؤں سرخ یاقوت کے تھے اور اس کا سر اور چونچ لؤلؤ (موتی) اور زبرجد کے تھے۔ پس آپ کو وہ بہت پسند آیا اور اپنی مشغولیت (عبادت) کو وہ بھول گئے، پھر اُس پرندے کو پکڑنے کے لیے اُسے تودہ پرندہ اڑ کر اُس دیوار پر جا بیٹھا جو آپ کے اور اوریابن حنان کے درمیان تھی اور آپ نے اُوریا کو ایک لشکر میں بھیجا ہوا تھا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام پرندے کو پکڑنے کے لیے دیوار پر چڑھ گئے، تو اچانک دیکھا کہ اُوریا کی بیوی بیٹھ کر غسل کر رہی تھی۔ پس جب اُس نے حضرت داؤد کا سایہ دیکھا تو اپنے بال پھینکا دیے اور بدن کو اُن سے ڈھانپ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اُس کو دیکھا تو اُس کے عشق میں مبتلا ہو گئے الخ۔"

اس کے بعد اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اُوریا کو اس جنگ میں کسی تدبیر سے قتل کرادیا۔ فرمائیے! جس لغو اور باطل قصے کو آپ اہل سنت کی طرف منسوب کر رہے ہیں اس کو تو امام جعفر صادق نے بھی مان لیا ہے اور شیخ قمی نے بھی اس روایت کی کوئی تردید نہیں کی البتہ حاشیہ میں ناشر کی طرف سے سید جزائری کا یہ قول لکھا ہے کہ:- ات هذا الحدیث معمول علی التقیہ :- (یعنی یہ حدیث تقیہ پر مبنی ہے) شیخ قمی نے تو بلاشبہ اس روایت کو تسلیم کر لیا اور سید جزائری نے یہ تاویل کی از روئے تقیہ امام جعفر صادق نے یہ قصہ بیان فرمایا تھا، ورنہ یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا، جنس کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

انبیاء کے متعلق ماتمی عقیدہ

آپ نے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اہل سنت پر الزام لگایا ہے، اس کی محققین اہل سنت نے تردید کر دی ہے، لیکن اپنے گھر کی بھی خبر لیجیے! آپ کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:- "ولسند معتبر از حضرت امام رضا منقول است کہ از اخلاق پیغمبران است خود را پاکیزہ کردن و خود را توشبو کردن، و مؤثر اشیدن و بسیار حجاج کردن یا بسیار زنان داشتن - (حیاد، القلوب ج ۱ ص ۱۷)۔ اور پسند معتبر حضرت امام رضا سے منقول ہے کہ یہ باتیں پیغمبروں کے اخلاق میں سے ہیں، اپنے کو پاکیزہ رکھنا، خوشبو

لگانا، بال تراشنا اور بہت جماع کرنا یا بہت بیویاں رکھنا، نعوذ باللہ! کیا نکاح انبیاءِ عظیم السلام کا مقصد شہوت رانی ہی ہوتا ہے اور یہ بھی اخلاقِ نبوت میں سے ہے؟

یہی علامہ باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ :- ابنِ شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے دو سو چالیس

امام حسن کی تین سوشادیاں

اور بروایت دیگر تین سو عورتوں سے نکاح کیا، یہاں تک کہ جناب امیر (یعنی حضرت علی) علیہ السلام نے منبر پر فرمایا کہ میرا فرزند حسن مطلقاً یعنی زیادہ طلاق دینے والا ہے۔ اپنی دختروں کو اس سے تزویج نہ کرو، لوگ کہتے تھے کہ ایک شب کے لیے ہی ہماری دختر کو وہ تزویج کریں، ہمارے فخر کے لیے کافی ہے، اور جب امام حسن نے انتقال کیا جمیع زنانِ آنحضرت علیہ السلام جن کو طلاق دی تھی، عقبِ جنازہ پابریہ نہ آئی تھیں اور گریہ و زاری کرتی تھیں، دجلۃ العیون جلد اول صفحہ ۲۹۵ فرماتا ہے حضرت امام حسن لکاحوں میں اتنے مشغول ہوئے کہ حضرت علی المرتضیٰ کو منبر پر لوگوں کو تنبیہ کرنا پڑی ہے غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو اتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل! اذرا شہتیر بھی

آپ نے نمبر (۱) میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا لکھا ہے تو گو آپ نے اس میں بھی کسی

حدیث بخاری اور قصہ حضرت ابراہیم

کتاب کا حوالہ پیش نہیں کیا، مگر شیعہ علماء عموماً بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کر کے چونکہ اہل سنت پر یہ الزام لگاتے رہتے ہیں، اس لیے اس کا تحقیقی جواب دینا ضروری ہے تاکہ ناواقف قارئین حقیقت حال منکشف ہو جائے۔ زیر بحث بخاری شریف کی حدیث درج ذیل ہے :- عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یكذب ابراهيم الا ثلاثاً :- (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہیں توڑا کیا گرتین بار :- اس کے بعد کی روایت میں ہے :- عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال لم یكذب ابراهيم الا ثلاثاً والصلوة والسلام الا ثلاث کذبات، شنیتن منهن فی ذات اللہ عزوجل۔ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیر ہم هذا، وقال، بینا ہذرات یوم وسارة اذ انی علی جبار من الجبارۃ فقیل لہ ان ہذا

رجل معہ امرأۃ من احسن الناس فارساً الیہ فسأله عنہا، فقال من ہذا، قال اُختی، (بخاری شریف کتاب الانبیاء) :- حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین باتوں میں توریہ کیا ہے، جن میں سے دو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ میں بیمار ہوں اور آپ کا یہ قول کہ، بلکہ اُن کے بڑے نے یہ کام کیا اور (تیسرا) یہ کہ آپ ایک دن اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ جارہے تھے کہ راستہ میں ایک جابر بادشاہ کے پاس سے گذرے، تو اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس آدمی کے ساتھ اس کی بیوی ہے، جو بہت خوبصورت ہے پس اس نے آپ کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔

اس حدیث پر مخالفین کا یہ اعتراض ہے کہ کذب جھوٹ کو کہتے ہیں لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

اعتراض کا حل

تین مرتبہ جھوٹ بولا ہے، حالانکہ انبیائے کرام معصوم ہیں اور اُن سے جھوٹ نہیں صادر ہو سکتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک تمام انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور گناہوں سے پاک، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور حدیث میں جو کذب کا لفظ آیا ہے اس کا معنی جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں اور حدیث میں مذکورہ تینوں باتیں ایسی ہیں، جن کو کسی طرح بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔

پہلی بات اور تیسرا اہل سنت پارہ ۲۳ سورۃ الصفات میں ہے: فنظر نظرتی الذجومہ فقال انی سقیم :- (سوا ابراہیم نے

پہلی بات اور تیسرا اہل سنت

ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں :- (ترجمہ مولانا مفتاحوی) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے :- پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا، پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں :- واقعہ یہ ہے کہ قوم میلے پر جانے لگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ جانے پر مجبور کیا، تو آپ نے ستاروں کی طرف دیکھ کر یہ فرمایا کہ انی سقیم

دیں بیمار ہوں) اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں (۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ: "إِنِّي سَقِيمٌ" کہنا ظاہر میں خلاف واقع ہونے سے موجب دوسرے ہو سکتا ہے لیکن واقع میں بالکل صحیح ہے یعنی یہ صیغہ بمعنی مستقبل ہے، مطلب یہ ہے کہ میں آئندہ کہیں بیمار ہوں گا (تفسیر بیان القرآن) (۲) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں: "حضرت ابراہیم کا اتنی سَقِيمٌ کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا، بلکہ مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا اس لیے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے تاکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں توڑیہ ہے، اور اس طرح کا توڑیہ مصلحت شرعی کے تحت مجاہد ہے (۳) مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی لکھتے ہیں: "قوم نجوم کی بہت معتقد تھی وہ سمجھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں سے اپنے بیمار ہونے کا حال معلوم کر لیا۔ اب یہ کسی معتدی مرض میں مبتلا ہونے والے ہیں اور معتدی مرض سے وہ لوگ بہت ڈرتے تھے" (تفسیر خزائن العرفان) (۴) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی فرماتے ہیں: "والمراد بالکذبات التعریضات والتورمیدہ" یعنی حدیث میں کذبات سے مراد تعریضات اور توڑیہ ہے" (تفسیر منظرہ) (۵) امام رازی فرماتے ہیں: "و اما الکذب فضر لازم لادئ ذکرقوله (ان سقیم علی سبیل التعریض بمعنی ان الانسان لا یبتدئ عن اکثر احواله عن حصول حاله مکروهه اما فی بدنه واما فی قلبه وکل ذلک سقیم) تفسیر میں: اس سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ آپ نے بطور تعریض یہ فرمایا ہے اس معنی سے کہ انسان کو اکثر حالتوں میں بدنی یا قلبی کوئی تکلیف (ناگوار) پہنچتی ہی رہتی ہے خواہ اس کے بدن میں ہو یا اُس کے قلب میں اور یہ سب بیماری ہی ہے اور بطور تعریض بات کرنے کا مطلب شیعہ مجتہد شیخ طبرسی نے یہ لکھا ہے کہ: "والمعارض ان یقول الرجل شیئاً یقصد به غیره وینہم منه غیر ما یقصدہ و لا یكون ذلک کذباً۔" اور معارض یعنی یہ ہے کہ آدمی ایک بات ایسی کرے کہ اس کی مراد اُس سے اور ہو اور اس کی مراد کے خلاف اس سے دوسرا معنی سمجھا جائے اور یہ جھوٹ نہیں ہوتا (تفسیر مجمع البیان) جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول "إِنِّي سَقِيمٌ" میں ہے کیونکہ بُت پرست اور ستارہ پرست

قوم نے تو یہ سمجھا کہ آپ نے ستاروں سے حساب کر کے یہ بات کہی ہے لیکن آپ کا یہ مطلب تھا کہ آئندہ کہیں تو بیمار ہونا ہی ہے اور تماشے کیلئے پر جانا بھی میرے لیے ایک قسم کی بیماری ہے، اور اس کو جھوٹ نہیں کہا جاسکتا بلکہ فنِ بدیع میں اس کو کلام کی خوبیوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس قسم کی بات کو توڑیہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شیعوں کے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ: "کلامیکہ خلاف واقع باشد و بر سبیل مصلحت گفتہ شود و توڑیہ کنند و ازاں تصدیح کنند، آن دروغ نیست۔ (حیات القلوب)۔" یعنی ایسی بات کہ (بظاہر) خلاف واقع ہو اور مصلحت کی بنا پر کہی جائے اور توڑیہ کریں اور اس سے صحیح بات کا ارادہ کریں تو وہ جھوٹ نہیں ہے" توڑیہ اور تعریض کا مطلب یہ ہے کہ ایک کلام کے دو مطلب بن سکتے ہیں مثلاً کلام کی مراد اور ہو اور سننے والا اس کا دوسرا مطلب سمجھے۔

دوسری بات اور تفاسیر اہل سنت
 دوسری بات یہ ہے کہ جب قوم کے لوگ میلے پچلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے میں سب بُتوں کو توڑ دیا، مگر اُن میں سے جو بُت اُبت تھا اُس کو نہ توڑا۔ جب لوگ میلے سے واپس آئے اور بُت خانہ میں گئے تو اپنے خداؤں کا یہ حال دیکھ کر حیران رہ گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بولوا کر اُن سے پوچھا "قَالُوا اَنْتَ فَصَلْتَ هَذَا بِالْحَيَاتِنَا يَا اِبْرَاهِيمُ ۗ قَالَ بَلْ فَصَلْتُمْ كَثِيْرًا هُمْ هَذَا فَاسْتَوْهَمُوْهُم اِنْ كَانُوْا يَنْطَفِقُوْنَ ۗ (پ ۱ سورۃ الانبیاء ع ۵) (۱) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں: "اُن لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بُتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم! انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہیں بلکہ اُن کے اس بڑے (گروہ) نے کی سو اُن (ہی) سے پوچھ لو (نا)، اگر یہ بولتے ہیں" پھر اُس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "تم یہ احتمال کیوں فرض نہیں کرتے کہ یہ حرکت میں نے نہیں کی، بلکہ اُن کے اس بڑے گروہ نے کی اور پھر جب اس کبیر میں فاعل ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے تو ان صفات (چھوٹے بُتوں) میں ناطق ہونے کا احتمال بھی ہوگا۔۔۔ اور بَلْ فَصَلْتُمْ كَثِيْرًا هُمْ هَذَا کی جو تقریر کی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ صدق محض ہے مگر اس مضمون کے علی سبیل الغرض ہونے پر وَاِنَّهٗ مَا فَصَلَهُمْ كَثِيْرًا مَّا كَذَبَ اِبْرَاهِيْمُ فَصَلَّيْ كَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ اِنَّمَا قَالَ فَصَلَّهُمْ سَبِيْرًا۔۔۔ سے اس نے

حدیث میں صورتاً اس پر مجازاً کذب کا اطلاق ہوتا ہے۔ (تفسیر بیان القرآن) (۲) علامہ عثمانی موصوف لکھتے ہیں کہ: "بَلْ فَعَلْنَا كَبِيرُهُمْ هَذَا كَمَا خَلَفَ دَاتِعٌ خَبْرَ دِينَ عَ طُورٍ بِرَنَهَا جَسَّ حَقِيقَتًا جُحُوتًا كَمَا جَابَءُ، بَلْ كَ اُنْ كِي تَحْقِيقٍ اَدْر تَجْهِيْلٍ كَ لِيْءِ اِيْكَ فَرَضِيْ اَحْتِمَالٍ كُو بَصُوْرَتٍ عُوْى لَے كَر بَطُوْرٍ تَعْرِیْضٍ وَ الزَام كَلَام كِيَا كِيَا تَهَا جِیْسَا كَ عُمُوْمًا بِحِثِّ وَ مَنَاطِرُهٗ مِیْن ہُو تَا ہِے، اَس كُو جُحُوْط نَمِیْن كَبِہ سَكْتِے" (۳) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: "بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم! فرمایا، بلکہ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا، تو اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں" اس کی تفسیر میں مولانا محمد نسیم الدین صاحب مراد آبادی فرماتے ہیں: "آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہ دیا اور شانِ مناظرہ سے تعریض کے طور پر ایک عجیب و غریب حجت قائم کی۔۔۔ مجھ سے کیا پوچھنا، پوچھنا ہو تو، وہ خود بتائیں کہ اُن کے ساتھ یہ کس نے کیا۔ مدعا یہ تھا کہ قوم غور کرے کہ جو بول نہیں سکتا، جو کچھ کر نہیں سکتا، وہ خدا نہیں ہو سکتا" (تفسیر خزائن العرفان) (۴) تفسیر خازن میں ان تینوں باتوں کے متعلق لکھتے ہیں: "فكل هذه الالفاظ صدق في نفسها ليس فيها كذب فان قلت قد سماها النبي صلى الله عليه وسلم كذبات بقوله لم يكذب ابراهيم الا ثلاث كذبات وقال في حديث الشفاعة يذكر كذباته قلت معناه امته لم يتكلم بكلام صورته صورة الكذب وان كان حقاً في الباطن الا هذه الكلمات ولما كان مفهوم ظاهرها خلاف (پس یہ سب الفاظ فی الحقیقت سچ ہیں ان میں کوئی جھوٹ نہیں۔ پس اگر تو یہ کہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کذبات فرمایا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی کوئی بات ایسی نہیں کہی کہ وہ حقیقت میں حق ہو، لیکن صورت اُس کی جھوٹ کی ہو مگر یہ تین باتیں ایسی کہی ہیں اور اس وجہ سے کہ ان کا ظاہری مفہوم ان کی دل کی مراد کے خلاف تھا یعنی سننے والوں کے لیے" (۵) مولانا عبدالحق صاحب حجتانی تحریر فرماتے ہیں کہ: "واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آرزو کے ساتھ کذب کرنا یا آفتاب کو

تیسری بات

مذکورہ دو باتیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآن میں مذکور ہیں اور تیسری بات کہ آپ نے اپنی بیوی سارہ کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہے اور اس سے آپ نے دینی بہن مراد لیا تھا اور اس میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بلکہ یہ بھی از قسم توریہ و تعریض ہے چنانچہ فتح الباری شرح البخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے مندرجہ زیر بحث حدیث بخاری پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جس میں فرماتے ہیں کہ: "واما اطلاقه الكذب على الامور الثلاثة فلكونه قال قولاً يعتقد السام كذباً ولكنه اذا حقق لم يكن كذباً لانه من باب المعامير المضملة للمؤمنين فلا ميس بل كذب محض" فقوله "إني سقيم" يحتمل ان يكون المراد "إني سقيم" اى ساقم واسم الفاعل يستعمل بمعنى المستقبل كثيراً..... (وقوله) بل فعلنا كبرهم هذا - قال ابن قتيبة معناه ان كانوا يتطون فقد فعلنا كبرهم هذا..... (قوله هذه اخي) ليعتد معناه بان مراده انها اخته في الاسلام:۔۔ اور آپ کا ان تینوں باتوں پر کذب کا اطلاق کرنا سوا اس وجہ سے ہے کہ آپ نے ایسی بات کہی کہ سننے والا اس کو جھوٹ قرار دیتا ہے لیکن جب اس کی تحقیق کی جائے تو یہ جھوٹ نہ تھا کیونکہ یہ معاریض کی قسم میں سے ہے۔ جس میں دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، لہذا یہ جھوٹ محض نہیں ہے۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ میں سقیم ہوں اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا، اور اسم فاعل، مستقبل کے معنی میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔۔۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے، تو ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ بت بولتے ہیں تو اُن کے اس بڑے نے کیا ہے۔۔۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ میری بہن ہے، تو اس میں آپ کی طرف سے یہ عذر ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ میری اسلامی بہن ہے" ۶

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مذکورہ تینوں باتوں میں جو تاویل و توجیہ اہل سنت مفسرین و محدثین نے کلام ابراہیم اور تفسیر شیعہ کی ہے وہی شیعہ مفسرین و محدثین نے بھی لکھی ہے۔ چنانچہ شیخ فی لکھتے ہیں: "فقال الصادق عليه السلام وَاللَّهِ مَا فَعَلْنَا كَبِيرُهُمْ وَمَا كَذَبَ اِبْرَاهِيمَ فَقِيلَ كَيْفَ ذَلِكُ قَالَ اِنَّمَا قَالَ فَعَلْنَا كَبِيرُهُمْ هَذَا اِنْ نَطَقَ

وان لم ينطق فلم يفعل كبرهم هذا شئ (تفسیر حقنی) :- ”پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی قسم نہ یہ کام اُن کے بڑے نے کیا نہ حضرت ابراہیم نے جھوٹ کہا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیسے؟ تو فرمایا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر یہ بڑا بولتا ہے، تو اسی نے کیا ہے اللہ اگر نہیں بولتا تو اس بڑے نے یہ فعل بالکل نہیں کیا“ (۲) شیخ طبرسی لکھتے ہیں :- فکانہ قال انی ساسقم لا معالة.... وثانیہما انہ نظری التَّجْوُمَ کنظرهم لانہم کانوا یتعاطون علی التَّجْوُمِ منادوہم انہ یقول بمثل قولہم عند ذلک انی سقیم فتروکہ ظنا منہم ان حنجمہ یدل علی سقمہ.... فمادری ان ابراہیم (ع) کذب ثلث کذبات - قولہ انی سقیم - وقولہ بل فعلہ کبرہم هذا وقولہ فی ساسماتہ انہا اُختری فیمن ان یحمل ایضاً علی المعاصی ای ساسقم وفعلہ کبرہم علی ما ذکرناہ فی وصفہ وساسماتہ اُختہ فی الدین وقد ورد فی الخبر ان فی المعاصی فی لمدوحة عن الکذب والمعاصی ان یقول الرجل شیئاً یقصد بہ غیرہ ویفہم منہ غیر ما یتصد بہ ولا یكون ذلک کذبا فان الکذب قبیح لعینہ ولا یجوز ذلک علی الانبیاء لانه یرتفع الثقة بقولہم جل اماناء اللہ تعالی واصفیاء عن ذلک - (تفسیر مجمع البیان سورۃ الصافات) :- ”یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ میں بالظن و بیمار ہونے والا ہوں۔۔۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے ستاروں پر نظر کی جس طرح وہ ستارہ پرست لوگ کرتے تھے، کیونکہ وہ ستاروں سے مطلب نکالتے تھے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اس وہم میں ڈال دیا کہ آپ بھی اُن کی طرح ہی ستاروں کے حساب سے کہہ رہے ہیں اور آپ نے اس وقت فرمایا کہ میں بیمار دہونے والا ہوں۔ پھر انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا اس گمان پر کہ آپ کا ستارہ آپ کی بیجاری پر دلالت کرتا ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ اُن کے اس بڑے نے یہ کیا ہے اور یہ کہ سارہ میری بہن ہے۔ تو ممکن ہے کہ اُن کو بھی معارف میں پر محمول کیا جائے یعنی میں غرض سے بیمار ہونے والا ہوں اور فعل کبرہم کا مطلب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، اور یہ کہ سارہ آپ کی دینی بہن ہے، اور روایت میں مذکور ہے کہ معارف میں جھوٹ سے بچاؤ ہو جاتا ہے اور معارف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اس کی مراد اُس سے اور ہو اور اس کی مراد کے برعکس

اس سے دوسرا معنی سمجھا جائے، اور یہ جھوٹ نہیں ہوتا کیونکہ جھوٹ فی نفسہ قبیح ہے اور انبیاء پر یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے اُن کی بات سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امین اور اس کے برگزیدہ بندے اس سے پاک اور بالا ہیں، (۳) علامہ باقر مجلسی آیت انی سقیم کے تحت لکھتے ہیں :- ”و کلامیکہ خلاف واقع باشد و برسبیل مصلحت گفتہ شود و توریہ کنند و اذال تصدیح کنند آن دروغ نیست و جبائز است بلکہ در بسیارے از جاہا واجب می شود از برائے حفظ نفس خود یا مال خود یا غرض خود یاد دیگر، و بعضی گفتہ اند، گفت من دلم بیمار است و در اندوہم از ضلالت قوم خود و ظاہر احادیث معتبرہ بسیار آنست کہ میں کلام بود برسبیل مصلحت و بیکے ازیں وجہ کہ مذکور شد یا مذکور خواهد شد توریہ فرمود کہ ظاہر آنہا معنی نہ فہمید و غرض واقعی آنحضرت صحیح باشد“ (حیات القلوب جلد اول ص ۱۱۱) :- ”اور جو کلام کہ خلاف واقع ہو اور مصلحت کی بنا پر کہی جائے اور اُس کی مراد صحیح بات ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہے اور جائز ہے بلکہ اکثر جگہوں میں (ایسی بات) واجب ہو جاتی ہے اپنی جان یا مال کی حفاظت یا کسی اور غرض کے لیے، اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میرا دل بیمار ہے اور اپنی قوم کی گمراہی سے رنجیدہ ہوں اور اکثر معتبر احادیث کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ بات مصلحت پر مبنی تھی اور مذکورہ وجہ سے یا اس وجہ سے جو آئندہ مذکور ہوگی۔ آپ نے توریہ فرمایا کہ انہوں (یعنی کافروں) نے بظاہر اس کا مطلب نہ سمجھا، حالانکہ آپ کی واقعی غرض صحیح تھی“ اور آیت بَلْ فَعَلَمْتَ کِبْرَهُمْ هَذَا کے تحت علامہ مجلسی لکھتے ہیں :- ”چوتھی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ اس خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں جو کسی مصلحت کی بنا پر نہ کہی جائے، اور یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصلحتاً فرمائی تھی کہ ان کو دلیل میں عاجز کریں۔ چنانچہ حدیث معتبرہ میں منقول ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ اس شخص پر ایسی بات جھوٹ نہیں ہوتی جو اصلاح کے مقام پر ہو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ بحمد ان (مبتول) نے یہ کام نہیں کیا تھا اور حضرت ابراہیم نے بھی جھوٹ نہیں کہا“ (حیات القلوب) توجیب شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی ائمہ اہل بیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ تینوں باتوں کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو اہل سنت مفسرین و محدثین نے لکھا ہے اور دونوں کی تحقیق یہی ہے کہ یہ باتیں جھوٹ نہیں ہیں، تو پھر حدیث بخاری پر اہل تشیع کا اعتراض کرنا کیونکر صحیح

ہو سکتا ہے :

کذب کا معنی

زیادہ سے زیادہ یہی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ تینوں باتیں جھوٹ نہیں ہیں تو حدیث بخاری میں اُن پر کذب کا اطلاق کیوں کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کذب کے معنی عربی لغت اور محاورہ میں جھوٹ کے سوا اور بھی آتے ہیں۔ (۱) کذب کا اصل معنی آئے تو اس کا معنی واجب ہونا ہے۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے قد یکن بمعنی وَجَبَ وَمَنَعَهُ كَذَبَ عَلَيْكَ الْحَجَّ ، كَذَبَ عَلَيْكَ الْعَمْرَةَ ، كَذَبَ عَلَيْكَ الْجِهَادَ یعنی کبھی کذب بمعنی وَجَبَ آتا ہے اور اسی سے یہ ہے کہ تم پر حج واجب ہے ، تم پر عمرہ واجب ہے ، تم پر جہاد واجب ہے۔ (۲) کذب کا معنی کم ہونا بھی ہے ، چنانچہ عربی محاورہ ہے کَذَبَ لَكِنَّ التَّاقَةَ (اوشنی کا دودھ کم ہو گیا) اور اسی بنا پر ضعیف عورت کو مَكْذُوبَةٌ کہتے ہیں۔ چنانچہ قاموس میں ہے اَلْمَكْذُوبَةُ الضَّعِيفَةُ۔ (۳) کذب بمعنی خطا بھی آتا ہے اور محدثین عموماً اس کو خطا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور خود قرآن مجید نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ معراج کے بیان میں ہے :- مَا كَذَبَ الْفَوَادُ مَا رَأَى (سورۃ النجم)۔ ”قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی“ دَرَجَتِهِ مَوْلَانَا اشرف علی مہتاتوسی، تو یہاں لفظ کذب سے مراد خطا ہے ، مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاتل قَوْمَسَیْنِ پر تجلیاتِ الہیہ کا مشاہدہ کیا اور آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ، تو دل نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ، تو جب عربی لغت میں بھی کذب کے منقہ و معانی آتے ہیں اور قرآن حکیم میں بھی کذب بمعنی خطا استعمال ہو اسے ، تو اگر حدیث بخاری میں کذب بمعنی جھوٹ ہو بلکہ بمعنی خطا مستعمل ہو تو اس پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے ، اور یہاں کذب بمعنی خطا ہونے کی تائید خود بخاری شریف کی ہی دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔

چنانچہ حدیث شفاعت میں ہے :- عَنْ اَسِيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ يَا اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يَرْبِحَنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ اَدَمَ فَيَقُولُونَ اَنْتَ الَّذِي خَلَقْتَ اللهُ بِيَدَاكَ وَنَفَخْتَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَاَمْرَ الْمَلَائِكَةِ فَسَجَدُوا لَكَ فَاشْفَعْنَا لِنَاخِذِ رَبِّنَا

فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَبِذِكْرِ خَطِيئَتِهِ ، وَيَقُولُ اَسْوَأُ نَوْحًا اَدَلَّ رَسُولَ بَعَثَهُ اللهُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَبِذِكْرِ خَطِيئَتِهِ ، اَسْوَأُ اِبْرَاهِيمَ الَّذِي اتَّخَذَهُ اللهُ خَلِيْلًا فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَبِذِكْرِ خَطِيئَتِهِ (بخاری شریف ، کتاب الرقاق باب الصفة والنار) :- حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو جمع کرے گا ، تو وہ کہیں گے کہ ہم اپنے رب کے پاس کس کو شافع بنا لیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی جگہ پر راحت عطا فرمائے۔ پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی لوح آپ کے اندر بھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ پس آپ پر رور و گار کے پاس ہماری شفاعت (سفارش) کریں ، تو آپ فرمائیں گے میں تمہارا کام نہیں کر سکتا اور اپنی خطا ذکر کریں گے اور فرمائیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ پس وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے ، تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا اور اپنی خطا بیان کریں گے تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنا یا ہے ، پھر وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا اور اپنی خطا کا ذکر کریں گے۔“

ان انبیائے کرام کے علاوہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ بھی یہی جواب دیں گے اور حضرت عیسیٰ روح اللہ بھی معذرت پیش کریں گے اور آخر کار تمام امتوں کی شفاعت امام الاثیاریہ والمرسلین رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کو شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے ، جو تمام بنی آدم کے لیے ہوگی۔ بہر حال اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم ، حضرت نوح ، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی طرف خطیئہ کا لفظ منسوب فرمایا ہے ، اور خطیئہ اور خطا بھول چوک کے معنی میں بھی آتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی جن باتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطیئہ سے تعبیر فرمایا ہے ، وہ گناہ نہیں ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن باتوں کو خطیئہ سے تعبیر فرمایا ہے ، وہ بھی گناہ نہیں لہذا زیر بحث حدیث

بخاری میں بھی کذب بمعنی جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ تو کبیرہ گناہ ہے جس کا ہمدرد انبیائے کرام سے نہیں ہو سکتا۔

لفظِ خطیۃ قرآن میں

اور حدیث شفاعت کے علاوہ خود قرآن مجید میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لفظ خطیۃ ہی کی نسبت کی گئی ہے چنانچہ پ ۱۹۔ سُورَةُ الشُّعَرَاءِ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: - وَالَّذِي اَطْعَمَ اَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ مولانا مھتائوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: - ”اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کر دے گا“ اور خطیۃ ہی سے مراد خلافِ اولیٰ ہے ورنہ انبیاءِ علیہم السلام معاصی سے قطعاً پاک تھے۔ (تفسیر بیان القرآن، ۲) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں: - ”اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا“ اس کے حاشیہ پر مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی فرماتے ہیں: - انبیاءِ معصوم ہیں، گناہ ان سے صادر نہیں ہوتے ان کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور اُمت کے لیے طلبِ مغفرت کی تعلیم ہے۔ (۳) مولوی فریاد علی صاحب شیعی مفسر لکھتے ہیں: - ”اور وہ شخص جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا“ (۴) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے: - ”اور وہی ہے جس سے میں خواہش رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے“ (ترجمہ مقبول) پہلے تین مفسروں نے خطیۃ کا ترجمہ خطا کیا ہے اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسر نے اس کا ترجمہ گناہ کیا ہے۔ اب مصنف ”فکاح الکونین“ سے ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہم السلام نے گناہ کیا تھا؟ اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ اس سے مراد صورتاً گناہ ہے نہ کہ حقیقتاً۔ تو یہی ہم حدیث بخاری میں لفظ کذب کے متعلق کہتے ہیں، کہ اس سے مراد صورتاً کذب ہے نہ کہ حقیقتاً، اور صورتاً کذب کو ہی تور یہ کہا جاتا ہے، اسی بنا پر ہم نے حدیث مذکور کے ترجمہ میں کذب کا معنی تور یہ لکھا ہے۔

اور صورتاً کذب کو کذب کے لفظ سے تفسیر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی

بھول چوک کو قرآن مجید میں لفظ معصیت اور غواہیت سے تفسیر کیا گیا ہے: - دَعَا اِدْمَ رَبَّهُ فَخَوَىٰ (سورۃ طہ ۷۷) اور لُغَت میں عصیان اور معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں چنانچہ المنجد میں ہے عَصَى عَصًا وَمَعْصِيَةً: - خَرَجَ عَنِ طَاعَتِهِ وَعَانَدَهُ (وہ اس کی تابعداری سے انکار کیا اور اس کی مخالفت کی) اور غواہیت کا معنی گمراہی ہے، چنانچہ المنجد میں ہے: غَوَى، غَوَايَةٌ: - ضَلَّ، خَابَ، هَلَكَ (گمراہ ہوا، محروم ہوا، ہلاک ہوا) حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گمراہی سے معصوم ہوتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے بھی نافرمانی نہیں کی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: - فَتَنَّا دَاوُدَ نَجِدُ لَهُ عِزْمًا: - (تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا) (مولانا احمد رضا خان بریلوی) (سورۃ طہ ۷۶) اور مولانا مھتائوی لکھتے ہیں: - ”سوائے غفلت (اور بے احتیاطی) ہوگی ہم نے ان میں پختگی نہ پائی“ اس آیت میں لفظ فتنی سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کا جو پھل کھایا تھا تو اس میں وہ بھول گئے تھے اور بھول کر یعنی یاد نہ رہنے کی وجہ سے جو کام کیا جائے اس کو نافرمانی اور مخالفت نہیں کہتے، مثلاً روزہ دار کو اگر یاد نہ رہے کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے اور کچھ کھاپی لے تو روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔ نافرمانی اور گناہ اس فعل کو کہتے ہیں جس میں قصد اور ارادہ کا دخل ہو۔ تو باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حقیقتاً نافرمانی نہیں کی لیکن چونکہ صورتاً نافرمانی تھی، اس لیے اس کو لفظ معصیت اور غواہیت سے تفسیر کیا گیا ورنہ یہ بھول چوک ہے نہ کہ گناہ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب مھتائوی اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں: - ”اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا جو غلطی میں پڑ گئے“ اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے: - ”اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں تعرض واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی“ اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعی لکھتے ہیں: - ”اور آدم نے اپنے رب کے خلاف کیا لہذا ناکام رہے“ حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ پس جب آدم نے کھالیا تو خلاف احتیاط یا ترکِ اولیٰ ہوا، اسی کے نتیجہ کو خدا فرماتا ہے فَخَوَىٰ حوام اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ معاذ اللہ گمراہ ہو گئے لیکن تفسیر اہل بیت سے ثابت ہوا کہ ان کا مقصود جو تھا وہ حاصل نہ ہوا۔ (ترجمہ مقبول)

لفظ ضلالت کا استعمال

ضلالت کا معنی گمراہی ہے اور سورۃ فاتحہ میں وَلَا الضَّالِّينَ سے مراد نصاریٰ وغیرہ گمراہ ہیں۔ حالانکہ یہی لفظ ضلّال قرآن مجید میں نبی کریم رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی آیا ہے: - وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَايَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَرْزُقُكَ إِنْ عَسَيْتَ إِذْ تَضَلَّتَ بِرَبِّكَ إِنَّكَ كَأَنَّكَ كَافِرٌ بَدِيعٌ جَنَانٍ ۝۱۰۳ (سورۃ الفاتحہ)۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلادیا اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی منقصت نہیں (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں: - اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی (۳) مولوی فرمان علی صاحب شیبلی نے یہ ترجمہ کیا ہے: - اور تم کو احکام ناواقف دیکھا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا (۴) اور مولوی مقبول صاحب دہلوی کا ترجمہ یہ ہے: - اور تم کو بھٹکا ہوا پایا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔ (ترجمہ مقبول) یہاں ترجمہ بھٹکا ہوا محل اعتراض ہے!

ذنب کا لفظ قرآن مجید میں گناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے مثلاً سورۃ النکوٰۃ میں ہے: - وَإِذْ الْمَوْءُودَةُ دَاخِلَةٌ مِنَ الْمَنَازِلِ مُسْتَلِكًا يُبَايِعُ بِحَنَاقِهِ ابْنَ مَرْثَدَةَ وَهُوَ وَجْهٌ مُّسْتَلِكٌ يُكَتِّمُ بِهِ الْبَغِيَّةَ وَهُوَ يَأْتِيكُم مِّنَ الْأَشْجَلِ ۝۱۰۳ (سورۃ النکوٰۃ)۔ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟ لیکن یہی لفظ ذنب قرآن مجید میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی مذکور ہے: - وَاسْتَنْصَفْ لِذَنبِكَ ذَلِيقًا مِّنْهُنَّ وَالْمُؤْمِنَاتِ (سورۃ محمد) (۱) مولانا مخدوم نے اس کا ترجمہ لکھتے ہیں: - اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی اور ذنب سے مراد ذنب مجازی ہے (بیان القرآن) اور مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں: - اور ہم سے اپنے اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگتے رہو۔ اور حاشیہ پر لکھتے ہیں: - یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت رسول تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، باوجود اس کے استنفا کا حکم یا تو اس وجہ سے ہے کہ نفس کو انکسار اور تواضع کی عادت رہے، یا یہ مقصود ہے کہ طلبِ عصمت

کرو کہ آئندہ بھی گناہوں سے محفوظ رہو۔ (۳) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے: - اور تم اپنے گناہوں کی معافی کے لیے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو۔ (ترجمہ مقبول) یہاں دونوں مترجمین نے لفظ ذنب کا ترجمہ گناہ لکھا ہے، حالانکہ امام الاشبہاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔

لفظ ظلم قرآن مجید میں

ظلم کا لغوی معنی وضع الشيء فی غیر محلہ ہے یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا، لیکن قرآن مجید میں لفظ ظلم کا اطلاق شرک پر بھی کیا گیا: - الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّسْتَدْرُونَ (سورۃ الانعام ۹۶)۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں (مولانا مخدوم) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں: - وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی، انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں (مولوی فرمان علی صاحب شیبلی کا ترجمہ یہ ہے: - جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، انہیں لوگوں کے لیے امن (و اطمینان) ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں (مولوی مقبول احمد صاحب نے لکھا ہے: - جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں لادیا۔ امن و اطمینان امنی کے لیے ہے) حاشیہ پر لکھتے ہیں: - تفسیر مجمع البیان میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت لوگوں کو ہمت ہی گراں گزری اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے، جو تم سمجھو ہو بلکہ اس کا مطلب ہے شرک کیا تم نے تمہیں سنا کہ خدا کا ایک نیک بندہ (حضرت لقمان) کہتا ہے (جس کے قول کو خدا تعالیٰ نقل فرماتا ہے) يٰبَنِيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ: - میرے پیارے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ کر دینا کہ شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے (اور یہاں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے ایک اور بھی بیانیہ غریب تفسیر بیان کی ہے کہ: - جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

کے معنی یہ منقول ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت علی اور اولاد علی کی نسبت جو حکم پہنچایا، اُس پر ایمان لائے اور اس کو ابو بکر و عمر کی دوستی کے ساتھ مخلوط نہ کیا۔ (توجہ مقبول)، لیکن یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ ایک غرابی نکتہ ہے جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، بہر حال لفظ ظلم قرآن مجید میں بمعنی شرک مستعمل ہے، لیکن یہی لفظ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی آئی ہے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ہ اور حضرت یونس علیہ السلام کی دعا میں بھی مذکور ہے: - فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ پس اُنہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ (الہی)، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں، میں بے شک قصور وار ہوں۔ (ترجمہ مولانا محمد امجد علی) اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضرت یونس علیہ السلام سے اس واقعہ میں کسی امر کی مخالفت نہیں ہوئی۔ صرف اجتہاد میں غلطی ہوئی جو اُمت کے لیے عقوبت ہے مگر انبیاء کی تربیت و تہذیب زائد مقصود ہوتی تھی، اس لیے یہ ابتلاء ہوا۔ (مفسرین بیان القرآن) آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ لفظ ظلم لے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں یہ لکھا ہے کہ: حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔۔۔ پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا کیونکہ اس پر تمام حجت کی تلافی شرکاً پوری نہیں ہوئی تھیں۔ (تفہیم القرآن جلد ۲، سورۃ یونس، حاشیہ ص ۳۱۳) اور مودودی صاحب کا یہ عقیدہ عصمت انبیاء کے خلاف ہے، کیونکہ انبیائے کرام سے فریضہ رسالت ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہوتی اور جو لغزش انبیاء سے ہو سکتی ہے اُس کا تعلق فریضہ رسالت سے نہیں ہوتا۔ بعض دیگر انبیاء پر بھی مودودی صاحب نے ضابطہ تنقید کے جوش میں تنقید کی ہے، جس کی تفصیل میری کتاب "مودودی مذہب" میں مذکور ہے۔ یہ بھی ملحوظ ہے کہ مودودی صاحب کو دستبردائش میں سے یہ الفاظ ذکر: "حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوئی تھیں" حذف کر دیے ہیں، لیکن بعد کی جو عتاب باقی ہے وہ بھی عصمت انبیاء کے خلاف ہے اور مفتی محمد رفیع صاحب سابق مدرس اکوڑہ منگل (حال راولپنڈی) نے مودودی صاحب کے دماغ میں جو غلطی جائزہ "کتاب لکھی ہے اس کے جواب میں میری کتاب "علمی محاسبہ" کا اطلاق کریں اس میں عصمت انبیاء پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ ۱۲

قرآن مجید میں شرک کے معنی میں مستعمل ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں لفظ ظلم سے عام لغزش مراد ہے، نہ کہ گناہ اور شرک، اور انبیائے کرام کی زلت (لغزش) کو ترک اولیٰ اور خلاف اولیٰ کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان انبیاء سے جو فعل صادر ہوا وہ بھی جائز تھا، لیکن انہوں نے اس سے بہتر اور اولیٰ صورت کو چھوڑ دیا، اس لیے اُن کی عظمت نشان کے پیش نظر یہ بھی اُن کے حق میں قصور قرار دیا گیا۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْرَسِينَ یعنی ابرار (صالحین) کی نیکیاں بھی مقربین کے لیے قصور و خطا سمجھی جاتی ہیں۔

بہر حال جس طرح سُنی و شیعہ علمائے مفسرین نے قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق لفظ مَعْصِيَتٍ، غَوَايِثٍ، ضَلَالَاتٍ، ذَنْبٍ اور ظلم وغیرہ الفاظ کی تاویل کی ہے، اور اس کا وہ مفہوم بیان کیا ہے جس میں عصمت انبیاء کا عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ تو اس پر زیر بحث حدیث بخاری کے لفظ کذب (کذبات) کو قیاس کر کے اس کی صحیح تاویل ہو سکتی ہے، جیسا کہ سابقہ توجیہات و تاویلات میں مذکور ہو چکا ہے، اس لیے حدیث بخاری کے الفاظ پر کوئی علمی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی عصمت بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح محفوظ رہتی ہے، اور تمام شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔ وَبِاللَّهِ الْحَسَدُ ۝

الطَّاحِرُ كَوْتُوَالِ كَوْتُوَالِ

مصنف "فلاح الکونین" نے حضرت ابراہیم، اور حضرت داؤد علیہما السلام کے بارے میں جو الزامات

اہل سنت پر عائد کیے تھے، اُن کا تحقیقی جواب عرض کر دیا گیا ہے۔ لیکن کیا مصنف موصوف کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ اُن کی مستند کتابوں میں انبیائے کرام کے متعلق کیا لکھا ہے، جن سے عصمت انبیاء مجروح ہوتی ہے مثلاً:۔

رَسُولِ خُدَائِهِ حُكْمِ الْهٰنِي كَوْتُوَالِ

قرآن مجید میں ہے: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَكَتْ رِسَالَتَهُ ط وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَنْ النَّاسِ ط مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے: "اگر رسول

جو کچھ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (علیؑ کے بارے میں) نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچاؤ اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اپنی رسالت ہی نہ پہنچائی، اور اللہ آدمیوں کے شر سے تم کو محفوظ رکھے گا“ (ترجمہ مقبول) اور تفسیر قمی میں ہے کہ: ”تَزَلَّتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي عَلِيٍّ“۔ یہ آیت علیؑ کے بارے میں اُتری ہے“ اور شیخ طبرسی لکھتے ہیں: ”وقد اشتهرت الروايات عن ابي جعفر ابي عبد الله عليه السلام ان الله اوحى الى نبيه صلى الله عليه وسلم ان يستخلف عليا راع، فكان يقول ان يثيق ذلك على جماعة من اصحابه، فانزل الله تعالى هذه الآية لتشجيعه على القيام بما امره الله باذنه“ (تفسیر مجمع البیان)؛ ”اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے روایات حدیث شریعت کو پہنچ چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کریں۔ پس آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ حکم آپ کے اصحاب کی ایک جماعت پر شاق ہو گا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بھیجی تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ادا کر سکیں“ اور علامہ مجلسی اس آیت کے تحت حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کرنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ”پس حضرت رسول ترسید از قوم کہ مبادا اہل شقاق و نفاق پر آگندہ شوند و بجاہلیت و کفر خود بگردانند، زیرا کہ حضرت می دانست کہ عداوت ایشان با علی بن ابی طالب در چہ مرتبہ است و کینہ او در سینہ ہائے ایشان جا کرده است۔ پس سوال کرد از جبرئیل کہ از خداوند عالمیان سوال نماید کہ اورا از کینہ منافقان محفوظ نگہدار و نظارتی برد کہ جبرئیل از جانب خداوند عالمیان خبر محافظت اورا از شر منافقان بیار د۔ پس تبلیغ رسالت را تا خیر نمود تا بسجیہ خفیت، پس در مسجد خفیت جبرئیل بر آنحضرت نازل شد و امر کرد آنحضرت را کہ عہد ولایت را با ایشان برساند و اورا قائم مقام خود گرداند و وعدہ محافظت از شر اعدای را بر لے آنحضرت طلب نمود بود، نیار د۔ پس حضرت فرمود کہ اے جبرئیل! من از قوم می ترسم کہ مرا تکذیب نمایند و قول مراد حق را قبول نہ کنند۔ پس از شما باز گرد، پس چون یہ غدیر خم رسید کہ بقدر رسد میل پیش از جحفہ است۔ جبرئیل بہ نزد آنحضرت آمد و وقتیکہ پیش ساعت از روز گذشتہ بود با نہایت زبرد تہدید و مبالغہ و باضامن شدن عصمت از شر اعدا پر گف: محمد! خداوند عزیز جلیل تر اسلام می رساند و می گوید کہ اے پیغمبر بزرگوار! تبلیغ کن آنچه لبوس“

فرستادہ شدہ است در باب علیؑ و اگر نہ کنی ترسانیدہ خواہی بود، سچ یک از رسالات الہی را و خدا ترانگاہ می دارد از شر مردم الخ (حیات الثوب جلد دوم صلاک مطبع فولکشور لکھنؤ، ستمبر ۱۸۸۳ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ)۔ ”پس حضرت رسول تو لوگوں سے ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو کہ مخالفین اور منافقین منتشر ہو جائیں اور جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کی حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ دشمنی کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے، اور ان کے سینوں میں ان کا کینہ جم چکا ہے۔ پس آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ آپ کو منافقین کے فریب سے محفوظ رکھے، اور اس کا انتظار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل منافقین کے شر سے آپ کی حفاظت کی خبر لاتے ہیں، اس لیے رسالت کی تبلیغ میں تاخیر کر دی، حتیٰ کہ مسجد خفیت تک پہنچ گئے تو وہاں جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم پہنچا کہ حضرت علیؑ کی ولایت (یعنی خلافت) کا حکم پہنچائیں اور ان کو اپنا قائم مقام مقرر کریں، لیکن حضور نے دشمنوں کے شر سے حفاظت کا وعدہ طلب کیا تھا، جبرئیل وہ نہ لائے۔ پھر رسول اللہ نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ وہ جھٹلائیں گے اور علیؑ کے حق میں میری بات قبول نہیں کریں گے۔ پھر جبرئیل واپس گئے حتیٰ کہ آپ جب غدیر خم پر پہنچے جو تقریباً تین میل جحفہ سے آگے ہے۔ جبرئیل آپ کے پاس اس وقت پہنچے کہ دن کی پانچ ساعتیں گذر چکی تھیں اور نہایت زبرد تہدید (مخت ڈانٹ) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا حکم لائے، اور کہا کہ اے محمد! خداوند عزیز و جلیل آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے پیغمبر بزرگوار! جو میں نے آپ کو حکم بھیجا ہوا ہے، حضرت علیؑ کے بارے میں وہ پہنچا دیں اور اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی پیغام (حکم) نہیں پہنچایا اور لوگوں کے شر سے خدا آپ کی حفاظت کرے گا“

فرمائیے! کیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام رسالت کا انکار نہیں ہے؛ کہ آپ نے نعوذ باللہ لوگوں کے خوف سے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بار بار پس کرتے رہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی، حکیم الہی کے سنانے میں پس و پیش کرتے رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ شان رسالت بیان فرمائی ہے،

کہ :- اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسَالَتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَہٗ ذَلَا یَخْشَوْنَ اِلَّا اللّٰهَ - (پ ۲۲، سُورَةُ الْاَنْحٰزَبِ ع ۵) :- اس آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ یہ لکھتے ہیں کہ :- پیغمبر ایسے لوگ ہیں جو خدا کا حکم پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے (ترجمہ مقبول)

اللہ تعالیٰ کا تو یہ اعلان ہے کہ پیغمبر اُس کا حکم پہنچانے میں کسی مخلوق سے بھی نہیں ڈرتے اور باتوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت و امامت کے اعلان کرنے میں اپنے اصحاب سے ڈرتے رہے، العیاذ باللہ اور یہ خوف اس شخصیت کی خلافت کے اعلان میں ہے جو خود شیعہ خدا ہیں اور اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود بھی ہیں، اور یہ بھی ملحوظ نہیں رکھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح اپنی جان کا خوف ہوتا تو پھر مکہ معظمہ میں قریش مکہ اور ابو جہل جیسے دشمنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان کیسے فرماتے، جبکہ آپ بالکل تنہا تھے اور اب جبکہ مکہ فتح کر لیا ہے اور اسی حجۃ الوداع کے خطبہ کے دوران تکمیل دین کا اعلان ہو چکا ہے اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار جانثار صحابہ کرام کی جماعت مقدسہ کفر و باطل کی طاقتوں کو زیر و زبر کرنے کے لیے قائم ہو چکی ہے، اور سالہا سال کی اور مدنی زندگی میں احکام رسالت بلا کسی خوف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنا چکے ہیں۔ تو اب صرف حضرت علی کی خلافت کے اعلان کے بارے میں یہ جاننا کا خوف کیسے لاحق ہو گیا۔ نہیں! نہیں! کوئی عقل و شعور رکھنے والا مسلمان ایسا تقویٰ بھی نہیں کر سکتا۔

در اصل بات یہ ہے کہ ماتمی فرقہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور دیگر صحابہ کبار کی عداوت میں اتنا خالی ہو چکا ہے کہ وہ ان مقدس صحابہ کو محروم کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتا ہے خواہ اُس میں رسالت محمدیہ ہی مجروح ہو جائے اور قرآن اور اسلام سے ہی اعتماد اٹھ جائے العیاذ باللہ جیسا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ کاروائی کی گئی ہے۔ وَاللّٰهُ الْبَاقِیُّ :

اممہ اہل بیت پر دین چھپانے کا الزام
رسول کا فی میں ہے :- قال ابو عبد اللہ صلوات
اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ یا سلیمان انکم علی
دین من کتمہ اعز اللہ عزوجل ومن اذا عہ اذ لہ اللہ عزوجل :- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا
اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ عزوجل اُس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا

اللہ عزوجل اُس کو ذلیل کرے گا (باب المکتان) یہاں بعض علمائے شیعہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ حکم ایسے وقت کے لیے ہے، جب دشمنوں کا زور ہو اور شیعوں کو جان کا خطرہ ہو لیکن یہ تاویل باطل ہے، کیونکہ امام جعفر صادق نے یہاں دین شیعہ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے (انکم علی دین) تم ایسے دین پر ہو یعنی شیعہ مذہب ہی ایسا ہے جس کو چھپانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت ملے گی اور اُس کے ظاہر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیعہ کو کفرت نصیب ہوگی، اور اسی بنا پر علامہ خلیل قزوینی نے اصول کافی کی شرح صافی میں یہ تشریح کر دی ہے کہ "کفرت امام جعفر صادق اے سلیمان! بدستیکہ شما شیعیہ امامیہ قبل از ظهور قائم علیہ السلام طریقے دارید کہ ہر کہ پان کند آثرا از غیر اہلش، عزیز می کند اور اتقائی" یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے سلیمان! بے شک تم شیعہ امامیہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے ایسا مذہب رکھتے ہو کہ جو شخص اس کو نا اہلوں سے چھپائے گا، اللہ تعالیٰ اُس کو عزت دے گا، تو اس میں تفریح کر دی کہ دین کے چھپانے کی یہ خصوصیت حضرت امام مہدی کے ظاہر ہونے تک ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ اس میں نا اہلوں سے چھپانے کا ذکر ہے نہ کہ ہر کسی سے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر شیعہ علماء و ذاکرین علی الاعلان اور پھر لاؤڈ سپیکر پر تو اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عام مجمع میں تو اہل، نا اہل سب موجود ہوتے ہیں۔ لہذا شیعہ مذہب کی بنیاد پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیعیت کی عام تبلیغ حرام ہے اور جو اس کی عام تبلیغ کرتے ہیں وہ امام جعفر صادق کی نافرمانی کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہوتے ہیں۔ عبرت عبرت (۲) اسی دین چھپانے کا نام مذہب شیعہ کی اصطلاح میں تقیہ ہے، چنانچہ اسی صافی شرح اصول کافی میں کنتمان کا یہ معنی لکھتے ہیں :-

پوشانیدن چہرے خواہ نزد منافقان برائے دفع ضرر و آثر تقیہ نیز نامند و خواہ نزد موافق برائے مصلحتے مثل جلب نفع :- کسی چیز کو چھپانا، خواہ نقصان دور کرنے کے لیے منافقین سے چھپائی جائے اور اُس کا نام تقیہ ہے اور خواہ اپنے موافقین سے بوجہ نفع حاصل کرنے کے بات چھپائی جائے" اسی بنا پر شیعہ مذہب میں تقیہ کا بہت بڑا ثواب ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :- عن ابی عمر الاعرجی قال قال لی عبد اللہ علیہ السلام یا اباعمر ان تسعة اعشار الدین فی التقیة ولادین لمن لا تقیہ لہ والتقیة فی کل شیء الا فی النبیذ والمسح علی الخفین :- ابو عمر اعرجی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے اباعمر! دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ

میں ہیں، اور جو تفتیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے، اور تفتیہ ہر چیز میں ہے، سوائے نبیذ (جو وغیرہ) کا
جوش دیا ہوا پانی، اور موزوں کے مسح کے“

از لوائے تفتیہ حضرت علیؑ کو گالی دینا جائز ہے

(۳) اور اس عبادت تفتیہ کی حد یہاں تک ہے کہ :- قیل لابی عبد اللہ علیہ السلام ان الناس یروون ان علیاً علیہ السلام قال علی منبر الکوفة ایہا الناس انکم ستدعون الی سبّی فنبونی ثم تدعون الی البراءة متی فلا تبرءوا متی، فقال اکثر ما یکذب الناس علی علی علیہ السلام ثم قال انما قال انکم ستدعون الی سبّی فنبونی ثم تدعون الی البراءة متی وانی علی دین ولسم یقبل ک تبرءوا متی :- امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ لوگ حضرت علیؑ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ تم کو عنقریب مجھے سب کرنے (گالیاں دینے) کے لیے کہا جائے گا، تو تم مجھے سب کر لینا (یعنی گالیاں دے لینا) پھر تم کو مجھ سے تبرا کرنے (بیزاری کا اعلان کرنے) کو کہا جائے گا، تو تم مجھ سے تبرا نہ کرنا۔ پس امام صادق نے فرمایا کہ لوگ حضرت علیؑ پر بہت جھوٹ بولتے ہیں، پھر کہا کہ حضرت علیؑ نے تو یہ فرمایا تھا کہ تم مجھے سب کرنے کے متعلق بلائے جاؤ گے، تو تم مجھے سب کر لینا اور پھر تمہیں مجھ سے بیزاری اختیار کرنے کے لیے کہا جائے گا، اور بے شک میں دین محمد پر قائم ہوں، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ مجھ سے تبرا نہ کرنا“ (اصول کافی باب التفتیہ) :-

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ سب کا ترجمہ شایح نے دشنام کیا ہے، اور دشنام گالی کلوچ کو کہتے ہیں، اور اس روایت میں امام جعفر صادق نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم مجھ سے تبرا نہ کرنا۔ یہ نوز نے آپ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ چنانچہ علامہ خلیل قرظینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :- از تہ حدیث معلوم می شود کہ معنی آن، این است کہ تبرا کنید“ یعنی اس حدیث کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تبرا بھی کر لینا۔ یعنی حضرت علیؑ نے اپنے مُبتیین سے کوفہ کے منبر پر علی الاعلان یہ فرمایا تھا کہ تفتیہ کر کے مجھ کو گالیاں بھی دے لینا اور تبرا بھی کر لینا۔ تو یہ ہے عبادت تفتیہ اور یہ ہے محبت اہل بیت کا تقاضا، اور یہ ہے اہل تشیع کا ایمان و عقیدہ، جس سے اُن کی نجات و نلاح وابستہ ہے۔

ثواب مُتَعَة

مذہب تشیع میں تفتیہ سے بھی بڑھ کر ایک عبادت ہے جس کو متعہ کہتے ہیں اور بظاہر وہ متعہ کو نکاح موقت کا نام دیتے ہیں، یعنی ایسا نکاح جن میں مدت مقررہ

کی جاتی ہے اور اس مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر علم و دیانت کی بنا پر تحقیق کی جائے تو یہ متعہ نکاح ہی نہیں بلکہ ہے۔ کیونکہ اس میں گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے چنانچہ ”بُہانُ الْمُتَعَة“ ص ۶۶ پر یہ لکھا ہے کہ :- اعلان و شہود نزد اصحاب مادر دائم و منقطع شرط نیست۔ اعلان کرنا اور گواہوں کا ہونا ہمارے اصحاب کے نزدیک نکاح دائم (جو ہمیشہ کے لیے کیا جائے) اور منقطع (جو مدت مقررہ پر ختم ہو جاتا ہے یعنی مُتَعَة) میں شرط نہیں ہے۔ پس عورت و مرد آپس میں بغیر گواہوں کے ایجاب قبول کر لیں، تو پھر وہ آپس میں جماع کر سکتے ہیں، لاسخول و لا قوۃ الا باللہ لیکن یہاں مُتَعَة پر تفصیلی تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ ہم یہاں صرف اس کا وہ ثواب بیان کرتے ہیں جو متعہ کرنے والوں کو ملتا ہے :- قَالَ السَّيِّئُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً وَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الْحَسَنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَيْنِ وَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الْحَسَنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَتِي - (بُہانُ الْمُتَعَة) (ترجمہ) :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ مُتَعَة کرے اُس کا درجہ امام حسین کے درجہ کی طرح ہوگا، اور جو دو مرتبہ مُتَعَة کرے اُس کا درجہ امام حسن کے درجہ اور جو تین مرتبہ مُتَعَة کرے اُس کا درجہ حضرت علیؑ کے درجہ، اور جو چار مرتبہ مُتَعَة کرے اُس کا درجہ میرے درجہ کی طرح ہوگا۔

استغفر اللہ! ثواب مُتَعَة کی انتہا ہوگئی، قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ مُتَعَة میں شہوت رانی ہی مقصود ہے، لیکن اس کا ثواب وہ ہے جو نہ نماز کا ہے نہ روزہ کا، نہ حج کا اور نہ جہاد کا۔ اب ان فرائض و عبادات کی کیا ضرورت ہے، مُتَعَة کر لو اور لغو ذبا اللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سادرجہ بھی حاصل کر لو اور یہ حوالہ کسی ایسی ویسی غیر معتبر کتاب کا ہم نے پیش نہیں کیا جیسا کہ مُصَنَّف ”فلاح المکونین“ کی عادت ہے بلکہ مذکورہ کتاب ”بُہانُ الْمُتَعَة“ علامہ ابوالقاسم رضوی لاہوری کی تصنیف ہے (جو علامہ حامد لاہوری کے والد ہیں) جن کے متعلق شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ :- سید ابوالقاسم ابن سید حسین رضوی القمی اللہ لاہوری، بہت بزرگ مرتبہ عالم و مشہور تھے۔ پنجاب میں اُن کی علمی خدمات

سنجھتے ہیں۔ مہر مہر نے علاوہ تفسیر وغیرہ کے علم کلام میں بہت سے کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ معارف الملة الناجية والناریه، برهان المنتعہ، عشرہ کاملہ، شرح تجرید۔ ان کتب کے علاوہ ان کی تفسیر نظیر (ذوامع التنزیل، تیرھویں پارے تک، بھی مباحث کلامیہ کا ایک عمدہ شاہکار ہے) (أحسن الفتاویٰ ص ۱۳) توحید مذہب میں تفسیر، منقہ اور ماتم جیسی عبادتیں پائی جاتی ہوں تو اس کے نام لیواؤں میں اتباع سنت، اعمال صالحہ، ورع و تقویٰ، اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا کیا واسطہ؟ مذہب معلوم اہل مذہب معلوم (بحث دلیل نمبر ۶)۔ ماتمی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں دیں نمبر ۶ کے تحت یہ لکھا تھا کہ :- حضرت نوح کا اصلی نام عبدالغفار تھا اور نوحہ کرنے کی وجہ سے نوح کہلاتے ہیں۔ (الصادی علی الجلالین جلد دوم ص ۳۳ مطبوعہ مصلح) اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ :- حضرت نوح علیہ السلام کسی مقبول بندے کی مصیبت و شہادت کی وجہ سے نہیں روئے بلکہ اس کی وجہ خود صاوی حاشیہ جلالین میں یہ لکھی ہے کہ :- لقب نوح لکثرة نوحہ علی نفسه حیث دعا علی قومہ فہلکوا و قیل لمرأجعة ربہ فی شان ولدہ کنعان :- آپ کا لقب نوح اس لیے ہوا کہ آپ اس بنا پر زیادہ روئے رہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لیے بدعا کی تھی، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ نے رب تعالیٰ سے سوال کیا تھا :- (۲) "اس نوحہ رونے سے منہ پینا اور سینہ کو بی کرنا کیسے ثابت ہو گیا" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۱۱) اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ :- فریقین کی اکثر کتب تفسیر میں تو یہی ملتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سینکڑوں سال حصول لقا کے لیے روئے رہے اور اس رونے دھونے کی وجہ سے نوح (نوحہ کرنے والا) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ صاحب الصاوی علی الجلالین کا یہ لکھنا کہ حضرت نوح قوم اور بیٹے کی ہلاکت پر روئے رہے، ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ پیغمبر کا ایسی سرکش قوم کے لیے بدعا کر کے پھپھانا، جو سینکڑوں سال کی تبلیغ کے بعد بھی ایمان نہ لائی اور اپنے بیٹے پر نوحہ کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے نوح کی اولاد سے خارج کر دیا، نبی کی عصمت کے خلاف ہے (۲) نوحہ کے معنی ہیں کہنا

جو بین کر کے روتا ہے اس کا غم شدت اختیار کرتا ہے وہ سر اور سینہ پینا ہے (ص ۱۱۳)

(۱) میں نے "تفسیر صاوی" کے حوالہ سے دو قول پیش کیے تھے اور ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے کہ قوم کے لیے روتے رہے، لیکن قوم کے لیے رونا تو آپ کے بعض محققین نے بھی لکھا ہے چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :- "ولسند معتبر از حضرت امام رضا منقول است کہ مردے از اہل شام از امیر المؤمنین علیہ السلام پرسید از اسم نوح، فرمود نامش سکون بود اور نوح نامید بر لے آنکہ بر قوم خود ہزار دم بچا ہ سال نوحہ کرد۔ (حیات القلوب) :- اور بسند معتبر حضرت امام سے منقول ہے کہ اہل شام میں سے ایک مرد نے امیر المؤمنین حضرت علی سے نوح نام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کا نام سکون تھا، اور ان کا نام نوح اس لیے پڑ گیا کہ آپ اپنی قوم پر پچاس سال کم ایک ہزار سال (یعنی صاوی سے نو سو برس) روئے رہے۔"

گو اس میں اور صاوی کے قول میں کچھ فرق ہے لیکن اپنی قوم کفار پر حضرت نوح علیہ السلام کا رونا تو ثابت ہو گیا (۲) آپ نے اپنی کم فہمی کی بنا پر صاوی کے دوسرے قول کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ حضرت نوح اپنے بیٹے کنعان کی ہلاکت پر نوحہ کرتے رہے۔ حالانکہ خود صاوی کے ان الفاظ میں صراحت تھی کہ :- قیل لمرأجعتہ ربہ فی شان ولدہ کنعان۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس بنا پر روئے رہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا :- فَلا تَسْتَلِنَ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ :- جس بات کا آپ کو علم نہیں، اس کے بارے میں مجھ سے میر سوال مت کریں (۳) آپ نے جو لکھا ہے کہ نوحہ بین کرنے کو کہتے ہیں، اور ماتمی ٹریکٹ میں یہ درج بھی تھی کہ حضرت نوح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں روئے رہے۔ تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ نوح باللہ حضرت نوح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے بین کرتے رہے۔ کیا آپ اتنا بھی سمجھتے کہ بین میت پر رونے کو کہتے ہیں، یہ سب ماتم کی ظلمتیں ہیں جو آپ کے قلب و دماغ پر محیط ہیں۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کے رونے کا باعث کسی مومن متقی کی موت یا شہادت کا ہونا مذکور ہوتا تو پھر بھی آپ کے ماتم کا ثبوت صرف رونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا تھا، اور یہاں تو کسی محبوب و مقبول بندے کی موت پر رونے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں :-

سینہ کو بی کاغرابی فلسفہ

آپ نے لکھا ہے کہ :- تو ح کے معنی ہیں "بین کرنا" جو بین کر کے رونما ہے اُس کا غم شدت اختیار کرتا ہے، وہ سر اور سینہ پیٹتا ہے، بال نوجوا ہے، مثال ہنسنے کو لیجئے، مسکرانا، منہ کھول کر یا بند کر کے ہنسا، تہقہ لگانا یہ کیفیات ہنسنے کے وقت صرف منہ کی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات جب ہنسی بڑھ جائے تو انسان ہنستے ہنستے کبھی لیٹ جاتا ہے اور کبھی پیٹ مقام لیتا ہے۔ یونہی حالت غم میں کچھ انسان کی کیفیت حرکات میں تبدیلی ہوتی ہے چنانچہ پہلے انسان صرف آنکھوں سے آسو بہانا اور آہیں بھرتا ہے، پھر جذبات غم بے بس کر دیتے ہیں تو وہ سر اور سینہ پیٹتا ہے، بال نوجوا ہے حتیٰ کہ دیواروں سے ٹکریں مارتا ہے۔ رونے کے بعد پیٹنا شدت اضطراب کا نتیجہ ہے (فلاح الکونین)

الجواب

(۱) بے شک خوشی میں ہنسا اور مصیبت میں مغموم ہونا یا آنکھوں سے آنسوؤں کا آجانا انسان پر یہ غیر اختیاری حالات طاری ہو جاتے ہیں۔ لیکن خوشی اور غمی دونوں کی بھی ایک حد ہے، اگر خوشی میں آکر کوئی شخص کو رونے تک جلائے تو وہ انسانی حدود سے تجاوز کر کے جانوروں کی صف میں داخل ہو جائے گا، اور سٹیہ اور باوقار مجلس سے اُس کو اٹھا دیا جائے گا، یا اُس پر پاگل ہونے کا گمان کیا جائے گا، اور اگر خوشی میں رقص و سرود کا مظاہرہ شروع کر دے تو اسلامی شریعت میں یہ افعال ممنوع ہیں اس لیے اُس کے اس مظاہرہ کو ناجائز سمجھا جائے گا۔ اسی طرح مصیبت اور صدمہ لاحق ہونے پر اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو رونے کی حد تک اس کا جواز ہوگا۔ لیکن شدت غم کا مظاہرہ اگر اسی طرح کیا جائے گا، جس طرح آپ نے اپنے ماتم کی تصویر کھینچی ہے تو یہ انسانی اوصاف کمال (صبر و حوصلہ) کے خلاف سمجھا جائے گا اور شرعاً یہ مظاہرہ ناپسندیدہ اور قبیح فعل ہوگا، کیونکہ حضور خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان افعال سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ تفسیر قمی اور ترجمہ مقبول کے حوالجات سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ الفریزہ ہرمت ماتم کے دلائل میں اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔ لہذا آپ کا بیان کردہ ماتمی فلسفہ، عرابی فلسفہ تو کم لایا جاسکتا ہے، لیکن انسانی فطرت اور محمدی شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوشی میں تبسم (مسکرانا، اور ضحک (ہنسا) ثابت ہے، تہقہ بھی ثابت نہیں یعنی کھل کھلا کر زور سے ہنسا۔ اسی طرح مصیبت میں صرف رونا ثابت ہے چھیننا

چلانا اور منہ پیٹنا اور سینہ کو بی کرنا وغیرہ ثابت نہیں بلکہ ان افعال قبیحہ سے ممانعت ثابت ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور نمونہ کو سنت قرار دیں یا اپنے نفسانی جذبات کے مظاہرہ کو۔ شریعت محمدیہ تو حدود مقرر فرمادی ہیں، تَلَّكَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْدُوهَا۔ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدیں قائم کی گئی ہیں پس تم ان سے تجاوز نہ کرو" اور اسی بنا پر فرمایا :- قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ :- "آپ فرمادیجئے! کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے مراد سنت نبوی کی اتباع ہے۔ اس لیے آپ اگر اپنے ماتم کو محبت خداوندی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو رحمتہ للعالمین کی سنت سے ثابت کریں، اور اگر آپ کے نفس کا یہ تقاضا ہے اور یقیناً یہی ہے تو ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دَمَا عَلَيْنَا إِذَا الْبُكَاءُ

حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ کی وفات

(بحث دلیل نمبر ۹) ماتمی ٹریکیٹ میں دیں نمبر ۹ کے تحت یہ لکھا تھا کہ "حضرت حضرت ابراہیم بن محمد نے انتقال کیا، آنحضرت کو خبر ہوئی تو عبد الرحمن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے نزع کی حالت تھی، گو میں اٹھا لیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے" (سیرت النبی حصہ اول ص ۲۸) اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ (۱) اس کے بعد کے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ :- "عبد الرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ آپ کی یہ حالت ہے، آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے" اس سے ثابت ہوا کہ اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے انتقال پر رحمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن اس سے ماتم مرد تبریکہ ثابت ہوا (۲) اور اس گریہ کی بھی، کیا ہر سال حضرت ابراہیم کی وفات کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی مجلس بپا کی تھی؟ حضرت حسین کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت ابراہیم بن محمد کے ماتم کی مجلس بپا کی ہے؟ (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں (۱) اگر تک صاحب نے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ عبد الرحمن نے کہا الخ تو ان الفاظ کے نقل کرنے سے آپ کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ الفاظ آپ کے وقت

کی تائید نہیں کرتے۔۔۔۔۔ جواب میں آپ نے فرمایا ”یہ رحمت ہے“۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابراہیم کی موت کو رحمت نہیں فرمایا بلکہ رونے کو رحمت فرمایا ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی عزیز ترین انسان کی موت پر آنسو بہانا سنت رسول ہے اور رحمت خدا ہے۔ اس کے بعد ابو اؤاد کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ.... فرمایا اِنْفَارِ حَمَّةٌ ”یہ رحمت ہے“ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ اَللّٰهُمَّ رَضِيَ رُبْنَا وَاَنَا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمَ لِمَحْزُونٍ۔“ اسٹکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم کرتا ہے، ہم نہیں کہتے مگر وہ جو ہمارے رب کو راضی کرے، اور لے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں غمناک ہیں“ مذکورہ بالا روایت بخاری شریف، کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے یہ بے رونے کا جواز۔ رونے سے ماتم ہم نے دلیل نمبر ۶ میں ثابت کر دیا ہے، نیز مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں۔ البتہ زبان سے ایسے جملے ادا کرنا صبر کے خلاف ہے، جن سے قضاؤ اللہ ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

الجواب

مختصر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب سے کہ یہ رحمت ہے ہمیں یہ فائدہ ہے کہ رونے کی علت معلوم ہو گئی یعنی حضرت ابراہیم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قلبی شفقت و رحمت کی بنا پر روئے۔ چنانچہ اس کی تائید بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ اپنے ایک نواسے کو حالت نزع میں دیکھ کر رو پڑے تو:- فَقَالَ سَعْدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا فَقَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَأَنَا بِرَحْمَةِ اللَّهِ مِنْ عِبَادَةِ الرَّحْمَاءِ (کتاب الجنائز) پس حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے، تو حضور نے فرمایا یہ رحمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُن پر رحم فرماتا ہے جو رحم و رحمت والے ہیں“ بہر حال حدیث بخاری سے تو صرف رونا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ آپ کا ماتم جس کے آپ مدعی ہیں، اور رونے سے ماتم، جو آپ نے دلیل نمبر ۱ میں ثابت کیا ہے اُس کی بنا، غرابی فلسفہ ہے نہ کہ شرعی، اور یہ الیسا ہی ثبوت ہے کہ کوئی شخص حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ضحک (ہنسنا) ثابت کر کے یہ کہے کہ اس سے کوونا ثابت ہوتا ہے

کیونکہ کودنے کو میرا جی چاہتا ہے، تو اس کا کیا علاج ہے؟ (دب) فردرغ کافی جلد اول میں ہے کہ:- ”امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب حضرت رسول خدا کے فرزند طاہر کا انتقال ہوا تو آپ نے جناب خدیجہ کو رونے سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا جب اس کا دودھ چھاتی سے بہتا ہے تو میں روتی ہوں فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اُسے جنت کے دروازے پر کھڑا پاؤ اور وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر جنت کے بہترین پاکیزہ مقام پر لے جائے۔ انہوں نے کہا کیا ایسا ہے، فرمایا خدائے عزوجل کیسے عذاب دے گا اُسے جس کے دل کے چین کو چھین لیا ہو، اور اس نے صبر کیا ہو اور خدا کی حمد کی ہو“ تصحیح شافعی از ادیب اعظم) اس سے ثابت ہوا کہ رونا اگرچہ جائز ہے لیکن یہ مطلوب و مقصود نہیں ہے کہ ضرور رونے کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ رونے سے بھی منع فرما دیا۔ اس سے تو آپ کا ہر فلسفہ ماتم برباد ہو گیا۔

(۲) آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:- ”مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں۔ البتہ زبان سے ایسے جملے ادا کرنا صبر کے خلاف ہے، جن سے قضاؤ اللہ ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے“ تو یہ بھی آپ کا مغالطہ ہے کیونکہ صرف رونے کو یعنی آنسو بہانے کو صبر کے خلاف کوئی بھی نہیں کہتا۔ بلکہ مُتْرَہِ پینا اور سینہ کو ٹٹنا اور زبان سے داویلا کرنا صبر کے خلاف ہے جس کو آپ تم کہتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحَزَنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يَعْذِبُ بِهَذَا وَاِشَارَاتِ لِسَانِهِ۔ (کتاب الجنائز) ”تحقیق اللہ تعالیٰ آنکھ سے آنسو جاری ہونے اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے اور آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا“ بے شک ایسے الفاظ کا ادا کرنا بھی جن سے قضاؤ اللہ ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے، صبر کے خلاف ہے بلکہ اگر صحتاً شکایت ہو تو ایمان کا بھی خطرہ ہے۔ لیکن زبان سے بیخ و پکار، داویلا اور لومہ ممنوعہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:- عَنْ اُمِّ عَطِيَّةٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ اخَذَ عَلِيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْبَيْعَةِ اَنْ لَا نَتَوَخَّ: ”اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم فوج نہیں کریں گی اور بخاری شریف میں ہی ہے :- قَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَتَّامِنَ ضَرْبِ الْغَدُودِ وَشَقِّ الْجُيُوبِ وَدَعَايِدِ عَوَى الْجَاهِلِيَّةِ
:- ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخسارے پیٹے اور گرمیان
بھاڑے اور جاہلیت کے زمانے کی طرح لپکائے“ اور اسی مضمون کی احادیث فروع کافی اور جلاء التیو
میں بھی موجود ہیں۔ جن پر مفصل بحث حرمت ماتم کے دلائل کے باب میں کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ :-

آپ فرماتے ہیں کہ :- ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت
ایک اور احمقانہ استدلال ہے کہ تحقیق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال
مقام اُحد پر جاتے اور جب گھاٹی ظاہر ہوتی تو شہداء کی قبروں پر سلام کرتے سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعتم
عقبی الدار“ ایسی ہی ایک روایت تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳ صفحہ ۸۴ پر ہے، اسی طرح حضرت ابو بکر
عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی جاتے رہے۔ صاحب خلیق عظیم، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جو زندگی بھر اپنے ساتھیوں کو نہ بھولے اور ان کی یاد کو باقی رکھنے کے لیے ہر سال ان کی قبروں پر جاتے
رہے، کیا اپنے تخت جگر کو بھول گئے ہوں گے؟ اور حضرت ابراہیم کی قبر پر نہ جاتے ہوں گے لہذا
یہ بہیت کذا ئیہ مجالس اور جلوس سنت رسول ہیں“

الجواب (۱) سبحان اللہ! کیا عجیب استدلال ہے، اس کو کہتے ہیں! ع۔
اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ حدیث مذکور میں تو زیارت
قبور کا ذکر ہے، حتیٰ کہ رونے کا بھی ذکر نہیں، پھر شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لیجانے سے
مجلس ماتم اور جلوس ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ کچھ تو ہوش و حواس قائم کر کے دلیل پیش کیا کریں (ج) میرا
سوال تو یہ تھا کہ رونا اگرچہ جائز ہے، لیکن یہ وقتی تاثر کا تقاضا ہے، اور رونا جو جائز ہے اس کی بھی حضور
نے سال بسال مجلس اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد قائم نہیں فرمائی اور نہ ہی شہدائے
بدر و اُحد کی۔ آپ کے مزعومہ ماتم کا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہیں نام و نشان بھی
نہیں ملتا۔ (ج) آپ کی یہ توجیہ کہ حضرت ابراہیم کی سالانہ یادگار اس لیے نہیں منائی جاتی کہ آپ پچپن

میں فوت ہو گئے اور کوئی کارنامہ نہ سرا انجام دے سکے۔ تو اس سے معلوم کہ آپ کے ماتم حسین
کی بنیاد غم و اندوہ نہیں ہے بلکہ حضرت حسین کا شاندار کارنامہ ہے، تو شاندار کارنامہ کیا بیٹنے اور
سینہ کو بلی کرنے ہی سے زندہ ہو سکتا ہے۔ سرور کائنات سے زیادہ کس کا شاندار کارنامہ عبرت ہو
سکتا ہے، پھر آپ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح ماتم کیوں نہیں کرتے؟ اور لفظ باللہ
ہائے محمد! ہائے محمد! کہتے ہوئے ماتمی جلوس کیوں نہیں نکالتے؟

(بحث دلیل نمبر ۱) ماتمی ٹریکیٹ میں یہ
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ماتم لکھا تھا کہ :- حضرت حمزہ کی شہادت پر حضرت
رسول اکرم روئے اور فرمایا ہائے! آج حمزہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر صحابہ رسول
نے اپنی عورتوں سے کہا کہ تم حضرت حمزہ کا ماتم کرو اور عورتوں نے گریہ کیا اور صف ماتم بھجائی آن
حضرت نے عورتوں کا گریہ سن کر خود گریہ کیا اور عورتوں کو ماتم کرنے کی وجہ سے دعائے خیر دی کتاب
مغانی فتوح الشام ص ۱۱، سیرت ابن ہشام، سیرت النبی شبلی نعمانی جلد اول) اس کا
جواب رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ دیا گیا تھا کہ (۱) اس عبارت میں بھی منہ پٹیا اور سینہ
کو بلی کرنا ثابت نہیں ہے، جس سے مروجہ ماتم ثابت ہوتا ہو۔ (۲) سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی ص ۱۱
اول صفحہ ۳۸ میں قویہ الفاظ ہیں :- ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ
نشینیان الفصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہ کا ماتم بند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہاری
پہرہ کی شکر گزار ہوں، لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ اس سے قویہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ کے
ماتم میں عورتوں نے رواج کے تحت نوحہ (بین کر کے رونا) شروع کر دیا تھا۔ جس سے رحمۃ اللعالمین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا۔ (۳) پمفلٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظ
مبارک نقل کرنا کہ :- ”مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ کیا علمی بددیانتی نہیں ہے؟ (۴) کیا ہر سال حضرت
حمزہ کی شہادت کے دن صرف گریہ کی مجلس بھی قائم کی گئی تھی؟ (۵) اور کیا آج کل کے ماتمیوں نے بھی کبھی
حضرت حمزہ کی مجالس ماتم بپائی ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ (۶) اس کے جواب الجواب میں مصنف

”فَلَاحُ الْكُوفِيِّينَ“ لکھتے ہیں :- (۱) سیرتُ النبی میں رونے پینے کے الفاظ نہیں مگر ماتم کا لفظ موجود ہے۔ ماتم کے لغوی معنی ہیں رونا اور پینا، مروّجہ ہوا یا غیر مروّجہ۔ ماتم سولے رونے اور سینہ کو بی کے کیا ہوتا ہے، جس کا ثبوت آپ چاہتے ہیں۔

الجواب **مَاتَمٌ** کا لغوی معنی :- (۱) یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ماتم کا لغوی معنی پینا اور سینہ کو بی بھی ہے۔ اگر ہے تو ثبوت پیش کیجئے۔ ماتم کا معنی صرف سوگ کرنا ہے اور ماتم کا لفظ خوشی کے معج پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ”منتھی الاماب“ میں ہے :-
 ماتم - معج مردم در اندوہ و شادی، یا خاص است بمع زناں یا مع زناں جوان :- ”غم اور خوشی میں لوگوں کا معج، یا عورتوں کے معج کے ساتھ خاص ہے، یا جوان عورتوں کا معج“ و در عرف مخصوص شدہ است یا مخم زناں ہنگام مرگ کسے :- ”اور عرف میں ماتم کا لفظ مخصوص ہے کسی کی موت کے وقت عورتوں کے معج کے ساتھ“ آپ نے تو کہہ دیا کہ ماتم کا معنی رونا پینا ہے، حالانکہ لغت میں ماتم کا لفظ خوشی کے معج پر بھی بولا جاتا ہے اور عرف میں بھی کسی کی موت پر عورتوں کے اجتماع کو ماتم کہا جاتا ہے۔ لہذا لغوی یا عرفی معنی میں بھی ماتم معنی پینا نہیں آتا۔ چہ جائیکہ آپ کے ماتم کا مروّجہ لفظ اور سیرتُ النبی کی زیر بحث عبارت میں بھی ماتم کا مطلب یہی ہے کہ عورتیں غم و سوگ کیلئے جمع تھیں۔

ماتم کا شرعی مفہوم **فروع** کافی جلد اول میں ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال یمنع لاهل المیت ماتمًا ثلثة اّیام من یوم مات :-

اس کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر احسن صاحب امر وہی نے یہ لکھا ہے کہ :- ”فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ اہل میت کے ساتھ تین روز شریک غم ہونا چاہیے موت کے دن سے“ دوسری روایت میں ہے :- اوصی ابو جعفر علیہ السلام یثمان مائة درہم لماتمہ وکان یرى ذلك من السنة لان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال اتخذ والذین جعفر طعامًا فقد شغلوا :- ”امام محمد باقر علیہ السلام نے آٹھ سو درہم کی وصیت کی اپنا غم منائے جانے کیلئے اور یہ سنت رسول ہے کیونکہ حضرت نے حکم دیا تھا اولاد جعفر کیلئے کھانا بھیجنے کا“

(دشانی ترجمہ فروع کافی) یہ ہے احادیثِ شیعہ میں لفظ ماتم کا مفہوم۔ اس میں مُنہ پینا اور سینہ کو بی کرنا تو کجا رونے تک کا بھی لفظ نہیں ملتا، اور ماتم کا مفہوم صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ اہل میت طبعی غم کی وجہ سے مشغول ہوں گے۔ اس لیے تین دن تک ان کو ان کے اقربا رکھانا بھیجیں اور یہ سوگ بھی تین دن تک ہے، نہ کہ تیرہ سو سال بلکہ قیامت تک۔ چونکہ احادیث میں لفظ ماتم کا موجود ہے اس لیے میں نے مروّجہ ماتم کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ آپ ناواقف لوگوں کو احادیثِ مذکورہ سے لفظ ماتم دکھا کر یہ نہ مغالطہ دے سکیں کہ ماتم تو احادیث میں ثابت ہے پھر اہل سنت اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ توجہ تک آپ یہ نہ ثابت کریں کہ ماتم کا معنی مُنہ پینا اور سینہ کو بی کرنا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے، آپ کے لفظ گم یہ دیکھا اور لفظ ماتم وغیرہ الفاظ سے ماتم مروّجہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا :- فَأَتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ و (۲) اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں :- پینے سیرتُ النبی کی اس واقعہ کے متعلق پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے، گھروں سے ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا :- اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَّابِي لَهْ - حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے یہ لفظ سنے تو رُپ اُٹھے۔ سب نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی۔ حمزہ کا ماتم بلند تھا، اُن کے حق میں دعلیٰ خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا مشکور ہوں، لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد مدتوں تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستانِ حمزہ سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندی رسم نہ تھا بلکہ حمزہ کی تحقیق مثبت تھی“ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ”سیرتُ النبی“ کے ان الفاظ (لیکن مردوں پر نوحہ جائز نہیں، کا یہ مطلب لیا ہے کہ رحمتہ تلعا لہین نے انصار کی عورتوں کو حمزہ کے ماتم سے منع کر دیا تھا۔ (۱) اگر ”سیرتُ النبی“

کے ان الفاظ کے سیاق و سباق پر منظرِ تعلق غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان الفاظ کا اس عبارت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ شبلی صاحب کے اپنے الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ ناممکن اور محال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی حمزہ پر ماتم کی دعوت دے کر خود ہی منع کریں (ب) اگر حضور منع فرمادیتے تو پھر مدتوں تک حمزہ کے ماتم کا سلسلہ کیوں جاری رہتا۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ :- دوسری کتب میں حضور کے ارشاد (مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں) کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ ”مدارج النبوة رکن ۴ باب ۶ صفحہ ۱۲۳ پر ہے الخ۔۔۔ استیعاب صفحہ ۲۴۵۔ بعد قول رسول اللہ لکن حمزة لا بواکی له الی الیوم الابدت النبکاء علی حمزة :-“ آنحضرت کے ارشاد لکن حمزة لا بواکی له کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی“ نیز آپ نے یہ لکھا ہے کہ :- لینیاً یہ الفاظ شبلی نعمانی کی اختراع ہیں، ایسی بے ٹک کی ہانک کے نہ نقل کرنے کو بددیانتی نہیں کہا جاسکتا۔ ان پوری عبارت کے پہلے پیرگراف کے آخری الفاظ ”اما حمزة فلا بواکی له“ اور دوسرے پیرگراف سے کہ ”اس واقعہ کے بعد مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا۔ تو یہ داستان حمزہ سے شروع ہوتی“ کے الفاظ نقل نہ کرنا بہت بڑی علمی بددیانتی ہے۔ (فلاح الکونین ص ۵۴)

الجواب

۱) آپ نے ”سیرت النبی“ کی عبارت کے ساتھ جو یہ الفاظ لکھے ہیں :- ”عرب میں دستور تھا۔۔۔۔۔ یہ داستان حمزہ سے شروع کی جاتی یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حمزہ کی حقیقی محبت تھی“ میرے پاس ”سیرت النبی“ حصہ اول طبع نجیم مطبع معارف شہر اعظم گڑھ کا نسخہ ہے، جس میں یہ عبارت بالکل موجود نہیں، اور نہ ہی یہ الفاظ ”سیرت ابن ہشام“ میں ہیں اور نہ ہی ”مدارج النبوة“ میں۔ پھر آپ نے بالخصوص ”سیرت النبی“ شبلی نعمانی کے حوالہ سے یہ عبادت کیوں پیش کر دی؟ کیا اس کو علمی دیانت کہا جاتا ہے؟ اگر میں نے ”سیرت النبی“ کی عبارت میں یہ الفاظ نہیں لکھے تو اس میں میرا کیا قصور؟ علاوہ ازیں ”سیرت النبی“ کی ابتدائی عبارت جس میں اما حمزة لا بواکی کے الفاظ ہیں اس لیے نہیں لکھی تھی کہ یہ مضمون اس عبارت میں آجاتا ہے جو میں نے پیش کی ہے اور اس کو علمی بددیانتی نہیں کہا جاتا۔ (۲) آپ نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ کہ ”مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے“ الخ تو یہ بھی آپ کی غلط بیانی ہے کیونکہ یہ الفاظ ”سیرت ابن ہشام“ میں موجود ہیں :- ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ پر عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو آپ باہر تشریف لائے۔ وہ مسجد کے دروازے ہی پر نوحہ کر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے تم واپس چلی جاؤ، تم نے اپنی طرف سے تسلی کا حق ادا کر دیا۔ ابن ہشام نے کہا اسی روز نوحہ کرنے کی مخالفت کر دی گئی“ ”سیرت ابن ہشام مترجم اردو، ناشر شریعہ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۶۱۔) اور ”سیرت ابن ہشام عربی“ کے الفاظ یہ ہیں :- قال ابن ہشام ونبی یومئذ عن النوح (اسی دن نوحہ کرنے سے روک دیا گیا) (مطبوعہ مصر ص ۹۹) اور ”مدارج النبوة“ میں بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس دن نوحہ کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن آپ نے ”مدارج النبوة“ کا حوالہ درج کرنے میں وہ عبارت چھوڑ دی جو آپ کے دعویٰ کے خلاف تھی چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کی مندرجہ عبارت کے بعد فرماتے ہیں کہ :- ”اتاتوا معارج النبوة“ میں مذکور ہے اور ”روضۃ الاحباب“ میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا، میرا مقصد نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ پر روئیں، اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور اس مخالفت میں تاکید و مبالغہ فرمایا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے“ (مدارج النبوة حصہ دوم ص ۲۳، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بسند روڈ کراچی)۔

اب فارین حیران ہوں گے کہ مصنف ”فلاح الکونین“ نے علمی خیانتیں خود کیں اور الزام لگا دیا علامہ شبلی نعمانی پر۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ مصنف صاحب موصوف تو خوش ہی ہوں گے کہ تفتیہ کا ثواب تو لوٹ لیا (۲) آپ کا یہ لکھنا بھی جہالت یا علمی خیانت پر مبنی ہے کہ :- ”کیونکہ ناممکن اور محال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی حمزہ پر ماتم کی دعوت دے کر خود ہی منع کریں“ کیونکہ آپ نے جو عبارتیں درج کی ہیں ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ صریح حکم نہیں ہے کہ عورتیں حمزہ کا ماتم کریں بلکہ صرف یہ فرمایا لکن حمزة لا بواکی له (لیکن حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں) چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ :- حضور کا یہ فرمانا کہ لکن حمزة

لاہوا کی لہذا اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غمخواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کیے گئے تھے اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے لیے لڑے، اور بغیر نوحہ کے رونا ممنوع بھی نہیں لیکن انصار چونکہ حضور کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا۔ حالانکہ حضور کا یہ مقصد نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں۔ حضور نے بھی جب ان کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کے لیے دُعا فرمائی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو اور اس سے آپ نے منع فرمایا، اور اس کی مخالفت میں مبالغہ و تاکید فرمائی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مُباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ رِكَد اَرْجُ الْمَنْبُوَّةِ جِلْد دوم ص ۲۳۱،

فرمائیے! جب مذکورہ کتابوں کی تصدیقات سے ثابت ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ سے منع فرما دیا تھا، تو آپ کا استدلال باطل ہو گیا۔ آپ نے جو استیعاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد لاکن حنہ لا یواکی لہا کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی“ تو یہ روایت ابن ہشام کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے (و ذکر الواقدی، اور واقدی کے متعلق علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ: ”سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں (۱) کتاب السیرت (۲) کتاب التاریخ و المغازی و المبعث۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں۔ کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں۔ ایک طریق حدیث نے کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اُس کا ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں“ (ہفتہ سیرت النبی حصہ اول ص ۳۳) (ب) آپ کی اس پیش کردہ روایت میں بُکار کا لفظ ہے جس سے آپ کا منہ پٹینے اور سینہ کوٹنے اور چھریاں مارنے والا ماتم تو کس طرح ثابت نہیں ہو سکتا (ج) اور

اگر آپ اپنے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں تو کیا ماتم حسین سے پہلے آپ ماتم حضرت حمزہ بھی ٹائے حمزہ! ہائے حمزہ! سے بپا کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے ناک کان کاٹ دیے گئے اور ہند نے آپ کا کلیجہ چبایا، اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا تھا چنانچہ شیعوں کی اصح الکتاب اصول کافی کتاب الحجۃ میں لکھا ہے کہ:۔ ماتمہ عرش پر لکھا تھا کہ حمزہ شیر خدا ہیں اور اسد رسول اور سید الشہداء ہیں (شافی ترجمہ اصول کافی ص ۲۵۷)

اس بحث کے آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ قول خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، تو بھی اس سے آپ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی آیت مجیدہ:۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُفْتَلُ مِنْكُمْ سَبِيْلَ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ کے مطابق شہید زندہ ہیں، اُن کو مُردہ کہنا جائز نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں پر نوحہ کرنے کو منع فرمایا نہ کہ شہداء کے نوحہ و ماتم کو۔ مُردوں کے نوحہ و ماتم کو ہم کب جائز کہتے ہیں؟

(۱) یہ تو ثابت کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ سے منع فرمایا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جن عورتوں کو منع فرمایا تھا وہ کس کو رو رہی تھیں؟ حضرت حمزہ کو! تو کیا آپ کے نزدیک حضرت حمزہ شہید نہیں؟ اور وہ اُن زندوں میں نہیں جن کو جنت کا رزق ملتا ہے۔ (ب) ابن ہشام کی عبارت میں مُردوں کا لفظ نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ اُس دن نوحہ کرنے سے ممانعت کر دی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نوحہ ہی ممنوع ہے، خواہ وہ عام میت کے لیے ہو یا شہید کے لیے (ج) مولانا شبلی کی عبارت میں جو مُردوں کا لفظ ہے اُس سے مراد شہداء ہی ہیں، اور باعتبار ماضی کے اُن کو میت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةُ الْمَوْتِ کے تحت ہر جاندار کے لیے موت ہے۔ شہداء پر بھی پہلے موت کا وقوع ہوتا ہے اور پھر اُن کو قبر و برنخ میں ایسی حیات عطا کی جاتی ہے جس کا تعلق ان کے

الجواب

جسموں سے بھی ہوتا ہے (۵) خود نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے
 اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَمِيْتُوْنَ سے خطاب فرمایا ہے کہ آپ بھی میت ہیں اور دوسرے لوگ بھی
 میت ہیں۔ حالانکہ اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہان میں تشریف فرما تھے
 تو یہ میت کا اطلاق باعتبار مایٹول کے کیا گیا۔ یعنی مستقبل میں آپ پر موت کا وقوع ہونے والا
 ہے۔ تو اگر شہدائے کرام پر باعتبار ماضی میت کا اطلاق کیا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔
 لیکن آپ ان علی تعبیرات کو کیا سمجھیں، آپ کو تو دایں بائیں ماتم ہی ماتم نظر آتا ہے۔

ماتمی دلائل کا خاتمہ

آپ نے آخر میں یہ لکھ دیا کہ :- مُردوں کے نوحہ و ماتم کو ہم
 کب جائز کہتے ہیں۔ چنانچہ فروع کافی اور رسائل الشریعہ میں
 ہے :- کل جزع و فزع قبیح الا علی الحسین۔ بحار الانوار عن امالی شیخ مفید بحوالہ
 اخالة العاصم ص ۶۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کل الجزع والبعکاء مکروہ سوسی
 الجزع والبعکاء علی الحسین :- حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) فرماتے
 ہیں کہ ہر جزع اور آہ و بکا مکروہ ہے، سوائے جزع اور آہ و بکا بر امام حسین علیہ السلام
 فداح الکوفین)۔ اسے کہتے ہیں بختیار ڈال دینا۔ اگر آپ نے آخر میں تسلیم کر لیا تھا کہ سوائے
 حضرت امام حسین کے ہر کسی پر جزع و فزع اور رونا دھونا مکروہ اور قبیح ہے تو پھر آپ نے نمبر الیک
 کس عقیدہ کی تائید میں دلائل دیئے اور کیوں دیئے؟ آپ نے بزعم خود ماتم کے ثبوت کے لیے
 جتنی آیات اس بحث میں پیش کی ہیں، اُن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تو کوئی ذکر ہی نہیں
 اور حضرت حمزہ کی شہادت اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اس
 پر رونے کے سلسلے میں آپ نے جو روایات و عبارات پیش کی ہیں، اُن کا بھی امام حسین سے کوئی
 تعلق نہیں، اور جیسا کہ آپ نے انہی آیات و روایات سے ماتم مروّجہ (جزع و فزع کرنا وغیرہ)۔

سے اس آیت "تو تم جو لوگوں سے پہلے ہو اور یہ بھی ضرور مرنے
 ہیں" (سورۃ المؤمن، ۶۴)

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر بالفرض آپ کا استدلال صحیح ہے اور یہ اُمور آپ کے دعویٰ سابق
 کے مطابق سُنّت و عبادت ہیں تو پھر حضرت حسین کے علاوہ دوسرے شہداء اور اولیاء کے لیے
 بھی یہ ماتم آپ کے دلائل کے تحت سُنّت و عبادت ہی ہوگا، پھر اس کو اب قبیح کیوں قرار دے
 رہے ہیں۔ چند صفحات پہلے جو کام سُنّت تھا اب اچانک وہی کام کیوں قبیح اور مذموم بن گیا اور
 یہ فرمان بھی حضرت امام جعفر صادق کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان
 آیات و روایات مذکورہ سے ماتم مروّجہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لیکن محض ضد یا تقیہ کی بنا پر آپ
 غلط استدلال پیش کرتے رہے اور آخر مذکورہ ضابطہ تسلیم کر کے خود ہی آپ نے اپنے سابقہ دلائل
 و نظریات ماتم کی تردید کر دی۔ یہ ہے کرامت شہدائے کرام کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہم اجمعین کی اور یہ ہے اثر حقیقت مذہب اہل سُنّت و الجماعت کا کہ آپ نے آخر میں مجبور ہو کر یہ بات
 تسلیم کر لی کہ جزع و فزع اور ماتم امام حسین پر تو جائز ہے لیکن ان کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز
 نہیں بلکہ یہ بُرا فعل ہے۔ حتیٰ کہ اب آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ماتم
 کو بھی جائز نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی کم فہمی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ اس ضابطہ
 "کل جزع و فزع قبیح الا علی الحسین" کے لکھنے کے متصلاً ہی نمبر ۷ کے تحت یہ لکھ رہے ہیں کہ :-
 ہم ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے دن مناتے ہیں اور ان کی یاد میں مجلسیں کرتے ہیں، جنہوں نے اسلام
 اور بانی اسلام کی حفاظت و حمایت میں جانیں قربان کیں۔"

ماشاء اللہ! اگر ان کی یاد میں مجلسیں کرنے سے مراد ماتمی مجالس نہیں ہیں بلکہ بغیر ماتم مروّجہ ان
 کے حالات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے تو یہ مسئلہ زیر بحث نہیں، اور اگر ان مجالسوں سے مراد جزع و فزع اور
 ماتم کی مجلسیں ہی ہیں تو پھر آپ اپنے تسلیم کردہ ضابطہ کے خلاف اُمور قبیحہ کا ارتکاب کرتے اور شیعہ
 عوام کو ناجائز اُمور میں مبتلا کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت امام حسین کے ماتم کے سوا اور سب بزرگوں کے ماتم
 کو حسب روایت سابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے قبیح قرار دے دیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کا یہاں
 یہ لکھنا کہ "علاوہ: بریں اس وقت کلام اس امر کے جواز میں ہے جو مجھدہ تعالیٰ آپ کے اقرار سے ثابت

ہے“ کج فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ کلام تو آپ کے مزعومہ ماتم کے سنت اور عبادت ہونے میں ہے۔ (ب) میں نے تو بکاہ کو جائز کہا ہے نہ کہ مُنْثَہِشْٹَیْ اور سینہ کوٹنے (ج) اور آپ کے سابقہ تسلیم کردہ ضابطہ سے تو بکار در دے، کا بھی جواز ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ جو امر قبیح اور بُرا ہو وہ ناجائز ہوتا ہے اور موجب گناہ۔ اور گوگریرہ و بکار وقتی تاثر کے تحت جائز ہے لیکن محض رونے اور غم مٹانے کی مجلس کا قیام بھی سال بسال جائز نہیں ہے۔ بہر حال اب آپ کے ذمہ صرف یہ ثبوت رہ گیا ہے کہ حضرت حسین پر جزع و فزع اور ماتم ممنوع اور قبیح نہیں۔

عَامُ الْحَزْنِ

(بحث دلیل نمبر ۱۱) ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ: ”حضرت ابو طالب نے عام الحزن یعنی غم کے سال کا نام دیا ہے“ اس کا جواب رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ دیا گیا تھا (۱) ”اگر اس سال کو عام الحزن کا نام دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہر سال اُن کی وفات کے دن ماتم کی مجالس قائم کی جائیں تو کیا حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمہ الزہراء، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم نے بھی کوئی ہر سال مجلس غم بپائی تھی اور کیا رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے مہربان چچا ابو طالب اور پیاری بیوی حضرت خدیجہ الکبریٰ کی وفات کا دن ہر سال مجلس ماتم کی صورت میں منایا تھا۔ اگر نہیں تو پھر کس کی پیروی کرتے ہیں؟“ (ص ۱۳۰)۔ اس کے جواب ابو طالب میں مصنف ”فلاح الکوفین“ فرماتے ہیں کہ: ”یہ اگر مگر کی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ عام الحزن (غم کا سال) اور غم کے سال کا سولے اس کے اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ کامل ایک سال حضور اکرم صلعم کا اپنے مہربان چچا حضرت ابو طالب و فاطمہ اور محبوب بیوی حضرت خدیجہ سَلَامَ اللہ عَلَیْہَا کَاغْرَمَانَا کیا اُمت کے لیے سنت نہیں؟ اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہم رسول کریم صلعم کے عزیز و اقرباء کا غم آپ کی سنت سمجھ کر ہی مناتے ہیں۔ اگر آپ اہل سنت کے مدعی ہوتے ہوئے رسول خدا کی سنت پر عمل نہیں کرتے تو جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں، انہیں اس سنت پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے“ (فلاح الکوفین)

الجواب

(۱) آپ کی جہالت کی بھی کوئی حد ہے! اس سال کا نام عام الحزن رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارا سال غم منایا جائے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ یہ وہ سال ہے جس میں ایسے جلیل القدر اعزہ کی وفات کا صدمہ پہنچا مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ”عام الفیل“ میں پیدا ہوئے اور عام الفیل اس سال کو کہتے ہیں جس میں حبشہ کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی اور اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ اس لشکر کو نیست و نابود کر دیا، اور اس عظیم واقعہ کے ذکر میں قرآن مجید میں سورۃ الفیل نازل ہوئی: - اَکْمَ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِأَصْحَابِ الْفِیْلِ دَکِیَا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحابِ فیل سے کس طرح کیا کیا۔ تو ہاتھیوں کا سال نام پڑ جانے کا مطلب کیا آپ کے نزدیک یہ ہے کہ سارا سال وہاں ہاتھیوں کا لشکر حملہ آور ہوتا رہا اور سارا سال ہاتھی وہاں گھومتے پھرتے رہے، ہرگز نہیں۔ اصحابِ فیل (ہاتھیوں والے) تو ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کے کچھ حصے میں تباہ و ہلاک کر دیئے گئے۔ لیکن اس نسبت سے سارے سال کا نام ہی ”عام الفیل“ رکھا گیا۔ یہی مطلب عام الحزن کا سمجھ لیجئے، لیکن آپ کی سمجھ میں ایسی معمولی بات بھی آئے کیسے، جب کہ سمجھ بھی ماتم کی نذر ہو گئی۔ (ب) اور آپ یہ بھی کسی روایت سے ثابت نہیں کر سکتے کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اُن کے ماتم کی کوئی مجلس قائم کی ہو۔ (ج) یہاں تو بڑے وثوق سے آپ فرما رہے ہیں کہ سارا سال غم منانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اور اہل سنت اس سنت کی پیروی نہیں کرتے اور اہل تشیع کرتے ہیں۔ لیکن اس سے ایک صفحہ پیچے کا اپنا یہ ضابطہ بھول گئے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا ہے ہر جزع اور آہ و نوا کردہ ہے سولے جزع اور آہ و نوا کہ ہر حسین علیہ السلام۔ اور اس سے قبل کی روایت میں بجائے لفظ مکروہ کے قبیح کا لفظ ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہاں مکروہ سے مراد سخت ناپسندیدہ اور بُرا فعل ہے۔ اب آپ ہی یہ بتائیں کہ اگر حضرت خدیجہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہربان چچا کا غم منانا سال بسال سنت ہوتا تو پھر امام جعفر صادق اس کو کیوں قبیح فرماتے کیونکہ آپ نے حضرت

حسینؑ کے لیے غم و اندوہ کے سوا سب پر قبیح ہونے کا حکم لگا گیا ہے، تو جس کام کو امام جعفر صادقؑ نا جائز اور بُرا بتائیں کیا آپ کے نزدیک وہ کام سُنت ہے؟ سے
اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
مے آدمی کو موت! پر یہ بد ادا نہ دے

واقعہ حضرت اویس قرنیؓ

(بحث دلیل نمبر ۱۲) ماتمی ٹرمکیٹ
میں لکھا تھا کہ: ”جنگِ احد میں جنابِ رسالت

مآب کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ جس کی خبر سُن کر خواجہ اویس قرنیؓ نے اپنے دانت توڑ دیے
آنحضرتؐ نے اس فعل کو پسند فرمایا اور خواجہ کے لیے دُعادی ”اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ
” (۱) یہ روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے اس لیے اس کو حجت نہیں بنایا جا سکتا
(۲) اگر اس طرح اپنے دانت توڑنا صحیح اور کارِ ثواب ہوتا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ شہیدؓ کا بھی اپنے دانت
توڑ دیتے۔ کیا ماتمیوں کے نزدیک خواجہ اویس قرنیؓ کا عشقِ رسالت، حضرت علیؓ سے زیادہ تھا؟
اگر خواجہ اویس قرنیؓ کی یہ سنت ماتمیوں کو پسند ہے، تو پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے دانت شہید ہونے کی یادگار میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے۔ سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا
نہ مرثیہ خوان رہیں نہ سوزِ خوان رہیں، نہ رہے باش نہ بچے باشری“ (ہم ماتمیوں کو نہیں کوٹے
اس کے جوابِ الجواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں (۱) اگر پمفلٹ میں خواجہ
اویس قرنیؓ کے دانت توڑنے والی روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے تو صحیح حوالہ مان سکتے ہیں۔

حاضر ہے! ملاحظہ کیجئے! السیرۃ الحلبيہ ج ۲ ص ۲۶۹، تذکرۃ الاولیاء ترجمہ اردو ص ۱۱
سہیل میں مؤلفہ عبد الرحمن شوق امرتسری ص ۲۷: ”حضرت اویس قرنیؓ نے حضرت عمرؓ کی دونوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا
ابن الخطاب کو کہا کہ اگر تم دوستی میں درست ہوتے تو اسی دن جبکہ آپ کے دندان مبارک شہید نہیں۔ تو کیا ان حضرات نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کو کبھی بھی نہیں دیکھا
ہوئے تھے، تو تم نے کیوں موافقت کے طریقہ پر اپنے دانت توڑ دیئے کیونکہ یہ شرط موافقت تھا؟ (ب) خواجہ اویس قرنیؓ کے متعلق اتنی بات تو صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ہے۔ پھر آپ نے دانت دکھائے جو لوٹے ہوئے تھے اور کہا میں نے آپ کو بلا دیکھے غیبت کرنے کے ولی اللہ ہونے کی اطلاع دی تھی، اور حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ اصحاب نے اُن سے ملاقات
حالات میں اپنے دانتوں کو آپ کی موافقت میں توڑ ڈالا کہ جب میں ایک دانت توڑتا تھا تو میری بھی کی اور دُعا بھی کرائی چنانچہ سیرت حلبیہ میں ہے (جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے)۔: وفی روایۃ ان

دل کو قرار نہ آتا تھا، حتیٰ کہ ایک ایک کر کے میں نے سب دانت توڑ دیے“ (تذکرۃ الاولیاء)

(د) آپ کی مندرجہ عبارت سے پہلے یہ عبارت ہے: حضرت علی المرتضیٰؓ تو
خاموش رہے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت اویس سے دریافت فرمایا کہ

الجواب

ادیس! آپ نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی۔ آپ نے فرمایا کیا آپ نے
حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ اویس نے فرمایا
شاید آپ نے حضور پُر نور کا یہی جُعبہ شریف دیکھا ہو گا اور آپ حقیقتاً حضور پُر نور کی زیارت سے
مشرف ہوئے ہیں تو جھلا بتاؤ، حضور پُر نور کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ حضرت
علیؓ خاموش ہو گئے کیونکہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ پھر اویس نے دریافت فرمایا! کیا آپ حضور پُر نور
کے دوست ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں! اویس نے فرمایا اگر آپ دوستی میں پورے ہوتے تو
جنگِ احد کے روز (تذکرۃ الاولیاء) اور آپ نے یہ عبارت غالباً اس لیے چھوڑ دی ہے کہ
ناواقف لوگ یہ سمجھیں کہ خواجہ اویس قرنیؓ نے صرف حضرت عمر فاروقؓ پر الزام عائد کیا تھا۔ حالانکہ
مندرجہ بالا عبارت میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ اگر الزام آتا ہے تو
دونوں پر، نہ کہ صرف حضرت عمر فاروقؓ پر، کیونکہ دونوں نے اپنے دانت نہیں توڑے تھے اور
کوچھ خواجہ اویس قرنیؓ نے ان دونوں اصحاب سے کہا ہے، کیا ماتمی لوگ حضرت علیؓ کے متعلق بھی یہ

علاوہ ازیں یہ روایت اس لیے مُشتَبہ ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت

عمرؓ کی دونوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا
تو کیا ان حضرات نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کو کبھی بھی نہیں دیکھا
ہوئے تھے، تو تم نے کیوں موافقت کے طریقہ پر اپنے دانت توڑ دیئے کیونکہ یہ شرط موافقت تھا؟ (ب) خواجہ اویس قرنیؓ کے متعلق اتنی بات تو صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ہے۔ پھر آپ نے دانت دکھائے جو لوٹے ہوئے تھے اور کہا میں نے آپ کو بلا دیکھے غیبت کرنے کے ولی اللہ ہونے کی اطلاع دی تھی، اور حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ اصحاب نے اُن سے ملاقات
حالات میں اپنے دانتوں کو آپ کی موافقت میں توڑ ڈالا کہ جب میں ایک دانت توڑتا تھا تو میری بھی کی اور دُعا بھی کرائی چنانچہ سیرت حلبیہ میں ہے (جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے)۔: وفی روایۃ ان

عمر قال لا أدري استغفر لي فقال كيف استغفرت وانت صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له عمر رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان خير التابعين رجل يقال له أديس بن عمرو (۱) اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ادریس قرنی سے فرمایا کہ میرے لیے بخشش کی دعا کریں، تو آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے کیونکر بخشش کی دعا کروں حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تابعین میں سب سے بہتر ادریس ہوں گے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خواجہ ادریس قرنی کے دل میں بحیثیت صحابی ہونے کے حضرت عمر فاروق کا کتنا احترام تھا، اور مذکورہ اردو عبارت تو حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ دونوں جلیل القدر صحابہ کی شان کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اسی سیرت حلبیہ میں یہ ہے کہ :-
وما اخرجہ البيهقي عن عمر رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال سيكون في التابعين رجل من قرن يقال له أديس بن عامر :- (۲) اور بیہقی نے حضرت عمر سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تابعین میں ایک مرد ہوگا، جس کا نام ادریس بن عامر ہوگا۔

اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ ادریس قرنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ تھے، واللہ اعلم۔ (ج) اور اگر سارے دانت توڑنے کی مندرجہ روایت کو تسلیم بھی کیا جائے تو خواجہ ادریس قرنی نے غلبہ حال کی وجہ سے ایسا کیا۔ جس میں وہ معذور ہیں لیکن اس کو شرعی عمل اور کمال نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اگر یہ کمال محبت ہوتا تو یقیناً حضرت فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر صحابہ کرام بھی ایسا کرتے۔ (د) اور اگر آپ خواجہ ادریس کے اس فعل کو حجت سمجھتے ہیں اور اسی سے ماتم حسین میں بدن پر زنجیریں اور چھریاں مارنا نیکی سمجھتے ہیں، تو پھر محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے۔ مصنف "فلاح الکونین" اور ان کی تاکید کرنے والے شیعہ علماء و مجتہدین کے لیے

اب لازمی ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے سارے دانت توڑ کر محبت نبوی کا ثبوت دیں، ورنہ قبول جوش طح آبادی یہی کہنا پڑے گا۔
مشق کر یہ عیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرہ ماہ محرم عید ہے تیرے لیے

آپ نے یہ لکھا ہے کہ :- تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت مبارک

حضرت عثمان اور جنگ احد

شہید ہوئے اور چہرہ انور زخمی ہوا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰ جان کی بازی لگائے سر سھیلی پر رکھے دشمنوں سے حضور کو بچانے کے لیے مشرکین مکہ پر تار تار توڑ چلے کر رہے تھے۔ یہ ایسا مشکل وقت تھا کہ سوائے چند جانثاروں کے باقی تمام صحابہ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے چنانچہ مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۷ میں ہے :- "گردہ گر سینہ دور زدو ایا و شغاب جبل محفی شند و بعضی بشہر رفتند و عثمان بن عفان ازاں مجلہ بود الخ"

(۱) لیکن اس میں میرے اس سوال کا جواب تو نہیں کہ اگر دانت توڑنا
عشق نبوی کا ضروری تقاضا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ نے کیوں اپنے دانت

الجواب

نہیں توڑے؟ یہاں بحث کا موضوع تو ماتم تھا لیکن جنگ احد کے تذکرے میں آپ کو حضرت عثمان ذوالنورین پر طعن کرنے کا موقع مل گیا اور غلبہ عقاد میں آپ نے تقیہ کی چادر بھی اتار پھینکی اور اس جوش میں یہ بھی ملحوظ نہ رہا کہ حضرت عثمان ہوں یا کوئی اور صحابی جو بھی اس جنگ میں میدان سے ہٹ گئے اور جن کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اللہ تعالیٰ نے بلا استثناء سب کو معاف کر دیا۔ چنانچہ مدارج النبوة میں لکھا ہے کہ :- تاہم عنایت الہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اور سب کو معاف کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت حق جل و علی جس کے ساتھ نظر عنایت و قبول رکھتا ہے، اس کو اپنی بارگاہ سے دور نہیں فرماتا اور اسے رد نہیں کرتا۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے کی بدولت اور آپ کے ظہیل میں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ارشاد ہے :- اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَدَّ اٰمِنُكُمْ يُوَدُّ التَّقِيَّ الْجَمْعَانَ اِنَّمَا اسْتَرَدَّاهُمْ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَى اللهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللهَ غَفُورٌ

حَلِيمٌ“ بے شک وہ ایماندار بندے جنہوں نے دونوں گروہوں کے بننے کے دن مُنہ پھیرا تھا اور اصل اُن کو شیطان نے نبی کے بعض حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پھیلایا تھا۔ بلاشبہ اللہ نے ان سب کو معاف فرمادیا، اور اللہ غفور و حلیم ہے۔ (مدارج التوبة جلد دوم ص ۲۰۰ مطبوعہ کواچی) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ نے اسی آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے :-
 ”یقیناً تم میں سے وہ لوگ جو (اُس دن) بھاگ گئے تھے، جن دن دو گروہوں کا مقابلہ ہوا تھا سوائے اس کے نہیں ہے کہ شیطان نے بوجہ اُن کے بعض افعال کے ان کے قدم ڈمگادئے تھے اور اللہ نے ان کے قصور سے درگزر کی۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑا بخشنے والا (اور) بڑبار ہے۔“
 (پارہ ۴ سورۃ ال عمران ع ۱۶) اور اس سے چند آیات پہلے بھی فرمایا :- وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ
 اور یقیناً خدا نے تم سے درگزر کی۔“ (ترجمہ مقبول)

جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف کر دیا ہے، جن کے قدم ڈمگائے تھے۔ تو قرآن میں معافی کے اس صریح اعلان کے بعد بھی کیا کوئی قرآن پر ایمان رکھنے والا ان پر لعن کر سکتا ہے؟ (ج) حضرت آدم علیہ السلام تو ایک نبی تھے اور اُن سے جو بھول ہوئی تھی اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَآذَنَّا لَهُمَا الشَّيْطَانَ عَنْهُمَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ (پارہ اول ع ۴) :- اس کا ترجمہ آپ کے مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں ”شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے نکلانے کی تدبیر کی اور جس حالت میں وہ دونوں تھے، اس میں اُن نہ رہنے دیا۔“ (ترجمہ مقبول)

جہاں بھی حضرت آدم اور حوا کی اس لغزش کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، اور جناب اُحد کے سلسلہ کی مندرجہ بالا آیت میں بھی اُن کے پاؤں ڈمگانے کی نسبت شیطان کی طرف ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے لیے فِتَابَ عَلَيْهِمُ کے الفاظ سے معافی کا اعلان فرمادیا اور اصحاب کے بارے میں بھی وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ سے معافی کا اعلان ہو گیا، اور حق تعالیٰ کا خصوصی فضل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ پر یہ ہے کہ اُن کی طرف سے استغفار

کرنے کا ذکر نہیں فرمایا، اور خود ہی اُن کی معافی کا اعلان فرمادیا۔ کیا آپ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی اپنے دل میں اسی طرح کا بغض رکھتے ہیں، جس طرح ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آپ کا حال ہے۔ عبرت! عبرت! عبرت!
 (ج) ”مدارج التوبة“ کی جو عبارت آپ نے درج کی ہے اس میں ایک گروہ کے متعلق تو بھاگنے کے الفاظ ہیں۔ ”گروہے گریختند“ لیکن حضرت عثمان وغیرہ کے متعلق بجائے بھاگنے کے یہ الفاظ ہیں: ”و بعضی بشار رفتند و عثمان بن عفان از انجملہ بود“ (اور بعض شہر مدینہ) میں چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفان انہی میں سے تھے) اور یہ فرق اس لیے کیا گیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق شیطان نے یہ خبر اڑائی کہ حضور شہید ہو گئے ہیں تو حضرت عثمان وغیرہ بعض اصحاب پر مایوسی کا غلبہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم کیا لڑائی کریں اور اس کی بنا پر وہ شہر میں چلے گئے، اور یہ ایک اجتہادی خطا ہے، نہ کہ جان کے خوف سے بھاگ جانا، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر بلا اذن خداوندی اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گئے تھے اور یہ ایک قسم کا ترکِ اولیٰ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بھاگنے سے تعبیر فرمایا :- وَاتَّيَسَّرَ لِكَرْبِ الْيَسْرِيِّ إِذْ أَتَىٰ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ (سورة الشورى ع ۵) اور یونس بے شک رسولوں میں سے تھے جبکہ وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔“ (ترجمہ مقبول)

فرمائیے! آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے ایک پیغمبر معصوم حضرت یونس علیہ السلام کی طرف بھاگنے کی نسبت تسلیم کر لی۔ لیکن اس وجہ سے حضرت یونس کی رسالت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ تو اگر بعض اصحاب کی نسبت قرآن میں تو کُوا کے الفاظ ہیں (یعنی مُنہ پھیرا) اور آیت میں کسی صحابی کا نام نہیں اور جو عبارت آپ نے پیش کی ہے اُس میں حضرت عثمان کے متعلق بھاگنے کا لفظ بھی نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ ماتی گروہ حضرت یونس کو نبی معصوم مانتا ہے اور حضرت عثمان سے بغض رکھتا ہے۔ آخر اس میں کیا راز ہے؟ (ج) مستف

”فَلَدَّحُ الْكُوفِيِّينَ“ نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ چند اصحاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باقی رہ گئے تھے۔ لیکن ایک اور شعبی محقق رقمطراز ہیں: ”مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر خالد بن ولید نے حج اپنے ساتھیوں کے رسول پر حملہ کر دیا اور تلواروں، نیزوں اور پتھروں سے حضرت کو زخمی کیا۔ یہاں تک کہ جناب رسالتآب پر غشی کا عالم طاری ہو گیا اور سوائے حضرت علی کے تمام مسلمان بھاگ گئے۔ جناب رسالتآب کو غشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے حضرت علی کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے علی مجھے ان دشمنوں سے بچاؤ۔ پس حضرت علی نے ان مشرکین کو مار بھجکایا“ (ہفت روزہ شیعہ لاہور مورخہ یکم دسمبر ۱۹۴۳ء ص ۱۹)۔

تو گویا ان محقق و محب موصوف کے نزدیک کوئی بھی سوائے حضرت علی کے ثابت قدم نہ رہا، اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت علی کی وجہ سے بچ گئے۔ ان الفاظ میں کتنی تنقیص و بہتان ہے کہ: ”اے علی! مجھے ان دشمنوں سے بچاؤ“ حالانکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جانثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابوبکر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو جہل، حضرت طلحہ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت طلحہ اور حضرت سدرہ گئے تھے (سیرت النبی جلد اول ص ۱۲) اور شیعہ مجتہد علامہ طبرسی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ: ”وذكر ابو القاسم البلخي انه لم يبق مع النبي صلي الله عليه وسلم يوم أحد الا ثلاثة عشر نفساً، خمسة من المهاجرين وثمانية من الانصار فاما المهاجرون فعلى (ع)، و ابوبكر وطلحة و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابى وقاص (تفسیر مجمع البيان، سورة ال عمران ص ۱)۔“ (اور ابو القاسم بلخی نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُحد کے دن صرف تیرہ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ پانچ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، اور مہاجرین یہ تھے علی، ابوبکر، طلحہ، عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص“

شیخ طبرسی نے یہاں صراحتاً حضرت ابوبکر کا موجود رہنا تسلیم کر لیا ہے۔ روایات میں تعداد کے اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس شدت جنگ اور شہداء کی لاشوں میں جس کی جس پر نظر پڑی، اُس نے اُس کا نام لیا، اور گو مذکورہ ناموں میں حضرت عمر فاروق کا نام نہیں ہے۔ لیکن آپ بھی یقیناً رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: ”تجب ہے کہ اُن میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھے اور ثابت قدم رہے تھے، اور جب صحابہ مجتمع ہوئے اور حضور کے قریب آئے تو انہوں نے اُن کو وہاں دیکھا اور جب ابوسفیان نے پکار کر کہا هَلْ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ، هَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنِ اَبِي قَحَافَةَ، هَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنِ الْخَطَّابِ: ”یعنی کیا مسلمانوں میں محمد ہیں؟ کیا مسلمانوں میں ابوبکر ہیں؟ اور کیا مسلمانوں میں عمر ابن الخطاب ہیں؟“ تو حضور نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ بالآخر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ بے چین ہو گئے اور انہوں نے اس کا جواب دیا الخ (مدارج النبوة جلد دوم ص ۱۲) اور ”سیرت ابن ہشام“ میں بھی ہے کہ: ”جنگ ختم ہونے کے بعد ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا: ”اَنْعَمْتَ فَعَالٍ وَا نْتِ الْحَرْبِ سَجَالٍ، يَوْمَ بَيْوَمٍ، اُعْلُ هُبَلٍ (اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے)۔“ اے ابوسفیان! تو نے بڑا اچھا کام کیا جنگ میں اُلٹ پلٹ ہوتا ہی ہے، ایک جنگ دوسری جنگ کا بدلہ ہو جاتی ہے۔ اے ہبل! سر بلند ہو“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر ابن خطاب کو حکم دیا، عمر! کھڑے ہو کر اس کا جواب دو اور کہو: ”اللہ اعلى واجل، لا سواہ، قتلتنا في الجبّة وقتلنا في السّار“ (اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، ہمارے تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے)۔ (سیرت ابن ہشام حصہ دوم ص ۱۲) اور مولانا شبلی نعمانی نے بھی حضرت عمر فاروق اور ابوسفیان کا یہ سوال و جواب نقل کیا ہے۔ (سیرت النبی جلد اول ص ۱۲)

میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند اصحاب کے باقی رہ جانے کی روایات آتی ہیں، وہاں عموماً اس طرف لوگوں کی توجہ نہیں جاتی کہ وہ ستر آدمی جو جنگِ احد میں شہید ہوئے، وہ بھی تو اصحاب ہی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں اپنے بدن چھلنی کر کے اور شہادت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا اور ان کے فضائل میں اللہ تعالیٰ نے کتنی آیات نازل فرمائیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطاعن شجاعتِ علی کی ایک دوسری تصویر کی بوجھاڑ کرنے والے اور صرف حضرت علی

المرتضیٰ کی شجاعت اور قربانی کا تذکرہ کرنے والے جب ایک دوسرے پہلو سے خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نفوذ باللہ خلافتِ علی کے غضب کرنے والے اور ظلم و ستم کرنے والے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تو شیر خدا کو اس قدر مظلوم اور مغلوب بنا کر پیش کرتے ہیں کہ نفوذ باللہ بے نظیر شجاعت کا تو کیا ذکر، آپ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :-

پس وہ اشقیائے اُمت گلوئے مبارک جناب امیر میں رسیان (رسی) ڈال کر مسجد میں لٹے گئے، اور بردابیت دیگر جب دردازہ پر پہنچے اور جناب فاطمہ مانع ہوئیں۔ اس وقت قنفذ نے اور بردابیت دیگر نے تازیانہ بازوئے جناب فاطمہ پر مارا کہ بازو جناب سیدہ کا شکستہ ہو گیا اور سوچ گیا مگر پھر بھی جناب فاطمہ نے جناب امیر سے ہاتھ نہ اٹھایا اور ان اشقیاء کو گھر میں آنے سے منع کیا یہاں تک کہ دردازہ شکم جناب فاطمہ پر گرا دیا اور پسلیوں کو شکستہ کیا اور اس فرزند کو جو شکم میں جناب فاطمہ کے تھا، اور حضرت رسول نے اس کا محسن نام رکھا تھا، شہید کیا، اور اسی ساعت اس مصوم شکم میں انتقال کیا، اور جناب فاطمہ نے اسی ضربت کے صدمہ سے وفات پائی الخ (جلد العیون حصہ اول ص ۱۵۱ مطبوعہ لکھنؤ)۔ یہ ہیں عجائباتِ تقیہ جو فاتحِ خیبر، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب ہیں۔ کیا حمید گرار کی موجودگی میں کوئی شخص خاتونِ جنت کی طرف بیٹھی لگاہ سے دیکھنے کی جسارت کر سکتا ہے؟ اس پر مزید کسی تبصرہ کی حاجت نہیں۔ ع، ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

فطرتِ انسانی

(بحث دلیل نمبر ۱۳) :- ماتمی ٹریکٹ میں یہ لکھا تھا کہ :-
”اسلام دینِ فطرت ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد زندگی کا آغاز رونے سے کرتا ہے“ اس کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ :- پیدائش کے بعد بچے کا روننا مردوجہ ماتم کی دلیل کیسے بن گیا۔ بچہ کس کے ماتم میں روتا ہے؟ (۲) اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب، پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیش نظر پیشاب یا پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ! کیا خوب عقل ہے۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے)

اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں :- ”السان پیدا ہوتے ہی روتا ہے، ہر ذہنی اور جسمانی تکلیف پر روتا ہے۔ غرضیکہ روتا ہوا آتا ہے اور روتا ہوا اچلا جاتا ہے۔ روزانہ مقتضائے فطرت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے :- افسن هذا الحدیث تعجبون و تفصحون ولا تبکون :- ”کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور کہتے ہو اور روتے نہیں ہو“ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہنسنے سے منع فرمایا اور رونے کا حکم دیا“ (فلاح الکونین) :-

الجواب

(۱) اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں :- ”یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چلے ہٹے تنگ خوئی ہڈا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے خلاف تعجب کرتے اور کہتے ہو، غافل اور بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو“ اور شیعوں کے علامہ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :- (أفنبهذا الحدیث) یعنی بالحدیث ما تقدم من الاخبار عن الصادق (ع) وقیل معناه أفمن هذا القرآن ونزولہ من عند الله علی محمد صلی الله علیہ وسلم وکونه معجزاً (تعجبون) ایها المشرکون (وتفصحون) استهزاء (ولا تبکون) انزجار لما فیہ من الوعد (وانتم ساءمذون) ای غافلون لاهون معرضون۔ عن ابن عباس ومجاهد وقیل هو الذنایع کا نوا اذا سمعوا القرآن عامضوا بالغناء لیشتغلوا الناس عن استماعه

گی۔ اسی بنا پر میں نے یہ لکھا تھا کہ :- اگر سچو روٹا ہے تو پیشاب ، پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیش نظر پیشاب ، پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ ! کیا خوب عقل ہے فرمائیے ! اس میں تشبیہ کی کیا بات ہے۔ (ب) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب یا ائمہ اور بزرگوں کے تذکرے وغیرہ اگر کسی مجلس میں ہوں تو وہ زیر بحث ہی نہیں ہے۔ بحث کا ضوع تو آپ کی ماتمی مجالس ہیں جن میں مُنہ پٹینا اور سینہ کو بی کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ ان افعال کو میرت و سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کیا تعلق ہے ، اور یہ افعال ائمہ اہل بیت نے کب کئے ہیں۔ ماتمی مجالس کا یہ مظاہرہ تو کتاب اللہ ، ارشادات رسول اللہ اور اقوال ائمہ کے بالکل مخالف ہے۔ جس میں آپ قوم کو مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔

(بحث دلیل نمبر ۱۴) :- ماتمی ٹریٹ میں لکھا تھا کہ :-

فرقہ بندی ”سانحہ کربلا کے وقت اسلام میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی۔ قاتلانِ امام دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ آج امام حسین کا ذکر اور ان کی حمایت کرنا گویا امام مظلوم کا ساتھ دینا ہے“ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ :- ماتم کرنے کو امام حسین کی حمایت سے کیا تعلق ہے؟ حُسنیت تو یہ ہے کہ امام حسین نے جس شریعت اور سنتِ مقدسہ کے لیے اپنی جان قربان کی تھی ، اس کی اتباع کی جائے اور اعمالِ صالحہ کو رائج کیا جائے۔ شرک و بدعت اور بت پرستی کے مظاہر کو مٹایا جائے۔ امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوئی ہیں اور یزیدیت کی حماقت میں شہید کرنے والے غدار بھی کوئی لوگ ہیں جو ماتم امام حسین نے ساری عمر نہیں کیا ، اس کا ارتکاب حُسنیت کی حمایت ہے یا مخالفت ؟ (۲) ”اخبارِ ماتم“ ص ۹۶ میں ہے کہ سب سے پہلے شہادت حسین کا ماتم یزید کے گھر میں اس کی بیوی ہند نے ہا کیا تھا۔ اب یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ حُسنیت کیا ہے اور یزیدیت کیا ہے (ہم ماتم کیوں تسلیم کرتے)۔

اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں کہ :- بے شک حُسنیت یہی ہے کہ حضرت امام حسین نے جس شریعتِ مقدسہ اور سنتِ مطہرہ کو زندہ و پائندہ رکھنے کی خاطر میران

کربلا میں کم و بیش بہتر پیش بہا بلکہ عدیم المثال قربانیاں دیں ، اس پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے الخ (فلاح الکونین) تو پھر آپ قوم کو اس صحیح حُسنیت کی طرف کیوں دعوت نہیں دیتے ، ماتمیوں کی مساجد غیر آباد اور امام باڑے کیوں آباد ہیں ؟ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے خود بھی اہل تشیع کو تنبیہ کرتے ہوئے اس کا اقرار کیا ہے کہ :-

”کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو مساجد و میران امام باڑے آباد در کنار ، فارسی قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا ! عتبات عالیہ کی زیارات کو اگر سزا جائیں گے تو سچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان ہیں ، ہزاروں روپے کا شیشہ ، آلات وغیرہ موجود ہے مگر مساجد و میران پڑی ہیں“ (سعادت الدارین فی مقتل الحسين)

مصنف ”فلاح الکونین“ لکھتے ہیں کہ :- ”شرک و بدعت اور بت پرستی سے اگر آپ کی مراد وہ شرک و بدعت و بت پرستی ہے جو قبل از بعثت رسول کریم صلعم دنیا میں رائج تھی۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس کے خلاف سب سے پہلے حضرت نوح نے آواز بلند کی“ (قرآن حکیم پ ۲۹ سورۃ نوح) دوسری آواز جو اس کے خلاف اٹھی وہ بت شکن اول حضرت ابراہیم کی آواز تھی (قرآن حکیم پ ۱۰ سورۃ انبیاء) اور آخری آواز جس نے دنیا کے اکثر ممالک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بت پرستی اور شرک و بدعت کا خاتمہ کر دیا۔ وہ حضور پاک سرور کونین ، رسول الثقلین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی (قرآن حکیم پ ۲۰ سورۃ التجم)۔ اب ممالک اسلامیہ میں نہ کوئی مشرک باقی ہے نہ کوئی بدعتی اور نہ بت پرست ، بالخصوص ملک خداداد پاکستان تو مشرکوں اور بت پرستوں سے بالکل پاک ہو چکا ہے۔ تقسیم سے پہلے جتنے مشرک اور بت پرست یہاں تھے وہ سب واگہ پار کر کے بھارت پہنچ چکے ہیں۔ اب آپ کو شرک و بدعت اور بت پرستی کے مظاہر کو مٹانے کی فکر میں گھل گھل کر ہاتھی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ، مگر اس کا کیا علاج کہ ساروں کے اندھے کو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ جو لوگ خود شرک و بدعت ایسے مودی اور لا علاج مرض میں مبتلا ہیں انہیں ہر ایک

اسی مرض کا مریض نظر آتا ہے۔“ (فلاح الکونین صفحہ)

الجواب

۱، آپ نے یہاں شرک و بت پرستی کے موضوع پر جو حقائق بیان فرمائے ہیں، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ شرک و بت پرستی کو سمجھتے ہیں اور نہ بدعت کو، اور نہ ہی اپنی تحریر کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان میں کوئی مشرک وغیرہ ہے ہی نہیں اور آخر میں خود ہی اس کی ان الفاظ سے تردید کر دی کہ :-
”جو لوگ خود شرک و بدعت ایسے موذی اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہیں“ کیونکہ اس کا تو سہی مطلب ہے کہ ایسے لوگ بھی پاکستان میں موجود ہیں جو خود شرک و بدعت میں مبتلا ہیں، لیکن دوسروں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔ تو آپ کے اپنے اقرار سے ہی پاکستان میں اہل شرک و بدعت کا وجود ثابت ہو گیا، اور اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ قریش مکہ کی طرح لات و سہل کے نام سے شرک و بت پرستی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ تو یہ امر زیر بحث ہی نہیں کیونکہ شرک اور بت پرستی لات و سہل کی پوجا میں منحصر نہیں۔ شرک جس شکل میں بھی ہو، شرک ہو گا اور اگر ایسے شرک کا مرتکب بلا توبہ مرگیا تو آخرت میں اس کے لیے کوئی بخشش نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** :- (اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے ماسوا جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ (سورۃ النساء ۷۰) :-

توحید و شرک

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اسلام کی بنیاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس کی پہلی جزء میں توحید خداوندی کا اعلان ہے اور دوسری جزء میں رسالت محمدیہ کا، اور توحید کے ماننے کا واسطہ رسالت ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان فرمائی ہیں اور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان کے ماننے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ایمان بال توحید ہی

مقبول ہے جو ایمان بال رسالت کے واسطہ سے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ذات، صفات اور استحقاق عبادت میں وحدہ لا شریک مانا جائے۔ یعنی جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں ان میں بھی کوئی شریک و حصہ دار نہیں ہے۔ اسی بنا پر وہی معبود ہے، اس کے ماسوا کسی کی بھی عبادت جائز نہیں ہے۔ وہ علیٰ مَن شَيْخٌ قَدِيدٌ ہے اس کے سوا اور کوئی ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا، وہ یٰحٰی شَيْخٌ عَلِيمٌ ہے۔ اُس کے ماسوا کوئی بھی ہمیشہ ہر چیز کو جاننے والا نہیں اسی لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں توحید کا مفصل بیان ہے، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ البتہ یہاں شیعی علامہ مولوی محمد حسین کی (جو فلاح الکونین پر تقریظ لکھنے والے ہیں) بعض عبارتیں توحید کے بیان میں درج کی جاتی ہیں۔ تاکہ شبہ عوام بھی اُن کے تحت اپنے عقیدہ کو پرکھ سکیں (۱) توحید افعالی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ :- ”اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ افعال تکوینیہ جن پر کوئی بشر من حیث البشر ذاتی طور پر طاقت و قدرت نہیں رکھتا جیسے خلق کرنا (یعنی پیدا کرنا)، رزق دینا، مارنا اور جلانا یا مریض کو شفا دینا۔ اس قسم کے دیگر افعال تکوینیہ، ان میں خداوند عالم کا کوئی شریک نہیں۔ اس سلسلہ میں آیات و روایات حد احصاء و شمار سے متجاوز ہیں“ :-

اس کے بعد موصوف نے چند آیات پیش کی ہیں چنانچہ نمبر ۹ میں ہے :- **أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاكَ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكَ خُلَفَاءَ أَنْ مَرْضَىٰ وَعَلَىٰ مَعَ اللَّهِ رَبُّ ۲۰** (سورۃ النمل ۶۶) :- ”آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے، جب بھی وہ عمامتے اور تکلیف کو رفع کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا حاکم مقرر کر دیتا ہے۔ آیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے“ (۱۰) **وَإِذَا مَرَضْتُمْ فَهَلْ يُشْفِيكُنَّ** (پ ۱۹- سورۃ الشعراء ۶۶) :- ”اور جب میں (حضرت ابراہیم) بیمار ہو جاتا ہوں تو دو مجھے شفا دیتا ہے“ (ترجمہ مقبول) توحید کا یہی وہ مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر اکثر لوگ اپنے پیشواؤں کی محبت میں مبتلا ہو کر جاہدہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور توحید صفاتی کا دامن چھوڑ کر شرک کے عمیق گڑھوں میں جا گرتے ہیں **مَنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ**۔ اسی لیے ہمارے ہادیان دین یعنی حضرات

ائمہ طاہرین نے ایسے لوگوں کے خیالات کی بڑی پرزور تردید فرمائی ہے جو ان امور میں مخلوق کو خالق کا شریک قرار دیتے ہیں۔ (احسن الفوائد فی شرح العقائد مشکا)۔

صاحب (۲) اس کے بعد مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے حضرت امام رضا کی

ائمہ طاہرین نفع و نقصان کے مالک نہیں

دعا نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ لکھا ہے :- یا اللہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں۔ پس ہم اُس سے بیزار ہیں جیسے جناب عیسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ بار بار! جو کچھ یہ لوگ گمان کرتے ہیں، تو ہمیں اُس کی معافی دے۔ (عیون اخبار الرضا)

اسی سلسلہ میں مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں

فرقہ مفوض کا غلو

کہ :- کچھ ایسے نادان دعویدارانِ محبت بھی تھے جن کے اندر آثارِ غلو موجود تھے، اور ائمہ اطہار کو خدا کنے کا جذبہ چٹکیاں لے رہا تھا۔ مگر کچھ ائمہ طاہرین کی منع اکید اور لعن شدید، اور کچھ ظاہری شریعت کی حدود کا پاس و لحاظ مانع تھا اس لئے حکم کھلا طور پر تو ائمہ کی اُلوہیت کا اذعانہ کیا مگر پردہ ائمہ کے حق میں اکثر اوصافِ ربوبیت کے قائل ہو گئے، اور یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ اختراع کر لیا کہ خداوندِ عالم نے سرکارِ محمد وعلی علیہما السلام کو خلق فرما کر باقی تمام عالم کی تخلیق، مارنے اور جلانے، رزق دینے اور نہ دینے اور بارش برسانے یا نہ برسانے - غرضیکہ تمام عالم کے نظام کو برقرار رکھنے اور تدبیر عالم کا اہتمام کرنے کا معاملہ انہی بزرگواروں کے سپرد کر دیا ہے۔ سابقہ عقیدہ فاسدہ کو غلو اور اس نظریہ کا سدھ کو اصطلاح شرع میں تقویض کہا جاتا ہے۔ جس کے لغوی معنی سپرد کرنا ہیں جو درحقیقت غلو ہی کا ایک شعبہ ہے اور اس بدعقیدہ کے شرعی مفاسد و مضار عقیدہ غلو سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اس عقیدہ کے لوگ بھی ائمہ معصومین کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے اس لیے ائمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نے بڑے تشدد کے ساتھ اس نظریہ فاسدہ کو رد فرمایا ہے۔ چنانچہ ان احادیث شریفہ کا ایک ششمہ مستثنیٰ میں مذکور ہے:

اے مولوی محمد حسین صاحب کی یہ کتاب احسن الفوائد رسالہ اعتقادہ کے متن کی شرح ہے، باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

(احسن الفوائد فی شرح العقائد)۔

ابن سبائیہودی بھی انہی غالی روافض میں سے ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کو خدا مانتا تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں،

ابن سبائیہودی

کہ :- بعض احمق عقیدتمندوں نے انہیں (یعنی حضرت علی کو) حُدُودِ عبودیت و نبوت و اہمیت و خلافت سے بڑھا کر مرتبہ اُلوہیت تک پہنچا دیا، جیسے عبد اللہ بن سبا الخ (احسن الفوائد) توحید عبادتی کے سلسلہ میں قرآنی دلائل پیش کرنے کے بعد مولوی

اہل تشیع کے نزدیک سجدہ تعظیمی بھی شرک ہے

بقیہ تحت المتن مشکا :- جس کے مصنف ابن بابویہ قمی ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اور انہی کی تصنیف ”من لایحضرہ الفقیہ“ ہے، جو مذہب شیعہ کی چار صحیح کتابوں میں سے ایک ہے۔ (ب) شیعہ مذہب کی رجال حدیث کی چار اہم کتابوں میں سے ”رجال کشی“ سب سے قدیم کتاب ہے۔ اس میں ابن سبائیہودی کے ترجمہ (یعنی حالات) میں لکھا ہے :- عن ابی جعفر علیہ السلام ان عبد اللہ بن سبا کان یدعی النبوة ویزعم ان امیر المؤمنین علیہ السلام هو اللہ تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً، فبلغ ذلک امیر المؤمنین علیہ السلام فدعاہ و سالہ فاقرب ذلک وقال - نعم انت هو وقد کان القی فی ردعی انتک اللہ وانی نبی - فقال لہ امیر المؤمنین علیہ السلام ویلدک قد سخر منک الشیطان فارجع عن ہذا انکلتک اُمّتک و سب - فابی فجمہہ و استتابہ ثلثہ اَیام فلم یتب فاحرقہ بالنار۔“

حکایت :- امام محمد باقر سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سبا نبوت کا مدعی تھا اور اس کا گمان تھا کہ حضرت علیؑ خدا ہیں۔ یہ خبر حضرت علیؑ کو پہنچی تو آپ نے اُس کو بلا کر لُوچھا، تو اُس نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے دل میں اس بات کا القاء ہوا ہے کہ آپ خدا ہیں اور میں نبی ہوں۔ تو حضرت علی المرتضیٰ نے اس سے کہا کہ تجھ سے شیطان ٹھٹھا کرتا ہے۔ تو اُس سے توبہ کرے (تیری ماں تجھ کو روئے) ابن سبا نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اپنے اس کو توبہ کر دیا اور تین دن اسے توبہ کا مطالبہ کرتے رہے، پس جب اُس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اس کو آگ میں جلا دیا۔ یہ لفظ ”رہے“ کے ”رجال کشی“ کے مصنف چوتھی صدی ہجری میں ہوئے ہیں جنہوں نے ابن سبا کا یہ حال لکھا ہے۔ لہذا اس کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے جیسا کہ اب شیعہ لکھتے ہیں کہ ابن سبائیہودی کا وجود ثابت ہے۔

محمد حسین صاحب لکھتے ہیں: "معلوم ہوا کہ غیر خدا کی پرستش خواہ کسی نوعیت کی ہو اور خواہ کسی نیت و ارادہ سے ہو۔ اگرچہ سجدہ تعظیمی ہی ہو وہ شرک فی العبادت ہے" (احسن الفوائد)

ائمہ کیلئے سجدہ تعظیمی سے منع فرمایا

سجدہ تعظیمی کی بحث میں مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ بعض لوگوں نے ائمہ طاہرین کو سجدہ تعظیمی کو ناجایا، مگر معصومین نے شدت و سختی اُن کو اس فعل سے منع فرمایا۔ چنانچہ جناب شیخ عباس قتی علیہ الرحمۃ نے "مفاتیح الجنان" میں بذیل زیارت ہفتم جناب امیر المؤمنین سجادہ کتائبہ جنت النبی موقفہ سید اجل عبدالکریم بن طاووس علیہ الرحمۃ ایک طویل روایت درج فرمائی۔ جس میں جناب حمزہ ثمالی کا مسجد کوفہ میں امام ہمام زین العابدین کی خدمت میں شرفیاب ہونا مذکور ہے کہ..... میں آپ کے پاؤں میں گر گیا (جس سے سجدہ کی شکل بن گئی) اور چاہا کہ آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دوں مگر آنجناب نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا اور میرے سر کو اپنے دست حق پرست سے بلند کر کے فرمایا، ایسا نہ کر۔ سجدہ سولے خداوند عالم کے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زندہ امام کو سجدہ تعظیمی روا نہیں ہے تو ان کے قبور مقدسہ کو کیونکر جائز ہو سکتا ہے" (احسن الفوائد ص ۲۹)

امام رضا کے نزدیک بھی سجدہ قبر حرام ہے

عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام قال لا تسجد

علی القبر و علی الصاروج (حسن) :- فرمایا امام رضا علیہ السلام نے نہ سجدہ کر اور قبر کے اور ان کے اجزاء پر (چونا، پتھر، وغیرہ) (شافی ترجمہ فروع کانی کتاب الصلوٰۃ) فرمائیے حضرت امام رضا تو اصلی قبر اور اُس کے اجزاء پر سجدہ کرنے سے منع فرما رہے ہیں لیکن آپ مصنوعی قبر کے سجدہ کو بھی جائز بنا رہے ہیں (فلاح الکونین ص ۵۵)

شُرک فی الطاعۃ

اصول کافی کتاب الایمان و الکفر میں ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سمعته یقول امر الناس بمعرفتنا

و الرد الینا و التسلیم لنا ثم قال وان صاموا و صلوا و شهدوا ان لا اله الا الله و جعلوا فی انفسهم ان لا یردوا الینا کا وہ بذانک مشرکین :- ترجمہ (راوی کہتا ہے کہ ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے فرمایا لوگوں کو ہماری معرفت کا حکم دیا گیا ہے اور ہمارے رُجوع کرنے، ہماری بات کو ماننے کا بھی۔ پھر فرمایا اگر وہ لوگ روزہ رکھیں، نماز پڑھیں اور لا اله الا اللہ کی گواہی دیں اور اپنے دلوں میں یہ ارادہ رکھیں کہ ہم سے رُجوع نہ کریں گے تو اس سے مشرک بن جائیں گے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی از ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر و ہوی جلد دوم)

اس حدیث کے تحت شیعوں کے ادیب اعظم "توضیح" میں لکھتے ہیں کہ :- "یہ شرک اس معنی سے ہو گا کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو خدا نے امام بنایا ہے، لہذا ان کی اطاعت فرض ہوئی پس اگر ان کی بجائے دوسرے کے بنائے ہوئے کو امام تسلیم کیا۔ تو گویا اس دوسرے کو خدا کا شریک بنایا" اور مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے بھی لکھا ہے کہ :- جن لوگوں کی اطاعت خدا نے واجب نہ کی ہو ان کی اطاعت کرنا اور ان کو اپنا ہادی و رہبر قرار دینا شرک فی الطاعۃ ہے۔ چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :- امر الناس بمعرفتنا و الرد الینا الحدیث (ہدایۃ الموحدین) (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص ۱۱) لیکن یہاں اشکال یہ ہے کہ جب اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ نے تقیہ کیا، اور از روئے تقیہ حضرت علی المرتضیٰ نے بھی خود حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کی بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ تو آپ کے ان ائمہ معصومین کی پیروی کی کیا صورت ہوگی۔ جس بات کو امام جعفر صادق شرک قرار دے رہے ہیں، اس کا صدور تو تو خود باللہ حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے ائمہ سے بھی ہو گیا، جنہوں نے تقیہ کیا تھا تو بتلائیے کہ اس اُمت میں موحّد کون ہے ؟ -

مصنّف "فلاح الکونین" کی خدمت میں

مصنّف "فلاح الکونین" نے تو یہ لکھا ہے کہ اب پاکستان

میں کوئی مشرک نہیں رہا، سب واہگہ پار چلے گئے ہیں۔ لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ مذکورہ عبارت میں جو شرک کے اقسام بیان کئے گئے ہیں، کیا پاکستان میں کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہے جو غیر اللہ کو مالک نفع و نقصان نہ سمجھتا ہو، جو زندہ بزرگوں یا اولیاء اللہ کی قبروں یا تعزیر وغیرہ کو سجدہ نہ کرتا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اعتقاداً و عملاً ان اُمور کا ارتکاب تو مانتی گروہ میں ہی سب سے زیادہ ہے۔ کیا شیعہ عوام و خواص حضرت علی المرتضیٰ کو اس معنی میں مشکل کشا اور حاجت روا نہیں مانتے کہ وہ ان کی تگوبنی اور دنیوی مشکلات اور مصیبتیں دور کرنے والے ہیں۔ مانتی لوگ تو عموماً اٹھتے بیٹھتے اسی معنی میں یا علی یا علی پکارتے رہتے ہیں اور سلام مسنون کی جگہ بھی یا علی مدد کہتے ہیں، اور بعض تو نعوذ باللہ علی اللہ کے الفاظ بھی پلا کتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے اہل تشیع عموماً فرقہ مفوضہ کے عقائد رکھتے ہیں جن پر حسب تصریح مولوی محمد حسین صاحب موصوف، ائمہ طاہرین نے لعنت کی ہے۔

اب دوسرے پہلو سے سمجھئے کہ مندرجہ بالا حدیث اُصولِ کافی میں جب امام جعفر صادق نے اُن سب لوگوں کو مُشرک قرار دیدیا۔ جو حسبِ زعمِ شیعہ ائمہ اثنا عشر یعنی بارہ اماموں کے سوا دوسروں کو امام مان کر ان کی پیروی کرتے ہیں تو اس معیار پر تو تمام مسلمانان اہل سنت والجماعت مشرک بن جائیں گے جو اگرچہ ان ائمہ اہل بیت کو بھی درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے اور جنتی مانتے ہیں۔ لیکن اس امتِ محمدیہ کا امام اَدل اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کو تسلیم کرتے ہیں، اور نہ صرف پاکستان بلکہ مجموعی حیثیت

لے اگر کسی اہل سنت کے بزرگ نے حضرت علی المرتضیٰ کے لیے مشکلکشا کا لفظ استعمال کیا ہے تو دینی و علمی مشکلات حل کرنے والا، کے معنی میں نہ کہ اس معنی میں کہ نعوذ باللہ حضرت علی ہمارے دنیاوی مشکلات حل کرنے والے، بیماریاں دور کرنے والے اور رزق دادلا دینے والے ہیں۔ ۱۲

سے عالم اسلام میں اہل سنت ہی کی عظیم اکثریت پائی جاتی ہے۔ تو فرمائیے! اب بھی آپ کے اس قول کی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ پاکستان یا ممالک اسلامیہ میں کوئی مشرک نہیں ہے؟

یہ بے اصولی کے نغمے نغمے ہیں اے ذاکر خُدا کے واسطے کر لو تم ایک راہ پسند

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اب پاکستان اور ممالک اسلامیہ میں بدعت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ جس سے معلوم

سُنّت و بدعت

ہوتا ہے کہ آپ سُنّت و بدعت کی حقیقت سے بھی بالکل نا آشنا ہیں۔ ورنہ ایسا مفصّلہ نیز دہوی نہ کرتے۔ سُنّت کا لغوی معنی طریقہ، عادت، روش کے آتے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں نبی کریم رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ اور نمونہ مبارک کو سُنّت کہا جاتا ہے، اور شرعاً بدعت احداث فی الدین کو کہتے ہیں یعنی نیا سمجھ کر اپنی طرف سے کوئی کام ایسا کیا جائے، جس کا شریعت اور سُنّت میں ثبوت نہیں ملتا (ہیلا سُنّت و بدعت کی تفصیلی تحقیق کی گنجائش نہیں ہے)۔

بہر حال سُنّت و بدعت آپس میں متضاد ہیں، چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: وَمَا احْدَثتْ بَدْعَةٌ اِلَّا تَرَكْتُ بِهَا سُنَّةَ فَاَتَقَوُا الْبَدْعَ (نہج البلاغہ) اور کوئی بدعت نہیں ایجاد کی جاتی مگر یہ کہ اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی سُنّت ترک کر دی جاتی ہے، پس تم بدعتوں سے بچو۔ مطلب یہ ہے کہ سُنّت کی جگہ خالی ہو تو وہاں بدعت آجاتی ہے اور اہل تشیع میں تو بدعات ہی بدعات مروج ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدّس سُنّت اُن کے ہاں عموماً متروک ہے۔ اگر اُن کے ہاں سُنّت طیبہ کی اہمیت ہوتی تو اپنے آپ کو اہل سُنّت کہتے، اور اہل سُنّت سے ضد و عناد نہ رکھتے۔ بہر حال یہاں تفصیلات کو چھوڑ کر صرف اس پہلو سے عرض کی جاتی ہے کہ یہ تو تمام شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رمضان مبارک میں اہل سنت جو تراویح کی نماز پڑھتے ہیں، یہ بدعت ہے اور حضرت عمر فاروق نے یہ جاری کی ہے

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب رمضان المبارک آتا ہے تو اہل سنت کی مساجد میں تراویح کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ قرآن نماز تراویح میں قرآن مجید سنتے اور سنتے ہیں۔ اہل سنت کی کوئی ہی ایسی مسجد باقی رہ جاتی ہے، جہاں نماز تراویح کا اہتمام نہ ہو، اور چونکہ قرآن مقدس رمضان المبارک میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس ماہ مبارک میں قرآن مجید سنتے اور سنتے کی نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کو ہی نصیب فرمائی ہے، اور حفاظت قرآن کا ظاہری واسطہ حق تعالیٰ نے اہل سنت کو ہی بنایا ہے۔ نہ صرف بڑے بلکہ نابالغ بچے اور بچیاں بھی قرآن کے حافظ ہیں۔ چنانچہ ہمارے مدرسہ اظہار الاسلام کے شعبہ تعلیم النساء میں بھی الحمد للہ ان چند سالوں میں ۲۰ طالبات قرآن مجید کی حافظ بن چکی ہیں۔ جن میں اکثر نابالغ ہیں، لیکن برعکس اس کے اہل تشیع کے ہاں کتنے حافظ قرآن ہیں؟ تو اس کا جواب ان کے ہاں کچھ نہیں ہے۔

یہ امر باعث عبرت ہے کہ تلاوت و حفظ قرآن اور تعلیم و تعلم علوم دینیہ کی نعمت عظمیٰ اہل سنت کو نصیب ہے، اور اہل تشیع کے حصہ میں ماتم ہی ماتم ہے۔ جس کا شریعت و سنت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ بہر حال ہر سال رمضان المبارک میں اہل سنت کی مساجد میں پاکستان ہو یا دوسرے ممالک اسلامیہ تراویح کا سلسلہ قائم رہتا ہے جو آپ کے ہاں بدعت ہے تو کیا اب بھی آپ کامی دعویٰ رہے گا کہ پاکستان اور دوسرے ممالک میں کوئی اہل بدعت نہیں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بزم شیعہ حضرت علی المرتضیٰ اپنے دور اقتدار میں بھی تراویح کی بدعت کو ختم نہ کر سکے اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس قسم کی بدعات کو ختم کروں جو خلفائے سابقین حضرت ابوبکر وغیرہ نے جاری کی ہیں مثلاً تراویح (اور ممانعت منعمہ وغیرہ) تو میں اکیلا رہ جاؤں یا میرے ساتھ چند خاص شیعہ (خروج کافی جلد سوم، کتاب الروضہ ص ۱۹۱) اور یہ بھی ایک عجیب غریب نظریہ (بلکہ غرابیہ) ہے کہ امام برحق، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنے دور خلافت میں بھی شرک و بدعت کا خاتمہ نہ کر سکیں، اور شرک و بدعت اگر بالکل ختم ہو جائے تو پاکستان میں، جہاں نہ کسی امام

معصوم کی حکومت ہے نہ خلیفہ اسلام کی، اور ۲۰۰ سال کے طویل عرصہ میں تا حال شرعی آئین نافذ ہی نہیں ہوا۔ اکثریت نماز، روزہ وغیرہ فرائض اسلامیہ سے بھی غافل ہے، اور شراب، جو، سود وغیرہ محرمات قائم ہیں۔ گانے بجانے، لہو و لعب، کھیل تماشے، سینما، میلے زورروں پر ہیں۔ دین و مذہب کے نام پر کتنی ہی بدعات رائج ہیں۔ لیکن اہل تشیع کے محقق، مصنف صاحب "فلاح الکوئین" کی تحقیق یہ ہے کہ پاکستان شرک و بدعت سے پاک ہو چکا ہے۔ گویا کہ یہاں بلا لگہ بصورت انسان آباد ہیں، کوئی گناہگار انسان یہاں مقیم ہی نہیں، اور غالباً اسی لیے حضرت امام ہمدی بھی اپنے ظہور کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

جُنُونِ کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جُنُونِ جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے!

بدعت کی تصویر کا یہ ایک سرسرخ
قابلِ لحاظ ہے کہ عموماً ماتمی لوگ جو

اذان میں عَلِيٌّ وَاٰلِیُّہٖ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اپنی اذانوں میں توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ :- اَشْہَدُ اَنْ عَلِیًّا وَاٰلِیُّہٖ وَسَلَّمَ
رَسُوْلَ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتَہٗ بِلَا فَصْلِ کہتے ہیں تو دراصل یہ بھی بدعت ہے۔ چنانچہ "تحفة العوام" کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ :- "شہادت ولایت و خلافت حضرت امیر علیہ السلام جزو امانت اذان نہیں، بلکہ جزو ایمان ہے، اور اذان میں بدون قصد جزئیت۔ اس کلمہ کا کنا شرعاً جائز بلکہ بعض وجوہ سے ضروری ہے" (ص ۱۵۱ بارنہم، مطبوعہ ذول کشور، لکھنؤ) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ اصلی اذان میں نہیں تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی تھی اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہ ائمہ نے بھی اسی کی تعلیم دی تھی۔ تو پھر ان الفاظ مذکورہ کو اذان میں شامل کرنے کا مجاز کون ہو سکتا ہے؟ کیا اذان میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندی ضروری نہیں؟

اے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے شیعہ اذان کی ترمیم میں ایک مستقل رسالہ "الادلة الطاعنة فی اذان الملاعنہ" لکھی ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ :- "روافض کے پیشواؤں نے کہا کہ اذان میں خلیفہ بلا فصل وغیرہ زیادت کی وجہ ایک ملعون قوم ہے :- (حاشیہ ص ۱۶۰)۔"

(۱) شیخ ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب ”مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيه“ میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ :- عن ابي عبد الله عليه السلام انه حكى لهما الاذان فقال الله اكبر (چار مرتبہ) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ (دو مرتبہ) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ (دو مرتبہ) حَجِّي عَلَى الصَّلَاةِ (دو مرتبہ) حَجِّي عَلَى الْفَلَاحِ (دو مرتبہ) اللهُ اَكْبَرُ (دو مرتبہ) لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ (دو مرتبہ) - والاقامة كذلك ولا يأس ان يقال في صلوة الغداة على اثر حجي على خير العمل، الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ لِلتَّقِيهِ، وقال مصنف هذا الكتاب رحمه الله هذا هو الاذان الصحيح لا يزداد فيه ولا ينقص منه، والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا اخباراً وزادوا في الاذان، محمد وال محمد خير البرية مرتين وفي بعض رواياتهم بعد اشهد ان محمداً رسول الله، اشهد ان علياً ولي الله مرتين، ومنهم من روى يدل ذلك اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا امير المومنين حَقًّا مَرَّتَيْنِ ولا شك في ان علياً ولي الله وانه امير المومنين حَقًّا وان محمداً والى خير البرية ولكن ذلك ليس في اصل الاذان وانما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمة بالتفويض المدلسون النفسهم في جملتنا - (من لا يحضره الفقيه، باب الاذان والاقامة ص ۶ مطبوعه طهران ۱۳۷۶ هـ) :- (امام جعفر صادق نے اپنے دو شاگردوں کو یہ اذان بتلائی اللہ اکبر چار مرتبہ، اشهد ان لا اله الا الله دو مرتبہ، اشهد ان محمداً رسول الله دو مرتبہ، حجی علی الصلوة اور حجی علی الفلاح دو دو مرتبہ۔ اللہ اکبر دو مرتبہ لا اله الا الله دو مرتبہ، اور اقامت بھی اسی طرح فرمائی، اور فرمایا کہ اگر صبح کی اذان میں حجی علی خیر العمل کے بعد دو مرتبہ الصلوة خیر من النوم اذ روئے تقیہ کہے تو کوئی صبح نہیں، اور مصنف کتاب ابن بابویہ قمی (یعنی شیخ صدوق) فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اذان ہے۔ اس میں کمی و بیشی نہیں کی جاسکتی، اور مفوضہ نے (اللہ کی اُن پر لعنت ہو) کئی روایات وضع کر لی ہیں، اور اذان میں انہوں نے یہ الفاظ بڑھادیئے ہیں۔ مُحَمَّدٌ وَآلِ مُحَمَّدٍ مَرَّتَيْنِ

اور ان کی بعض روایات میں اشهد ان محمداً رسول الله کے بعد یہ ہے اشهد ان علياً ولي الله دو مرتبہ، اور ان میں سے بعض نے اس کی جگہ یہ الفاظ روایت کئے ہیں اشهد ان علياً ولي الله حَقًّا ۲ مرتبہ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی اللہ کے ولی ہیں اور آپ سچے امیر المومنین ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل خیر البریہ ہیں لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں، اور میں نے یہ اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ جو لوگ عقیدہ تفویض کی وجہ سے مُنْتَهَم (بدنام) ہیں اور جو دھوکہ سے ہم میں شامل ہوتے ہیں اُن کی پہچان ہو جائے۔

مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا ولي الله وغيرہ کے الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں، اور اہل سنت فجر کی اذان میں جو الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ پڑھتے ہیں، شیعہ بھی اذ روئے تقیہ یہ پڑھ سکتے ہیں، اور ابن بابویہ قمی نے تصریح کر دی ہے کہ اس قسم کے الفاظ شیعوں کے غالی فرقہ مفوضہ نے وضع کئے ہیں (اللہ اُن پر لعنت کرے) اور وہ کروفریب سے ہم میں شامل ہو جاتے ہیں“ فرمائیے! اب تو عموماً تمام اہل تشیع اذان میں اشهد ان علياً ولي الله کہتے ہیں۔ بلکہ وصی رسول الله و خليفته بلا فصل کے الفاظ بھی اس کے ساتھ بڑھادیئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ وہ شیعہ نہیں جو امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ کے پیروکار تھے۔ بلکہ یہ اس فرقہ مفوضہ میں سے ہیں جن کے لیے ائمہ اہل بیت نے بدعائیں کی ہیں۔ کیا اب بھی کوئی بدعتی پاکستان میں نہیں۔ عبرت، عبرت، عبرت!

۱۔ یہ بھی اتنی تعجب خیز امر ہے کہ شیعہ علامہ مولوی محمد حسین صاحب نے انہی ابن بابویہ قمی یعنی صدوق کے رسالہ اعتقاد یہ کی شرح ”حسن الخوائد“ لکھی ہے اور اس میں فرقہ مفوضہ کی صریح تردید بھی کی ہے۔ لیکن اذان شیعہ کے جن الفاظ کو شیخ صدوق بے اصل اور بدعت قرار دے رہے ہیں اور ان کو فرقہ مفوضہ کی ایجاد تسلیم کرتے ہوئے ان پر لعنت بھی فرما رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے مفوضہ کی اس باتی اگے صفحہ پر ملاحظہ ہو

بیت پرستی کی حقیقت

مندرجہ معروضات میں ہم نے بالاخص الزاماً و تحقیقاً،
عام شرک و بدعت مرویہ پر تبصرہ کر دیا ہے۔ جو اہل فہم و

الضاف کے لیے کافی ہے۔ اب بت پرستی کی حقیقت بھی سن لیجئے۔ سورۃ نوح میں جن پانچ
بتوں کا ذکر ہے کہ قوم نوح ان کی پوجا کرتی تھی، بخاری شریف میں ہے کہ اسماء رجال صالحین
من قوم نوح یعنی یہ ان صالحین کے نام ہیں جو قوم نوح میں سے تھے۔ اور شیعہ مفسرین نے بھی اس
کو تسلیم کیا ہے چنانچہ (۱) آیت :- وَذُكُوًا لَا تَدْعُونَ وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ
وَنَسْرًا (سورۃ نوح) کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ لکھا ہے :- ”اور انہوں نے یہ
کہا کہ تم اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا اور تم نہ وڈ کو چھوڑنا نہ سواع، نہ یغوث و یعوق و نسر کو۔ اس
تفسیر میں لکھتے ہیں :- ”تفسیر صافی میں ہے کہ یہ نام ان لوگوں کے ہیں جو آدم اور نوح کے بیچ کے زمانے
میں گزرے۔ جب یہ لوگ مر گئے تو برکت کے لیے ان کی مورتیاں بنائی گئیں اور جب عرصہ زیادہ
گذر گیا تو ان کی پوجا بھی ہونے لگی اور وہ مورتیاں عرب میں لائی گئیں۔ تفسیر قمی میں ہے کہ یہ لوگ
نوح سے پہلے تھے اور موسیٰ سے تھے۔ جب مر گئے تو لوگوں کو ان کے بارے میں رنج ہوا۔

ابلیس ان کے پاس آیا اور ان کی مورتیاں ان کے لیے بنا دیں تاکہ ان سے دل بٹلے اور
اور انس ہو جائے۔ چنانچہ جب انس پیدا ہو گیا اور جاڑے کا موسم آیا تو ان مورتیوں کو گھروں
میں رکھ لیا۔ جب وہ صدی گزر گئی اور دوسری صدی آگئی تو ابلیس ان لوگوں کے پاس پہنچا
اور ان سے یہ کہا کہ یہ تمہارے معبود ہیں۔ تمہارے باپ دادا بھی ان کی پوجا کرتے تھے۔ پس وہ
بھی پوجنے لگے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ آخر نوح نے ان کے لیے بددعا کی اور اللہ تعالیٰ
نے ان کو ہلاک کر دیا۔ تفسیر قمی میں یہ بھی لکھا ہے کہ وڈ قبیلہ بنی کلب کا بت تھا اور یغوث بنی مراد

بقیہ ضمت المتن ص ۱۵۶۔ اذان کے خلاف پاکستان میں کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ بلکہ اسی اذان کے سایہ
میں وہ تقاریر بھی کر رہے ہیں۔ غالباً یہ بھی ان کا تقیہ ہے۔ لیکن کیا تقیہ اور حق پرستی جمع ہو سکتے ہیں؟

۴ اور یعوق بنی ہمدان کا اور نسر بنی حصین کا۔ (ترجمہ مقبول)۔

اور شیخ طبرسی شیعہ مجتہد نے بھی لکھا ہے کہ :- ”وہذا اسماء اصنام كانوا يعبدونها مشركين
عبدتها العرب فيما بعد عن ابن عباس وقتاده وقيل ان هذه اسماء قوم صالحين كانوا
بين ادم ونوح (۴) فنشأ قوم بعدهم يأخذون اخذهم في العبادة الخ (تفسیر مجمع البيان)
:- ”اور یہ ان بتوں کے نام ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد ان کی اہل عرب نے عبادت
کی۔ یہ ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جو حضرت
آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ
پیدا ہوئے جنہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔“

اور شیخ طبرسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ :- ”وكان هُبل في جوف الكعبة ثمانية عشر ذراعاً
عن عطاء وقتاده والتاملي :- ”یعنی عطاء، قتادہ اور تاملی سے مروی ہے کہ ہبل بت عین خانہ کعبہ
میں نصب تھا، جس کا طول ۱۸ ہاتھ تھا۔“

اور یہ ہبل حضرت ہابیل شہید کے نام پر بنایا ہوا تھا، جو سب سے پہلے اپنے بھائی قابیل کے
ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ (۳) اور علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :- ”فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید
اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ میں سیکڑوں بت تھے جن میں ہبل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا
یہ انسان کی صورت کا تھا، اور یا قوتِ احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا
تھا خزیمہ بن مدعہ کہ تھا۔ جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پر پوتا تھا۔۔۔۔۔ جنگِ احد میں ابوسفیان نے
اسی ہبل کی بجائے پکارا ہی تھی۔ وہ عین کعبہ کے اندر تھا چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا۔ مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بت تھے
بڑے بت تھے جن کے لیے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑے لات، منات اور عزی
تھے۔ عزی قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا۔۔۔۔۔ منات کا تخت گاہ مثل تھا۔ جو قدید کے
پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے۔ وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا، ازد، غسان، ادس، اور خزرج

اس کا حج کرتے تھے“ (سیرت النبی حصہ اول ص ۵۲۸)۔

(ب) اسی سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ”حرم میں نذر اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا، وہ محفوظ رکھا گیا۔ لیکن مجسمہ جات اور تصویریں برباد کر دی گئیں۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی۔ جن سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔ ان کی تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی ان کے دُھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر باقی رہے“ (فتح البامی، ذکر فتح مکہ، (سیرت النبی حصہ اول ص ۵۲)۔

(۴) اور علامہ طبرسی بھی لکھتے ہیں کہ: ”وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ، دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ دُجُولَ الْبَيْتِ تَلْتُمَا نَا وَسِتُونَ صَنَاءً، فَجَعَلَ يُطْعِمُنَا بَعُودًا فِي يَدَاكَ وَيَقُولُ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّئُ الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ، جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا“۔ وعن ابن عباس قال، لما قدم النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلى مكة أتى ان يدخل البيت وفيه الألهة فأمر بها، فأخرجت صنوة إبراهيم واسماعيل رح، وفي أيديهما الأبنام فقال صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتِلَهُمُ اللَّهُ أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَفْسَمَا بِمَا قَطُّ“ (تفسير مجمع البيان - سورة اذ جاء نصر الله والفتح)۔ اور ابن مسعود سے روایت ہے

کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، تو بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ پس آپ اپنی چھڑی مبارک سے ان کو ٹھوکر مارنے جاتے تھے اور یہ پڑھتے تھے:۔ جَاءَ الْحَقُّ..... یعنی حق آگیا ہے اب باطل واپس نہیں لوٹ سکتا، اور حق آنے پر باطل بھاگ گیا ہے اور باطل بھاگنے والا ہی ہے، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو چونکہ وہاں ان کے معبود (بت) تھے۔ اس لیے بیت اللہ تشریف میں داخل ہونے سے انکار فرمایا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کی وہ تصویریں خانہ کعبہ سے نکال دی گئیں، جن میں ان دونوں پیغمبروں کے ہاتھوں میں فال کے

تیر دکھلائے گئے تھے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان بت پرستوں کو ہلاک کرے۔ بخدا ان لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام نے کبھی بھی تیروں سے قسمت معلوم نہیں کی تھی“۔

مقامِ عبرت

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمعیل ذبیح اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کی تصاویر نکلوادیں۔ تو کیا اب وہ تصاویر جائز ہوں گی؟ جو عموماً اہل تشیع کے ہاں دیکھی جاتی ہیں یعنی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ، حضرات حسنین اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء کی، جن کو ماتمی لوگ پنچتن پاک کی تصویریں کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی شعور نہیں ہے کہ یہ تصاویر محض بناؤنی اور فرضی ہیں، جو ان کی طرف منسوب ہیں حالانکہ اصلی تصاویر بھی شریعتِ مقدسہ میں جائز نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ فرضی تصاویر رکھی جائیں اور ان کا احترام و اکرام کیا جائے۔ کیا قریش مکہ کی تصویر پرستی اور ماتمیوں کی اس تصویر پرستی میں کوئی فرق ہے؟ سوائے ناموں کے اختلاف کے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کے توڑنے اور تصاویر کو نکالنے کے لیے خصوصی خدمت جن کے سپرد کی تھی، وہ حضرت علی المرتضیٰ ہی تھے جن کی محبت کے نام پر ہی یہ سلسلہ آج جاری ہے۔

تغزیر پرستی

اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش مکہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ بت اولیا کی طرف ہی منسوب ہوتے تھے، اور جیسا کہ ترجمہ مقبول کے حاشیہ میں تفسیر قمی سے نقل کیا گیا ہے کہ بزرگانِ دین کی وفات کے بعد ان کی جدائی کے رنج کی وجہ سے ہی دل بہلانے کے لیے زمانہ قدیم کے لوگوں نے پہلے ان کی تصاویر

لے جس طرح ادلباء کی موت کے رنج و الم نے ان قوموں کو بت پرستی میں مبتلا کیا تھا۔ اسی طرح ماتمیوں کی بنیاد شہادتِ حسین کا رنج و الم ہی ہے۔ جو تغزیر اور ذوالجناح پرستی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

ہی بنائیں، اور پھر شیطان کے بہکانے سے آخر کار ان کے مجسمے بنا کر پوجنے لگے اور یہی بت پرستی حضرت
ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد (قریش مکہ) کے ہاں رواج پذیر ہو گئی۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد رحمتہ للعالمین
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین سوساٹھ بتوں کو توڑ پھوڑ کر خانہ کعبہ کو شرک پرستی
سے پاک کر دیا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی نبی اللہ یا ولی اللہ کے نام پر کسی تصویر یا مجسمہ کی عبادت و پوجا کی جائے
تو وہ شرک و کفر ہی ہوتا ہے۔ انبیاء و اولیاء کی نسبت کی وجہ سے ان کی تعظیم جائز نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا
پر تعزیہ اور دُلْدُل (ذوالجناح) کے احترام و اکرام کا مسئلہ سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب فرضی چیزیں ہیں
اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت کرنے کے باوجود ان کی تعظیم حرام ہے۔ محبت
حسین کے دعویٰ کی وجہ سے شرعاً ان کو جواز کی سند نہیں دی جا سکتی۔ قریش مکہ نے کیا حضرت ابراہیم
خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل فریح اللہ کی تصاویر اور حضرت یاسین شہید اور اولیاء اللہ کے نام کے دوسرے
مجسمے محبت کی بنا پر ہی نہیں بنائے ہوئے تھے؟ یقیناً ان کا منشاء بھی محبت ہی تھا لیکن یہ طریق محبت ناجائز
تھا۔ جو شرعی اصول پر شرک قرار دیا گیا۔

فرمائیے! حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کی جو شبیہ تعزیہ کے نام سے بنائی جاتی ہے، کیا یہ اصلی
قبر ہے یا مصنوعی؟ اور یہ تصویر بھی نہیں بلکہ مجسمہ ہے۔ ذوالجناح بھی فرضی ہے۔
اور یہ جو ذوالجناح کا احترام کیا جاتا ہے، کیا یہ حضرت حسینؑ کا اصلی گھوڑا ہے یا نقلی؟ ماتمیوں کے
ہاں پہلے اس گھوڑے کو دُلْدُل کہا جاتا تھا، اور اب اس کا نام ذوالجناح مشہور ہو گیا ہے، اور یہ
دونوں نام بھی فرضی ہیں۔ کیونکہ دُلْدُل کسی گھوڑے کا نام نہیں ہے بلکہ اُس خچر کا نام ہے جو حاکم
اسکندریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ چنانچہ "مَجْمَعُ الْبَحَاثَاتِ" میں
ہے: "دُلْدُل اسْمُ لَبَنَاتٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یعنی دُلْدُل حضور کے خچر کا نام ہے اور
"مُنْتَقَبُ اللَّغَاتِ" میں ہے: "دُلْدُل بضم ہر دو دال خاریشت بزرگ و نوعیت از جانوران
و نام استر سفید سیاہی بالی کہ حاکم اسکندریہ بحضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرستاد و امیر المؤمنین
علی بن ابی طالب براں سواری شد (اور دُلْدُل دونوں دال کے پیش کے ساتھ، بڑے خچر کہتے ہیں اور

یہ جانوروں کی ایک قسم ہے اور سفید رنگ، سیاہی مائل اس خچر کا نام ہے جو حاکم اسکندریہ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، اور امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ اس پر سوار ہوا کرتے
تھے) اور ذوالجناح کے متعلق خود شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ: "اُس گھوڑے کا نام کیا تھا
عام طور پر مشہور ذوالجناح ہے۔ مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب سیر و مقاتل کی ورق گردانی کے بعد بھی،
اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ اس کے رد میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملے ہیں (سعادت الدارین
فی مقتل الحسين)۔"

تو تعزیہ اور اُس کے متعلقات سب فرضی ہیں جو امام کر بلا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربت
کی بنیاد پر راجح ہیں اور سابقہ اُمم کے مشرکین و بت پرستوں پر بھی قرآن مجید نے اس طور پر اتمام حجت کیا ہے
کہ: "إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَإِبَاءُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (سورۃ
النجم ۱۶) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ کیا ہے: "یہ تو نام ہی نام ہیں جو ان کے تم
نے رکھ لیے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو اس کے بارے میں کوئی سند اتاری نہیں ہے" (ترجمہ مقبول)
(۲) قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم کے جواب میں قوم نے کہا: "قَالُوا الْعِبَادُ اصْنَامًا فَذَلَّلْ لَهَا
عُلْفِينَ ۚ قَالَ كَلَّ يَسْمَعُونَكَ إِذْ تَدْعُونَ ۚ أَوْ يَنْفَعُونَكَ ۚ أَوْ يُضْرُونَ قَالُوا بَلِ وَجَدْنَا آبَاءَنَا
كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۚ (پ ۱۹۔ سورۃ الشعرا ۵۶) مولوی فرمان علی صاحب شیعی مفسر اس آیت کا ترجمہ لکھتے
ہیں کہ: "تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو۔ وہ بولے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے مجاور بن جاتے
ہیں۔ ابراہیم نے کہا مہلکا جب تم لوگ انہیں پکارتے ہو تو وہ تمہاری کچھ سنتے ہیں یا کچھ تمہیں نفع یا نقصان،
پہنچا سکتے ہیں کہنے لگے! (کہ یہ تو کچھ نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے" اس کی
تفسیر میں لکھتے ہیں: "ہمارے زمانہ اور ملک کے ہندو بھی ان ہی وجوہ سے مشرک اور کافر ہیں۔ اگرچہ ان
کا زبانی دعویٰ یہ ہے کہ ہم ان بتوں کی پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ جن کی یہ مورتیاں ہیں حالانکہ یہ محض غلطیہ
کیونکہ وہ ان کو بنا کر سمجھتے ہیں، ان کو سلاتے ہیں، جگاتے ہیں، ان کے سلنے کھانا رکھتے ہیں، انہیں طرح
طرح کے کپڑے پہناتے ہیں، ان کے سلنے ہاتھ جوڑتے اور سجدہ کرتے ہیں"

شیعہ مفسر مولوی فرمان علی صاحب نے ہندوؤں کے شرک کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اور اس کی جو بنیائیں بنائی ہیں مصنف "فلاح الکوتین" اپنے ہاں کے تعزیہ اور ذوالجناح کے نقشہ سے اس کو بلا کر لکھیں اور قریش مکہ کی بت پرستی کی تصویر بھی سامنے رکھیں وہاں بھی تو ادبیاء اللہ اور شہدائے کرام کے ناموں پر بت تھے لیکن تھے تو سب فرضی جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے مقرر کر لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اس پر کوئی دلیل نہیں آداری گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرضی چیزوں اور فرضی ناموں کی تعظیم و تکریم ہی بت پرستی کی روح ہے۔ پھر خواہ ان کی براہ راست عبادت کی جائے یا ان کی تعظیم کو اللہ کی رضا و قرب کا ذریعہ سمجھا جائے، دونوں شرک کے مظاہر ہی ہوں گے۔ چنانچہ شیعہ علامہ محمد صالح اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ بت پرستوں کو اسی بنا پر شرک قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے انصاف کی عبادت کرتے تھے، اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے، وہ ہرگز ان کو حقیقی خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تو ان بتوں کی عبادت کو باعث تقرب خدا قرار دیتے تھے۔ چنانچہ خلاق عالم نے ان کے اس نظریہ قاسدہ کی اس طرح ترجمانی فرمائی ہے:۔ **وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ، إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ** (دپ ۲۳۔ سورۃ الزمر، ۱۵ ع)۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا اوروں کو اپنا کارساز بنا لیا ہے (وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں۔ ضرور خدا تعالیٰ ان تمام باتوں کا جن میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے، فیصلہ فرما دے گا۔) (احسن الفوائد ص ۱۶) کاش! شیعہ علماء و مجتہدین اپنے ماتمیوں کو تعزیہ اور ذوالجناح کی تعظیم و پوجا سے سختی کے ساتھ روکتے اور ان کو شرک کی اس دلدل سے نکلانے کی کوشش کرتے۔ **رَأَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ**

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ
دہلوی روافض کے اوام کے سلسلہ
تعمیر پرستی پر محذرت دہلوی کا تبصرہ
میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔ کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اس کا حکم دینا، اس و ہم نے بت پرستوں کی راہ بہت ماری ہے اور گراہی میں ڈالا ہے، اور بچے کم عمر بھی اس و ہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں۔

گھوڑوں اور ہتھیار اور چیزوں کو جو لکڑی، مٹی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں، کیسے ان سے خوش ہوتے ہیں، گویا سچ کی پانگے، اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گڑیوں کی شادی و نکاح کرتی ہیں اور کیسے خوش ہوتی ہیں اور شیبوں میں یہ وہم بہت غلبہ کیے ہوئے ہے۔ حضرات اہلین (یعنی امام حسن و امام حسینؑ) اور حضرت امیر اور حضرت زہرا کی قبروں کی صورت بناتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں مجمع النوا ان بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ بلکہ سجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام دہرود پہنچاتے ہیں اور اچھے اچھے چنور اور مورچیل منقش لے کر آس پاس ان کے کھڑے ہوتے ہیں مجاہدوں کی طرح اور حق شرک کا ادا کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک سچوں کی حرکت اور ان پر بنا بانہوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے" (تحفہ اثناء عشریہ باب یازدہم)

۴۶۔ تولد و زنی تعزیہ
شریعت مفقودہ میں اس بات کا کوئی وجود نہیں ہے کہ اصلی قبر کی صورت و شبیہ بنا کر اس کی تعظیم کی جائے، یا اس کے ساتھ اصلی قبر کا معاملہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شہدائے بدر و احد کی قبور کی شبیہ بن کر ان کی تعظیم نہیں کی گئی، اور نہ ہی ان کے ماتمی جلوس نکالے گئے۔ اگر اس کا کوئی جواز ہوتا، تو شہر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے ششماہی دور اقدار میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزار حیدر گراد کی شبیہ کے ضرور جلوس نکالتے، اور حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کی قبور کی شبیہیں بنا کر امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور دوسرے ائمہ اہل بیت نے بھی کبھی کوئی تعزیہ نہیں نکالا۔ بلکہ ابن بابویہ قمی نے "مَنْ لَا يَحْفَظُ الْفَقِيهَةَ" میں یہ حدیث درج کی ہے:۔ **قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا أَوْ مَثَلَ مَثَلًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ**۔ امیر المؤمنین حضرت علی نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی قبر کو تباہ کیا یا اس نے کوئی مثال بنائی۔ تو وہ یقیناً اسلام سے خارج ہو گیا، جب حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے تو ائمہ اہل بیت کے ہاں تعزیہ کیسے بنایا جاتا۔ بلکہ ۸۰۰ھ تک ہندوستان میں بھی اس تعزیہ کا نام و نشان نہ تھا، اور سب سے پہلا تعزیہ جو ہمایوں بادشاہ کے دور میں ۹۶۲ھ میں بیرم خان کو بھیج کر

ہندوستان میں منگوا گیا، اس کا وزن ۶۶ ٹونے تھا۔ (بَعَا لِمَ التَّجْم لَكَهْنُو) اور پھر ماتمی جذبات کے تحت اس کے وزن میں اضافہ ہونا گیا، حتیٰ کہ تعزیر اپنی شکل و صورت اور وزن و مقدار میں اس حد تک پہنچ گیا جس کا مظاہرہ آجکل پاکستان میں ماتمی جلسوں کے اندر کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ علماء و مجتہدین اپنی احادیث صحیحہ کی روشنی میں ہی اس پر فکر کرتے رہتے تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی کہ انسان جو خان کائنات کی بندگی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ محض بے جان مورتیوں یا لایققل جانوروں کی تعظیم و تکریم کرے اور بجائے خادم کے ان کو مخدوم بنا کر اپنے شرفِ انسانیت کو داغدار کرے۔

گس کو باغ میں جانے نہ دیجو! کہ ناحق خون پر دانے کا ہوگا!

ایک اور کم فہمی

رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں یہ سوال بھی تھا کہ :-
امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوئی ہیں اور یزید کی حمایت میں شہید کرنے والے بھی کوئی ہیں۔ جو ماتم امام حسین نے ساری عمر نہیں کیا، اس کا ارتکاب حسنینیت کی حمایت ہے یا مخالفت؟ اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فلاح المکونین“ نمبر کے تحت لکھتے ہیں :- ”واہ! کیا عقل کی بات ہے، کبھی کسی نے اپنی زندگی میں بھی ماتم کیا ہے جو حضرت امام حسین ایسا کرتے!“ (فلاح المکونین)

الجواب

عقل کی بات تو کوئی عقل والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ میرے سوال کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر شہدار اور صالحین کا ماتم سنت و عبادت ہے، جیسا کہ آپ نے حضرت حمزہ وغیرہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے (گو آپ کا یہ استدلال باطل ہے) تو پھر اس سنت و عبادت ماتم پر حضرت حسین نے اپنی زندگی میں کیوں نہیں عمل کیا۔ حالانکہ شہدائے بدر و اُحد کے بعد شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ بھی ان سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت حسین نے نہ شہدائے سابقین کا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ کا سال بسال ماتم منایا ہے۔ آپ تو اُردو عبارت کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نماز، روزہ، تلاوت قرآن، نوافل وغیرہ اعمالِ صالحہ کی پیروی تو حضرت حسین ساری زندگی میں کریں۔ لیکن یہ سنت ماتم آپ نے کبھی بھی ادا نہیں کی۔ جس پر آپ

اُمتِ محمدیہ سے عمل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کا یہ محبوب و مطلوب! ماتم رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن مبارکہ میں کہیں موجود نہیں۔ یہ محض ماتمیوں کی اختراع ہے۔ !!!

یزید کی بیوی امام حسین کا ماتم کیا

(۲) میں نے ”اخبار ماتم“ کا حوالہ پیش کیا تھا کہ :- ”سب سے پہلے شہادتِ حسین کا ماتم یزید کے گھر میں یزید کی بیوی ہندہ نے بپا کیا تھا“ تو جواب الجواب میں آپ نے لکھا ہے کہ :- ”اخبار ماتم شیعوں کی کوئی مستند کتاب نہیں، لہذا اس کی روایت ہمارے لیے باعثِ حجت نہیں ہو سکتی اس کے برعکس سرکارِ ناصر الملّت علامہ سید ناصر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ ”ہدایاتِ ناصری“ میں فرماتے ہیں کہ ”بحاسن الانوام“ (کلام علی علیہ الرحمۃ) میں منقول ہے! ہند زوجہ یزید عبد اللہ بن عامر بن کرزہ کی بیوی تھی اور یزید سے پہلے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجیت میں تھی۔ اُس کا دربار یزید میں آنا تو روایات میں موجود ہے لیکن زندانِ شام میں آنا کسی معتبر روایت میں مذکور نہیں (ب) آسیہ زین فرعون مومنہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام، آسیہ اور فرعون کی گود میں پل کر جوان ہوئے۔ فرعون ہی کے گھر میں عبادتِ خدا کرتے رہے۔ اب نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ موسویت کیا ہے اور فرعونیت کیا ہے۔ (فلاح المکونین)

الجواب

(۱) یہ روایت صرف ”اخبار ماتم“ میں ہی نہیں آپ کی دوسری معتبر کتب میں بھی ہے۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی نے یہ روایت راجح کی ہے کہ :- ”جب مُخَدَّرَاتِ اہل بیت عصمت و طہارت اس کے محل میں داخل ہوئے عورات ابرسفیان نے اپنے زیور اتار دیے اور لباسِ ماتم پہن کے آوازِ نوحہ و زاری بلند کی، اور تین روز ماتم رہا۔ ہند دختر عبد اللہ بن عامر کہ اس زمانے میں یزید کی زوجہ تھی اور پیشتر امام حسین کی بیوی تھی، اس نے پردہ کا خیال نہ کیا اور گھر سے نکل کے مجلسِ یزید ملعون میں، جس وقت کہ جمع عام تھا آ کے کہا! اے یزید! تو نے سر مبارک امام حسین پر فاطمہ زہراء کا میرے دروازہ پر لٹکایا ہے۔“

یزید نے دوڑ کے کپڑا اُس کے سر پر ڈال دیا اور کہا، گھر میں چلی جا اور گھر میں جا کر فرزندِ رسولِ خدا بزرگ قریش پر نوحہ زاری کر۔ ابن زیاد نے اُن کے بارہ میں جلدی کی۔ میں اُن کے قتل پر راضی نہ تھا موافقت فرماتے ہیں! یہ بات اُس ملعون نے اپنی زوجہ ہند کو سمجھانے کے لیے کہی تھی ورنہ قاتلِ امام حسین کا رہی ملعون تھا۔ (جلاء العیون اردو جلد دوم، مطبوعہ انصاف پبلشرز لاہور)۔

مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ نے بھی تقریباً ۹ کتابوں کے حوالہ سے اس روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مصنف کتاب ”مجاہد اعظم“ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:۔ یہ واقعہ قریباً قریباً مقتل کی تمام کُتُب معتبرہ وغیر معتبرہ میں موجود ہے۔ لہذا ”مجاہد اعظم“ کے فاضل مصنف کے صرف اس عقیدے سے استدلال کی بنا پر اسے غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔۔۔ کسی کے قیاس میں آئے یا نہ آئے جب ایک واقعہ کُتُب معتبرہ میں موجود ہے اُسے اپنی قیاس آرائیوں کی بنا پر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔! (سَعَادَتُ الدَّارِیْنِ فِي مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ)

فرمائیے! آپ کی کُتُب معتبرہ کی بنا پر یزید کی بیوی ہند کا ماتم حسین بجا کر ثابت ہوا یا نہ؟ (۲) بشرط تسلیم آپ نے ہند زوجہ یزید کے ماتم کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ دراصل مومنہ تھی چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔ ”آسیہ زین فرعون مومنہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام! آسیہ اور فرعون کی گود میں پل کر جوان ہوئے الخ“ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں لیکن سابقہ شرائع میں مومن عورت اور کافر مرد کا نکاح جائز تھا۔ لیکن شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب کسی مومن عورت کا کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمارا سوال یہ ہے کہ (۱) ہند نے حضرت حسینؑ کی زوجیت سے نکل کر یزید کی بیوی بننا کیوں قبول کیا؟ کیا اُس وقت یزید مومن تھا، اگر مومن نہیں تھا تو یہ نکاح ہی صحیح نہیں، چہرے کی کما حیات آپ یائیں گے؟ اور اگر پہلے مومن تھا اور حضرت حسینؑ کے قتل کے بعد وہ کافر ہوا تو پھر بھی ہند مومنہ نہ رہی بیوی نہیں رہ سکتی، اور دونوں کے تعلقات زوجیت حرام ہوں گے۔ تو کیا ایسی مومنہ پر آپ کو نافر ہے؟ ہاں ایک صورت آپ کے لیے نکل سکتی ہے یعنی آسیہ کو مومنہ تھی لیکن اذرا دے تفتیہ اپنا ایمان ہند

صحتی رکھا اور یزید کی بیوی بن کر تفتیہ کا ثواب لُٹتی رہی، اور ماتم کرنے کا ثواب جدا حاصل کیا۔ بہر حال یہ بات تو یقیناً ثابت ہو گئی کہ یزید کی بیوی نے یزید کے حکم سے ماتم بجا کیا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب موصوف ہند کو مومنہ نہیں تسلیم کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ ”اگر ہند فی الواقع اس قدر مومنہ ہوتی تو خاندانِ نبوت کے ساتھ تعلقات قطع کر کے یزید یعنی جیسے زانی و خمار اور عدوِ اہل بیت اطہار کے ساتھ عقد نہ کرتی“ (سَعَادَتُ الدَّارِیْنِ)

یزید بھی ماتمی ہے

نہ صرف ہند نے بلکہ خود یزید نے بھی ماتم کیا تھا، چنانچہ جناب سکینہ کے مذکورہ خواب کے سلسلہ میں (کہ جس پر پہلے مفسر بحث ہو چکی ہے) یہ لکھا ہے کہ:۔ ”جب یزید نے یہ خواب سنا اپنے منہ پر ٹھانچے مار کر رونے لگا اور کہا مجھے قتل حسین سے کیا مطلب تھا۔ بروایت دیگر اس خواب کو سچ نہ جانا اور اٹھ کر چلا گیا“ (جلاء

العیون جلد دوم) آپ کی مستبر کتابوں سے ہی ثابت ہو گیا کہ یزید کی بیوی اور خود یزید نے بھی امام حسین کا ماتم کیا تھا۔ لہذا جس ماتم کے اثبات میں آپ زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں، یہ یزید اور اس کی بیوی کی سنت ہے۔ مبارک ہو! ع۔ قاتل بھی ہیں مستول کا ماتم کیا کرتے

مسئلہ زیارتِ قبور

(بحث دلیل نمبر ۱۵)۔ ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ:۔ فریقین کی معتبر روایتوں میں اُمّ المؤمنین

عائشہ صدیقہ، جابر بن عبد اللہ اور انس وغیرہ سے منقول ہے کہ جناب رسالتاب نے فرمایا جو شخص کر بلا میں امام حسین کی زیارت کرے در انحالیکہ اُن کے حق کو پہچانتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے“ اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ (۱) فریقین یعنی سُنی و شیعہ کی کتابوں کا حوالہ نہیں لکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ روایت کیسی ہے؟ (۲) امام حسینؑ کے مزار کی زیارت کرنے سے ماتم کا عبادت ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ (۳) جو شخص امام حسین کے صبر اور نماز کی پیروی نہیں کرتا اور سنت کا تارک ہے اور بدعات کا مرتکب، وہ امام حسین کا حق پہچاننے والوں میں شامل ہی نہیں ہو سکتا۔

دھم ماتم کیوں نہیں کرتے)۔ اس کے جواب الجواب میں آپ نے لکھا ہے کہ: ”آپ نے اس روایت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے کتب فریقین سے حوالہ طلب کیا ہے۔ ارسنی سے آپ کی مراد دیوبندی ہیں تو پھر ایسا کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا شاہ اسمعیل شہید جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں، اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں لکھتے ہیں: ”جو کوئی کسی پیرو پیغمبر یا جھوٹ، پری کو یا کسی سچی قبر کو یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے سمان کو، یا کسی کے چکے کو یا کسی کے مکان کو، یا کسی تبرک یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے، یا رکوع کرے یا اُس کے نام کا روز رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوئے یا جانور چڑھائے، یا ایسے مکان میں دُور دُور قصد کر کے یا وہاں روشنی کرے، خلاف ڈالے یا چادر چڑھاوے، یا رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلے، ان کی قبروں کو بوسہ دے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دے، ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاہدین کو بیٹھ رہے، وہاں کے گرو پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے“ (تقویۃ الایمان) :

شاہ صاحب کے اس فتویٰ میں قبر رسول کو بھی مُسْتَشْنٰی نہیں کیا گیا۔ جہاں قبر نبی اکرم کی زیارت کرنا، دعا مانگنا، بوسہ دینا شرک ہو وہاں حضرت امام حسین کے زیارات کے اس قدر ثواب کہ قبر حسین کی زیارت کرنے سے جنت ملتی ہے“ کے متعلق تلاش کرنے سے سو ہے۔ مدینہ منورہ اجنت البقیع میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاروں پر سے قبے گرائے گئے، قبر میں مساکر کر دی گئیں حضرت عثمان کا قبہ گر کر قبر صاف کر دی گئی۔ کیا اب بھی آپ کو شک ہے کہ آپ کے یہاں سے قبور کی زیارت کے ثواب کے متعلق آپ کے پیش کرنے کے لیے کچھ مل جائے گا، اور اگر سنی سے مراد بریلوی ہیں تو ان کا عمل شاہد ہے کہ وہ انبیاء و اصفیاء اور اولیاء کی قبروں کی زیارت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کے خیال میں تو کسی سچی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں، ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔ لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں ہے:۔۔ ان رجلا من الاصحاب جاء الی النبی صلعم فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عنقبہ باب العقبۃ والحوں العین فامر النبی صلی اللہ

علیہ وسلم ان یقبل رجل الام وجبۃ الاب وروی اتمہ قال یا رسول اللہ ان لم یکن ابوان فقال یقبل قبرہما فقال ان لم یعلمت بہما قال خط خطین فاحدہما فبر الام والاخرت بر الاب فقبلہما ولا تحنث فی یمینک :- ”ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی، میں نے قسم کھائی ہے کہ جنت کے دروازے کی چوکھٹ اور حور عین کو بوسہ دوں گا۔ رسول اللہ نے حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کو چومو۔ مروی ہے کہ صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! صلعم اگر ماں باپ نہ ہوں، تو ارشاد فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ صحابی نے عرض کی! اگر قبر میں بھی نہ ہوں تو فرمایا، دو نشان بناؤ ایک کو ماں کی قبر اور دوسرے کو باپ کی قبر فرض کرو، دونوں کو چومو اور قسم میں جھوٹے نہ بنو۔

یہ روایت کفر العباد فی شرح الاورد، خزائن الروایات، مطالب المؤمنین اور فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس مسلک میں نقلی قبروں کو بوسہ دینا جائز، اور باعث ثواب ہے۔ اُن کے نزدیک نواسہ رسول حضرت امام حسین کی زیارت کرنا، بوسہ دینا بابرہ اولی ثواب کا باعث ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں اہل سنت کو بلائے معنی اور نجف اشرف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں“ (صلاح المومنین)

مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید پر اعتراض کا جواب

(۱) آپ نے جو جوابات پیش کئے ہیں ان کا تعلق زیارت قبور سے ہے، نہ کہ ماتم سے۔ جب ماتم مردِ جبر کی بحث میں عاجز اور لا جواب ہو گئے تو زیارت قبور کا مسئلہ چھیڑ دیا، اور اس ضمن میں دیوبندی اور بریلوی اختلاف کی بحث چھیڑ دی۔ لیکن اس میں بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جس طرح آپ کے ماتم کی حرمت پر تمام اہل سنت متفق ہیں۔ دیوبندی علماء ہوں یا بریلوی اسی طرح دونوں مکتب فکر کے محققین علماء کے نزدیک قبروں کو سجدہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آئندہ عبارات سے ثابت کیا جائے گا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید بھی زیارت قبور کے قائل ہیں۔ البتہ قبور و مزارات پر اُمور شرک و بدعت سے منع فرمانے ہیں اور ”تقویۃ الایمان“ کی جو عبارات

آپ نے پیش کی ہے اس میں بھی نفس زیارت قبور کا انکار نہیں۔ بلکہ قبور اولیاء پر شرک و بدعت کے افعال سے روکنا مقصود ہے۔ چنانچہ آپ کی پیش کردہ عبارت سے پہلے مسئلہ شرک پر بحث کرتے ہوئے مولانا شہید نے یہ لکھا ہے کہ :- تیسری بات یہ ہے کہ بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں۔ جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا اور اس کے نام کا روزہ رکھنا، اور اُس کے گھر کی طرف دُور دُور سے قصد کر کے سفر کرنا اور ایسی صورت بنا کر چلنا کہ ہر کوئی جان لیوے کہ یہ لوگ اُس گھر کی زیارت کو جاتے ہیں، اور رستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامتقول باتیں کرنے سے اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا اور آپ کی پیش کردہ عبارت کے بعد یہ الفاظ ہیں :- اس کو اشتراک فی العبادت کہتے ہیں، یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی چیز کی کرنی۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں، یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے، اور اس تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے“ (تقریبۃ الایمان، مطبع احمدی واقع کشمیری بازار لاہور)۔

مندرجہ بالا عبارت کے خط کشیدہ الفاظ ”یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی“ سے حضرت مولانا شہید کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک کسی مخلوق کی اللہ کی سی تعظیم کرنی اور کسی مقام و مزار کی بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی سی تعظیم کرنی جائز ہے؟ اگر اللہ کی سی تعظیم شرک نہیں تو پھر شرک کس کا نام ہے؟ آپ نے یا تو اپنی روایتی جمالت کی بنا پر ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھا، یا علمی خیانت کر کے ثواب حاصل کر لیا۔ (ج) مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نفس زیارت بلکہ قبور اولیاء سے روحانی استغاضہ کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اس میں جو مفاسد ہیں ان پر نکیر فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :- صاحبِ باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام مومنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ نقصان سے باہر ہے“ (صراطِ مستقیم) نیز لکھتے ہیں کہ :- ”چونکہ ارواح کے آثار کا ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان ان کی آواز یا صورت کی نقل کر کے خلاف شرع کام کا حکم کرے“ (ایضاً ص ۵۵) اور جب مولانا شہید موصوف بشرطِ صلاحیت اولیاء اللہ کے مزارات سے روحانی

فیض حاصل ہونے کے قائل ہیں تو آپ کا اُن پر یہ ایک بہتان ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ منقذہ کی زیارت کے قائل نہیں۔

کمالاتِ انبیاء علیہم السلام

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کمالاتِ انبیاء پر تفصیلی بحث کی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے

کہ :- ”واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کو خدائے رحمن کے حضور میں تمام انسانوں کی نسبت ایک قسم کا امتیاز ثابت ہے۔ کیونکہ وہ عنایات خداوند ذوالجلال کے منظور نظر ہیں، اور الطاف ربانی سے ہر وقت مسرور و خوشحال اور بے حد انعامات الہیہ سے ممتاز ہیں۔ محبوبیت کے چمن کے یاسمین اور مقبولیت کی انجن کے تخت نشین ہیں..... اُن کی ہمت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کنجی اور اُن کی دعا بینک مستجاب ہے۔ اُن سے محبت رکھنے والا، اللہ رب العزت کی بارگاہ کا محبوب اور اُن سے بغض رکھنے والا اللہ کا منتوب۔ اُن کی محبت درجات کی بلندی کا باعث اور اُن کا توکل وسیلہ نجات ہے، اُن کی پیروی باعث حصول عطیات اور اُن کا اتباع دافع بلیات ہے۔ غیبی فیوض کا منبع اور اسرارِ قدس کے خزانے ہیں۔ اُن کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنیٰ کوشش بدرجہ غایت مشکور اور ان کے فرمانبرداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے..... اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اُنہی کا توسل شاہراہ ہے اور سالکانِ طریقت کے لیے اُن کی اتباع سے منازل طے کرنا نہایت آسان اور اُن کے توسل کے سوا صرف ہرزہ گری اور بے سرو سامانی ہے۔ پس وجاہت سے یہی مراد ہے جو مذکور ہوئی۔“ (منصبِ امامت) (ج) اولیاء اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- ”واضح ہو کہ کتاب و سنت کے براہین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا کمالات سے انبیاء کے علاوہ دیگر مقبولانِ خدا کو بھی حصہ ملتا ہے۔“ (ایضاً منصبِ امامت) (ح) مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اپنی تالیف ”صراطِ مستقیم“ میں شہدائے کرام کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :- ”اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روز کی یہ ظاہری مصیبت اذرتکلیف حضرت سید الشہداء اور باقی شہدائے کربلا اور اس مشہد مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے۔ پھر ہرگز غم و اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ ہے، اور جو لوگ اپنے زعمِ باطل

سے اپنے آپ کو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا محبت قرار دے کر صریح ممنوع اور حرام اُمور کو حلال میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود و مطرود ہیں۔ اس لیے کہ ان بزرگوں نے تو مشروع اُمور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لیے بڑی جاننازی کے کام کیے ہیں۔ پس جو شخص اُمور مذکورہ بالا سب لاکر اُن کو خوش کرنا چاہتا ہے گویا وہ یزید کی طرح حضرت امام حسین کا مقابل ہے کیونکہ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اُس سے ناجائز اُمور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اعتراض کیا اور اس کام کو بہتر اور حیات جانا، تو حضرت امام بہام کی جناب سے دھتکارنے کے لائق ہو گیا، اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا، اور اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لیے زہر قاتل ہے۔ چونکہ شارع علیہ السلام نے ماتم وغیرہ اُمور کی اجازت نہیں دی اور مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے۔ تو اپنی محبت کے گمان پر ان ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی ناقص عقل کو حکم شرع پر راجح کرنا ہے۔ (ص ۶۵) مولانا شمسید کی مذکورہ عبارات میں توحید و شرک اور سنت و بدعت کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خدا کرے کچھ آپ بھی سمجھ جائیں۔ واللہ المہادی :

اہل سنت کے نزدیک بوسہ و سجدہ قبور حرام ہے

آپ نے کفایہ کی تورتا پیش کی ہے، بالکل ناقص اعتبار ہے اور عقل و نقل کے خلاف ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صحابی یہ قسم کھا سکتے تھے کہ میں جنت کے دروازے کی چوکھٹ اور حور عین کو اس دُنیا میں بوسہ دوں گا۔ اس کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ یہ روایت عالمگیری میں نہیں ملی، بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو صراحتاً اصلی قبر کو بوسہ دینا بھی حرام لکھا ہے۔ جس کی عبارات دوسرے حوالجات کے تحت درج کی جائیں گی۔ روایت مذکورہ کے متعلق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کسی سائل کے جواب میں فرماتے ہیں: ”یہ روایت کفایہ شعبی میں ہے، چنداں معتبر نہیں۔ بہر حال اس روایت میں سفر اور بُعد مسافت کا ذکر نہیں صرف یہ مذکور ہے کہ ماں باپ کی قبر کی جگہ معلوم نہ ہو۔ تو معلوم کا قیاس

مجمول پر نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ اگر قبضہ جموں ہو یعنی معلوم نہ ہو تو تحری (یعنی کوشش سے معلوم کرنا) جائز ہے، اور حضرت امام کی قبر معلوم ہے تو تابوت مصنوعی کی زیارت جائز نہیں۔ ورنہ اگر ایسا ہی ہے تو یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ اسی طرح سے کوئی نشان بنا دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کئے اس نشان کی زیارت کریں اور یہ سمجھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت نصیب ہو گئی یا کوئی مصنوعی عرفات اور مصنوعی کعبہ بنا کر حج ادا کر لیں۔ حالانکہ یہ سب فضول ہے جائز نہیں (فتاویٰ عزیز میبب ص ۱۵۸ مطبوعہ کراچی) (۲) حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب فرنگی علی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں: ”یہ چنداں معتبر نہیں اور اگر معتبر مان بھی لی جائے تو حدیث میں ماں اور باپ کے قبور کے جموں ہونے کی صورت مذکور ہے، اور معلوم کو جموں پر قیاس کرنا جہالت سے خالی نہیں جیسے اگر سمت قبضہ معلوم نہ ہو تو تحری جائز ہے۔ پس جبکہ حضرات حسین کے قبور اور جگہ معلوم ہیں تو تابوت مصنوعی کی زیارت کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور اگر اس کو جائز سمجھ لیں تو یہ بھی لازم آئے گا کہ مصنوعی قبر کی زیارت کرنا اور مصنوعی کعبہ کا حج کرنا بھی جائز ہو جائے اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ کی یاد گاری کے لیے صلیب تیار کرتے ہیں، پس اس میں اور اس میں کیا فرق ہوگا“ (مجموعۃ الفتاویٰ)

قبروں کو بوسہ دینا یہود و نصاریٰ کی عادت ہے

فان ذلک من عادات النصارى ولا باس بتقبيل قبر والدیه کذا فی الغرائب۔ (باب زیارة القبور) :- (اور نہ ہاتھ لگائے قبر کو (یعنی تعظیم کی بنا پر) اور نہ اس کو بوسہ دے کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادت ہے، اور اپنے ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے میں باس نہیں ہے۔ اسی طرح غرائب میں ہے) ”یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ والدین کی قبر کے بوسے میں اختلاف ہے اور راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی جائز ہے، اور لا باس کے الفاظ بھی ترکِ اولیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن مصنوعی قبر اور صرف خط کھینچ کر اس کو قبر تصور کر لینا اور اُس کو چومنا، اس کا جواز تو بالکل نہیں ہے۔“

غوث الاعظم کا فتویٰ

محبوب سبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اذا زارت قبراً لم یضم یدہ علیہ ولا یقبلہ فانما عادیۃ الیہود :- (غنیۃ الطالبین) :- "جب کسی قبر کی زیارت کرے تو اس پر اپنا ہاتھ نہ رکھے، اور اس کو بوسہ نہ دے کیونکہ یہ یہودیوں کی عادت ہے"

ولا یمسح القبر ولا یمسح ولا یقبلہ فان ذلك من عادیۃ النصارى - (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۴۰) :-

امام غزالی کا فتویٰ

(اور نہ ہاتھ لگائے قبر کو اور نہ اس کو چھوئے، اور نہ اس کو بوسہ دے کیونکہ یہ نصاری کی عادت ہے)

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :- دو بوسہ دادن

قبر اور سجدہ کردن آن را در کلمہ نہادن حرام و ممنوع است و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند، و صحیح آنست کہ لایجوز است - (مدارج النبوة فارسی جلد دوم) ترجمہ :- "اور قبر کو بوسہ دینا اور اسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام اور ممنوع ہے، اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے" - (مدارج النبوة جلد دوم مترجم ص ۲۷)

اس میں عالمگیری کی مندرجہ عبارت میں والدین کی قبر کو بوسہ دینے کا بھی جواب آگیا کہ جائز نہیں ہے

فرمائیے! اصحاب فتاویٰ عالمگیری، حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، اور شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی بھی اہل سنت کے بزرگوں میں سے ہیں یا نہیں جو قبروں کو بوسہ دینے کو حرام اور یہود و نصاری کی عادت قرار دے رہے ہیں۔ تو اگر انہی اکابر اہل سنت کی تحقیق کے مطابق حضرت

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید نے قبر کو بوسہ دینا حرام لکھ دیا تو اہل سنت کی تائید کی یا مخالفت؟

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ :- آپ کے خیال میں

تو کسی سچی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں بلکہ شرک ہے لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں

مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ

ہے انہیں کس قدر آپ نے تمسب سے کام لیا ہے۔ دیوبندی اور بریلوی کی نسبت تو اس صدی میں دیوبند اور بریلی کے دو دینی مدارس کی بنا پر مشہور ہو گئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے بریلوی اور دیوبندی نسبتیں کہاں تھیں اور کیونکر ہو سکتی تھیں؟ کیا امام شعبی اور پہلے حنفی علماء و فقہاء بھی بریلوی تھے؟ رہا سنی عوام کا عمل تو خواہ وہ بریلوی علماء کے معتقد ہوں یا دیوبندی علماء کے شرعاً کوئی حجت نہیں ہے کہ اگر کوئی سنی جاہل کسی قبر کو بوسہ دیدے یا سجدہ کرے تو آپ اس کو سنی مذہب قرار دیدیں۔ اگر آپ کو تحقیق مطلوب ہوتی تو بریلوی اکابر علماء کی تصانیف اور فتاویٰ دیکھ کر زیر بحث مسئلہ میں کوئی حکم لگاتے۔ بریلوی مکتب فکر کے امام و پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی تو تحریر فرما رہے ہیں کہ :- "بلاشبہ غیر مکرمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ بھاری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔ خصوصاً مزارت طیبہ اولیائے کرام کے متعلق ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو سنی واجب ہے۔ پھر قبیل یونہی متصور ہے یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے" (احکام شریعت حصہ سوم ص ۵۸) اور احوط منع ہے "کا یہ مطلب ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ قبر کو بوسہ دینا ممنوع اور ناجائز قرار دیا جائے۔"

مولانا امجد علی صاحب فتویٰ بریلوی کا فتویٰ

تبرہ بوسہ دنیا بعض علماء نے بارہ کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے "اشعۃ اللمعات" شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اور قبر کا طواف تعظیمی منع ہے۔ اور اگر برکت لینے کے لیے گرد مزار پھرا تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جائیں بلکہ عوام کے سامنے کیا بھی نہ جائے کہ کچھ کا کچھ نہیں (بہار شریعت حصہ چہارم، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

مولانا امجد علی صاحب بریلوی موصوفت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

روضہ مقدسہ کی زیارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- "خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ" (بہار شریعت حصہ ششم)

عورتوں کیلئے زیارتِ قبور منع ہے

مولانا امجد علی صاحب بریلوی موصوف فرماتے ہیں کہ: ”اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً

منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جہز فرع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گذر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔“ فتاویٰ رضویہ - (بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۱۱۱) اور کتاب ”بہارِ شریعت“ حصہ چہارم پتھر میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے لکھا ہے کہ:۔ الحمد للہ مسائل صحیحہ رحیمہ حقیقہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی۔“

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ:۔ بزرگانِ دین کی تصاویر بطور

بزرگوں کی تصاویر ناجائز ہیں

شیرک لینا کیسا ہے؟ تو ارشاد فرمایا:۔ ”کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل و حضرت مریم کی تصاویر ہی تھیں کہ یہ متبرک ہیں ناجائز فعل تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے انہیں دھویا۔“ (ملفوظات حصہ دوم ص ۸۷)۔ فرمائیے! بریلوی علماء کے مقتدار تو فتویٰ دے رہے ہیں کہ قبروں کو بوسہ دینا ناجائز ہے۔ اُن کو سجدہ کرنا اور اُن کا طواف کرنا حرام ہے، حتیٰ کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی جالی کو بھی بوسہ نہ دے، اور بزرگانِ دین کی تصاویر بھی بطور تبرک رکھنا ناجائز ہے، اور آپ انہی بریلوی علماء پر بہتان تراشی کر رہے ہیں کہ اُن کے نزدیک فرضی اور مصنوعی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر آپ ایسا نہ کہتے تو فقیہ کا ثواب کیسے حاصل کرتے؟

حضرت پیر صاحب گولڑوی کے متعلق لکھا ہے کہ

حضرت پیر صاحب گولڑوی کا فتویٰ

”شخصے عرض داشت کہ مالیدن رخصارہ و سجدہ در پیش مزاراتِ متبرکہ و طوافِ حوالیٰ ایشان جائز است یا نہ؟ فرمودند کہ ظاہر شرع مجیز اہل اُور نیست و ما بہرچہ طور فتویٰ دہیم، دہم باز آں شخص عرض کرد کہ شنیدم کہ از خواجہ شمس الدین سیالوی اجازت نش در ملفوظاتِ ایشان ثابت شدہ است۔ فرمودند! کہ حضرت ایشان پیر و مرشد ما بودند ما از حال شمس سیال بہ

نسبت شمار دمان زیادہ واقف ہستیم، و باید دانست کہ ہرچہ حق تعالیٰ فرمودہ است در رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمودہ از برائے ما شرع است بروے اعتقاد محکم باید داشت (ملفوظاتِ طیبہ ص ۱۱۱ مطبوعہ ۱۳- رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ)۔“ (ایک آدمی نے عرض کیا کہ مزاراتِ متبرکہ پر چہرہ ملنا اور اُن کو سجدہ کرنا، اور اُن کے گرد طواف کرنا جائز ہے یا نہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ ظاہر شریعت اِن اُمور کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم کیونکر ان کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی کے ملفوظات میں ان کی اجازت ثابت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت سیالوی میرے پیر و مرشد تھے، اُن کا حال بہ نسبت تم لوگوں کے میں زیادہ جانتا ہوں، اور جانتا چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارے لیے وہی شریعت ہے۔ اس پر مضبوط اعتقاد رکھنا چاہئے

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ

ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:۔ ”پرستش سے مراد یہ ہے کہ کسی کو سجدہ کرے یا کسی چیز کی عبادت کی نیت سے اس چیز کا طواف کرے، یا بطریق تقرب کے کسی کے نام کا وظیفہ کرے، یا اُس کے نام سے کوئی جانور ذبح کرے، یا اپنے کو کسی کا بندہ کرے اور جو جاہل مسلمان اہل قبور کے ساتھ ایسا کوئی امر کرے مثلاً اہل قبور کا سجدہ کرے تو وہ۔“

فی الفور کافر ہو جائے اور اسلام سے خارج ہو جائے گا۔“ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۵۴) نیز فرماتے ہیں:۔ جو چیزیں خالص اللہ کی قدرت میں ہیں مثلاً لڑکا دینا، پانی برسانا یا بیماریوں کو دفع کرنا، یا عمر زیادہ کرنا، ایسی چیزیں جو خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ ایسی چیزوں کے لیے کسی مخلوق سے کوئی شخص التجا کرے، اور اُس شخص کی نیت یہ نہ ہو کہ وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہرہ یا مطلب حاصل ہو تو یہ حرام مطلق ہے بلکہ گنہگار ہے، اور اگر کوئی مسلمان اولیاء اللہ سے اُس ناجائز طور سے مدد

چاہے یعنی ان کو قادر مطلق سمجھے خواہ وہ اولیاء اللہ زندہ ہوں یا وفات پائے ہوں تو وہ مسلمان سلام سے خارج ہو جائے گا۔“ (ایضاً فتاویٰ عزیزیہ) سجدہ تعظیمی، بوسہ قبر اور طواف قبر کے ناجائز اور حرام ہونے کے متعلق بطور نمونہ علماء و بزرگانِ اہل سنت کے اقوال درج کئے گئے ہیں۔ ورنہ اگر محققین اہل سنت اور فقہائے اعلیٰ صغیرہ پر ملاحظہ ہو۔

حنفیہ کی کتابوں سے عبارتیں جمع کی جائیں تو ایک کتاب بن سکتی ہے، اور اکابر علمائے دیوبند کے اقوال بھی ان اُمور مذکورہ کی حرمت میں بخوف طوالت درج نہیں کئے۔ البتہ آپ نے جو نادائق قارئین کو اس اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے کہ علمائے دیوبند زیارت قبور اولیاءِ حق کی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے بھی قائل نہیں۔ اس کے ازالہ کے لیے چند خواججات درج ذیل ہیں:

دُعائیں انبیاء و اولیاء کا توسل جائز ہے

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے

زردیک دعاؤں میں انبیاء و صلحاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے، اُن کی حیات میں یا بعد وفات۔ بایں طور کہ کہے یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآ رہی ہے ہوں۔ اسی جیسے اور کلمات کے الخ (ترجمہ المہند علی المہند مؤلفہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنوی)

زیارت روضہ مقدسہ کیلئے سفر جائز ہے

فرماتے ہیں:- ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبرِ پیغمبر

دہماری جان آپ پر قربان، اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب، اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے، گوشتہ رجال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے! بلکہ بہتر یہ ہے جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں

تحت العنق ص ۱۷۱:- قبل ازین شرک کی بحث میں مذہب شیعہ کی اصح الکتب فردح کافی کے حوالہ سے حضرت امام رضا کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:- "قبر کو اور اُس کے اجزاء چونہ وغیرہ کو سجدہ نہ کرو" لہذا اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ لیکن اس کے باوجود مصنف "فلاح الکونین" کی عبارت دیکھیں کہ نادائق قارئین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور دیوبندی علماء ہی اس کے مخالف ہیں۔ ورنہ بریلوی علماء کے نزدیک تو مصنوعی قبر کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔ کیا بریلوی علماء پرستانِ عظیم نہیں؟

حاضر ہوگا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالتاب و سلم کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا ایسا ہی عارف ملاحامی سے منقول ہے کہ انہوں نے زیارت کے لیے حج سے علیحدہ سفر کیا اور عشاق سے زیادہ ملتا ہے الخ (ترجمہ المہند علی المہند)

حیاتِ النبی کا عقیدہ

مسئلہ حیاتِ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں کہ:- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا تکلف حیات مخصوص ہے آنحضرت اور تمام انبیاءِ علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ۔ برزخی نہ حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو الخ (ایضاً ترجمہ المہند)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا عقیدہ

دیوبندی بزرگوں کے شیخ مولانا رشید احمد صاحب محدث

ہیں کہ:- "اب جان لے کہ زیارت روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل بلکہ بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی قبر کرے، اُس کے واسطے میری شفاعت واجب ہو گئی اور فرمایا ہے کہ جو کوئی میری زیارت کو آوے آنے میں اس کو محض زیارت ہی مقصود ہو اور کوئی حاجت نہ ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ میں اس کا قیام (زیارت المناسک) اور زیارت روضہ مقدسہ کے آداب میں مولانا گنگوہی موصوف لکھتے ہیں کہ پاس حاضر ہو اور سر ہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے، اُس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے قبلہ کی طرف کرے کچھ یا میں طرف مائل ہو یا چہرہ شریف کے خوب مواجہ ہو وے اور باادب تمام کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو۔ اور دیوار کو ہاتھ نہ لگا وے کہ محلِ آدب و ہیبت ہے اور حضرت و سلم کو محلِ شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے، لیٹے ہوئے تصور کرے اور کہے:- السلام

رسول الله - السلام عليك يا خير خلق الله السلام عليك يا حبيب الله - السلام عليك يا سيد ولد آدم - السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته

اس کے بعد فرماتے ہیں :- اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور کہے۔ یا رسول اللہ اسألك الشفاعة وَا تُرْسِلْ بِكَ إِلَى اللَّهِ فِي أَنْ أَمُوتَ مُشْبِلًا عَلَى مِلَّتِكَ وَسُتْنِكَ - اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی شفاعت کا طلبگار ہوں اور آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور ان الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے، مگر ادب اور بجز کے کلمات ہوں لیکن سلفت یہاں الفاظ مختصر کہنے کو جہاں تک اختصار ہو مستحسن رکھتے ہیں، اور بہت کچھ کرنا بوسے بلکہ آہستہ حضور اور ادب سے نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے (زبدۃ المناسک)۔

مصنف "فلاح الکونین" کو چاہئے کہ علم و دیانت کی روشنی میں "المہند" کی مندرجہ عبارت اور حضرت مولانا لنگوٹی کے الفاظ کو پڑھیں اور سمجھیں، اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت ان علمائے دیوبند پر اپنے بہتانات سے رجوع کریں۔ لیکن جو لوگ خلفائے راشدین اور اصحاب و ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے، وہ ان علماء کے متعلق کیا دیانت اختیار کریں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ :- مولانا جامی، شرح جامی کے ص ۱۱

پر تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ) "مندوب جس کا ندبہ کیا جاتا ہے کفرت میں اس مرحوم یا مقتول کو کہتے ہیں جس پر کوئی اس غرض سے ماتم کرے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس کی موت امر عظیم ہے تاکہ لوگ اس کو معذور سمجھیں بلکہ شریکِ غم ہو جائیں" یہ ہے اصل تعریفِ ندبہ۔ ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم میں روتے پیتے، ماتمی جلوس نکال کر بازاروں اور گلی کوچوں میں صرف اس لیے پھراتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر عظیم کی عظمت کا پتہ چل جائے۔ ص ۱۱

الجواب

(۱) آپ نے ترجمہ میں بھی خیانت کی ہے چنانچہ شرح جامی کی عربی عبارت یہ ہے :- والمندوب فی اللغة مثبتٌ یبکی علیہ احدٌ ولیداً معاً سنہ لیعلم الناس ان موتہ امرٌ عظیمٌ لیعذر وکذا فی البکاء ویشاہم کوا فی التفتیح الخ :- (اور مندوب لغت میں وہ میت ہے جس پر کوئی آدمی روتا ہے اور اس کی خوبیاں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ یہ جانیں کہ اس کی موت ایک عظیم امر ہے تاکہ وہ اس کو رونے میں معذور سمجھیں اور اس دکھ میں وہ اس کے شریک ہو جائیں۔ عربی عبارت میں لفظ میت کا تھا جس کا معنی ہے مرنے والا۔ لیکن آپ نے اس کا ترجمہ مرحوم یا مقتول لکھا فرمائیے! یہ مرحوم اور مقتول کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ آپ نے مقتول کا لفظ اس لیے لکھا ہے تاکہ شہداء کو اس میں داخل کر سکیں اور کوئی یہ نہ کہے کہ میت تو مردہ کو کہتے ہیں۔ جس کو یہاں مندوب کہا گیا ہے اور حضرت امام حسینؑ کو جو شہید ہونے کے زندہ ہیں پھر ان پر مندوب کی تعریف تو صادق نہیں آئے گی اور آپ کا ندبہ سارا ختم ہو جائے گا۔ کیا یہ علمی بددیانتی نہیں؟ اور آپ نے حضرت حمزہ شہید کے تذکرہ میں مولانا شبلی نعمانی کے ان الفاظ کا کہ :- "مردوں پر نوحہ جائز نہیں" یہی جواب دیا تھا کہ یہاں مردوں پر نوحہ کرنے کی مخالفت ہے اور شہید زندہ ہیں نہ کہ مردہ، تو یہی اعتراض اگر آپ پر مندوب کی مذکورہ تعریف کے تحت کیا جائے تو آپ کا سارا استدلال ہبائاً سننوماً ہو جائے گا۔ جس پر آپ ماتمی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ (ب) عربی عبارت میں صرف بکاء کا لفظ ہے جس کا معنی صرف رونا ہے یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا۔ لیکن آپ نے اس کا ترجمہ ماتم سے کیا ہے اور یہ آپ کی دوسری علمی خیانت ہے۔ کیونکہ ماتم سے آپ کی مراد تو مٹنا اور سینہ کو بی وغیرہ ہوتا ہے۔ صرف رونا تو ذریعہ بحث ہی نہیں۔ (ج) شرح جامی میں تو صرف لفظ مندوب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کی گئی ہے، اور اس بحث میں یہ لکھا ہے کہ حرف نذاریہ یا داؤ کا استعمال کیسے ہوتا ہے۔ اس سے یہ شرعی حکم تو نہیں ثابت ہو جاتا کہ ہم بھی میت کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں۔ ہاں اگر آپ قرآن یا حدیث سے ندبہ کا لفظ پیش کرتے تو پھر اس کے لغوی معنی سے آپ استدلال کر سکتے تھے۔ ورنہ محض اہل عرب کے تعامل سے تو شریعت کا حکم ثابت نہیں ہو جاتا۔ مثلاً قریش کی نمازیں اور تالیباں بجانا تھی چنانچہ قرآن مجید میں ہے :- مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا بُكَاءً وَقَسَدًا

:- (اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سولے سیٹیاں بجانے اور تالیباں بچانے کے اور کچھ بھی نہ تھی) (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب شیخی مفسر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :-
تفسیر مجمع البیان میں روایت کی گئی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تو قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آنحضرت کے دائیں کھڑے ہو کر سیٹیاں بجانے لگتے اور دو آنحضرت کے بائیں کھڑے ہو کر تالیباں بچانے اور مقصود یہ تھا کہ آنحضرت کی نماز کو باطل کریں اور شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے :- قال ابن عباس کانت قریش یطوفون بالبيت عرفات یصرون ویصفقون وصلاتہم معناه دعاء ہشتم ای یقیمون المکاء والتصدیہ مکان الدعاء والنسبہ۔
تفسیر مجمع البیان پارہ ۹ آخری رکوع :- یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ قریش بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ شور مچاتے اور تالیباں بجاتے تھے اور ان کی صلوة کا مطلب ان کی دعا ہے، یعنی دعا اور تسبیح کی جگہ انہوں نے سیٹیاں اور تالیباں مقرر کر لی ہیں :-

فرمائیے! قرآن مجید نے مشرکین مکہ کی سیٹیوں اور تالیبوں کو بھی ان کی صلوة (نماز) فرمایا ہے تو کیا آپ اس سے یہ استدلال کریں گے کہ ہم بھی نماز تالیبوں اور سیٹیوں کی صورت میں قائم کریں۔ ہرگز نہیں بلکہ ہماری صلوة (نماز) وہ ہوگی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ (صحیح) اگر کسی کی موت امر عظیم ہو اور اس کی تشہیر و اشاعت کا یہی طریقہ ہو کہ ماتمی جلوس نکالے جائیں۔ تو کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات امر عظیم نہیں ہے، بلکہ سب سے عظیم امر ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اسی طرح کے ماتمی جلوس نکالنے چاہئیں یا آپ ایسے جلوس نکالا کرتے ہیں جس میں نعوذ باللہ ہائے محمد! ہائے محمد! بچا جا، جو؟ ملاحظہ جواب یہ ہے کہ میت کے ساتھ اسی حد تک معاملہ جائز ہوگا جس کی شریعت میں اجازت ہو اور اس کی صورتاً مخالفت ہو جائے وہ ممنوع اور حرام ہوگا۔ جیسا کہ آپ کے ملزم مروجہ کا حکم ہے۔

مولانا محمد علی صاحب رضوی بریلوی فرماتے ہیں :- نوحہ، یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا جس کو بہن کہتے ہیں بالاجماع حرام ہے۔ یونہی واریلوا و مصیبتا کہ کے چلانا وغیرہ (جوہرہ) مسکلمہ :- گریبان بچانا، منہ زچنا، بال

کھولنا۔ سر پر خاک ڈالنا۔ سینہ کو ٹٹانا۔ ران پر ہاتھ مارنا، یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام (جہاں شریعت حصہ چہامام) نیز مولانا ابو صوفی لکھتے ہیں :- آواز سے رونا منع ہے اور تو اس کی مخالفت نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکار فرمایا (جوہرہ) اس مقام پر بعض احادیث جو نوحہ وغیرہ کے بارے میں وارد ہیں ذکر کی بنور دیکھیں اور اپنے یہاں کی عورتوں کو سنائیں کہ یہ بلا ہندوستان کی اکثر عورتوں میں بڑے پائی جاتی ہے۔ حدیث بخاری مسلم، عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- جو مژدہ پر طمانچے مارے اور گریبان بچاڑے اور جاہلیت کا بچاڑا کرے نوحہ میں سے نہیں (جہاں شریعت حصہ چہامام) آپ مائیں یا نہ مائیں لیکن ان تو الحجات ہو جاتا ہے کہ بریلوی عکلم بھی دیوبندی عکلم کی طرح آپ کے پسندیدہ نوحہ اور ماتم کو حرام آپ لکھتے ہیں کہ :- وہ لوگ جو ذکر حسین

ایک دوسرے طعن کا جواب

نقش کو مٹانا اور عظمت حسین کو گھٹانا چاہتے ہیں۔۔۔ امام غزالی کا فتویٰ - و یحرم عذیرہ روایۃ مقتدر الحسن والحسین وحکایاتہ :- "واعظ پر ذکر شہادت حسن اور صواعق محرقة ص ۱۱۱)۔ رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ - محرم میں ذکر حسین کرنا اگرچہ بردا پر کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص ۱۱۱)۔

آپ نے صواعق محرقة کی جو عبارت فتویٰ امام غزالی کے تحت اس کے بعد کی حسب ذیل عبارت چھوڑ دی ہے :- وما جز

الجواب

من الشجر والتخاضع فانه یہیج علی بغض الصحابة والظعن فیہم وهم اعلام ائمة الدین عنہم روایۃ رخص تلقینا من الاثمۃ وراية فالظعن فیہم مطعون طاء ودينہ قال ابن الصلاح والنورى الصحابة كلهم عدول وكان للشي صلی اللہ علیہ وس والاربعۃ عشر الف صحابی عند مؤنہ صلی اللہ علیہ وسلم والشران والاضمار مصر حار

وجلا لہم وسا جری بینہم معامل لا یتحمل ذکوا هذا الكتاب - انتهى ملخصاً :- اور صحابہ کے مابین جھگڑے اور مخالفت کے واقعات بھی واعظ پر بیان کرنے منع ہیں کیونکہ یہ ذریعہ بنتا ہے صحابہ سے بغض رکھنے اور ان پر طعن کرنے کا۔ حالانکہ وہ دین کے نشانات ہیں، ان سے ائمہ دین نے روایتیں لی ہیں اور ہم نے دین کو ان ائمہ سے سمجھا ہے۔ پس صحابہ پر طعن کرنے والا خود مطعون ہے جو اپنی ذات اور اپنے دین پر طعن کرتا ہے۔ ابن صلاح اور نزوی (شارح مسلم) نے فرمایا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے اور قرآن اور احادیث ان کی عدالت اور ان کی جلالت پر تصریح کرتی ہیں، اور ان کا آپس میں جو جھگڑا ہوا ہے، ان کے اپنے اپنے مواقع اور وجوہ ہیں کہ اس کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ عبارت درج کرنے کے بعد ابن حجر کی مصنف صواحن محرقہ " لکھتے ہیں کہ :- وما ذکر من حرمۃ

روایۃ قتل الحسنین وما بعدہا لایاتی ما ذکرنا فی ہذا الكتاب لان ہذا البیان الحق الذی یوجب اعتقادہ من جلالتہ الصحابة وبراءتہم من کل نفس بخلاف ما یفعلہم الوعاظ الجملۃ فانہم یاتون بالآخبار الکاذبۃ الموضوعۃ ونحوہا ولا یستبیزون المعامل والحق الذی یوجب اعتقادہ فیقولون العامۃ فی بغض الصحابة وتنقیصہم بخلاف ما ذکرنا لانا لغایۃ اجلالہم وتغزیہم اللہ :- اور یہ

جو ذکر کیا ہے کہ حضرت حسین کے قتل اور بعد کے واقعات کا بیان کرنا حرام ہے تو اس کے خلاف نہیں ہے جو ہم نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ بیان حق ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے، جس میں صحابہ کرام کی جلالت شان اور ہر عیب سے ان کا بری دیا گیا، ہونا پایا جاتا ہے۔ برعکس اس کے کہ جو جاہل واعظوں کا کام ہے کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایات پیش کرتے ہیں اور ان کے صحیح محامل اور وجوہ، اور جس حق کا اعتقاد ضروری ہے وہ بیان نہیں کر سکتے۔ پس وہ عوام کو صحابہ کی تنقیص اور ان کے بغض میں مبتلا کر دیتے ہیں مثلاً ہمارے بیان کے کہ ہم نے صحابہ کرام کی شان بیان کر دی ہے اور ان کا محبوب سے پاک ہونا ثابت کر دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی وغیرہ علماء نے ایسے واعظوں کے لیے حضرت امام حسین کی شہادت کے واقعات اور صحابہ کرام کے باہمی نزاعات کا بیان کرنا اس لیے ممنوع قرار دیا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھا

نہیں سکتے اس وجہ سے عوام کے اندر صحابہ کرام کا بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر بات ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا اور پھر عام مجموعوں میں سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا اختلاف

مثلاً قرآن مجید میں سامری کے ہیکل کے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

قوم (بنی اسرائیل) کی گھوسالہ پرستی کا واقعہ مذکور ہے، اور اس سلسلے میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا اختلاف و نزاع اس حد تک مذکور ہے کہ :- اَخَذَ مِنْ اَخِيهِ يَسُورًا الْبَيْدَ - حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون کے سر (کے بالوں) کو بکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس پر حضرت ہارون نے کہا :- يَا بَنُ اُمَّ لَا تَاخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي - (اے میری ماں کے بیٹے! آپ میری داڑھی اور سر کو نہ کپڑیں۔) اگر ان آیتوں کا ترجمہ اور ذکر عام مجمع میں بیان کیا جائے تو کیا عوام اس شبہ میں نہیں پڑ سکتے کہ نبی ہو کر یہ دونوں آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟ ان میں ایک ہی سچا ہو سکتا ہے، نفوذ باللہ! حالانکہ دونوں معصوم پیغمبر ہیں۔ بے شک ان کے اختلاف کی ظاہری صورت تو یہی ہے لیکن ان کا منشاء دین ہی ہے، انسانیت اور دنیوی اغراض کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب عوام کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ تھے اور دوسری طرف اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ اور ان کی آپس میں جھگڑیں ہوئیں۔ تو اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ قرآن کے حکم کے مطابق تو حضرت عائشہ صدیقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور تمام مومنوں کی ماں ہیں اور حضرت علیؑ کی بھی ایمانی اور روحانی ماں ہیں تو حضرت علیؑ نے باوجود بلند دینی مقام رکھنے کے اپنی ماں کے ساتھ کیوں جنگ کی۔ تو کیا حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق نفوذ باللہ وہ کسی بغض میں مبتلا نہیں ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں کی وجہ سے ایک گروہ خارجیوں کا پیدا ہوا جو انبیاء باللہ حضرت علیؑ کو مومن بھی نہیں سمجھتے تھے اور حضرت معاویہؓ کا درجہ حضرت علی المرتضیٰ سے کم ہے۔ لیکن یہ واقعات عوام کے سامنے آئیں کہ حضرت معاویہؓ کی حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ ہوئی اور آخر کار اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ فریقین کی طرف سے ثالث چنے جائیں اور وہ جو فیصلہ کریں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ اس کو تسلیم کریں گے تو ایک شخص کے دل میں

شبه واقع ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی برحق خلیفہ تھے اور حضرت معاویہ باغی تھے تو حضرت علی المرتضیٰ کو بائبل کے ساتھ آخر دم تک جنگ کرنی چاہیے تھی، نہ یہ کہ باغی گروہ کو اپنے مساوی حیثیت دیدیں۔ جس فریق کا مساوی درجہ خلیفہ برحق تسلیم کر لے تو اس فریق کو دین کا مخالف اور دشمن کیسے قرار دے سکتے ہیں اور اسی بنا پر اس واقعہ تکمیل یعنی دونوں طرف سے ثالث اور حکم ماننے کے بعد کئی آدمی حضرت علیؑ کے مخالف ہو گئے تھے، اور پھر حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک حضرت امام حسنؑ آپ کے جانشین رہے اور پھر حضرت معاویہ سے مصالحت کر کے ان کی خلافت تسلیم کر لی، اور سالانہ وظیفہ لینے رہے۔ تو کیا فرماتے ہیں مصنف "فلاح الکوفین" کہ اگر حضرت معاویہ نعوذ باللہ ایسے ہی تھے جیسا کہ اہل تشیع کا اعتقاد ہے۔ تو جن کو وہ دوسرا امام معصوم مانتے ہیں یعنی امام حسن۔ انہوں نے حضرت معاویہ کی خلافت کیوں تسلیم کر لی؟ یہ ایسے نازک واقعات ہیں جن کو سن کر حقائق سے نا آشنا لوگ صحابہ سے بدظن ہو سکتے ہیں خواہ حضرت علی المرتضیٰ سے ہوں جیسا کہ خوارج یا ائم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ سے ہوں جیسا کہ روافض، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اگر کوئی فرقہ اور گروہ مناجرات صحابہ (یعنی ان کے باہمی جھگڑوں) میں صحیح اور عادلانہ موقف پر قائم رہا ہے تو وہ اہل سنت و الجماعت ہیں کیونکہ یہ ہر صحابیؓ کو واجب الاستمرار مانتے ہیں۔

کسی صحابی نے بھی نفسانیت، ذاتی اور دنیوی مفاد کے لیے جھگڑا نہیں کیا کیونکہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کے نفوس پاک ہو چکے تھے اور ان کو اخلاص نیت کا اعلیٰ مقام نصیب ہوا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص نیت کے بارے میں شہادت دی ہے: **يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا**۔ (سورۃ الفتح)۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور سنگت میں رہنے والے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں" دوسری جگہ ارشاد فرمایا: **يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ**۔ "وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے طالب ہیں" تو اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کے بعد کسی مومن کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کی صفائی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ لیکن باوجود خلوص نیت کے رائے اور طریق کار میں غلطی ہو سکتی ہے، اس لیے اہل سنت کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے اس معاملہ میں خطا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ نفسانیت نہ ہو خطا کہا جائے گا۔

صحابہ کے جھگڑوں میں امام غزالیؒ کی تحقیق چنانچہ فرماتے

الناس بعد النبي صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم
وان يعسن الظن بجميع الصحابة ويتنى عليهم كما اتنى الله عز وجل
سلم الخ :- "بينك نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت سے افضل حضرت
پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ سے اچھا گمان رکھ
جس طرح ان کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی ہے"
معاویة وعلی رضی اللہ عنہما کان مبنیاً علی الاجتهاد لا منازعة من معاویة
رضی اللہ عنہ ان للتسلیم قتلة عثمان مع كثرة عشائرتهم واختلافهم فی
امر الامامة فی بدايتها فرأى التأخیر اصوب وظن معاویة ان تأخیر امرهم
الاعراض بالائمة ويعرضن الماء للسفك وقد قال الفاضل العلماء کل وجهته
المصیب واحد۔ ولدیذهب الی تخطئة علی ذوتحصیل اصلاً۔ راجع الی
:- "اور جو کچھ حضرت معاویہ اور حضرت علی کے درمیان اختلاف ہو اور اجتہاد پر مبنی تھے
سے حضرت علی کی امامت (خلافت) میں کوئی نزاع نہ تھا۔ حضرت علیؑ کا خیال یہ تھا کہ
کی کثرت ہے اور وہ لشکر میں ملے جلے ہوئے ہیں اس لیے ان سے قصاص لینا ابتدا
میں اضطراب کا باعث ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے تاخیر کرنے کو زیادہ صحیح سمجھا
یہ تھا کہ قاتلین کے بارے میں تاخیر کرنا باوجود اس کے کہ ان کا جرم عظیم ہے خلفاء کے
اور نو فریزی کا سبب بن جائیگا، اور اگر عمر فاروق نے فرمایا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح
کہ اجتہاد کرنے والوں میں صرف ایک کا قول صحیح ہوتا ہے اور کوئی اہل تحقیق اس طرف نہ

بارے میں خطا پر تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ :- در ان مشاہرات و محاربات کہ در خلافت امیر واقع شدہ بود حق بجانب حضرت امیر بودہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مخالفان او غلطی بودند بخطائے اجتہادی کہ مجال ملامت و طعن ندارد و تفسیق خود چہ گنجائش دارد کہ صحابہ ہمہ عدول اند و مرویات ہمہ مقبول و مرویات موافقان امیر و مخالفین امیر مردود در صدق و وثوق برابر اند و علت مشاہرہ و محاربتہ جرح احدی نہ شدہ است۔ پس ہمہ را درست باید داشت کہ دوستی ایشان بدوستی پیغمبر است علیہ و علیہم الصلوٰت و التسلیات کہ فرمودہ من احببہم فحببتہم و از بغض و دشمنی ایشان اجتناب باید نمود کہ بغض ایشان بغض آن سرور است علیہ و علیہم الصلوٰت و التحیات کہ فرمودہ من ابغضہم فببغضی ابغضہم در تعظیم و توقیر آن بزرگواران تعظیم و توقیر آن خیر البشر است و علیہ و علی آلہ الصلوٰت و السلام (مکتوبات جلد ثالث ص ۱۰۰) :- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں جو جھگڑے اور لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں حق حضرت امیر (علی المرتضیٰ) کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا کرنے والے تھے مگر یہ ان کی اجتہادی خطا تھی کہ جس میں طعن و ملامت کی مجال نہیں ہو سکتی جہاں تک ان کی طرف فسق کی نسبت کی جائے کیونکہ صحابہ سب عادل ہیں اور ان کی روایات تمام مقبول ہیں اور صدق و ثقاہت میں حضرت علی کے موافقین و مخالفین کی روایات برابر ہیں اور باہمی جنگ و جدل کی وجہ سے وہ مجروح نہیں ہو سکتے۔ پس سب کو درست رکھنا چاہیے کہ ان کی دوستی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور نے خود فرمایا ہے جس نے میرے صحابہ کے ساتھ محبت کی اس نے میری محبت کی ہے سے کی، اور ان کے بغض و عناد سے بچنا چاہیے کیونکہ ان سے بغض رکھنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ ان حضرات صحابہ کی تعظیم و عزت دراصل حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و عزت ہے۔ یہ سب اکابر اہل سنت و الجماعت کا صحیح اور معتدل موقف جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کی عظمت دینی محفوظ رہتی ہے۔ لیکن اس موقف حق سے اگر کوئی شخص لپٹے

دہم و گمان کی بنا پر ہٹ جائے تو پھر وہ افراط و تفریط سے بچ نہیں سکتا۔ خوارج اور روافض کی بنیاد ہی افراط و تفریط ہی ہے۔

حضرت علی پر تنقید مودودی

اس دور کے ایک اور فلسفی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی چونکہ اپنی عقل ناقص سے شرعی اصول و عقائد کو حل کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین کی بھی خوب تنقیص کی اور بالخصوص حضرت امیر معاویہ کی تو صریح توہین کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علی المرتضیٰ کی پوزیشن کی بھی پورے طور پر صفائی نہ کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :- حضرت علی نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شاہان شان تھا۔ البتہ ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگِ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگِ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے۔ بادل ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کمنے کے لیے موقع کے منتظر تھے..... پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہ و زبیر کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان کے ذمہ دار ہیں اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلة عثمان :- (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک دے دئے۔ دراصل مالک قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے حضرت علی کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے مواچارہ نہیں۔!!!

حضرت محمد بن ابی بکر نے اگرچہ پہلے مخالفت حضرت عثمان میں حصہ لیا تھا۔ لیکن وہ قتل عثمان سے بری ہیں اور بعد میں انہوں نے توبہ و مذمت کا بھی اظہار کیا جیسا کہ الہدایہ کے حوالے سے یہ بات پختہ ثابت کی جا چکی ہے۔ ۱۲

ملعون نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے تحت روافض حضرت امیر معاویہؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ صحابہ کرام کو طعن و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کی جائے تو جس امر کو مؤدوہی صاحب نے صرف ایک غلط کام قرار دیا ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا بہت بڑا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کے نزدیک ناطلان عثمانؓ ملعون و مردود ہیں جیسا کہ آپ نے حضرت طلحہ سے فرمایا ہے تو پھر بجائے اس کے کہ حسب وعدہ خلیفہ برحق حضرت عثمان ذوالنورین کے قاتلوں سے قصاص لیں اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنے کی کوشش کریں۔ ان کو گورنری جیسے بڑے بڑے مناصب ملکی عطا فرما رہے ہیں، یہ کیا پالیسی ہے؟ اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا، اور اسی طرح کے وجوہات کی بنا پر خوارج حضرت علیؓ کے بدترین مخالف بن گئے تھے اور آج بھی اس ذہن کے لوگ موجود ہیں۔ لہذا اسکا اہل سنت و الجماعت کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ اصحاب رسول اور خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا اور رضائے الہی کے حصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطا کے ان کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ ان سب صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

شیعی موقف

شیعی موقف کے تحت تو حضرت علی المرتضیٰ کی کوئی عظمت باقی ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ بقول ان کے اگر آپ امام معصوم اور خلیفہ بلا فصل تھے اور

معیاب اللہ ان کی خلافت منصوص ہو چکی تھی۔ تو پھر خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے جنگ کیوں نہیں کی اور ان کی خلافت کو ۲۳ سال تک کیوں قبول کیا، اور ان ہی کی اقتداء میں کیوں نمازیں پڑھتے رہے۔ مذہب شیعہ کی موجودہ اذان و نماز پر بھی عمل نہ کر سکے حتیٰ کہ اپنے دور خلافت میں بھی انہی حضرات خلفائے ثلاثہ کے نظام کی پیروی کی، اور شیعہ مذہب کو نافذ نہ کر سکے لیکن دوسرے پہلو سے اپنی ماں اور تمام اُمّتِ مسلمہ کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ سے جنگ کرنے سے بھی،

اجتناب نہ کیا اور حضرت امیر معاویہؓ سے بھی مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ جنگِ جمل اور شہید ہوئے۔ اگر آپ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا تھا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، اور دین اسلام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا تو اس کے بارے میں بھی تقیہ جیسی عبادت پر ہی عمل فرمانے تو اس قدر شدید خونریزی باوجود اختصار کی کوشش ہے۔ بہر حال اگر امام غزالی

ذکر امام حسینؓ کی نوعیت

فرماتے کہ امام حسینؓ کی شہادت کا ذکر نہ کرو، تو ایک وجہ اہل تشیع کے تھی۔ لیکن اگر انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کی باہمی جنگوں کا بھی کرنا چاہیے، تو اس کا مبنی حضرت حسینؓ کی عدم محبت نہیں ہے بلکہ اس میں یہ حال کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے عوام بعض صحابہ سے بدظن ہو جائیں گے۔ المرتضیٰ کے متعلق ہی پیدا ہو جائے، جیسا کہ خوارج کو پیدا ہوئی یا حضرت عائشہؓ سے بدظن ہو جائیں جیسا کہ روافض کے دلوں میں ان حضرات سے بغض و کین ہے کہ کسی اللہ کے مقبول و محبوب بندے کا ذکر خیر وہی صحیح اور جائز ہے جو نہ ہو، اور اگر خلاف شرع امور اس کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ذکر حسینؓ تو کیا نہ ہو جاتا ہے مثلاً نماز بھی ذکر اللہ کی ایک جامع اور اعلیٰ صورت ہی ہے۔ لیکن نماز تجاوز کیا جائے تو وہ نماز عبادت کی بجائے گناہ بن جائے گی۔ اسی طرح ہر عملِ حنہ نام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیح فضائل بیان کے جائیں اور مقصدِ شہادت کی شہادت کا صحیح تذکرہ کیا جائے، اور کسی دن کے تعین کو ضروری نہ سمجھا جائے تو نہیں ہوسکتا۔ لیکن عموماً تذکرہ حسینؓ میں جھوٹی اور موضوع روایات بیان کی جاتی ہیں۔ اس طرح افسانوی طرز پر اختراع کیا ہے، کہ داستان الف لیلا، ڈاکٹرین، ہیمو، ڈاکٹر، ادبی کی نسبت سے بیان کرتے ہیں کہ رادی یہ کتاب ہے،

واقعہ کر بلا کا مشاہدہ کرنے والے کتے راوی حضرات ہیں ظاہر ہے کہ مردوں میں سے تو سوائے امام زین العابدین کے خاندانِ نبوت میں سے سب شہید ہو گئے تھے، اور امام موصوف بھی سخت بیمار تھے اور بالکل فوج تھے کہ آپ کے بالغ و نابالغ ہونے میں بھی شک ہونا تھا۔ مستورات خود پردوں اور خیموں میں تھیں۔ تو روایات میں جو جنگ کر بلا کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں، اُن کا راوی کون ہے؟ اگر ان کا راوی کوئی ہو سکتا ہے تو وہ دشمنان و قاتلانِ حسین ہی کا گروہ ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا ایسے راویوں پر اعتماد ہو سکتا ہے ہم اہل سنت اگر حضرت حسینؑ کو مجاہد حق اور شہید مانتے ہیں تو احادیث صحیحہ کی بنا پر مانتے ہیں نہ کہ جنگ کر بلا کی من گھڑت اور جھوٹی روایات کی بنا پر۔

محافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۷ھ) صحیح تھیں امام ابو مخنف راوی شیعہ ہے! حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کے متعلق فرماتے ہیں :-
 وللشيعية والرافضة في صفة مصرع الحسين كذب كثير و اخبار باطلة وفيما ذكرنا كفاية. وفي بعض ما اورده نظر - ولولا ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكروه مانسته واكثره من رواية ابى مخنف لوط بن يحيى وقد كان شيعياً وهو ضعيف الحديث عند الائمة (البدایہ والنہایہ جلد ۸)
 :- اور متش حسین کے متعلق شیعوں نے اور رافضیوں نے بہت سی جھوٹی اور باطل خبریں بنالی ہیں اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ کافی ہے، اور جو ہم نے درج کی ہیں ان میں بھی بعض محفل نظر ہیں اور اگر ابن جریر وغیرہ حفاظ، در اندہ اُن کو نہ ذکر کرتے تو میں بھی اُن کو نہ درج کرتا، اور اُن میں اکثر روایتیں ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے ہیں۔ اور تحقیق وہ شیعہ تھا اور ائمہ ہدایت کے نزدیک وہ ضعیف ہے الخ :- علاوہ ازیں شیعہ مذہب کی مستند کتاب "رجال تصیحة المقال" میں بھی لکھا ہے کہ :- کان شیعياً امامياً یعنی ابو مخنف راوی شیعہ امامیہ تھا۔

لے تاریخ سے ہی صحت : دوسرا اور یہ ہے :- ابن اعداد بن شادی شدہ تھے اور آپ کے فرزند امام محمد باقر اس وقت میر چارسال کی عمر تھے۔ چنانچہ جلال العیون جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ (ص ۲۲۲ مطبوعہ لاہور)

تاریخ طبری کی حیثیت

تاریخ طبری بہت مشہور ہے، اس کے مؤلف علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۳۲۰ھ) ہیں اور تفسیر ابن جریر بھی انہی کی تصنیف ہے۔ لیکن اُن کی تاریخ میں تحریف ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی مکائد و انفض کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :- "اور ایک طرح پر مؤرخین اہل سنت کو کفر دیتے ہیں مثلاً ایک کتاب تاریخ میں لکھیں۔ اس کتاب میں تو تاریخ معتبرہ اہل سنت سے نقل کریں اور ذرا خیانت نقل میں نہ کریں لیکن جب ذمہ ذکر صحابہ اور ان کے جھگڑوں کی پہنچے تو بعض قدحیات یعنی بری مذمت کی باتیں کتاب محمد بن جریر طبری شیعہ سے جو ذمہ صحابہ میں تصنیف کر رکھی ہے اور اس کتاب سے جو امامت میں لکھی ہے اور ایضاً المسترشد نام رکھا ہے۔ اس میں سے نقل کریں لیکن نام کتاب منقول عندنا کا صریح نہ لیں۔ پس یہاں دیکھنے والا غلطی میں پڑ جاتا ہے کہ شاید کتاب محمد بن جریر طبری شافعی سے ہے کہ تاریخ کبیر کے مشہور ہے اور واضح التواتر ہے پھر مؤرخ نقل در نقل کرتے ہیں اور متعجب نہ تے ہیں اور نیز پیر و اس نقل کے ورطہ گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں اور یہ کتاب تاریخ کبیر نہایت عزیز الوجود اور کمیاب ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جن کو پورا نسخہ ان کا میسر ہوا ہو اور یہ جو لوگوں کے پاس ہے مختصر اس کا ہے کہ اس میں سمساطی الشیبی کی تحریف بہت ہوئی ہے۔"

انشار اللہ! اس کا حال قریب آتا ہے اور ترجمہ کرنے والے اس مختصر کے بھی شیعہ گذرے ہیں۔ پس تحریف در تحریف اس میں ہو گئی :- (تخفہ اثناء عشریہ ص ۱۸۰)

لے مولوی محمد حسین صاحب شیبی علامہ نے بھی ایک ابن جریر طبری کا شیعہ ہونا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری الآملی کے متعلق لکھتے ہیں : علمائے امامیہ میں سے حلیل القدر عالم دستم تھے۔ اکثر کم علم لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ طبری و تفسیر ابن جریر کو یہی ابو جعفر بن رستم آملی سمجھ بیٹھے ہیں۔ جناب ابو جعفر (یعنی شیعہ) کی مسئلہ امامت پر مشہور تصنیف "المسترشد فی الامامة" ہے جو حال ہی میں نجف اشرف میں طبع ہوئی ہے۔ (احسن الفوائد ص ۱۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ تاریخ طبری کے نوشتے آج کل پائے جاتے ہیں اور جو طبری مترجم شائع ہو رہی ہے، وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ بہ حال تاہم نئی افشوں سے سرف نظر ہوتے ہوئے بہار ایمان و عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ارشاد نبوی جو ان جنت کے سردار ہیں۔ اس لیے ایسی عظیم دینی شخصیت کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے غوغا باللہ محض ذاتی اور دنیاوی اقتدار کی خاطر بیزید کے اقتدار کو چیلنج کیا تھا جیسا کہ نوار ج کا نظریہ ہے، اور جس راہ کو آپ نے حق سمجھا اس پر ثابت قدم رہ کر اپنی اپنی اور اپنے اعزہ کی جانیں بخش کر بان بیدین اور جنت کے مکین بن گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

بنائے دوزخ خوش سے بڑا ک خون غلطین خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت
مستف "فلاح الکونین" نے دیوبندی علماء کے مفقود حضرت مولانا رشید احمد صاحب گندہڑی کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ، محرم میں ذکر حسین کرنا اہل بدایات صحیح ہو اور انصاف کی وجہ سے حرم سے (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص ۳۱۱)

الجواب (۱) جو فتویٰ آپ نے نقل کیا ہے اس پر یہی عبارت حسب ذیل ہے: محرم میں ذکر شہادت حسین کرنا اگرچہ بدایات صحیح ہو، سبیل لگانا، شہادت پلانا یا چندہ سبیل اور شہادت میں دنیا یا دودھ پلانا سب درست اور تشبہ رد انصاف کی وجہ سے حرام ہیں (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۱۱۱) (ب) سوال: غم کرنا امام حسین کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواب: غم اس وقت محتاج آپ شہید ہونے۔ تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے شرعاً حلال نہیں فقہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۱) (ج) غم کی مجلس تو کسی واسطے درست نہیں بلکہ حکم اللہ کا اور غم کے رفع کرنے کا ہے۔ تفریح اور تسلیہ اسی لیے کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف غم پیدا کرنا تو درست ہوگا اور شہادت حسین کا ذکر جمع کر کے سولے اس کے کہ مشاہدت رد انصاف کی بھی ہے اور تشبہ ان کا حرام ہے۔ لہذا عقد مجلس غم کسی کا درست نہیں۔ واللہ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۱) مندرجہ تیوں جاتے

سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی کا فذک و بدو شریعت کے تحفظ پر مبنی ہے نہ کہ امام حسین کی عدم محبت پر، کیونکہ جو طبعی غم کسی بزرگ کی موت یا فتنہ پر واقع ہوتا ہے وہ آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ "غم اس وقت محتاج آپ شہید ہونے" لیکن "غم و سوگند" اور بڑھانا چونکہ شرعاً ممنوع ہے کیونکہ مصیبت زدہ کو صبر اور تسلی دلانے کا حکم ہے نہ کہ غم سے جس کو تفریح کہتے ہیں نہ کہ غم بڑھانے کا۔ لیکن برعکس اس کے ماننے لوگ جو امام حسین کی مجالس منع دیتے ہیں، وہ غم کے اظہار اور اُس کی ترویج و اشاعت کے لیے کرتے ہیں۔ لہذا اس مقصد کے لیے مجلس حسین کا انعقاد ہی شرعاً ممنوع ہے، خواہ اس میں شہادت حسین کے صحیح واقعات ہی بیان کیے جائیں۔ تو اس مخالفت کا معنی ذکر حسین نہیں بلکہ مجلس غم کا انعقاد ہے، اور نہ صرف امام حسین بلکہ کسی بزرگ و شہید کا ذکر بطور غم منانے کے جائز نہیں، اور یہی مسئلہ اس کتاب میں بھی زیر بحث ہے کیونکہ آج تک "فلاح الکونین" یہ نہیں ثابت کر سکے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جن اعزہ اور شہداء کی وفات سے وقتی تاثر میں گریہ فرمایا۔ پھر سال بسال اس کے لیے مجلس منع کیا۔ منقہ فرمائی۔

مولانا امجد علی صاحب بریلوی کا فتویٰ اسی بنا پر مولانا امجد علی صاحب نے فتویٰ (بریلوی) نے فرمایا ہے کہ: تفریح کہتے ہیں کہ شہادتیں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روتی پیتی اور نوحہ کرتی ہیں۔ انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پرورد دینا ہے (بہار شریعت جلد ۴ ص ۱۹۹) اور اسی وجہ سے مولانا گنگوہی موصوف نے فرمایا ہے کہ ایسی خلاف شرع غم کی مجالس کے لیے چندہ جمع کرنا، سبیل لگانا اور شہادت پلانا بھی منع ہے کیونکہ یہ بھی ان لوگوں پر دوزخ دینا ہے۔

مجالس غم میں شہادت و چائے اور یہ بھی عجیب و غریب غم ہے کہ سردیوں میں چائے کے دور چلتے ہیں، اور گرمیوں میں مانجی لوگ خوب شہادت شہادت اور سوڈا واٹر کی مزیدار بوتلیں نوش فرماتے ہیں، اور مجالس میں بیان یہ کرتے ہیں کہ ان دنوں میں امام حسین اور آپ کے بچوں پر ہیریدوں نے پانی بند کر دیا تھا، اور انہوں نے سخت پیاس کی حالت میں شہادت

کا بدترین دشمن تھا۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کا فرعون فرمایا ہے تو کیا آپ نے یزید کی طرح کبھی ابوجہل پر لعنتیں ڈالی ہیں۔ اگر نہیں تو پھر آپ بھی رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ثابت ہوئے۔ عبرت! عبرت! عبرت!

(۲) لعنت کی گردان کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے جس کو محبت و عداوت کا معیار قرار دیا جائے، اور لعنت کا لغوی معنی طرد و رحمت ہے اور اللہ کی لعنت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا۔ ابلیس بھی راندہ درگاہ ہے اور ملعون لیکن کیا آپ نے کبھی ابلیس کے خلاف بھی لعنت کا وظیفہ پڑھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا اس کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ آپ ابلیس کے عُتَب میں؟ اور حضرت آدمؑ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں؟ آخر کسی اُصول پر بات ہونی چاہیے! کیا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں صرف یزیدی ملعون ہے اور کوئی نہیں؟

(۳) اہل سنت کی احادیث میں ہے کوئی مومن کُفَّان نہیں ہونا چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن ليس جلعان :- (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کُفَّان (یعنی زیادہ لعنتیں ڈالنے والا) نہیں ہوتا، اور یہی مطلب ہے ان الفاظ کا جو آپ نے امام ابن صلح وغیرہ ائمہ کے حوالہ سے لکھے ہیں: "یزید پر سب اور لعنت کرنا مومنین کی شان نہیں" تو ان ائمہ اہل سنت نے یہ ایک ضابطہ سمجھایا ہے کیونکہ اگر یزید پر لعنت کرنا ایمان کی نشانی ہو تو جن کا قطعی کفر قرآن سے ثابت ہے مثلاً شیطان، فرعون، ابولہب وغیرہ تو ان پر بھی مومنین کے لیے لعنت کا درود ضرور پڑھنا چاہیے اور جو ان کفار پر لعنت کا وظیفہ نہ پڑھے اُس کو مومن نہیں سمجھنا چاہیے۔

(۴) مسئلہ لعن کے متعلق امام غزالی فرماتے ہیں کہ: وَاللَّعْنُ عِبَارَةٌ عَنِ الطُّرْدِ وَالْإِبْعَادِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَذَلِكَ غَيْرِ جَائِزٍ إِلَّا عَلَى مَنْ أَلْفَعَتْ بَصْفَةً تَبْعِدُهُ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ الْكُفْرُ وَالظُّلْمُ بَانَ يَقُولُ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ وَالْكَافِرِينَ... وَالصَّفَاةُ الْمُتَقَضِيَةُ لِلْعَبْرِ ثَلَاثَةُ الْكُفْرِ وَالْبِدْعَةِ وَالْفُسُوقِ - (احیاء العلوم جلد سوم) :- "اور لعنت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے دُور کرنا اور ہٹانا، اور یہ جائز نہیں ہے مگر اس شخص جس میں کوئی ایسی (بُری) صفت پائی جائے جو اس کو اللہ تعالیٰ سے دُور کر دے اور وہ کفر اور ظلم ہے۔ بائیں طرف کوئی

کے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں اور کافروں پر..... اور جو صفتیں کسی پر لعنت کا تقاضا کرتی ہیں تین ہیں، کفر، بدعت اور فسق" امام غزالی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان تین صفتوں کی وجہ سے ان لوگوں پر لعنت کی بددعا کر سکتا ہے۔ جن میں یہ صفتیں پائی جائیں مثلاً یہ الفاظ کہ کافروں پر لعنت وغیرہ لیکن اس کا مقصد بھی کوئی لعنت کا درود کرنا نہیں ہے بلکہ ایک جواز کی صورت ہے۔ (ب) اسی بحث میں امام غزالی فرماتے ہیں: - الثالثة اللعن للشخص المعين وهذا فيه خطر كقولك زيد لعنه الله وهو كافر او فاسق او مبتدع. والنقصيل فيه ان كل شخص ثبتت لعنته شرعاً فنجوز لعنته كقولك فرعون لعنه الله و ابوجہل لعنه الله لانه قد ثبت ان هؤلاء ما اتوا على الكفر وعوت ذلك شرعاً. اما شخص بعينه في زماننا كقولك زيد لعنه الله وهو يهودي مثلاً فلهذا فيه خطر. و على الجملة ففي لعن الاشخاص خطر فليجتنب ولا خطر في السكوت عن لعن ابليس مثلاً فضلاً عن غيرك :- " (تیسری بات کسی شخص معین پر لعنت کرنا ہے اور اس میں خطرہ ہے مثلاً تو یہ کہے کہ زید پر اللہ کی لعنت ہو اور وہ کافر ہے یا فاسق یا بدعتی، اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس پر شرعاً لعنت ثابت ہو چکی ہو تو اس پر لعنت جائز ہے۔ مثلاً تو کہے کہ فرعون پر اللہ کی لعنت اور ابوجہل پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ (یعنی فرعون اور ابوجہل) کفر پر مرتے ہیں اور شرعاً مشہور ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ میں کسی شخص معین پر لعنت کرنا مثلاً تو یہ کہے کہ زید پر اللہ کی لعنت اور مثلاً وہ یہودی ہے تو اس میں خطرہ ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب ہونے کی حالت میں اس کی موت واقع ہو تو پھر اس کے ملعون ہونے پر کس طرح حکم لگایا جاسکتا ہے۔۔۔ اور اس کے لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اشخاص (معین) پر لعن کرنے میں خطرہ ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر ابلیس پر بھی لعنت نہ کرنے اور خاموش رہے تو اس میں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے، چہ جائیکہ ابلیس کے ماسوا کسی پر لعنت نہ کرنے میں خطرہ ہو۔ :- (احیاء العلوم)

فرمائیے! یہ کیسا ہی عدل و تقویٰ پر مبنی نظریہ ہے کہ اس زمانے کے کسی شخص معین پر لعنت نہ کرنی ہی بہتر ہے، اور اس میں کوئی حرج اور خطرہ بھی نہیں ہے۔ اسی بنا پر یزید پر لعنت کرنے میں بھی احتیاط ملحوظ رکھی گئی

ہے چنانچہ اس کے بعد امام غزالی اس کے متعلق فرماتے ہیں :- فان قيل هل يجوز لعن يزيد لانه قاتل الحسين او امر به قلنا هذا الميثب اصلاً فلا يجوز ان يقال انه قتلنا او امر به ما لم يثبت فضلاً عن اللعنة لانه لا يجوز نسبة مسلم الى كبريى من غير تحقيق لعن يعوز ان يقال قتل ابن ملجم علياً وقتل ابولو عمير رضي الله عنهما فان ذلك ثبت متواتراً :- ليس اذ يه كما جاز ان يذم يذم لعن جازر ہے کیونکہ وہ حضرت حسینؑ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلاً ثابت نہیں ہے اس لیے جب تک یہ (قطعی طور پر) ثابت نہ ہو اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ آپ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، چہ جائیکہ لعنت کی جائے۔ کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو قتل کیا اور ابولو کوئن نے حضرت عمرؓ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے چکا ہے، یہاں یہ ملحوظ ہے کہ گویا ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قاتل ابن ملجم خارجی ہے اور حضرت عمر فاروق کا قاتل ابولو فیروز مجوسی ہے۔ لیکن بھری اہل سنت کا یہ معمول نہیں ہے کہ ابن ملجم اور ابولو کوئن پر لعنتیں بھیجتے ہیں کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اہل سنت کو حضرت فاروق سے یا حضرت علی المرتضیٰ سے محبت نہیں ہے، جیسا کہ مامی لوگ یزید پر لعنت نکرنے سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نوز باللہ اہل سنت کو حضرت حسینؑ سے محبت نہیں ہے۔ (د) اس کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں کہ :-

فان قيل قيل يعوز ان يقال قاتل الحسين لعنه الله الا امر بقتله لعنه الله قلنا الصواب ان يقال قاتل الحسين ان مات قبل التوبة لعنه الله لانه يحتل ان يموت بعد التوبة فان وحشياً فان لحزة عم رسول الله صلى الله عليه وسلم قتله وهو كافر ثم تاب عن الكفر والقتل جميعاً :- پس اگر یہ کہا جائے کہ قاتل حسینؑ پر اللہ کی لعنت ہو یا آپ کے قتل کا حکم دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ قاتل حسین اگر توبہ سے پہلے مر گیا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرا ہو۔ مثلاً وحشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے اور اس نے آپ کو کافر ہونے کی حالت میں قتل کیا تھا۔ پھر اس نے کفر اور قسمت ل دونوں سے توبہ کر لی تھی۔

فرمائیے! اب تو بات بالکل صاف ہو گئی کہ یہ کہنا جائز ہے کہ اگر امام حسینؑ کے قاتل نے توبہ نہیں کی تو اس پر لعنت۔ تو امام غزالی کے نزدیک امام حسینؑ کے قاتل کا بغیر توبہ کے مرجانا اس کے ملعون ہونے

کا ثبوت ہے تو اس سے امام غزالی کی حضرت امام حسینؑ سے دینی محبت ثابت ہوتی ہے یا عدوت اصل مسئلہ تو قاتل حسینؑ کا ہے اور اس کے متعلق امام غزالی نے وضاحت فرمادی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تکفیر و لعن یزید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :- بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت

مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد

کفر سے کف لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے۔ کیونکہ حسینؑ کے قتل کو حلال جانا کفر ہے مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں، لہذا کفر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بیشک تھا (ب) نیز لکھتے ہیں :- پس جب تک کسی کافر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عود لعنت انبیاء ہے لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرآن سے معلوم ہو گیا کہ وہ افعال سے راضی اور خوش تھا، ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا وہ مستعمل تھا اور ثابت ہو یا نہ ہو؛ تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدین تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن و عدم لعن کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب، نہ سنت نہ مستحب غرض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹) حضرت گنگوہی نے بھی یہاں اہل سنت کے اصول پر اس مسئلہ کے دونوں پہلو فرمادیے ہیں کہ جس کے نزدیک جواز ثابت ہوا اس کے مطابق اس نے لعن کے جواز یا عدم جواز کا حکم بتایا، اور بہر حال لعن نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی یزید کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :- (مسئلہ) کیا فرماتے ہیں علماء

مولانا بریلوی کا فتویٰ

اہل سنت اس مسئلہ میں کہ اگر وہ فرماں اللہ و رسول! یزید بخشتا جائے گا یا نہیں؟ بینوا لرحموا۔

(الجواب) یزید پید کے بارے میں اہل سنت کے تین قول ہیں امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہے اور ہمارے امام ربیع بن امام اعظم ابوحنیفہؒ سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر۔ لہذا یہاں بھی سکوت کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت حصہ دوم، مسئلہ نمبر ۱۸)

مولانا احمد علی صاحب بریلوی کا ارشاد

مولانا امجد علی صاحب رضوی فرماتے ہیں: "ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر

لعنت کرنے میں علمائے اہل سنت کے تین قول ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت یعنی ہم اسے فاسق ناجر کہنے کے سوا کافر کہیں نہ مسلمان" (بہار شریعت حصہ چہارم)

مقام امیر معاویہؓ مولانا بریلوی کے قلم سے

یزید کے بارے میں اہل سنت کے مندرجہ احوال پیش کر دیئے گئے ہیں۔

لیکن یزید فاسق ہو یا کافر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زبان طعن دراندازی جائے۔ چنانچہ بریلوی عمار کے مقتدار و پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے حضرت معاویہؓ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے۔ تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کا ذبح ہیں ارشاد الہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ اللہ عزوجل نے اسی آیت میں (یعنی دُكُلًا وَعَدَاةُ اللّٰهِ الْحُسَيْنِي)۔ دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے مصلحتی کا وعدہ فرمایا اس کا منہ بھی بند فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مصلحتی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا: "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ"۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔" بایں ہمہ میں تم سے مصلحتی کا وعدہ فرمایا اس کے بعد جو کوئی بے اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "ومن یكون یطعن فی معاریة فذاک من کلاب الہادیة"۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے" (احکام شریعت حصہ

ادل ص ۵۵)۔

امیر معاویہؓ خلیفہ راشد تھے

کسی نے سوال کیا کہ خلافت راشدہ کس کس کی خلافت تھی تو حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے فرمایا

کہ:۔ ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت راشدہ تھی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت راشدہ ہوگی۔ البلقوطی ۱/۲۲۔ (خلفائے راشدین اور امیر معاویہ ص ۲۲، ناشر۔ دار الاشاعت اہل سنت ۱۹۹۷ء پکی بازار بنارس کینڈ)۔

صحابہ کو بُرا کہنے والے کے پیچھے نماز حرام ہے

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ علی حضرت قُدس سرہ فرماتے ہیں کہ

بعض لوگ صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن العاص و ابو موسیٰ اشعری و غیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں۔ اُن کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے۔ کہ انہیں امام بنا کر حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جہنمی پڑھی ہوں، سب کا پھیرنا واجب۔ "احکام شریعت جلد اول" (ایضاً کتاب خلفائے راشدین اور امیر معاویہ مطبوعہ بنارس)۔

کیا یزید امام حسینؓ کے قتل پر راضی تھا

یزید امام حسین کے قتل پر راضی تھا یا نہ؟ اس بارے میں مختلف روایات

ہیں۔ ہم یہاں وہ روایات درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت حسین کے قتل پر نہایت ناپسندیدگی کا اظہار کیا چنانچہ (۱) تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جب زحر بن قیس نے یزید کو فتح کی خبر سنائی تو:۔ اس خبر کے سننے سے یزید کی آنکھیں پُر آشک ہو گئیں۔ بولا! میں تم لوگوں سے بغیر قتل حسین کے بھی راضی ہو جاتا۔ اللہ کی لعنت ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر ہو۔ اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا تو میں حسین سے درگزر کر جاتا۔ اللہ تعالیٰ حسین پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ یزید یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور زحر کو کچھ صلہ نہ دیا۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم) (۲) جب ان لوگوں نے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو یزید نے

علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کو بلا بھیجا اور ان سے کہا خدا میرا جانہ پر لعنت کرے۔ واللہ اگر حسین میرے پاس آتے جس بات کے مجھ سے وہ خواستگار ہوتے، وہی میں کرنا ان کے ہلاک ہونے سے جس طرح بن پڑتا میں بچا لیتا۔ اگرچہ اس میں میری اولاد میں سے کوئی تلف ہو جاتا لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا۔ تمہیں جس بات کی ضرورت ہو مجھے خبر کرنا، میرے پاس لکھ کر بھیج دینا۔ پھر یزید نے سب کو کپڑے دیئے اور اس بدرقہ سے ان لوگوں کے باب میں تاکید کر دی، (تاریخ طبری مترجم حصہ چہارم) (ب) یہ بھی لکھا ہے کہ :- اس کے بعد یزید نے کسی کو بھیج کر اہل حرم سے پوچھا کہ کیا کیا چیزیں ان کی لوٹ لی گئیں اور جس بی بی نے جو کچھ بتایا اس کا المضاعف (یعنی دگنا) یزید نے دیا۔ سکینہ کما کرتی تھیں میں نے کسی کافر کو یزید سے پھر کرا چھان نہیں دیکھا، (الیناطبری) (۲) مؤرخ ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ :- پھر جس وقت اہل بیت امام مدینہ کی جانب روانہ ہونے لگے تو لغمان ابن بشیر نے یزید کے حکم سے ایک نہایت متدین، با ایمان شخص کو مع چند سواروں کے ہمراہ کر دیا اور بار برداری و اسباب جس قدر لوٹ لیا گیا تھا اس سے دو گنا دے کر رخصت کیا، اور امام زین العابدین سے یہ بھی کہا کہ :- اے صاحبزادے! جو تم کو آئندہ ضرورتیں پیش آئیں مجھے لکھنا، پھر محافظین کی طرف متوجہ ہو کر بولا، دیکھو ان لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ عرض یزید سے امام زین العابدین رخصت ہو کر مع اپنے اہل بیت منزل بمنزل سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ محافظین اس وجہ سے نہیں کہ یزید کا حکم تھا بلکہ بنیالی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عزت و احترام و آرام سے لائے۔ کسی قسم کی تکلیف اثناء راہ میں نہ ہونے پائی۔ جہاں پر قیام پذیر ہوتے تھے چوکیداروں کی طرح سے محافظت و نگہبانی کرتے تھے، (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۲ مطبوعہ لندنس اکیڈمی کراچی) (۳) ان تاریخی کتب کے علاوہ مذہب شیعہ کی مستند کتابوں میں بھی اسی طرح کی روایات مذکور ہیں۔ چنانچہ شیعوں کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: بعد ازاں امام زین العابدین کو طلب کر کے بنیالی رفق تشیع کہا کہ ابن مرجانہ پر خدا لعنت کرے۔ اگر میں اس کی جگہ بنا تو امام حسین جو کچھ مجھ سے طلب کرتے ہیں ان کو دیتا اور ان کے قتل پر راضی نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ مجھ کو خط لکھا کریں

اور جو حاجت ہو وہ مجھ سے طلب فرمائیں کہ میں بجالاؤں گا بعد ازاں جس شخص کو ان کی رفاقت و نگہبانی پر مقرر کیا تھا اس کو طلب کر کے حضرت کی رعایت کے بارے میں اس سے بہت کچھ کتارا ہوا (رجلہ العیون جلد دوم ص ۲۵ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور)۔ مزید بالا روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر راضی نہ تھا اور اس نے امام زین العابدین وغیرہ خاندان نبوت سے حسن سلوک کیا۔ واللہ اعلم، انہی تاریخی روایات کی بنا پر علمائے اہل سنت کے ایک گروہ نے یزید کی تکفیر یا اس کے مستحق لعن ہونے میں توقف کیا ہے جیسا کہ دیوبندی علماء میں سے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور بریلوی علماء میں سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اقوال قبل انہیں نقل کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت معاویہ کی یزید کو وصیت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ :- حسین بن علیؑ ایک سیدی سادی طبیعت کے آدمی ہیں مگر اہل عراق ان کو خروج کرنے پر ضرور تیار کر لیں گے پس اگر یہ تم پر خروج کریں اور تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو تو درگزر کرنا، ان کا بہت بڑا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فوائد ہیں، (تاریخ ابن خلدون مترجم ص ۶) (۲) اور تاریخ طبری میں بھی یہی وصیت لکھی ہے :- اور حسین بن علیؑ کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کریں گے ہرگز نہ چھوڑے۔ اگرچہ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو درگزر کرنا، ان کو قربت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔ (ص ۱۱) (۳) اور شیعی محدث علامہ باقر مجلسی نے بھی حضرت معاویہ کی اس وصیت کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :- ولین امام حسین پس ان کی نسبت قرابت کا حال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے تجھے معلوم ہے کہ وہ یادہ تین حضرت رسول کے ہیں اور ان کے گوشت و خون سے پرورش ہوئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بیشک اہل عراق ان کو بلائیں گے اور یارسی و نصرت نہ کریں گے بلکہ ان کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ لازم ہے اگر ان پر تو ظفر پائے، ان کے حق ہرمت کو چھاننا اور ان کی منزلت و قرابت جو رسول خدا سے ہے اس کو یاد کرنا اور ان کی باتوں پر ان کو مؤاخذہ نہ کرنا اور جو وبال بطن میں نے اس مدت میں ان سے حکم کیے ہیں ان کو

قطع نہ کرنا اور ہرگز ہرگز ان کو کوئی صدمہ و ضرر نہ پہنچانا۔ مؤلف فرماتے ہیں کہ غرض اس کی ان نصیحتوں سے حفظ ملک و بادشاہی یزید تھی۔ اس لیے کہ جانتا تھا کہ بعد شہادت امام حسینؑ سلطنت میں تزلزل ہوگا اور جلاء العیون مترجم ص ۱۲۹-۱۳۰ مطبوعہ انصاف پریس لاہور، گو مؤلف مذکور یعنی عملاً مجلسی نے یہاں بدظنی کی بنا پر اپنا نوٹ لکھ دیا ہے لیکن اس بات کا نوٹ کار نہیں کر سکے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو امام حسینؑ کے بارے میں یہ وصیت کی تھی۔

امام زین العابدینؑ نے یزید کی بیعت کی

اہل سنت علماء تو دوسری وجوہات کی بنا پر یزید کی تکفیر و لعن میں احتیاط و توقف کرتے ہیں لیکن اہل تشیع کیونکہ یزید کو ملعون قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ ان کی مستند کتب حدیث سے ثابت ہے کہ خود حضرت امام زین العابدینؑ نے یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ فرورہ کافی میں ہے:-
ثم ارسل الی علی بن الحسین علیہما السلام فقال له مثل مقاتلة للقرشی فقال له علی بن الحسین علیہما السلام اریت ان لمر اقرک الیس تقتلی کما قتلت الرجل بالامس فقال له یزید لعنه الله بلی۔ فقال له علی بن الحسین علیہما السلام قد اقررتک بما سألک انا عبد مکرمک لک فان شئت فامسک وان شئت فبیع فقال له یزید لعنه الله اولی ک حفت دمک ولسرینتصک ذلک من شرفک۔ (جلد ۳ کتاب الرضخہ)۔ پھر یزید نے امام زین العابدینؑ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو وہی بات کہی جو ایک قریشی مرد کو کہی تھی۔ تو امام زین العابدینؑ نے اس سے کہا کہ بتاؤ اگر میں تیری (خلافت و بیعت) کا اقرار نہ کروں تو کیا تجھ کو بھی قتل کر دے گا۔ جیسا کہ تو نے کل اس مرد کو کیا ہے تو یزید نے کہا کہ ہاں۔ پس امام زین العابدینؑ نے یزید سے کہا کہ تو جو چاہتا ہے میں تیرے لیے اس کا اقرار کرتا ہوں۔ میں تو تیرا محبوب اور غلام ہوں۔ اگر تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور اگر تو چاہے تو بیچ دے۔ پس آپ کو یزید نے کہا کہ تو نے اچھا کیا اپنا خون بھی بچا لیا اور اس بات نے تیری شان کچھ کم بھی نہیں کی، اور شیعوں کے علامہ باقر مجلسی نے بھی لکھا ہے: ”اور کچھ لوگوں کو بھیج کر حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدینؑ) کو طلب کیا اور وہی کہا جو اس مرد سے کہا تھا۔ حضرت نے فرمایا اگر میں اقرار نہ کروں اس وقت تو مجھے قتل کرے گا

جس طرح اس مرد کو قتل کیا۔ یزید نے کہا ہاں! حضرت نے فرمایا جو کچھ تو نے کہا میں نے اقرار کیا۔ یزید نے کہا تو نے اپنی جان کی حفاظت کی اور تمہارے شرف و بزرگی سے کچھ کم نہ ہوا، مؤلف فرماتے ہیں کہ یزید کا بعد شہادت امام حسینؑ کے مدینہ میں آنا مخالف تواریخ مشہور ہے۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ رادویوں کو اشتباہ ہوا ہو اور مسلم بن عقبہ نے اس ملعون کی طرف سے آگے بیعت لی ہو۔ (جلاء العیون مترجم ص ۱۳۱ جلد دوم مطبوعہ لاہور) علامہ باقر مجلسی اس واقعہ بیعت کا انکار نہیں کر سکے صرف اتنی تاویل کی ہے کہ ممکن ہے کہ مسلم بن عقبہ نے یہ بیعت یزید کے لیے لی ہو۔ بہر حال امام زین العابدینؑ کا یزید سے بیعت کر لینا تو ثابت ہو گیا خواہ بالواسطہ ہی ہو۔ یہی عجیب نظریہ ہے کہ جس کی بیعت امام حسینؑ قبول نہ کریں اور اپنے اور اعزہ کی جانیں قربان کر دیں اور مستورات کو اس مصیبت میں مبتلا کرنا قبول کر لیں۔ انہیں کے جانشین حضرت زین العابدینؑ جو شیعوں کے نزدیک پورے امام معصوم ہیں، جان بچانے کے لیے اسی یزید سے بیعت کر لیں اور اس کو خلیفہ مان لیں جو اہل تشیع کے نزدیک اتنا ملعون ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس پر لعنتوں کا ورد نہ کرے تو وہ بھی ان کی نگاہ میں دشمن حسینؑ قرار دیا جاتا ہے۔ کیا یہی وہ امامت مفروضہ ہے جو ماتمی گروہ مسلمان سے منوانا چاہتا ہے؟ اگر امام زین العابدینؑ کے تقیہ کرنے سے ان کی امامت معصومیت میں فرق نہیں پڑا تو پھر اگر امام حسینؑ بھی اسی تقیہ پر عمل کر لیتے تو کیا نقص لازم آتا تھا۔ اعزہ و احباب کی جانیں بھی بچ جاتیں اور عظمت امام میں بھی کچھ فرق نہ پڑتا۔

(ب) جلاء العیون کی مندرجہ روایت کے حاشیہ میں کوثر زیدسی بھریلوی صاحب فرماتے ہیں کہ: ”یہ روایت بالکل غلط ہے امام زین العابدینؑ کا بھی اپنے والد امام حسینؑ کے بعد وہی مرتبہ اسلام ہے جو امام حسینؑ کا تھا۔ اگر امام زین العابدینؑ یزید کی یا مسلم بن عقبہ کی بیعت کرنے تو امام حسینؑ کیوں سرکڑاتے؟ اس نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثر زیدسی صاحب یا نیم سنی ہیں کہ امام موصوف سے اس قسم کی کمزوری کا صدور تسلیم نہیں کر سکتے اور یا وہ شیعوں کے مسئلہ تقیہ سے ناواقف ہیں، اور روایت غلط ہونا بھی محض بلا دلیل ہے! جب ان کے رئیس محمد بن علامہ باقر مجلسی اس کو صحیح مان رہے ہیں تو ان کے مقابلے میں کوثر زیدسی صاحب کی تحقیق کی کیا حیثیت ہے اور غالباً کوثر صاحب اصول کافی کے اس آسمانی وصیت نامہ سے ہی ناواقف ہیں کہ

جس میں امام زین العابدین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقیہ کرنے کا یہی حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس طویل وصیت نامہ میں ہے: فلما مضى دفعها الى علي بن الحسين قبل ذلك ففتح الخاتم المزاج فوجد فيها ان اوصت واطرق لصاحب العلم: - جب انہوں نے (یعنی امام حسینؑ) شہادت پائی تو وہ وصیت نامہ علی بن حسینؑ دہنی امام زین العابدینؑ کو دے دیا۔ انہوں نے چوتھی مہر توڑی، لکھا تھا، چپ رہو اور دُعا لے لی میں مہر جگائے رہو کیونکہ علم حجاب میں ہے: (شانی ترجمہ اصول کافی ص ۱۳۳) دوسری روایت میں ہے: "اس میں لکھا تھا کہ مرسلیم تم کو خاموشی کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھ کے مرنے تک عبادتِ خدا کرو" (شانی ص ۱۳۳) اس وصیت نامہ پر حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ کی گواہی بھی موجود ہے تو جب آپ کو خدائی حکم ہی مرسلیم خم کرنے کا تھا تو آپ یزید کی بیعت کیوں نہ کرتے؟

امام حسینؑ نے حصّۃ معاویہ کی بیعت کی | کوثر زیدی صاحب تو امام زین العابدین کی بیعت کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ امام کر بلا حضرت حسینؑ نے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے اہم کتاب رجال (یعنی رجال کشی) میں ہے: - سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول ان معاویہ کتب الی الحسن بن علی صلوات اللہ علیہما ان اقدم انت والحسین واصحاب علیؑ۔ فخرج معہم قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری وقد و الشام فاذن لہم معاویہ و اعد لہم النطاء فقال۔ یا حسن قم فبايع فقام فبايع۔ ثم قال للحسین علیہ السلام قم فبايع فقام فبايع الرجل کئی مطبوعہ کو جلا ص ۱۱۱)۔ - دوسری کتاب ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے سنا آپ نے فرمایا کہ معاویہ نے (امام) حسن کی طرف لکھا کہ آپ اور (امام) حسین اور حضرت علی کے اصحاب میرے پاس آجائیں۔ پس ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری بھی نکلے اور شام میں آئے تو امیر معاویہ نے ان کو ملاقات کی اجازت دے دی اور ان کے لیے خطیب (کلام کرنے کیلئے) مقرر کیے۔ پھر کہا اے حسن! کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے بیعت کریں۔ پس امام حسن کھڑے ہوئے اور آپ نے بیعت کی۔ پھر امیر معاویہ نے امام حسینؑ سے فرمایا کہ اے حسین! آپ کھڑے ہوں اور مجھ سے بیعت کریں۔ پس امام حسینؑ کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ سے بیعت کی "کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

تجب ہے کہ جنت کے جواؤں کے سردار حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نے تو باضابطہ حضرت امیر معاویہ کی بیعت کی اور ان کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا۔ لیکن شیعہ حضرات اب تک امیر معاویہ کو معاف نہیں کرتے اور ان پر لعن طعن کرنا باعثِ ثواب سمجھتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت معاویہؑ ظالم بادشاہ تھے تو حضرت حسینؑ نے ان کی کیوں بیعت کی؟ آخر ان حضرات کی کیا پوزیشن باقی رہ جاتی ہے اور اگر خلیفہ حق تھے تو پھر ان کو لعن طعن کرنا دراصل حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو مطعون کرنا ہے۔ مجبور ہو کر میاں شیعہ مجتہدین ان حضرات کی بیعت کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن ائمہ کبار کی طرف اس قسم کے تقیہ کو منسوب کرنا بھی ان کی سخت توہین ہے، اور سوائے مذہب اہل سنت اختیار کرنے کے ان حضرات کی دینی عظمت قائم ہی نہیں رہ سکتی۔

بحث دلیل نمبر ۱۶

ماتمی ٹریٹ میں یہ لکھا تھا کہ: "حضرت محمد رسول اکرم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حسین پر ان کا حق پہنچاتے ہوئے روئے اس پر جنت واجب ہے۔ اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ (۱) اس روایت کا بھی حوالہ نہیں پیش کیا گیا (۲) پھر اس میں ماتم مرتبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ (۳) اگر صرف روئے سے جنت ملتی ہے تو پھر شریعت کی کیا ضرورت ہے۔ (۴) ائمہ اہل بیت امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق نے ایسی مجالس ماتم کیوں قائم نہیں کیں بلکہ ان امور کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ آئمہ حوالجات میں پیش کیا جائے گا" (دھم ماتم کیوں نہیں کرتے؟)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ: - (۱) حضرت امام حسینؑ کے روئے سے جنت مل جاتی ہے یہ صرف ایک روایت نہیں بلکہ کئی روایات مع حوالہ پیش خدمت ہیں، ملاحظہ کیجئے (۲) مولانا محمد امین فرنگی حلی (دکھنوی)، بحوالہ مسند احمد حنبلی وسیلۃ النجاة ص ۳۰۵ پر لکھتے ہیں: - فی مسند احمد بن حنبل من دمعت عیناہ بنقل الحسنین دمعتہ او قطرة لواء الجنة - (احمد بن حنبل کی کتاب مسند میں ہے کہ جس شخص کی آنکھوں نے امام حسینؑ پر آنسو بہائے۔ چاہے ایک قطرہ ہی آنسو کیوں نہ ہو، خدا اس کو بہشت میں جگہ دے گا) (۳) ملا حسین داعظ کاشفی "روضۃ الشهداء" میں لکھتے ہیں: - (ترجمہ فارسی) "اے عزیزو! غور کرو کہ امام حسینؑ پر روئے کا کس قدر ثواب ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ ماتم حسینؑ میں آنسو سے آنسو کا جو قطرہ ٹپکے اس کو ملائکہ شرف کے صدف میں موتی بنا کر رکھتے ہیں اور اس

کے اعمال کے بار میں اس کو سنا دیتے ہیں۔ اس موتی کی قدر و قیمت قیامت کے بازار میں لوگوں پر عیاں ہوگی۔ (ج) علامہ ابن حجر عسقلانی اہل حدیث کے مشہور و معروف محدث اپنی کتاب ”اصابہ فی احوال الصحابة“ جلد اول ص ۲۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں :- قال ما من عبد یبکی یوم حبیب ولدی الحسن الا کانت یوم الفیئة مع ادلی العزم من الوصل۔ وقال البکاء یوم عاشوراء یوم فراق یوم العیز۔ ”فرمایا جو شخص میرے فرزند حسینؑ پر بروز عاشوراء روتے گا۔ خدا اس کو قیامت کے دن ادلی العزم انبیاء کے ساتھ ہمشیت میں لکھے گا اور یہ بھی فرمایا، عاشوراء کے دن بروز قیامت عز و جہان روز بیکہ (بعض علماء نے تو اپنی کتابوں میں ایک مستقل باب قرار دے کر ایسی احادیث کو لکھا کرنے کی ہوشش کی ہے۔ جن میں حضرت امام حسینؑ پر رونے کا ثواب دار ہے جیسے ”وسيلة النجاة“ اور ”ینابيع العودۃ“ ذخیرہ ۲۰) جب ماتم کا معنی ہی رونا پٹینا ہے تو یہ یا غیر وجہ ماتم کے اثبات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (فلاح المکونین) :-

الجواب

(۱) آپ نے ”وسيلة النجاة“ سے تواتر سے مسند احمد بن حنبل کی جو روایت لکھی ہے وہ باوجود تلاش کے مسند احمد بن حنبل میں نہیں مل سکی اور نہ ہی آپ نے اس قول کے قائل کا نام بتایا ہے اور نہ راوی کا صحیح نشان دینے کو کوشش کی ہے (۲) جب تک اس روایت کی صحیح ثابت نہ ہو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں ضعیف احادیث بہت ہیں چنانچہ (۱) علامہ قاری علی حقی لکھتے ہیں :- والحق ان فیہ احادیث شہرۃ ضعیفۃ وبعضہا اشد فی الضعف من بعض حتی ان ابن الجوزی قد اذخلكثیر منسانی موضوعۃ لہ فی عقبہ فی بعضہا بعضہم و فی ساوہا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی وحقق فی الوضع عن جمیع احادیثہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۳) :- (اور اس پر ہے کہ مسند احمد میں بہت احادیث ضعیف ہیں اور بعض ان میں سے بعض سے زیادہ ضعیف ہیں۔ حتیٰ کہ ابن جوزی نے ان میں سے بہت سی روایات کو اپنی موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس کی بعض روایات کے موضوع ہونے پر گرفت کی ہے، اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے ان سب روایات کے موضوع ہونے پر گرفت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی احادیث میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے، لیکن ان روایات کے موضوع نہ ہونے

سے ان کے ضعیف ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ (ب) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- در مسند احمد ضعات بسیار اند۔ ”یعنی مسند امام احمد بن حنبل میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں“ (عجالتہ نافعہ) (۳) اس روایت کے ناقابل اعتبار ہونے کی ایک یہ علامت بھی ہے کہ اس میں صرف ایک قطرہ آئسو بہانے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ موضوع احادیث کی علامت میں سے ایک یہ علامت بھی بیان فرماتے ہیں کہ :- ”بر عمل قلیل ثواب حج و عمرہ ذکر نماید۔ یعنی کسی روایت میں محتوطے عمل پر حج و عمرہ کا ثواب مذکور ہو تو وہ موضوع ہوگی :- (عجالتہ نافعہ ص ۱۶) کسی مصیبت پر وقتی تاثر کے تحت رو پڑنا چونکہ غیر اختیاری ہوتا ہے اس لیے یہ جزئی ہے لیکن مصیبت پر رونا شریعت میں کوئی عبادت نہیں ہے۔ کہ اس پر جنت واجب ہو جائے۔ مصیبت امام حسینؑ پر رونے کے فضائل میں من گھڑت روایات کا بعض کتابوں میں جو انبار لگا ہوا ہے یہ سب مقام صبر و شہادت کی عظمت کو ذائل کرنے کے لیے ایک سازش ہے۔ ورنہ اگر کسی مصیبت پر رونا موجب جنت ہوتا تو رحمت اللعالمین، خاتم النبیین، امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب اُحد میں دندان مبارک شہید ہونے کی مصیبت پر رونے کی فضیلت اور اس پر جنت کے واجب ہونے کی بشارت دی جاتی۔ بدر اور اُحد کے شہداء کی مصیبت پر رونے کے فضائل میں بھی احادیث وارد ہوتیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشانی مبارک جناب اُحد میں زخمی ہوئی اور خون جاری ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اطہر کے خون کا ایک قطرہ رونے زمین کے تمام شہیدوں کے لہوسے زیادہ شان رکھتا ہے۔ لیکن اس مصیبت پر رونے دھونے کے متعلق کوئی فضیلت نہیں بیان کی گئی۔

اگر اللہ تعالیٰ کو مصائب پر رونا رونا لانا مطلوب ہوتا تو قرآن عظیم میں سب کے روتے پینے کا حکم دیا جاتا۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شہداء اُحد کے صدمہ کے بعد یہ فرمایا کہ لا تَحْزَنُوا (تم غم نہ کھاؤ) جب غم جاری رکھنے کی ہی نہی فرمادی تو آپ کے ماتمی سلسلہ کی کہاں گنبا لٹس رہ گئی۔ علاوہ ان ماتم کا معنی آپ جو سینا لکھتے ہیں یہ آپ کی جہالت یا تلبیس ہے۔ جس کی تردید کر دی گئی ہے۔

”مقصدِ شہادت“ از شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جاندھری

شہید اک مقصدِ اعلیٰ کی خاطر دے کے قربانی
نویذِ زندگیاں لاتے ہیں بہرِ نفعِ انسانی
شہید احسان فرماتے ہیں فرزندِ آدم پر
ہو اُن کا نویذِ امن برساتا ہے عالم پر
دظاہرِ خاک میں ملتی نظر آتی ہے خاک اُن کی
مگر ہے زندہ و پائندہ ہر دم جانِ پاک انہی

ہمیشہ احترام اُن کا فروغِ اکہیت ہے
مگر یہ پیٹنا رونا تو رسمِ جاہلیت ہے

(۵) آپ نے ”روضۃ الشہداء“ سے ملاحظہ فرمائیں کاشفی کی جو عبارت پیش کی ہے تو یہ بھی کوئی شرعی حجت نہیں ہے اور قبل ازیں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ملا صاحب مذکور اہل تشیع میں سے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اسی ”روضۃ الشہداء“ میں آیت **وَيَسِّرِ الصَّابِرِينَ** کے تحت آپ کے ماتم کے خلاف یہ لکھا ہے ہیں :- و بشارتِ وہ صبر کنندگان را کہ دریں بلیات طریقہ شکیبائی پیش آرند و رسوم جزع و فرج و شکایت فروگذارند :- ”یعنی اے اللہ کے رسول! آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں جو کہ مسیبتوں میں صبر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور جزع و فرج کی رسموں اور شکایت کو چھوڑ دیتے ہیں“ فرمائیے! اس میں آپ کے مروجہ ماتم کی تردید ہے یا تائید؟

(۶) آپ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ”الاصحابہ فی تَمِيزِ الصَّحَابَةِ“ جلد اول کے حوالہ سے جو روایت

اصحابہ کا غلط حوالہ

درج کی ہے وہ اس میں حضرت امام حسینؑ کے تذکرہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارے پاس ”الاصحابہ“ مطبوعہ مصر اور بیروت دونوں موجود ہیں لیکن ان میں اس روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پھر آپ نے یہ غلط حوالہ کیوں پیش کر دیا؟ (ب) آپ نے علامہ ابن حجر عسقلانی کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں :- ”اہل حدیث کے مشہور و معروف محدث“ تو اگر آپ کی مراد اہل حدیث ہونے سے یہ ہے کہ وہ حدیثِ نبویؐ کو تسلیم کرنے والے ہیں تو صحیح ہے۔ لیکن اگر آپ کی مراد اس سے وہ علماء ہیں جو کسی امام مجتہد کی فروجی و اجتہادی مسائل میں تقلید نہیں کرتے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ چنانچہ کتاب ”الاصحابہ“ کے ٹائٹل پر اُن کے نام کے ساتھ ”العسقلانی الشافعی“ لکھا ہوا ہے۔

زیندہ کارونا اور ماتم کرنا

(۷) آپ نے جو روایات پیش کی ہیں اُن میں بھی صرف آٹھوہانے کا ذکر ہے۔ نہ کہ ماتم مروجہ یعنی منہ پیٹنے اور صینہ کو بلی کرنے کا۔ اس لیے ان روایات سے آپ کا دعویٰ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر مصیبتِ حسین پر آٹھوہانے اور ماتم کرنے سے ضرور جنت مل سکتی ہے تو یہ عبادت تو زیندہ کو بھی نصیب ہو چکی ہے پھر آپ اس کو کیوں جہنمی سمجھتے ہیں چنانچہ (۱) جناب سکینہ کے مذکورہ زیر بحث خواب کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :- جب زیندہ نے یہ خواب سنا اپنے منہ پر ٹھانچے مار کے رونے لگا اور کہنے لگا مجھے قتلِ حسین سے کیا مطلب تھا الخ (جلد العیون علامہ باقر مجلسی جلد دوم مطبوعہ لاہور)۔

(ب) زیندہ نے نہ صرف یہ کہ خود ماتم کیا بلکہ مستوراتِ اہل بیت کو بھی ماتم حسین کی اجازت دے دی اور اس کے لیے مکان خالی کر دیا چنانچہ علامہ باقر مجلسی مذکورہ خواب کے سلسلہ میں جناب سکینہ کا خواب لکھتے ہیں کہ :- جب اس نے میرا خواب سنا اس کا تم دائودہ زیادہ ہوا اور مرہجہ کا کچھ جواب نہ دیا صبح کو اہل بیت رسالت کو طلب کر کے اُن کو شام میں رہنے یا مدینہ کی طرف جانے کا اختیار دیا انہوں نے کہا اول ہم کو امام مظلوم کا ماتم برپا کرنے کی اجازت دے۔ اُس نے کہا جو تمہیں منظور ہو وہ کرو، اور ایک مکان اہل بیت کو دیا۔ اہل بیت نے جامہ ہائے سیاہ پہنے۔ اور تک شام میں جس قدر قریش یعنی ہاشم تھے، ماتم و گریہ و زاری و تقزیت و سوگواری میں اُن کے شریک ہوئے اور سات روز تک آنحضرت پر لوجہ و زاری کی (جلد العیون جلد دوم ص ۲۵)۔

فرمائیے! جب امام حسینؑ کی مصیبت پر ایک قطرہ آٹھوہانے سے آپ کے نزدیک جنت واجب ہو جاتی ہے تو پھر زیندہ تو روتا بھی رہا اور اس نے ماتم بھی کیا۔ بلکہ سات روز تک جو عباس ماتم اس کی اجازت سے برپا رہیں اور ان میں جتنا رونا دھونا ہوتا رہا، اس کا ثواب بھی اس کو ملنا چاہیے تو کیا اس کے باوجود بھی آپ زیندہ کے جنتی ہونے میں شبہ کر سکتے ہیں۔ آج اگر کوئی بھکاری اُبرت لے کر

ماتم بپا کرتا ہے تو ماتمیوں کے نزدیک وہ بھی جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ تو پھر نزدیک کیونکر جنت سے محروم رہ سکتا ہے جبکہ اس نے اہل بیت کو ماتم کی کھلی اجازت دے کر ان پر یہ عظیم احسان کیا ہے، اور آج اپنی مجالس ماتم کی پیروی میں ہر جگہ ماتمی لوگ مجالس برپا کر رہے ہیں۔ تو پھر یہ فرق کیوں ہے کہ ماتمی مجالس کا بانی تو جہنم میں جائے اور صدیوں بعد کے ماتمی لوگ جنت کا ٹکٹ لے جائیں۔ (ب) اور اگر یہ فرمائیں کہ یزید کا ماتم اور اس کی طرف سے مجالس ماتم کی اجازت دینا محبت حسین پر مبنی نہیں بلکہ یہ اس کی سیاسی چال تھی۔ اور دکھلا دے کہ ایسے اُس نے خود بھی ماتم کیا، اُس کی بیوی بھی ننگے سر ماتم کرتی ہوئی اُس کے دربار میں آئی اور مستورات اہل بیت کو بھی اس نے ماتمی مجالس کے انعقاد کی اجازت دے دی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اتنے بڑے ذی اقتدار جابر و ظالم سلطان کو حضرت حسین کے اس تذکرہ عظیم الشان مظاہرے کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ وہ امام حسین اور آپ کے اعزہ کو بے رحمی سے قتل کر اچکا تھا تو مستورات اہل بیت کی اس کو کیا پرواہ ہو سکتی تھی، اور اگر آپ کا یہی یقین ہے کہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف تھا۔ بظاہر اس نے ماتم کا مظاہرہ کیا لیکن دل سے وہ اس کے خلاف تھا، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہی تو وہ تفسیر ہے جو آپ کے نزدیک ایک عظیم عبادت ہے۔ جس میں دین کے نقص پائے جاتے ہیں تو اس وجہ سے بھی وہ آپ ہی کا ہم مذہب ثابت ہوا۔ عبرت! عبرت! (۸) اگر یہ روایت صحیح ہوتی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ”جو شخص میرے فرزند حسین پر پردہ عاشوراء روئے گا، خدا اس کو قیامت کے دن اولوا العزم پیغمبروں کے ساتھ بہشت میں رکھے گا“ (فلاح الکونین ص ۱۱)۔

تو بعد رسالت میں ہی عاشوراء کے دن امام حسین کی آنے والی مصیبت کے تحت مجالس گریہ ماتم بپا کی جاتیں پھر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ بلکہ حضرت فاطمہ الزہراء بھی ہر سال اس دن ماتمی مجالس کا اہتمام کرتیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں کیا گیا تو کیا مذکورہ فضائل صرف آج کل کے ماتمیوں کے نصیب میں تھے اور وہ حضرات ان سے محروم رہ گئے، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ ارشاد سنے تھے۔ کیا عاشوراء کے دن رو کر ان کو جنت حاصل کرنے کی حاجت نہ تھی۔ یہ بھی عجیب قسمت ہے

کہ جن حضرات ائمہ کی طرف اس قسم کی روایات منسوب کی جاتی ہیں، اُن کی مبارک زندگیوں میں تو اس ماتم مرقومہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ اُن کے لمحات حیات تو اسلامی فرائض نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ اور تلاوت و تعلیم قرآن، اتباع سنت، تحفظ حد و شریعت اور تبلیغ و اشاعت دین میں گزرے ہیں، اور الحمد للہ ان اعمال صالحہ میں ان حضرات کی پیروی اہل سنت کے بزرگوں کو نصیب ہے، اور درحقیقت جنت اہل بیت میں مذکورہ اعمال صالحہ تو عموماً مفقود ہیں۔ البتہ منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا وغیرہ ماتمی افعال ان کے نامہ اعمال میں زیادہ ہیں جن سے ان ائمہ کبار کا دامن پاک ہے، اور تعجب ہے کہ قرآن مقدس میں سید نماز، حج و زکوٰۃ، ذکر اللہ، تعلیم و تبلیغ دین اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ فرائض و احکام شریعت اور دیگر اعمال صالحہ کا ذکر تو جا بجا ملتا ہے لیکن ماتم کا لفظ تک مذکور نہیں اور اگر لُجبار کا ذکر ملتا ہے تو نہ تحریر اور نہ تصویب کی ہے۔ لیکن پھر بھی یار لوگوں کے نزدیک حسین مشن کی بنیاد ماتم ہی ہے۔ اور ان کی تحریر و تقریر کا سارا انداز اسی پر خراج ہو رہا ہے کہ ماتم کرنا ہی جنت کی کنجی ہے اور جو مسلمان اُن کے ایجاد کردہ ماتم کی پیروی نہیں کرتا وہ جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ اپنی اپنی قسمت ہے شکایت کیوں لگے کسیا؟ کسی کا جنت ہے ماتم کسی کا صبر و قرآن ہے

بحث دلیل ضعیفہ ۱۔ ماتمی بڑیکت میں

لکھا تھا کہ: ”حضرت امام حسین کا غم تو وہ

”ینابیح المودت“ کا مصنف شیعہ ہے؟

غم ہے جس پر انسان تو کجا جن و ملک، چرند و پرند، آسمان و درخت سب نے گریہ کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آسمان حضرت امام حسین پر چالیس دن تک روتا رہا“ (ینابیح المودت از علامہ شیعہ سلیمان حنفی قدوری مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۳۹) ثابت ہوا کہ مرثیہ پڑھنا، رونا اور ماتم کرنا انبیاء کی سنت اور سیرت اصحاب رسول اکرم ہے“ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ (۱) ”ینابیح المودت“ حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں۔ پھر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ایسی روایتیں کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں (۲) اس عبارت میں منہ پیٹنے اور سینہ کوٹی کا کوئی ذکر تک نہیں۔ (۳) کیا فرشتوں کی نظرت بھی رونا اور ماتم کرنا ہے، (۴) کیا ہر سال زمین و آسمان ماتم کرتے ہیں؟ (۵) ہم ماتم

کیوں نہیں کرتے ص ۱۷۱۔

اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں: "دا، بقول آپ کے "ینابیع المودت" حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں، چلے نہ سہی۔ اگر آپ علامہ شیخ سلیمان حنفی مفتی اعظم قسطنطنیہ جیسے معتبر عالم کی لکھی ہوئی کتاب کو مستند نہیں سمجھتے، نہ سمجھیں۔ بوقت ضرورت اپنی کتاب سے منکر ہو جانا آپ کا اور آپ کے علماء کا پُرانا شیوہ ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی مصنف "تحفة اثنا عشریہ" کے معتبر عالم ہونے اور اور ان کی لکھی ہوئی کتابوں کے مستند ہونے کا اقرار تو آپ کو بھی ہوگا۔ چنانچہ شہادت حسین پر زمین و آسمان کے رونے کا ثبوت ہم شاہ صاحب موصوف کی کتاب "سیر الشہادتین" سے دلیل نمبر ۳ جواب الجواب میں پیش کر چکے ہیں۔ شاہ صاحب کے علاوہ ان قدرتی آثار کا ظہور پذیر ہونا جن کو زمین و آسمان کا رونا کہا گیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزیری، علامہ ابن حجر، ابن سعد اور سبط ابن جوزی وغیر ہم علماء اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ آپ کس کا انکار کریں گے اور کس کو جھٹلائیں گے؟" (فلاح الکونین ص ۱۷۱)

الجواب

بحث دلیل نمبر ۳ کے تحت آپ کی پیش کردہ روایات کا جواب گذر چکا ہے، جس میں سبط ابن جوزی کا شیعہ ہونا ثابت کیا گیا ہے، اور حافظ ابن کثیر محدث کی تحقیق، اُن کی تفسیر اور اُن کی کتاب "البدایہ والنہایہ" سے نقل کر دی گئی ہے کہ اُن میں سے اکثر روایات وضعی اور من گھڑت ہیں، اور "صواعق محرقة" میں علامہ ابن حجر مکی نے اس قسم کی جو روایات درج کی ہیں وہ بھی سبط ابن جوزی وغیرہ کے حوالہ سے ہیں اور ان کتابوں سے منقول ہیں، جن میں رطب و یابس اور صمغ و غلط ہر قسم کی روایات درج ہیں۔ لہذا ان روایات کو کسی شرعی مسئلہ پر بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ آپ کے مراد ما تم کے

سلسلہ ہر وہ کتاب جو کسی سنی عالم کی طرف منسوب ہو حجت نہیں ہو سکتی، جو بات مذہب اہل سنت کے اصول و قواعد کے خلاف ہوگی وہ قابل قبول نہیں خواہ وہ کسی کتاب میں ہو اور اس کا لکھنے والا کوئی سنی عالم ہی ہو اور "ینابیع المودت" تو اہل سنت کی کوئی مستند کتاب ہے ہی نہیں۔ ۱۲۔

خلافت کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص موجود ہیں۔ جن کی تفصیل انتشار اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں حرمت ماتم کے دلائل کی بحث میں آنے والی ہے۔ (ب) اور جن علماء نے اس قسم کی روایات کو درج کیا ہے، ان کے نزدیک بھی مندرجہ واقعات سے آپ کا ماتم ثابت نہیں ہوتا بلکہ مستقل شرعی دلائل کی بنا پر وہ بھی اس ماتم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے "صواعق محرقة" میں ہی یہ فرمایا ہے کہ:۔ اعلم ان ما أصیب به الحسین رضی اللہ عنہ فی یوم عاشوراء کما سیأتی بسط قصۃ انما هو الشہادۃ الدالۃ علی مزید خطوتہ و مرفعة درجتہ عند اللہ و العاقبہ بدرجات اللہ بیتہ الطاہرین فمن ذکر ذلک الیوم مصابہ لم یبغ ان یشغل إلا بالاسترجاع امتثالاً للامر و احراز المارتبۃ تعالیٰ علیہ بقولہ اولئک علیہم صلوات من ربہم و رحمۃ و اولئک ہم المبتدرون ولا یشغل ذلک الیوم الا بذلک و نحوه من عظام الطاعات کالصوم و ایاء شرایع ان یشغلہ ببدع المرافضۃ و نحوہم من النذب و النیاحۃ و الحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین و الا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک و احری اوبدع الناصب المتعصبین علی اهل البیت او الجہال المقابلین الفاسد بالفاسد و البدعۃ بالبدعۃ و الشر بالشر من اظہار غایۃ الفرح و السرور و اتخاذہ عیداً و اظہار الزینۃ فیہ کالخضاب و الاد کتعال و لبس جدید الثیاب و توسیع النفقات و طبخ الاطعمۃ و الجوب الخارجۃ عن العادات و اعتقادہم ان ذلک من السنۃ و المعتاد و السنۃ ترک ذلک کلہ فانتہ لم یرد فی ذلک شیء ليعتمد علیہ ولا اشریحیح یرجع الیہ۔ (صواعق محرقة)۔ جان لو کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عاشوراء کے دن جو مصیبت پہنچی ہے جس کا مفصل قصہ عنقریب آنے والا ہے۔ وہ آپ کی ایسی شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے مقام کی زیادتی اور درجہ کی بلندی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو اہل بیت طاہرین کے درجات پر فائز ہونا نصیب ہوا ہے۔ پس جو شخص اس دن آپ کی مصیبت شہادت بیان کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں سوائے اللہ و انہما الیہ راجعون کہنے کے اور کوئی فعل نہ کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جن عنایات اور رحمتوں کے ملنے کا

ذکر فرمایا ہے ان کو حاصل کرے، اور اس دن وہ اسی قسم کی دوسری بڑی عبادتوں مثلاً روزہ وغیرہ میں مشغول رہے اور اپنے آپ کو وہ رافضیوں کی بدعتوں کے ارتکاب سے بچائے رکھے مثلاً تہنہ، نوتر اور غم کرنا۔ کیونکہ یہ باتیں مومنین کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ اُمور جائز ہوتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ان کے لیے زیادہ لائق اور زیادہ مناسب تھا، اور رافضیوں کی بدعتوں کا ارتکاب بھی نہ کرے جو اہل بیت پر تعصب رکھتے ہیں اور ان جاہلوں کی طرح بھی نہ کرے جو ایک خرابی کا مقابلہ دوسری خرابی سے اور بدعت کا مقابلہ بدعت سے اور برائی کا مقابلہ برائی سے کرتے ہیں۔ مثلاً انتہائی خوشی کا اظہار کرنا اور اس دن کو عید بنانا اور اس میں زینت کا اظہار کرنا مثل عادت کے خلاف خضاب لگانے اور سر مٹانے اور نئے کپڑے پہننے اور زیادہ خرچ کرنے اور طرح طرح کے کھانے پکانے کے۔ بوجہ ان کے اس اعتقاد کے کہ یہ کام اس دن میں سنت ہیں، حالانکہ معمول اور سنت تو ان کاموں کا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ ان کے لیے کوئی قابل اعتماد حدیث اور صحیح اثر ثابت نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔

یوم عاشوراء کے بارے میں چونکہ افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ رافضی اس دن غم اور نوحہ و ماتم کرنا ضروری سمجھتے ہیں اس لیے ان خلاف شرع اُمور سے بھی بچنا چاہیے، اور ناصبی جو حضرت امام حسینؑ و دیگر اہل بیت سے بغض رکھنے کی وجہ سے ایسے اُمور بجالاتے ہیں۔ جن میں ان حضرات کی تسقیں پائی جاتی ہے، اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے اور جاہل لوگ جو عاشوراء کے دن کو خوشی اور عید کا دن سمجھ کر مناتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں تو ان کے رواج کو بھی چھوڑ دینا چاہیے، اور بجائے ان ناجائز اُمور کے صابرین کی طرح اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے اور روزہ وغیرہ عبادات میں مشغول رہے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو افراط و تفریط سے محفوظ ہے۔ اور جبکہ علامہ ابن حجرؒ کی یہ تفسیر فرما رہے ہیں کہ عاشوراء کے دن کو رافضیوں کی طرح بطور غم کے بھی نہیں منانا چاہیے تو پھر مسند "فلاح الکونین" کو "صواعق معرقہ" کی مندرجہ روایات سے مراد ماتم کے اثبات میں کیا نائدہ پہنچتا ہے جبکہ ماتم کی بنیاد ہی انہوں نے ختم کر دی اور نوحہ اور تہنہ کو بھی ناجائز قرار دے دیا۔ (۲) "ینابیع المودت" کے مصنف علامہ شیخ سلیمان بھی سنی اور اہل سنت نہیں بلکہ شیعہ ہیں۔ "ینابیع المودت" عربی مطبوعہ نجات اشرف، اور "ینابیع المودت" مترجم اردو مطبوعہ

شیعہ جنرل بکٹ ایجنسی انصاف پریس لاہور، دونوں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس کتاب میں مجموعاً شیعہ عقائد کا ہی بیان ہے مثلاً لکھا ہے کہ (۱) موفق ابن احمد نے حدیث وصیت برائے علیؑ کو بریدہ کی ادایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر نبی کا وہی اور وارث ہوتا ہے، میرے وہی اور میرے وارث علیؑ ہیں، (ینابیع المودت اردو ص ۱۲) فرمائیے حضرت علیؑ کا وہی رسول ہونا جس کا وہ اذان میں اعلان کرتے ہیں، سنیوں کا عقیدہ ہے یا شیعوں کا؟ (۲) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اے علیؑ! میرے بعد فضیلت تیرے لیے ہے۔ تیرے بعد ان ائمہ کے لیے ہے جو تیرے فرزند کی اولاد میں سے ہوں گے (ص ۱۲) یہ بھی شیعوں کا عقیدہ ہے کیونکہ اہل سنت کے عقیدہ میں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ (۳) اس میں لکھا ہے کہ ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق تین شخص ہیں۔ (۱) حبیب نجد۔ یہ وہ مومن ہیں جنہوں نے کہا تھا اے میری قوم رسول کی تابعداری کر دو، (۲) حزقیل۔ مومن آل فرعون جس نے کہا تھا کہ تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (۳) علی بن ابی طالب ہیں، آپ ان سے افضل ہیں، (ص ۱۱) یہ بھی عقیدہ شیعہ کے مطابق ہے کیونکہ اہل سنت کے عقیدہ میں حضرت ابو بکر نہ صرف صدیق ہیں بلکہ صدیق اکبر ہیں یعنی امتوں میں سب صدیقیوں سے افضل ہیں۔

تو فرمائیے! اس کتاب "ینابیع المودت" کے مصنف کو ہم سنی حنفی کہیے مان لیں۔ البتہ ایسے حنفی ضرور ہیں جیسا کہ آپ کے قاضی نور اللہ شوستری نے "مجالس المؤمنین" میں لکھا ہے کہ ہمارے شیعہ علماء حنفی و شافعی بن کر کام کرتے رہے ہیں اور اگر شیخ سلیمان موصوف فی الواقع سنی اور حنفی ہیں تو پھر "ینابیع المودت" ان کی تصنیف نہیں بلکہ اس کا مصنف کوئی اور شیعہ عالم ہے اور اذرا لے لے تلخیں اس کو شیخ سلیمان قندوزی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی فرماتے ہیں:- بہت سے شیعہ پڑھ سکتی ہے رہے اور ان میں بعض کاتبین مرتے وقت ظاہر ہوا اور بعض کامرنے کے وقت بھی ظاہر نہ ہوا۔ سوا ان کے چند مخصوص لوگوں کے، کوئی ان کے تشیع سے واقف نہ نہ ہو سکا۔ (النجم لکھنؤ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ)

نے "تحفة اثناعشریہ" میں اہل تشیع کے کارناموں میں اس امر کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ خود کتاب لکھ کر کسی عالم اہل سنت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بہر حال چونکہ "ینابیع المودۃ" شیعہ عقائد پر مشتمل ہے اس لیے اہل تشیع کو اس کتاب سے خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ اب شیعہ جنرل بک ایجنسی انٹرنیشنل پریس لاہور نے بھی اسی بنا پر اس کو طبع کرایا ہے ورنہ اگر "ینابیع المودۃ" عقائد اہل سنت پر مشتمل ہو تو شیعوں کو اس پر سرمایہ لگانے اور اس کی اشاعت کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ (۲) کتاب "سراشہادتین" کے متعلق بھی پہلے عرض کر دیا ہے کہ یہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی طرف منسوب ہے اور اس میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو مصنف "تحفة اثناعشریہ" یعنی حضرت شاہ صاحب موصوف کے واضح مسلک کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر نظر رکھنے والے علمائے اہل سنت نے اس کو حضرت شاہ صاحب کی تصنیف تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "النجم" لکھنؤ کے ایک مضمون میں حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب کانپوری ایک معترض شیعہ کے جواب میں فرماتے ہیں: "اور آپ نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ حسب ارشاد شاہ صاحب امام حسین علیہ السلام کی شہادت رسول اللہ کی شہادت تھی، یہ محض غلط ہے حضرت شاہ صاحب نے کہیں ایسا نہیں لکھا۔ سُبْحَانَكَ هَذَا أَجِبْتَانِ عَظِيمٌ ط "سراشہادتین" کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ کتاب شاہ صاحب کی تالیفات میں سے نہیں ہے۔ یہ بھی حضرات شیعہ کا اُن پر احسان ہے کہ ایک کتاب خود ہی تالیف کر کے حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دی جس سے اہل سنت کے بعض علماء بھی دھوکہ کھا گئے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے "تحفة اثناعشریہ" جیسی جامع کتاب رد مذہب شیعہ میں تصنیف فرمائی۔ جس کا کوئی منقول جواب آج تک فرقہ شیعہ سے نہ ہو سکا اور نہ انتشار اللہ ہو سکے گا۔ پھر حضرت شاہ صاحب سے کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ "سراشہادتین" جیسی کتاب تالیف فرمائیں گے۔ جس میں مذہب شیعہ کے عقائد کی تائید ہوتی ہے۔" (النجم المکتومہ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ) اور شیعوں کو اس کتاب "سراشہادتین" سے اتنی دلچسپی ہے کہ ادارہ علوم اسلام اصفری ساکن

کلاں لاہور کی طرف سے اپریل ۱۹۷۱ء میں اس کو طبع کرایا گیا ہے، جو ہمارے پاس موجود ہے۔ جواب نمبر ۲ میں تو مصنف نے اپنا ماتمی فلسفہ ہی بیان کیا ہے کہ: "جہاں رونے کی شدت ہوگی وہاں مٹہ پٹینا اور سینہ کوئی لازماً ہوگی۔" اس من گھڑت فلسفہ کی پہلے کئی مرتبہ تردید کی جا چکی ہے۔ اگر مٹہ پٹینا اور سینہ کوئی شرفاً کوئی نیکی اور عبادت ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام سے اس کا ثبوت ملتا۔ لیکن آپ سوائے اپنے اختراعی ماتمی فلسفہ کے بیان کے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں پیش کر سکے اور جن واقعات میں کسی مصیبت پر وقتی تاثر کے تحت حُزُن یا بکاؤ کا ثبوت ملتا ہے وہ زیر بحث ہی نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی اختلاف ہے، اور اگر دل میں غم ہو اور آنکھوں سے آنسو آجائیں تو اس سے آپ کا ماتم کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟"

جواب نمبر ۳ میں آپ نے لکھا ہے کہ: "کیا فرشتوں کی فطرت میں بھی ماتم کرنا اور رونا ہے؟ اس پر آپ کا العیاذ باللہ کہنا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کوئی بڑا ہی کلمہ کفر ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اپنے فوٹو اللہ تعالیٰ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (جن کو تمام اہل سنت والجماعت پیر و سنگیہ اور پیران پیر کہتے ہیں) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ بھی ایسا کلمہ کفر زبان سے نکال سکتے ہیں؟ حضرت موصوف نے اپنی مشہور و معروف کتاب "غنیۃ الطالبین" کے ص ۱۱۰ پر تحریر فرمایا ہے: "ہبط علی قبر الحسنین بن علی یوم اصیب سبعون الف ملک ینکون علیہ الی یوم القیامۃ"۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر پر روز عاشوراء ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت تک حضرت پر دیا کریں گے۔ فرمائیے! ملائکہ کی فطرت میں رونا ہے یا نہیں؟" (فتاویٰ الکواکب)

الجواب

(۱) آپ کا یہ سمجھنا جہالت پر مبنی ہے کہ العیاذ باللہ کلمہ کفر پر بولا جاتا کیونکہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا، اور یہ ہر چھوٹی یا بڑی خرابی یا بُرائی سے بچنے کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: "قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفُتُقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقِ اِذَا دَفَعَا - اس کا ترجمہ آپ کے مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں: "تم کہہ دو کہ میں سپید صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کی شر سے جس کو اس

نے پیدا کیا اور اندھیری رات کی شر سے جبکہ وہ لپچا جائے“ (ترجمہ مقبول) فرمائیے! یہاں ہر قسم کی شر اور نقصان وہ چیز سے بچنے کے لیے تعوذ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بندہ عاجز و محتاج ہے اور ہر شر سے بچنے کے لیے اپنے رب کی پناہ میں ہی اس کو امن حاصل ہو سکتا ہے کیا آپ کے نزدیک شر اور برائی صرف کفر ہی ہے اور سب خیر و بھلائی ہی ہے؟ (۲) اس روایت کی سند یہ لکھی ہے :- واخبرنا ابو نصر عن والده باسنادہ عن ابی السامة عن جعفر بن محمد بن جعفر بن محمد نے یہ بتایا ہے کہ ستر ہزار فرشتے حضرت حسینؑ کی قبر پر آسمان سے اترے ہیں۔ تو فرمائیے!! آسمانوں سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر تو صرف وحی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس خبر کا ذریعہ کیا ہے اور شیعہ مذہب کی مستند کتاب ”منہج البلاغہ“ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آسمانی خبروں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے وقت حضرت علی المرتضیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ :- با بی انت و اُحی لقد انقطع بموتک ما لم ینقطع بموت غیرک من النبوة والانباء واخبار السماء :- (اے رسول خدا) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی وفات سے نبوت اور وحی اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا جو کسی اور کی موت سے ختم نہیں ہوا“ تو حضرت علی کے اس ارشاد کی روشنی میں بھی آسمان سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر غلط ثابت ہوتی ہے۔ لہذا یہ روایت وضعی اور من گھڑت ہے جو بعد میں ”غنیۃ الطالبین“ میں کسی نے شامل کر دی ہے۔ کیونکہ غوث الاعظم حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مقدم بزرگ کوئی ایسی روایت خود درج نہیں کر سکتے جو عقائد اہل سنت کے صراحتاً خلاف ہو، اور حسب حوالہ ”منہج البلاغہ“ حضرت علیؑ کے ارشاد کے بھی یہ خلاف ہے، اور اس قسم کے قصص و قصبات کی تصانیف میں بکثرت کئے گئے ہیں جن میں کتاب ”غنیۃ الطالبین“ بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فرہار دی نے اپنی کتاب ”مرام الکلام فی عقائد الاسلام“ ص ۳۵ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں بہت سی موضوع روایات بکثرت شامل کر دی گئی ہیں۔ (۲) اور اس

روایت کے الحاقی ہونے کا یہ بھی ایک قوی قرینہ ہے کہ اس کے بعد ہی دوسرے باب میں پیران پیر حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے عاشوراء کے دن کو بطور غم منانے کی تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :- دلوجازان ینخذ یوم موته یوم مصیبة نکان یوم الاثنين اولی بذالک اذ قبض اللہ تعالیٰ نسبتہ محمداً اصلی اللہ علیہ وسلم فیه وکذالک ابو بکر صدیق قبض فیه وهو ماروی ہشام بن عروہ عن عائشة قالت قال ابو بکر لی ائی یوم توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیه قلت یوم الاثنين قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی ارجوا ان اموت فیه فمات فیه وفقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفقد ابی بکر رضی اللہ عنہ اعظم من فقد غیرہما۔ (غنیۃ الطالبین عربی مطبوعہ لاہور)۔ یعنی اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے دن کو مصیبت کا دن منانا جائز ہوتا تو پیر کا دن اس کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ جبکہ اس دن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بھی اسی دن وفات ہوئی ہے اور ہشام ابن عروہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو بکر صدیق نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس دن ہوئی تھی، تو میں نے عرض کیا کہ پیر کے دن، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میری وفات بھی اسی دن ہوگی۔ پس حضرت ابو بکر صدیق کی وفات بھی اسی دن ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور حضرت ابو بکر صدیق کی وفات باقی سب کی وفات سے بڑا حادثہ ہے لہذا جب پیر کے دن کو غم اور مصیبت کا دن نہیں منایا گیا تو عاشوراء کو غم اور مصیبت کا دن منانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

جب حضرت غوث الاعظم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن کو بطور غم منانا جائز ہی نہیں سمجھتے تو اس قسم کی روایت کو آپ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ جس میں قیامت تک فرشتوں کے رونے کا ذکر ہے اور جس کا ثبوت بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ روایت یقیناً من گھڑت ہے اور اخبار نے بعد میں ”غنیۃ الطالبین“ میں شامل کر دی ہے۔ (۳) میں نے لکھا تھا کہ کیا فرشتوں کی فطرت میں رونا اور ماتم کرنا ہے الحیاذ باللہ؟ تو اس کا جواب ابھی آپ کے ذمہ باقی ہے اور پیر

اور اس کی سند یہ لکھی ہے :- واخبرنا ابو نصر عن والده باسنادہ عن ابی السامة عن جعفر بن محمد بن جعفر بن محمد نے یہ بتایا ہے کہ ستر ہزار فرشتے حضرت حسینؑ کی قبر پر آسمان سے اترے ہیں۔ تو فرمائیے!! آسمانوں سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر تو صرف وحی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس خبر کا ذریعہ کیا ہے اور شیعہ مذہب کی مستند کتاب ”منہج البلاغہ“ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آسمانی خبروں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے وقت حضرت علی المرتضیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ :- با بی انت و اُحی لقد انقطع بموتک ما لم ینقطع بموت غیرک من النبوة والانباء واخبار السماء :- (اے رسول خدا) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی وفات سے نبوت اور وحی اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا جو کسی اور کی موت سے ختم نہیں ہوا“ تو حضرت علی کے اس ارشاد کی روشنی میں بھی آسمان سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر غلط ثابت ہوتی ہے۔ لہذا یہ روایت وضعی اور من گھڑت ہے جو بعد میں ”غنیۃ الطالبین“ میں کسی نے شامل کر دی ہے۔ کیونکہ غوث الاعظم حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مقدم بزرگ کوئی ایسی روایت خود درج نہیں کر سکتے جو عقائد اہل سنت کے صراحتاً خلاف ہو، اور حسب حوالہ ”منہج البلاغہ“ حضرت علیؑ کے ارشاد کے بھی یہ خلاف ہے، اور اس قسم کے قصص و قصبات کی تصانیف میں بکثرت کئے گئے ہیں جن میں کتاب ”غنیۃ الطالبین“ بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فرہار دی نے اپنی کتاب ”مرام الکلام فی عقائد الاسلام“ ص ۳۵ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں بہت سی موضوع روایات بکثرت شامل کر دی گئی ہیں۔ (۲) اور اس

آپ کسی قطعی دلیل سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر فرشتوں کا رونا اور ماتم کرنا ثابت نہیں کر سکتے، اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ماتم سے مراد وہی ماتم ہے جس کا آپ مظاہرہ کرتے ہیں یعنی منہ پینا اور سینہ کو ٹنا وغیرہ اور اگر فرشتے بھی ماتمیوں کی طرح پھریوں سے ماتم کریں تو خدا جانے ان کے نوری بدنوں کا کیا حال ہوتا ہوگا؟ یہ آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ (۴) اور اگر آپ کے نزدیک اس قسم کی روایتیں! صحیح ہیں تو پھر یہ قیامت تک رونے والے فرشتے وہی ہوں گے جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کو بروقت نہ پہنچ سکے اور اب وہ اپنے اس تصور پر دروسے ہوں گے چنانچہ (۱) اصول کافی کتابت میں ہے:- پس حضرت جہاد کے لئے لٹکے، ملائکہ نے ان کی نصرت کی خواہش اللہ سے کی۔ خدا نے اجازت دیدی اور اس کے بعد وہ جنگ کی آمادگی کے لیے کچھ دیر ٹھہرے۔ یہاں تک کہ حضرت شہید ہو گئے تب نازل ہوئے۔ ملائکہ نے کہا پروردگار اس میں کیا مصلحت تھی تو نے ہمیں اترنے کا حکم دیا اور نصرت کی اجازت دی لیکن جب ہم اترے تو تو نے ان کی روح قبض کر لی۔ خدا نے وحی کی کہ اب تم ان کی قبر پر رہو یہاں تک کہ تم ان کا خروج دیکھو (اشارہ ہے خروج حضرت حجت یعنی حضرت مہدی کی طرف) پس تم ان کی مدد کرو اور اس پر گریہ کرو اور جو خدمت تم نہ کر سکتے اس پر میں نے تم کو مخصوص کیا اُس کی نصرت اور بقائے پس ملائکہ محرومی نصرت پر روئے۔ اب جب رجعت میں وہ خروج کریں گے تو وہ مدد کریں گے (دستاویز ترجمہ اصول کافی جلد اول صفحہ ۳۲۲)۔

(ب) اہل تشیح کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی نے بھی یہ روایت لکھی ہے کہ:- چار ہزار فرشتے آسمان سے نصرت حسین کے لیے زمین پر آئے اور جب زمین پر پہنچے تو حضرت شہید ہو چکے تھے۔ اب فرشتے سر بر ہنہ ہمیشہ گرد آؤ قبر امام حسین کے پاس ہیں تا وقتیکہ حضرت قائم (یعنی حضرت مہدی) ظاہر ہوں۔ پر وہ فرشتے باور ان امام حسین سے ہوں گے (جلد العیون مترجم جلد دوم صفحہ ۸۷ مطبوعہ شیعہ جعفری بک ایجنسی انصاف پرنس لاہور) ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ (۱) فرشتوں کا حضرت حسین کی قبر پر رونا ان کے اپنے اس تصور کی وجہ سے ہے کہ وہ آپ کی مدد نہ کر سکے، نہ کہ شہادت حسین کے عمر کی وجہ سے اور (ب) علامہ باقر مجلسی نے تو ملائکہ کا سر بر ہنہ اور گرد آؤ ہونا بھی بیان کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان فرشتوں کا ننگے

سر ہونا کس وحی سے معلوم ہوا ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حسب ارشاد حضرت علی المرتضیٰ آسمان کی خبروں کا ملنا منقطع ہو چکا ہے اور سلسلہ وحی بھی ختم ہے اور مصنف "خلاص الکونین" یہ بھی بتائیں کہ فرشتوں کا لباس کیسا ہوتا ہے اور ان کے سر پر نگڑی ہوتی ہے یا ٹوپی جو انہوں نے شہادت حسین کے بعد اتار دی ہے؛ اور فرشتے تہ بند باندھتے ہیں یا شلوار پہنتے ہیں اور ان کا نوری وجود خاکی لود کیسے ہو جاتا ہے (ج) ان روایات سے معلوم ہوا کہ فرشتے معصوم نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ان سے ہو جاتی ہے تو اس بنا پر تو آئندہ بھی یہ خطرہ لاحق ہو سکتا ہے کہ فرشتے جنگ کی تیاری میں ہی وقت ضائع کر دیں اور امام حسین اور حضرت مہدی کی مدد نہ کر سکیں۔ تو پھر اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ البتہ! اپنے خود ساختہ ماتم کے ثبوت کے لیے کیسی کیسی عجیب و غریب روایتیں گھڑی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے مقرب ملائکہ کی صریح توہین پائی جاتی ہے اور جو تصریحات قرآنی کے خلاف ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ:- لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَلْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۵ (پ ۲۸ سورۃ التحریم ۱۱) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر یہ لکھتے ہیں:- "جو خدا تعالیٰ کی کسی بات میں جس کا وہ ان کو حکم دیتا ہے، نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی بجالاتے ہیں" (ترجمہ مقبول)

اگر امام حسین کی مدد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا تھا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس میں کوتاہی کریں۔ اور روایت میں یہ وجہ جو لکھی ہوئی ہے کہ وہ جنگ کی تیاری کے لیے کچھ دیر ٹھہر گئے تھے تو معلوم نہیں انہوں نے کہاں سے اور کس قسم کے ہتھیار لینے تھے کہ وہ جلدی نہ حاصل کر سکے لاجول و لا قوۃ الا باللہ (۵) فروع کافی کی روایت میں ہے:- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ما من نبی ولا وصی نبی یبقی فی الامم الا کر من ثلثۃ ائیم حتی یرفع روحہ وعظمہ ورضمہ الی السماء وانما یبقی مواضع آثارہم من قریب:- (امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب کوئی نبی اور وصی نبی مر جاتا ہے تو تین دن سے زیادہ روئے زمین پر نہیں رہتا۔ ان کی روح ان کی ہڈیوں اور گوشت کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے، ان کے آثار باقی رہتے ہیں اور انہیں دُور سے سلام پہنچتا ہے اور اپنے آثار

میں قریب سے سن لیتے ہیں، (شافی ترجمہ فروغ کافی کتاب الحج جلد اول حصہ دوم) اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک بھی تین دن کے بعد قبر میں نہیں رہا جو گا اور آسمان پر اس کو لے گئے ہوں گے۔ پھر تعجب ہے کہ فرشتے بجائے اس کے کہ امام حسین کے پاس جا کر آسمانوں پر ان کا ماتم کریں زمین پر کیوں ٹھہر گئے ہیں۔ انسانوں میں سے ماتمی لوگ تو آسمان پر اور جنت میں جا ہی نہیں سکتے اس لیے زمین پر ہی ماتم کرتے ہیں اور امام حسین کی قبر کے آثار ہی کی زیارت کر لیتے ہیں لیکن فرشتوں کے لیے کیا مجبور ہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آسمانوں پر تو ماتم منوع ہو اور وہ زمین پر ہی ضد کر کے بیٹھے ہوتے ہوں۔ آخر یہ مہمہ کیسے حل ہوگا؟

بحث دلیل نمبر ۱۸

ماتمی ٹریکیٹ میں دلیل نمبر ۱۸ کے تحت صرف یہ دو شعر لکھے تھے

اے منکر غم گرچہ میرے پیر نہ ہوتے مسمار محل دین کے تعمیر نہ ہوتے
حسین کی قربانی سے زندہ ہے یہ اسلام مٹ جاتا اگر دنیا میں شیر نہ ہوتے
اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ :- (۱) ان اشعار میں تو دعویٰ ہے نہ کہ دلیل (۲) اس کو ماتم سے کیا تعلق (۳) کیا دین کے محل میں رحمتہ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی ہے؟ یا دین کا محل نماز، روزہ، صبر و روزہ جیسے اعمال صلوٰۃ سے تعبیر کیا گیا ہے، (۴) ہم ماتم کیوں سمجھیں گے؟ اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں (۱) اشعار میں بے شک دعویٰ ہے لیکن دعویٰ بے دلیل نہیں۔ مگر اعظم شاعر مشرق علامہ اقبال کی زبان سے سینے سے

بہر حق در خاک و خون غلطیہ راست پس بنائے لا الہ گردیدہ است
نقشِ اِلا اللہ بر صحرانِ نوشت سطرِ عنوانِ نجاتِ ما! نوشت
تارِ ما از زخمِ اش لوزانِ سُنُوذ تازہ از تکبیر او ایمانِ سُنُوذ

اے صبا! اے پیکِ دردِ افتادگان!!

اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او مرسات!!

(۲) حسین کی قربانی نے اسلام کو زندہ کیا۔ ماتم نے اس قربانی کو آج تک زندہ رکھا۔ ذکر حسین اور ماتم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں ذکر حسین ہو گا وہاں لازماً ماتم بھی ہوگا۔ (۳) دین کا وہ محل جس کو سرکارِ رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بنیادیں تو بنی اُمیہ کے قیصر و کسریٰ نے متزلزل کر دی تھیں اور وہ محل قریب باہندام ہو چکا تھا۔ یہ حسین کی قربانی تھی جس نے اس کو گرتے ہوئے محل دین کو سہارا دیا۔ اپنے اور اپنے اعزہ و اقارب اور یار و انصار کے خون سے اس کو مضبوط کیا۔ اسی لئے تو سلطان الہند، فخر الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا

شاہ ہست حسین! بادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین! دین پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزد
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

کو تاہ نظروں، شہرہ چشموں کو چھوڑیے! سے

انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حسین ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

گو یا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی منہدم اسلام کی تعمیر کی بنیادی اینٹ تھی اور ماتم ہر سال اس قربانی کی یاد تازہ کرتا ہے، (فتاویٰ الکونین ۶۳، ۶۵)

الجواب

(۱) ماتمی ٹریکیٹ میں دلیل نمبر ۱۸ کے تحت جو دو شعر لکھے گئے ہیں ان کے

پہلے مصرعے میں گرجہ کا لفظ غلط استعمال ہوا ہے، اور دوسرے شعر کے

پہلے مصرعے کا وزن بھی صحیح نہیں، کسی شاعر سے دریافت کر لیں۔ (ب) ان شعروں کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ امام حسین نے دین کے مسمار شدہ محل کی تعمیر اپنی قربانی سے کی، اور اگر حسین نہ ہوتے تو اسلام مٹ جاتا یعنی آپ نے اسلام کو بچا لیا۔ تو اگر آپ کا یہی قلبی یقین ہے تو یہ مقام مسرت ہے نہ کہ مقام رنج و الم۔ پھر آپ کو اللہ کے دین کا محل تعمیر ہونے سے کیوں دکھ پہنچا ہے، محل دین کے تعمیر ہونے کی خبر سے تو ان دشمنوں کو رنج و الم پہنچتا تھا جو اس دین کی بربادی کے خواہاں تھے۔ کیا آپ بھی انہیں لوگوں میں شامل ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ پرچم حق بلند ہو، اور اللہ کا دین محفوظ ہو جائے۔ اس وجہ سے قیامت تک ان کے گھروں میں صفحہ ماتم بچھ گئی ہے۔ (۲) یہاں تو آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ امام حسین نے دین کے محل کو

سہارا دیا اور دین محفوظ ہو گیا۔ لیکن شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی امام زین العابدین کے رونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ :- امام زین العابدین اپنے پدر بزرگوار کو اوروں سے بہتر اور فائدہ و جودان بزرگوار اور مفاسد عدم وجود اس امام اختیار کے اوروں سے زیادہ جانتے تھے اور معلوم تھا کہ وہ اپنے زمانہ میں محبوب ترین خلق خدا تھے۔ ان کے قتل سے ایک عالم کی گمراہی متصور ہے کہ دین خدا ضائع ہوا، حضرت رسول کی سنت ضائع ہوئی۔ نبی اُمیہ کی بدعتیں ظاہر ہوئیں اس سبب سے گریہ کرتے تھے اور مٹوڑے نور سے صاف ظاہر ہے کہ یہ گریہ خدا کی طرف راجح ہے (جللاء العیون جلد دوم صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ انصاف پریس لاہور)۔

تو فرمائیے! آپ کی بات صحیح ہے کہ امام حسین کی قربانی سے اسلام زندہ ہوا یا علامہ باقر مجلسی کی تحقیق صحیح ہے کہ امام حسین کی شہادت سے دین خدا ضائع ہوا اور حضرت رسول کریم کی سنت ضائع ہوئی؟ نیز امام زین العابدین کی کثرت بکار کی وجہ علامہ مجلسی یہ لکھتے ہیں :- ہو سکتا ہے کہ حضرت کا گریہ محبت و خوف حق تعالیٰ سے ہو (صفحہ ۲۵۵) (ب) ہم نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے عمل کی تعمیر میں کیا کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی تھی؟ لیکن اس کا مصنف "فلاح الکونین" نے کوئی جواب نہیں دیا۔ (۲) امام المادلیہ حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے جو اشعار لکھے ہیں۔ وہ اذہم نے تحقیق حضرت کے ثابت نہیں ہوتے۔ چنانچہ دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا جو "اللہ والے کی تومی دکان رخصت" نے چھپوایا ہے، ہمارے پاس موجود ہے اس میں یہ اشعار موجود نہیں ہیں۔ (ب) ان اشعار سے آپ کا ماتم تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا، پھر آپ کو زینبخت مسئلہ میں ان سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ (ج) پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ :- دین است حسین دین پاد است حسین شرعی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت حسین خود دین نہیں ہیں بلکہ وہ دین کو ملنے والے ہیں۔ دین اور حسین دو جدا جدا چیزیں ہیں نہ کہ ایک۔ (د) حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے بزرگ ہیں نہ کہ ماتمیوں کے، آپ قطب الاقطاب ہیں۔ آپ سے فیض پا کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اور پھر حضرت فرید الدین گنج شکر نے، اور آپ سے فیض یافتہ ہو کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی

اور حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر کلیری (کلیر شریف) نے ایک عالم کو روحانی فیوضات سے مشرف کیا۔ ان حضرات نے مذہب اہل سنت و الجماعت کا نور پھیلا یا۔ سنت و شریعت کے ہمیشہ پاسبان رہے، ان کے ذریعہ عوام کو خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ اور تمام صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اذواج مطہرات کی عقیدت و محبت نصیب ہوئی۔ شیعیت اور ماتم سے ان اولیاء اللہ کو کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور یہ خصوصیت مذہب اہل سنت کو ہی نصیب ہوئی ہے کہ چشتی و قادری نسبت کے اولیاء اللہ ہوں یا نقشبندی و سروردی نسبت کے تمام اہل سنت ہی ہوتے ہیں، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (۳) آپ نے علامہ اقبال مرحوم کے جو اشعار پیش کئے ہیں ان سے بھی آپ کا ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ اقبال مرحوم سنی تھے، خلفائے راشدین کو ماننے والے، چار یاں کی حقائق کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے۔ کیا بھی علامہ اقبال نے ماتم کیا تھا؟ پھر آپ کو ان اشعار سے کیا فائدہ؟ ان اشعار میں تو شاعر اسلام اقبال مرحوم نے یہی بتایا ہے کہ حضرت حسین نے صحرا پر لا اللہ کا نقش لکھا یعنی توحید کا پرچم بلند کیا۔ لیکن آپ سب کے ماتم کا علم بلند کرتے ہیں۔ ماتمی لوگ ذوالجناح کو بوسے دیتے ہیں اور شرک و بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیا یہ مظاہر ماتم اس لئے ہیں کہ توحید و سنت کے نور کو معاذ اللہ ماتم کی آندھیوں سے بچھا دیا جائے لیکن یاد رکھئے۔

لور خدا ہے کفر کی حسرت پہ نمنڈہ زن پھونکوں سے یہ چراغ سجایا نہ جائے گا

آپ اپنے ماتمی کردار کا حضرت حسین کی حیات مقدسہ سے کچھ تو تعلق ثابت کریں۔ (ب) بے شک حضرت حسین نے لا اللہ یعنی توحید کا نقش لکھا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر شہید اپنے خون سے لا اللہ کا نقش ہی ثبت کرتا ہے۔ کیا شہدائے بدر و احد نے لا اللہ کے نقوش نہیں لکھے تھے۔ جن فاضلان اسلام اور مجاہدین فی سبیل اللہ نے بدر و احد وغیرہ غزوات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم لٹے جانیں قربان کیں، اور جن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اعزازی طور پر آسمان سے فرشتے نازل کئے گئے تھے، اور انہوں نے باذن خداوندی کفار کو قتل بھی کیا تھا۔ (د) ایسے فرشتے نہیں تھے جو کہ بلا میں لیٹا پہنچے، اور کیا خلافتِ فاروقی کے زمانہ میں جنگ یرموک اور جنگ قادسیہ کے شہدائے

توحید کے انمٹ نقوش نہیں چھوڑے تھے؟ کیا ان سب شہداءِ کرام کا دین اسلام کی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں ہے؟ یقیناً ان کا حصہ ہے بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین حق کو غالب کرنے والے ہیں وہ ایسے مجاہدین اسلام ہیں جنہوں نے براہِ راست محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہو کر طاغوتی اور ابلیسی حملاتِ اقتدار کو مسامہ کر دیا، اور نہ صرف صحراؤں بلکہ دریاؤں پر بھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا نقش قائم کر دیا۔

ان نقوشِ توحید و سنت اور ان فتوحاتِ اسلامی کا نقشہ شاعر اسلام حضرت اقبال ہی

علامہ اقبال اور اسلامی فتوحات

کی زبان سے سن لیجئے :-

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہل چین، چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے، یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر تیرے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی بسائی کس نے؟
تھے ہیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دی اذائیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جھپتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑجاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑتے تھے
تجربے سرکش ہو کر کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقشِ توحید کا ہر دل پہ بھٹایا ہم نے
ذریعہ خیر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اٹھا ڈال دینے کس نے
شہرِ قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خدا دندوں کے پکیر کس نے
کاٹ کر رکھ دینے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدہ، ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟
کون سی قوم فقط تیرسی طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کشیں پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہانگیر، جہاندار ہوئی
کس کی تکبیر سے دنیا تری آبا جو ہوئی
کس کی ہیبت سے صغم سہمے ہوئے رہتے تھے
مُنہ کے بل کر کے ھُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کتے تھے

(شکوہ اقبال)

فرمائیے! شاعرِ اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کن مجاہدوں اور غازیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ قیصر کا شہر کس نے فتح کیا تھا؟ اور ایراں کا آتش کدہ کس نے ٹھنڈا کیا؟ یزدگرد شاہِ ایراں کو کس نے شکست دی اور شاہِ ایراں کسری کی بیٹی شہر بانو کس کے دورِ خلافت میں لوندی بن کر آئی اور امام حسین کی زوجیت کا شرف حاصل کیا اور اس سے امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ فرمائیے افریقہ کے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں میں کس کی خلافت میں اذائیں دی گئیں؟ بیت المقدس کو کس نے فتح کیا؟ کیا اقبال مرحوم نے ان شعاع میں فاتحِ خیبر حضرت علی المرتضیٰ کے علاوہ عظمتِ خلافتِ صدیقی، سطوتِ خلافتِ فاروقی اور شوکتِ خلافتِ عثمانی کو خراجِ تحسین پیش نہیں کیا؟ کیا سیفِ اللہ حضرت خالد کی تلوار نے إِلَّا اللَّهُ کے نقوش صفحہ دہر پر نہیں کیے تھے؟ کیا بنو امیہ کو مطعون کر کے اسلام کی اس عظیم الشان تاریخ کو مٹایا اور مہلایا جاسکتا ہے اگر آپ کے نزدیک نفوذِ بالہ خائفے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کے دورِ خلافت میں دین کا عمل مسامہ ہو رہا تھا، اور آپ کا عقیدہ یہی ہے تو فرمائیے شہرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ نے خلفائے ثلاثہ کے اس چوبیس سالہ دور میں اپنی قربانی دے کر محلی دین کو مسامہ کیوں نہ دیا، اور پھر بنو امیہ کے امیر معاویہ کے دور میں اگر دین کے عمل کو مسامہ کیا جا رہا تھا تو حضرت حسین نے قربانی دے کر اس

کی کیوں حفاظت نہ کی۔ بلکہ برعکس اس کے دین کا محل مسمار کرنے والوں کا وظیفہ خور بن کر تقریباً بیس سال اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کیوں ضائع کر دیئے۔ کیا تقیہ کا نام لے کر ان عقائد پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے آپ کے اس ماتم کی بنیاد شہادتِ حسین کی عظمت نہیں بلکہ ماتم کے شور و شین میں صبر و شہادت کے مرتبہ کو عوام کی نظروں میں کم کرنا اور خلفائے راشدین کی قربانیوں اور فتوحاتِ صحابہ کی شاندار اسلامی تاریخ کو نظر انداز کرنا مقصود ہے۔ یہ ماتمی تحریک جہادِ نبوی سبیل اللہ کے خلاف ایک سازش ہے جو محبتِ حسین کے نام پر چلائی گئی ہے اور عوام کے جذبات سے کھیل کر اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن انشاء اللہ! وہ وقت آنے والا ہے کہ باطل کے تاریک پردے ہٹ جائیں گے اور نورِ حق جلوہ گر ہو جائے گا۔ (ج) غالباً آپ نے اقبال مرحوم کے اس شعر سے اپنا ماتم ہی مراد لیا ہوگا کہ :-

اے صبا! اے پیکِ دُور اُفتادگان! اشکِ ماہِ رخسارِ پاکِ اُردسان!

لیکن اگر اقبالؒ کا مقصد اس سے ماتمی ذہنیت کے مطابق رنج و الم کا اظہار ہوتا تو وہ امام حسینؑ کی قربانی پر فخر نہ کرتا۔ اس لیے اس کے تحفہ اشک کا تعلق آپ کے ماتم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا باعث ایک قسم کا وہ سُرد و فریب ہے جو عظمتِ حسین کے تحت شاعر کے قلب میں جاگزیں ہے، اور مسرت و افتخار کے موقوع پر بھی رفیقِ القلب انسان کی آنکھیں اشکبار ہو جایا کرتی ہیں۔

غزوة تبوک میں صدیقِ وفاروقؓ کا ایثار

(از شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

اک دن رسولِ پاک نے اصحاب سے کہا
 ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اسٹے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
 لائے غرض کہ مالِ رسولِ امین کے پاس
 پوچھا حضورِ سرورِ عالم نے اے عمرؓ!
 دین مالِ راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
 اس روزان کے پاس تھے دہم کئی ہزار
 بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہِ ہواد
 ایثار کی ہے دستِ نگر استوائے کار
 اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو یہ قرار

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کے حق گزار
 کی عرض نصفت مال ہے فرزند و زن کا حق
 باقی جو ہے وہ ملتِ برضا ہے نثار

اتنے میں وہ رفیقِ نبوتؐ بھی آگیا
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا و شہرت
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہوا اعتبار
 ملکِ یمین و درہم و دینار و درخت و جنس
 اس پر قسّم و شتر و فطر و حمار
 بولے حضور! چاہیے منکرِ عیال بھی
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
 اے تجھ سے دیدہ مرد و انجمِ فروغِ گیر
 اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پر دانے کو چراغ ہے بیل کو پھول بس

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس (بانگِ دل)

غازیانِ جنگِ بدر

(از شاعر اسلام ابوان شریف جالندھری)

نہتے تھے غلامانِ نبی تعداد میں کم تھے
 یہ بے سامان لڑتے کچھ اس طرح سامانِ والوں کے
 ابو بکرؓ اپنے بیٹے پر بڑھے تیغِ علم کر کے
 عمر فاروقؓ نے بھی ہاتھ جس منور پر ڈالا
 جو اترتے تھے مدعیانِ نام و ننگ ہو ہو کر
 بہادر بود جانہ شیر کی صورت چھپتے تھے!
 غلامانِ محمدؐ میں کسی سے کم نہ محنت کوئی
 لڑنے اس طرح حق کی راہ میں سینہ سپر ہو کر
 مگر اللہ دالے تھے، مگر مردانِ عالم تھے
 کہ ان کے ہاتھ دکھتے تھے نہ خود دس نہ ڈھالوں
 جو آیارہ میں سر رکھ دیا اس کا قلم کر کے
 پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھے اور قتل کر ڈالا
 علیؓ کی ضربتوں سے رہ گئے چورنگ ہو ہو کر
 عدو اللہ کو بے قتل کر ڈالے نہ ہٹتے تھے!
 خفیف اور بھوکے سپاہی تھے مگر میدم نہ تھا کوئی
 کہ اکثر حملہ آور رہ گئے زبرد زبر ہو کر!

زبان تکبیر میں مشغول، باز دقتِ دشمن میں
ثبات و صبر تھا ذوقِ یقین کی کار سازی سے
فزون ہوتا تھا اک اک زخم پر پیروں پہنوں
تھے ورنہ تین تین اُلجھے ہوئے ایک ایک غازی سے

سرکارِ مدینہ کی دعا

نظر آتے تھے مردانِ خدا کُل تین سو تیرہ
نہتے تین سو تیرہ لگے پتے تھے عنبریت کے
کھڑے تھے اس طرح اس لشکرِ کذاب کے آگے
صواب کو جو دیکھا محو ذوقِ جان سپاری میں
طبیعت پر وہی کیفیتِ رقت ہوئی طاری
وہ جس کے کفر قبولیت مراد میں مانگتے آئے
بہت نازک تھیں یہ باہم نیاز و نازی کی گھڑیاں
قریب سب بزرگ صدیقِ محو اشک باری تھے!
ابنی یہ ترے بندے ہیں تیری راہ میں حاضر
ترے پیغام کی آیات ہیں اُن کی زبانوں پر
اگر اختیار نے ان کو جہاں سے محو کر ڈالا

ابنی اب وہ عہدِ سلیتہ المہراج پورا کر
محمد سے جو وعدہ ہو چکا ہے آج پورا کر

گنہگار کی شکست

جبار جبار سے گنہگار پر گھبرا گئے کافر
مجھری تھی خاک آنکھوں میں سنبھائی کچھ نہ دیتا تھا
ہوا کا رخ بدلتے ہی ہزیمت کھانگے کافر
سوا اللہ اکبر کے سنانی کچھ نہ دیتا تھا

سراسیمہ، ہراساں، بدحواس و منتشر بھاگے
ہوا جب منتشر جمعیتِ باطل کا شیرازہ
اتار اچاچکا تھا دستِ حق سے تاجِ باطل کا
وہ باطل چھٹ گیا آخر وہ لشکر کٹ گیا آخر
یہ اس سے دس قدم آگے وہ اس سے دس قدم آگے
کیا شیطان نے اللہ کی قدرت کا اندازہ
سر میدانِ تعاقب ہو رہا تھا آج باطل کا
معتینِ وقت آیا زورِ باطل گھٹ گیا آخر
غور و ناز تھا جس قوتِ ناپاک کے اوپر
دہ قوتِ ہر طرف بکھری ہوئی تھی خاک کے اوپر

مسقطِ محاذِ بردستوں پہ خون اب زبردستوں کا
خدا والے تعاقب کر رہے تھے خود پرستوں کا

(شاہنامہ اسلام جلد دوم)

کیا باتمیوں میں غازیانِ بدر کے نقوشِ شہادت و جہاد کو بھی کوئی محفوظ رکھنے والا پایا جاتا ہے اور
کیا مجاہدینِ بدر کا تعمیرِ دین میں کوئی حصہ نہیں۔ عبرت! عبرت! عبرت!

ماہنامی ٹریکیٹ میں مندرجہ ۱۸ دلائل کے جوابات اور پھر مصنف صاحب
”کنداح الکوئین“ کی طرف سے ان کے جوابات کے جوابات

بحث دلیل نمبر ۱۹

ذیل بحث نمبروں میں پورا ابطال کر دیا گیا ہے۔ میرے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے
جواب میں تلہ گنگ سے ملک غلام عباس صاحب بی۔ اے نے ایک معمولی سا اشتہار بنام ”کھلی چھٹی
بنام مظہر حسین مولوی چودھویں صدی“ شائع کیا تھا۔ جس کے جوابات کے جوابات میں ایک ٹریکیٹ بعنوان
”ملک غلام عباس بی۔ اے کی ماہنامی کھلی چھٹی کا جواب اور چار لاکھ روپیہ انعام“ شائع کیا گیا تھا جو رسالہ
”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دیا گیا۔ ملک صاحب موصوف کی اس
کھلی چھٹی میں قرآن مجید کی آیت فسکت وجہہا سے بھی استدلال کیا گیا تھا جس کا جواب دے دیا گیا
تھا۔ اب اس کے جوابات کے جوابات میں مصنف ”کنداح الکوئین“ نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ اس لئے
دلائل مذکورہ کی بحث کے ساتھ ہی یہاں دلیل نمبر ۱۹ کے تحت مذکورہ آیت پر بحث لکھ دی گئی ہے تاکہ
تاریخِ کرام کو ماتمی دلائل اور اُن کے جوابات پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے۔

آیت فَصَلَّتْ وَجْهَهَا كَامَطْلَبِ | پوری آیت یہ ہے :- وَبَشِّرُوهُ بِغَلَامٍ عَلِيمٍ
فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَاطَةٍ فَصَلَّتْ وَجْهَهَا

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ (پارہ ۲۶ - سورۃ الذاریات ۲۶) :- اور فرشتوں نے ان کو (حضرت ابراہیم کو) ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں اُن کی بی بی بولتی آئیں، پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اِوَل تو) بڑھیا پھر بانجھ؟ (ترجمہ مولانا جلال الدین) اس آیت کے تحت ملک صاحب موصوف نے لکھا تھا :- در ترجمہ "پس آئی بیوی ابراہیم کی چلاتی ہوئی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا" بی بی سارہ نے جو اپنا منہ پیٹا محرومی اولاد اور حیرت کی وجہ سے تھا۔ لیکن سید الشہداء کا واقعہ زیادہ حیرت انگیز ہے۔ اس کا جواب رسالہ "ہم ماتم کیوں سنہیں کونے" کے ضمیر میں یہ دیا گیا تھا کہ (و) ملک صاحب! اگر اس آیت کی وجہ سے مصیبت کے وقت منہ پیٹنا عبادت ہونا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام جعفر صادق سے کیوں منع فرماتے؟ (دب) فَصَلَّتْ وَجْهَهَا کا معنی یہ ہے کہ بی بی سارہ نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور یہ اس موقعہ کا ذکر ہے کہ جب حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم کو بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ تو اگر ماتمی لوگ بی بی سارہ کی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں تو اپنے بیٹوں کی بیدارش کے موقعہ پر مجلس ماتم بپا کیا کریں۔ (ج) قرآن مجید سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بی بی سارہ نے بیٹا پیدا ہونے کی بشارت سنی، تو چونکہ آپ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اس لیے آپ نے تعجب کی بنا پر دفعتاً اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور یہ ایک وقتی تاثر تھا جس کے جواب میں فرشتہ نے کہا :- اَتَعْجَبِينَ مِنْ امْرَأَةٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَبَرَّكَ اَنْهٗ عَلَيْكُمُ اَهْلُ الْاَنْبِيٖتِ۔ (پارہ ۱۲ - ص ۶۷، سورۃ ہود) :- (کیا تو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے؟ اے ابراہیم کے گروالی تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں) اس کو ملک صاحب کے ماتم سے کیا تعلق؟ کیا بی بی سارہ نے پھر ہر سال اس دن ماتم کی مجلس ماتم کی یا ایک سے زیادہ بار منہ پر ہاتھ مارا۔ ایک آدھ ہاتھ مارنے سے تو ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ (د) اگر تعجب کی بنا پر بی بی سارہ کی سنت ادا کرنی ہے تو پھر تعجب اور حیرت کے موقعہ پر بھی مجلس ماتم بپا کیا کریں، کیا خوب سمجھ ہے (۱) اس کے جواب الجواب میں مصنف "تکلاخ الکوکین" نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا بیٹا ہونا بھی

کوئی تعجب کی بات ہے جس کے لیے آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کرنے والوں سے ایسے موقعہ پر مجلس ماتم بپا کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جناب سارہ نے حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ کہہ کر منہ پر ہاتھ مارا کہ میں بانجھ عورت، میرا شوہر بوڑھا لیکن قرآن حکیم کی رُود سے یہ امر اس قدر تعجب خیز نہیں جتنا کہ حیرت و استعجاب میں غرق کر دینے والا واقعہ اصحاب کھف ہے، نیز اصحاب کھف کے واقعہ سے اور زیادہ تعجب میں ڈالنے والا سانحہ کربلا ہے۔ جس کے تعجب خیز ہونے کی تصدیق حضرت امام حسین کے کٹے ہوئے سر نے کی :- اس کے بعد وہ روایات درج کی ہیں جن میں یہ تذکرہ ہے کہ امام حسین کے کٹے ہوئے سر نے سورہ کھف کی آیات تلاوت کیں اور پھر لکھا ہے کہ اس قدر تعجب خیز امر پر جو اصحاب کھف در قیام سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے، روئیں اور سیدہ بیٹیں تو آپ ہی بتائیں اس سے اسلام کے کس رکن کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جس کے لیے آپ اس قدر پریشان ہیں اور ماتم حسین کو بند کرانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں" (تکلاخ الکوکین)

الجواب

آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سارہ نے تعجب کی بنا پر منہ پیٹا تھا اور امام حسین کا سانحہ چونکہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے اس لیے اس پر منہ پیٹنا جاتا ہے وغیرہ۔ تو اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر ماتم کی بنیاد تعجب ہی ہے تو پھر آپ سورہ کھف کی آیات تلاوت کرتے وقت یا اصحاب کھف کا واقعہ یاد کر کے کیوں ماتم نہیں کرتے۔ جبکہ آپ خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ اصحاب کھف کا واقعہ، حضرت سارہ کے واقعہ سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بھی کیا تعجب خیز بات نہیں کہ قرآن کے بیان کردہ تعجب انگیز واقعہ پر تو ماتم آپ نہ کریں، اور وضعی روایات کی بنا پر (کہ حضرت حسین کے کٹے ہوئے سر نے سورہ کھف کی آیات تلاوت کیں) آپ کا ماتم حسین کبھی ختم ہی نہ ہونے پائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلکہ ماتم تعجب نہیں کوئی اور امر ہے۔ (۲) اگر بالفرض کٹے ہوئے سر نے تلاوت کی ہے تو یہ ایک خارق عادت واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظہور ہوا اور ہر خارق عادت واقعہ جو قادر مطلق کی قدرت سے ظہور پذیر ہوتا ہے، تعجب خیز ہی ہوتا ہے۔ تو پھر آپ کو ہر خارق عادت معجزہ یا کرامت پر بھی ماتم کی مجلس بپا کرنی چاہیے مثلاً قرآن حکیم سے ثابت

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اذوہا بن گیا اور آپ کے عصا مارنے سے دریا میں بارہ خشک لائنیں پیدا ہو گئے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے، اور سورۃ القمر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مذکور ہے کہ چاند چھٹ گیا، اور قرآن و حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ معراج بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمانوں پر بلکہ مقام قاب قوسین پر تشریف لے گئے اور قرآن کریم خود ایک عجیب و غریب علمی معجزہ ہے کہ آج تک کوئی مخلوق اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کا بھی مقابلہ نہ کر سکی اور نہ کبھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے سکے گی کہ: **فَأَنزَلْنَا سُورَةَ الْقَمَرِ مُنْزَلًا**۔ کیا یہ سب معجزات تعجب خیز نہیں جو قرآن سے ثابت ہیں اور صرف امام حسین کا شہید ہونا اور آپ کے مر مبارک کا تلادت کو ناہمی عجیب ہے اور اگر آپ تعجب خیز امر کی وجہ سے ماتم کرتے ہیں تو اس بنا پر تو ماتمیدوں کو چیلجیے کہ وہ ہر معجزہ کا ماتم کریں اور اولیاء اللہ کی ہر کرامت پر صحت ماتم بچالیں۔ کیا حضرت مریم کے حجرے میں بے موسمی پھلوں کا موجود ہونا تعجب خیز امر نہیں ہے؟ اور کیا حضرت زکریا نے یا آپ کی زوجہ کو تم نے یا آپ کی اولاد نے بھی اس پر کبھی ماتم کیا ہے؟ اپنے ماتم کی مجوزہ بنیاد پر قائم رہ کر کیا آپ ان سوالات کا جواب دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

خِشْتِ اَوَّلِ جَوْنٍ نَهْدِ مَمَارِ كَجِ تَاثِرِيَايَ رُوْدِ دِيُوَا سَا كَجِ

(۳) حضرت سارہ کا تعجب کی بنا پر اپنے منہ پر لاتھ مارنا اس کو عرف میں ماتم نہیں کتے۔ عموماً یہ عورتوں کی عادت ہے کہ تعجب کے موقع پر اس طرح کیا کرتی ہیں۔

تفاسیر اہل سنت

چنانچہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفاسیر سے یہ امر ثابت ہے۔ (۱) امام رازی زکوٰۃ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

لہ چنانچہ قرآن مجید میں جنات کا یہ قول مذکور ہے۔ **إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهُدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ**۔ (سُورَةُ الْحَجِّ)۔ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ (مولانا مہتازوی) اور مولوی مقبول احمد شیخی منسٹر لکھتے ہیں۔ **دے شک ہم نے ایک عجیب کتاب سنی**۔

ب۔ کما جرت عادة النساء حيث يسعين شيئاً من احوالهن ليصحن صيحة معتادة لهن عند الاستحياء او التعجب **وَصَلَّتْ الْوَجْهَ الْيَضَاءَ مِنْ عَادَتِهِنَّ**۔ (تفسیر کبیر)۔ جیسا کہ یہ عورتوں کی عادت جاری ہے کہ جب وہ اپنے حالات میں سے کوئی بات سنتی ہیں تو وہ چلائی ہیں اور یہ ان کی بوقت حیا اور تعجب عام عادت ہے۔۔۔۔ اور منہ پر لاتھ مارنا بھی ان کی عام عادت ہے۔ (۲) حضرت قاضی شام اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:۔ **قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَطِمَتْ وَجْهًا يَعْنِي جَمَعَتْ اصَابِعَهَا فَضْرِبَتْ وَجْهَهَا كَمَا هُوَ عَادَةُ النِّسَاءِ عِنْدَ التَّعَجُّبِ إِذَا انْكَرْنَ شَيْئًا وَقِيلَ وَجِدَتْ حَرَارَةَ دَمِ الْحَيْضِ فَلَطِمَتْ وَجْهَهَا مِنَ الْحَيَاءِ**۔ (حضرت عبداللہ بن عباس نے **فَصَلَّتْ وَجْهًا** کا منہ کیاتے لکھا ہے **لَطِمَتْ** یعنی اپنی انگلیوں کو جمع کیا اور پھر اپنے منہ پر مارا جیسا کہ یہ تعجب کے موقع پر عورتوں کی عادت ہے۔ جب سارہ کسی بات کو ادبیری (عجیب) سمجھتی ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بی بی سارہ نے حیض کے خون کی حرارت محسوس کی اور حیا کی وجہ سے اپنے منہ پر لاتھ مارا) (تفسیر مظہری)

(۳) علامہ آلوسی لکھتے ہیں:۔ **قَالَ مَجَاهِدٌ ضْرِبَتْ بِيَدِهَا عَلَى جَبْهَتِهَا وَقَالَتْ يَا رَيْلَتَا وَقِيلَ إِنْتَا وَجِدْتِ حَرَارَةَ الدَّمِ فَلَطِمْتِ وَجْهَهَا مِنَ الْحَيَاءِ وَقِيلَ إِنْتَا لَطِمْتِ تَعَجُّبًا وَهُوَ فِعْلُ النِّسَاءِ إِذَا تَعَجَّبْنَ مِنْ شَيْءٍ**۔ (روح المعانی)۔ (مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت سارہ نے اپنا لاتھ اپنے منہ پر مارا اور کہا **يَا رَيْلَتَا**، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے خون کی حرارت محسوس کی۔ پس حیا کی وجہ سے اپنے چہرہ پر لاتھ مارا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے تعجب کی وجہ سے لاتھ مارا، اور یہ عورتوں کا عام فعل ہے جب وہ کسی بات پر تعجب کرتی ہیں)

اسی طرح دیگر تفاسیر اہل سنت میں بھی لکھا ہے اور مندرجہ بعض اقوال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے حیا و شرم کی وجہ سے چہرہ پر لاتھ مارا۔ بہر حال تعجب کی بنا پر ہوا یا حیا کی وجہ سے منہ یا ماتھ پر لاتھ مارنا عورتوں کی عام عادت بیان کی گئی ہے اور آج کل بھی وہ عموماً ایسا ہی کرتی ہیں۔ تو فرمائیے جب کوئی عورت تعجب یا حیا کے موقع پر اپنے منہ پر لاتھ مارتی ہے تو کیا اس کو صرف ناپسینا اور ماتم کہا جاتا ہے ہرگز نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ عورتوں کا چہرہ پر لاتھ مارنا کسی بہت بڑے تعجب انگیز امر

پر ہی ہو بلکہ عام طور پر کوئی بات بھی ان کو ادپری (عجیب) لگے تو ایسا کیا کرتی ہیں۔ لہذا اگر آپ اس آیت سے معروف پٹینا اور ماتم ہی مراد لینے پر مصر ہیں تو آپ کو چاہیے کہ تعجب کی باتوں پر اور حیا و نثرم کے موقع پر بھی ماتم کیا کریں۔ صرف امام حسین کے سانچہ کر بلا کے ساتھ اس کو مختص کیوں کیا جاتا ہے؟ علاوہ ازیں حضرت سارہ نے تو عورت ہونے کی وجہ سے عورتوں کی عام مردّہ عادت کے مطابق منہ پر ہاتھ مارا تھا۔ تو اگر مردان ماتم عورتوں کی عادت و جبلت کی پیروی کو ہی مردانہ بلکہ نومنانہ کمال سمجھتے ہیں تو یہ ان کو مبارک ہو۔ ع۔ ادا اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی۔

نفا سیر شیعہ

گو فَصَلَتْ وَجْهَهَا كَاتِرَجْمَةِ شَيْعَةٍ مَرْتَجِبِينَ مَوْلَايَ مَقْبُولِ اِمْرٍ صَاحِبِ بَلْوَى
اور مولوی فرمان علی صاحب نے منہ پٹینا ہی کیا ہے، لیکن اس کا جو مطلب
منقذین شیعہ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔ (۱) قدیم شیعہ مفسر شیخ قتی فصَلَتْ وَجْهَهَا کا معنی لکھتے ہیں
:- ای غَطَّةٌ بِمَا بَشَرَهَا جَبْرَيْئِيلُ (ع) باسحق (ع) یعنی حضرت سارہ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا
بوجہ اس کے جو حضرت جبرئیل نے آپ کو حضرت اسحق کی بشارت دی تھی۔ فرمائیے! شیخ قتی نے تو
ماتم کے درخت کی جڑ ہی کاٹ دی، لہذا ماتمیوں پر لازم ہے کہ وہ اس آیت کے تحت تعجب یا ماتم کے
وقت اپنے چہروں کو چھپا لیا کریں (۲) آپ کے شیخ طبرسی بھی یہی معنی لکھتے ہیں :- ای غَطَّةٌ بِمَا
بَشَرَهَا جَبْرَيْئِيلُ (ع) باسحق (ع) یعنی آپ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اس وجہ سے کہ آپ کو
حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت اسحق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی۔ یہ ہے وہ
حق جو چھپانے سے چھپتا نہیں اور مٹانے سے مٹتا نہیں۔ مذکورہ آیت کی بنا پر آپ نے جو ماتم کا فلسفہ بیان
کیا ہے اور تعجب خیز روایات کے شواہد پیش کیے ہیں۔ آپ کے قدیم مفسرین نے اس ساری بنیاد کا ہی خاتمہ
کر دیا۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ، قاضی صاحب! ہوش کی دوا کریں، بیٹا پیدا ہونا بھی،
کوئی تعجب کی بات ہے الخ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سارہ کو بیٹے کی پیدائش کی ہی تو بشارت دی
گئی تھی جس پر دَبَشْرُوهُ لِعَلَّامٍ عَلِيمٍ کے الفاظ قرآنی دلالت کرتے ہیں۔ یہ جہاں بات ہے کہ اس بشارت
فرزند کے وقت آپ کو اپنے بانجھ ہونے کی وجہ سے تعجب بھی لاحق ہو گیا، اور میرا مطلب یہی تھا کہ اگر آپ

حضرت سارہ کی سنت کے تحت ماتم کرتے ہیں تو پھر پوری سنت کی پیروی تو یونہی ہو سکتی ہے کہ بچوں
کی پیدائش پر بھی ماتم کی مجلس بپا کیا کریں۔ کیا قطرہ سے بچہ کا پیدا ہو جانا آپ کے لیے تعجب خیز امر نہیں؟
آپ نے نمبر ۳ کے تحت لکھا ہے کہ :- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نبی
یا رسول یا کسی ادھیاء یا اولیاء کا ایک مرتبہ کیا ہوا عمل سنت بن

ایک اور جہالت

جاتا ہے اور آنے والی نسلیں ہر سال اور ہر مقام پر اس کی یاد گار مناتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم خلیل اللہ کی
قربانی اس کی بین دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منیٰ کے میدان میں صرف ایک دُنْبُرُ ذَرَج
کیا۔ مسلمان آج تک دنیا کے ہر ملک اور ہر مقام پر حضرت اسمعیل ذبیح اللہ کی اس قربانی کی یاد منانے
کے لیے لاکھوں جانور ذبح کرتے ہیں۔ یونہی جناب سارہ نے اگرچہ ایک ہی مرتبہ مشر پر ہاتھ مارا لیکن اللہ
تعالیٰ نے جناب سارہ کے اس عمل کو قرآن مجید میں صاف بتا دیا، ایسا کرنا گناہ نہیں۔ نیز نمونہ دینے یا مثال
قائم کرنے کے واسطے کسی عمل کو بار بار دہرایا نہیں جاتا۔ جناب سارہ نے خواہ ایک ہاتھ یا دونوں ایک
ہی مرتبہ مارا یا متعدد بار اس عمل کو پٹینا ہی کہا جائے گا۔ مانیں یا نہ مانیں یہ آپ کی مرضی۔ (فلاح الکونین)

الجواب

۱، قربانی پر ماتم کو قیاس کرنا آپ کی نری جہالت ہے یا تلبیس و فریب۔ کیونکہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے فرزند حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام
کو لٹا کر ذبح کرنا تو سورۃ الصافات میں صراحتاً مذکور ہے (گو اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت ذبح ہونے
میں مانع ہو گئی) اور سورۃ الحجّہ میں سالنہ امتوں کے لیے قربانی کا حکم بھی موجود ہے :- وَذِكْرِ اُمَّةٍ
جَعَلْنَا مَنَسْكَ لِيُذَكَّرُوا اَللّٰهُ عَلٰی مَا رَزَقْنٰهُمْ مِّنْ بَهِيمٰتٍ اَلْاَنْعَامِ :- ہم نے ہر امت کے لیے قربانی
کرنا اس غرض کے لیے مقرر کیا تھا کہ وہ ان (مخصوص) چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرما
تھے (ترجمہ مولانا جعفر قادری) اور پھر اسی سورۃ میں نہ صرف یہ کہ اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ
والصّٰلٰتہ کے لیے قربانی دینے کا حکم دیا گیا۔ بلکہ قربانی کے لیے ادنیٰ کو ذبح کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے
:- وَ اَلْبَدْنَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرٍ اَللّٰهُ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ نَّادُّوْا اَسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوٰتٌ ؕ فَاذْوَجِبَتْ
جَنُوْبَهَا فَاكْرَمْنٰهَا وَاَطَعُوْا الْقٰنِصَ وَاَلْمَعْرُوْةَ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ :- اور قربانی کے

اونٹ اور گائے اور اسی طرح بھیڑ اور کبھی کو بھی) ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان (جانوروں) میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پھر جب وہ کسی (کوٹ کے بل گریں) اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو اور ہم نے ان (جانوروں) کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اس تسخیر پر اللہ کا شکر ادا کرو) (پ ۱۷ - سورۃ الحج ۵)۔

قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے تحت محتاج مٹنی میں قربانیاں کرتے ہیں اور دوسرے مقامات پر بھی حکم نبوی اور سنت نبوی کے مطابق مسلمان ہر سال ان ایام میں قربانی کا حکم بجالاتے ہیں اور یہ شریعت کے واضح احکام کے تحت قربانی کا سلسلہ قائم ہے۔ اس لیے اس پر ماتم کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ماتم کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماتم خود کسی شہید کا کیا ہے۔ نہ ہی اس کا حکم دیا ہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے آپ نے جو استدلال کیا ہے اس کا مفصل ابطال پہلے کیا چکا ہے اور نہ ہی ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی کا یہ ماتم کیا ہے جو آپ کرتے ہیں اور نہ ہی ہر سال کسی کا بھی غم ہی منایا ہے۔ (۲) آپ کا نفس جس کا تم کو چاہے وہ شرمناک نہ ہو بن جاتا بلکہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ہر سنت کی پیروی بھی ہمارے لیے نہیں ہے۔ جب تک کہ شریعت محمدیہ سے اس کا ثبوت نہ مل جائے کیونکہ سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں (۳) حضرت سارہ کے عمل کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے اور آپ کے شیعہ مفسرین شیخ قمی اور شیخ طبرسی یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ انہوں نے ایک بار بھی منہ پر لٹکا مارا تھا۔ کیونکہ وہ فَصَلَتْ وَحَبَّتْ مَا كَانَتْ يَوْمَئِذٍ بِرَبِّهَا کہ انہوں نے اپنا منہ ڈھانپ لیا تھا اور جو مفسرین یہ معنی کرتے ہیں کہ حضرت سارہ نے منہ پر لٹکا مارا تھا تو وہ بھی ماتم مراد نہیں لیتے بلکہ حورقوں کی عام عادت کے ماتحت تعجب سے منہ پر لٹکا رکھنا ہی مراد لیتے ہیں، اولاً حورقیں اب بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی کرتی ہیں اور کوئی اس کو ماتم نہیں سمجھتا اور تعجب ہے کہ نہ لغوی معنی میں یہ ماتم ہے اور نہ عربی معنی میں۔ تو آپ خواہ مخواہ ایسے دیکھ استدلال پیش کر کے کیوں اپنی جہالت کا مزید

ثبوت دیتے ہیں۔ آپ تو ایسے ڈوبے والے ہیں جن کو تنگے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہے۔

بَحْتِ دَلِيلِ نَمْبِرٍ ۲
آیت لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْعِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيحًا عَلِيمًا ۵

مصنف ”فلاح الکونین“ نے مندرجہ بالا آیت سے بھی اپنے ماتم کا استدلال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :- شیعہ ہر ماتم کے جواز کے مدعی نہیں لیکن حضرت امام حسین کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں، اور قرآن حکیم مظلوم کے لیے جزع فزع کی اجازت دیتا ہے :- قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْعِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيحًا عَلِيمًا ۵ (پ ۶ سورۃ النساء آیت ۱۳۸) :- ”اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں“ یعنی مظلوم اگر اپنے ظالم کی نسبت حکایت و شکایت کریں گے تو وہ گناہ نہیں“ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ قول سُوء کیا ہے جس کے کہنے کی اجازت مظلوم کو ہے۔ الجزع القول السُّوءُ ارادہ تجویز الجزع المنوع :- ”قول سُوء سے مراد جزع ممنوع ہے جو مظلوم کے لیے جائز ہے“ فرمائیے قاضی صاحب امام علیہ السلام کا فتویٰ اپنے جَدِّ نادر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم کے واسطے ہے یا نام لوگوں پر جزع فزع کے لیے۔ ایسی ضعیف روایات کا سہارا لے کر ماتم حسین کو روکنے اور ذکر حسین کو بند کرانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی“ (فلاح الکونین ص ۳۳) اور اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- آیت مجیدہ مظلوم کو یہ حق ادا کر رہی ہے کہ ظلم و ستم جو اس پر روا رکھے گئے ان کو بیان کرے اور ظالم کی شکایت کرے۔ ہمارا اگر یہ ماتم کا مقصد امام مظلوم کی حمایت اور کربلا کے سانحہ عظیم کو دنیا کے سامنے آشکارا کرنا ہے۔ جس سے بڑھ کر وحشت و بربریت، ظلم و ستم، عداوت و شقاوت کی روئے زمین پر اور کوئی مثال نہیں۔ اب بتائیں اس سے زیادہ قرآن کریم سے مرثیہ خوانی اور سینہ زنی کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ (ص ۱۲۱)۔

الجواب

(۱) آیت میں مظلوم کو صرف زبان سے ظالم کی شکایت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ **مِنَ الْقَوْلِ** کو ملحوظ رکھیں چنانچہ مولوی... مقبول احمد شعبی مفسر نے بھی یہ ترجمہ کیا ہے: ”اللہ لفظوں میں کھول کر بدی بیان کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جو ستایا گیا ہو“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں صرف یہ ہے کہ مظلوم کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کی شکایت بیان کرے، لیکن یہ کوئی نیکی اور عبادت بھی نہیں ہے کہ مظلوم ایسا ہی کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مظلوم ظالم کو معاف کر دے۔ چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا: **إِنْ تَبَدُّواْ خَيْرًا أَدْنَىٰ أَوْ لَوْ أَنَّكُمْ لَأَنْتَفَعُواْ مِنْ سُوءِ فَاتِ اللَّهِ كَأَن عَفَوْاْ قَدِيرًا** حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: ”اور ہر چند ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن“ اگر نیک کام علانیہ کر دیا اس کو خفیہ کر دین میں معاف کرنا بھی آگیا یا (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کر دو (تو زیادہ افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف کرنے والے ہیں (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں“ (کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کر دیتے ہیں۔ پس اگر تم ایسا کرو تو اڈل تو تخلق باخلق اللہ ہے پھر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی اُمید ہوگی۔ (تفسیر بیان القرآن)

تفاسیر شیعہ

(۲) مولوی مقبول احمد صاحب، آیت: **أَوْ تَعْفُو عَنْ سُوءِ كَاتِرْتُمْ** لکھتے ہیں: ”اگر تم کسی نیکی کا اظہار کر دو گے یا اس کو چھپاؤ گے یا کسی برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ بھی بڑا درگزر کرنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے“ شیخ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: **معناه أو تصفحوا عما من أساء اليكم مع القدرة على الانتقام منه فلا تجرحوا له بالسوء من القول الذي اذنت لكم في أن تجرحوا به۔** (تفسیر مجمع البیان) اس کا معنی یہ ہے کہ یا تو تم اس کو معاف کر دو جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔ باوجود اس کے کہ تم اس سے انتقام لینے پر طاقت رکھتے ہو پس تم اس کی برائی (اور ظلم) کا اعلان نہ کرو، جس کے اعلان کی اس نے تم کو اجازت دی ہے“ اس سے بھی ثابت ہوا کہ انتقام نہ لینا اور ظالم کی شکایت نہ کرنا ہی بہتر ہے (۳) مولوی مقبول احمد صاحب موصوف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر مجمع البیان میں

جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مدد طلب کرنے میں کسی کو بُرا سمجھا کہا جائے الا جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ ظالم کے برخلاف اتنی مدد مانگے جتنی مدد دینی دین میں جائز ہے اور اس مدد مانگنے میں اگر وہ ظالم کی برائیاں بیان کرے تو کوئی حرج نہیں۔ طلب نصرت کی نظیر دوسری جگہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے: **وَأَنْتَصِرُواْ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمْتُمْ**۔ (بعد اس کے کہ اُن پر ظلم کیا گیا، انہوں نے مدد مانگی) مجمع البیان کے حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم کی شکایت کرنے کا مقصد لوگوں سے مدد طلب کرنا ہے تاکہ ظالم سے انتقام لیا جائے

ما تمیوں سے ایک سوال

ہم پوچھتے ہیں کہ ظالم کی شکایت کرنے اور اس کی برائی لوگوں کو بتانے کا مقصد تو یہ تھا کہ ظالم سے انتقام لیا جائے اور مظلوم کی مدد کی جائے۔ لیکن اب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل تو موجود ہی نہیں تو ان سے بدلہ لینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم نے قاتلان حسین کے حامیوں سے انتقام لینا ہے تو فرمائیے! پاکستان میں قاتلان حسین کے حامی کون لوگ ہیں، اور اگر آپ کے نزدیک ایسے لوگ موجود ہیں تو ان سے آپ جنگ کر کے حضرت حسین کا انتقام کیوں نہیں لیتے۔ کیا ظالم کو انتقام لینے کا طریقہ شریعت نے یہ سکھا یا ہے کہ بجائے اس کا مقابلہ کرنے کے خود ہی اپنے منہ پر طمانچہ مارو اور اپنے ہی بدن کو ہولمان کر دو۔ اس سے تو ظالم کا مقصد ہی پورا ہوتا ہے کہ اس نے جس کو زد و کوب کرنا تھا اُس نے خود ہی وہ کام کر دیا۔ کیا ظالم سے انتقام لینے کا یہ طریقہ بھی سنت سے ثابت ہے؟ اور کیا انتقام کا یہ طریقہ معقول بھی ہے؟

مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں: تفسیر فی میں مضمون مندرجہ بالا کے قریب قریب ہے اور

إِلَّا مَنْ ظَلِمَ كِي مَثَالِيں

ایک اور حدیث اس کی تفسیر میں یہ وارد ہے کہ فرمایا اگر تمہارے پاس کوئی شخص آکر یہ کہے کہ تم میں کوئی خیر و خوبی نہیں تو اس کی اس بات پر خاموش نہ رہو بلکہ اس کو جھٹلاؤ کیونکہ اس نے تم پر ظلم کیا“ نیز لکھتے ہیں: تفسیر ”مجمع البیان“ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر مہمان کسی

کے یہاں آکر اترے اور وہ اس کی ٹھیک ٹھیک مہمانی نہ کرے تو اس کے ذمہ کچھ نرابی نہیں ہے کہ اگر میزبان کی اس بدسلوکی کا ذکر زبان پر لائے (ترجمہ مقبول) مذکورہ دونوں مثالوں سے آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن مصنف "فلاح الکونین" کے نزدیک اگر قول سُور کا مطلب ماتم کرنا ہی ہے تو پھر اس کا تو یہ تقاضا ہو گا کہ اگر کوئی کسی شخص کو کہے کہ تجھ میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے تو وہ جواب میں ماتم شروع کر دے اور کوئی میزبان اپنے مہمان سے اچھا سلوک نہ کرے تو وہ اس کے دروازے پر مجلس ماتم بپا کر کے اپنا سینہ کوٹنے لگ جائے، اور اگر لوگ پوچھیں کہ یہ کیسا ماتم ہے؟ تو جواب میں کہے کہ قرآن حکیم کا یہی حکم ہے اور تم بھی میرے ساتھ اس نیک عمل میں شریک ہو جاؤ، یہ ماتمی نہایت آپ لکھتے ہیں کہ :- اب بتائیں اس سے زیادہ قرآن حکیم سے مرثیہ خوانی اور سینہ نہنی کا اور کیا جواز ہو سکتا ہے؟ (ص ۱۱۱)

جہالت ہی جہالت

(ک) ان آیات میں نہ تو رونے کا کوئی لفظ ہے، نہ سینہ کوٹی کا اور نہ مرثیہ کا۔ پھر آپ کا دعویٰ ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ آیت میں تو صرف ظالم کی زبان سے شکایت کرنے اور اس کی برائی ظاہر کرنے کی اجازت ہے اور یہ بھی کوئی، خوبی نہیں کہ اس کو مستقل مشن قرار دیا جائے۔ یعنی جس بات کی اجازت ہے وہ بھی وقتی ہے اور بضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے (مثلاً پیٹنا اور سینہ کوٹنا تو اس میں مذکور ہی نہیں) اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ مرثیہ کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ مرثیہ اس کو کہتے ہیں کہ نظم یا نثر میں میت کی خوبیاں بیان کی جائیں اور آیت میں تو ظالم کی برائی بیان کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن آپ نے اس کے خلاف یہ سمجھ لیا کہ آیت میں مظلوم کی خوبیاں بیان کرنے کی اجازت ہے۔

یہ بات کی خدا کی قسم لا جواب کی پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

اور آپ نے یہ بھی نہ سمجھا کہ جس بات کی اجازت ہے وہ فی نفسہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے صرف مظلوم کے لیے مباح ہے کیا آپ کے نزدیک میت کی صحیح تعریف کرنی بھی ناپسندیدہ ہے جو شرعی حدود کے مطابق ہو، اور صحیح تعریف تو ہر میت کی بیان کی جاسکتی ہے۔ اس میں مظلوم، غیر مظلوم کا

کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر آپ کے نزدیک مرثیہ کا معنی میت پر رونا ہے تو اس کا آیت میں کوئی ذکر نہیں اور عام طور پر مرثیہ کے لفظ سے ماتمی لوگ اور ناواقف عوام تو یہی مطلب سمجھتے ہیں جس کا منظر ماتمی مجالس میں ذکرین پیش کرتے ہیں، اور غالباً آپ نے بھی مرثیہ کا جواز آیت سے اس لیے لکھا ہے کہ ماتمی گروہ یہی سمجھے کہ یہ سب کچھ قرآن سے ثابت ہے، العیاذ باللہ! اور یہ بھی فرمائیں کہ مرثیہ خوان ذکرین کے ساتھ ساتھ جو سوز خوان حضرات اپنا پارٹ ادا کرتے ہیں، یہ کس کی سنت ہے؟ (ب) اور اگر آپ کے نزدیک اس آیت سے جزع فرغ کا ثبوت نکلتا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ :- "قول سُور سے مراد جزع فرغ ممنوع ہے جو مظلوم کے لیے جائز ہے" تو پھر یہ تو ہر مظلوم کے لیے جائز ہو گا کیونکہ آیت کے الفاظ "إِلَّا مَنْ ظَلِمَ" میں تقسیم ہے۔ پھر امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ آپ کا یہ ضابطہ بالکل غلط ثابت ہو گا کہ سوائے امام حسین کے اور کسی پر جزع فرغ کرنا قبیح ہے۔ اب اگر آپ اس ضابطہ کو صحیح مانتے ہیں تو پھر آیت سے جزع فرغ کی عام اجازت ثابت نہیں ہو سکتی اور اگر آیت سے مراد آپ جزع فرغ کی عام اجازت لیتے ہیں تو پھر مذکورہ ضابطہ باطل ہو گیا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ باقی رہا جزع کا مفہوم اور مطلب تو انشاء اللہ حرمت ماتم کے دلائل اور قروع کافی کی روایات کی بحث میں وہ مذکور ہو گا۔ ماتمی ٹریکیٹ اور "فلاح الکونین" میں جن آیات سے ماتم مروجہ کا ثبوت پیش کیا گیا تھا۔ ان کی نمبر وار بحث ختم ہو چکی ہے لہذا اس کے بعد حرمت ماتم کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ قارئین حضرات بغور اس بحث کا مطالعہ فرمائیں۔

ماتمی ٹریکیٹ کے مندرجہ دلائل
ماتم کا نمبر وار جواب دینے

مروجہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل

کے بعد رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کہتے" میں ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے پر ۱۸ دلائل پیش کیے گئے تھے جن میں قرآن مجید کی ۹ آیات اور مذہب شیعہ کی ۹ روایات سے استدلال کیا گیا تھا جن کا جواب دینے کی مصنف "فلاح الکونین" نے لا حاصل کوشش کی ہے اور جن آیات سے حرمت ماتم مروجہ پر ہم نے استدلال کیا تھا وہ یہ ہیں۔

آیات حرمتِ ماتم

(آیت نمبر ۱) قرآن مجید میں فرمایا :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا
بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۱۵ (سورۃ بقرہ)

اے ایمان والو! مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔
(آیت نمبر ۲) وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُونَ ۲ (پارہ ۲) :- ”اور مسلمان وہ ہیں جو سختی تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ
لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔“ اس آیت سے ثابت ہوا کہ صبر کرنے والے ہی سچے اور
متقی ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ صبر چھوڑنے والے اور سینہ کو بی کرنے والے سچے اور جتنی ہیں یا ماتم
کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ (آیت نمبر ۳) وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَالْفَقْرَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرُدُونَ بِالْحَسَنَةِ الَّتِي آتَوْكَ لَكُمُ
عُقُوبَى الدَّارِ ۵ (پارہ ۱۳- سورۃ الرعد رکوع ۳) ”اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضامندی حاصل
کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ
خرچ کیا اور وہ بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کا گھر اور بہشت ہے۔“
اس آیت میں نماز پڑھنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے نہ کہ ماتم کرنے
والوں کو۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- قاضی صاحب نے ماتم کے حرام ہونے
کی دلیل میں پارہ ۲ سورۃ البقرہ کی آیت پیش کی ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے اس کا ترجمہ یوں
کیا ہے :- ”اے مسلمانو! قوت پکڑو ثابت رہنے سے اور نماز سے۔۔۔ بے شک اللہ ساتھ ہے ثابت
رہنے والوں کے۔“ شاہ صاحب موصوف نے صبر کا ترجمہ ثابت رہنا کیا ہے۔ درحقیقت یہاں صبر
کے معنی سولے ثبات اور استقامت کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اگلی آیت میں لَا تَقْتُلُوا
نَفْسًا الَّتِي قَدْ تَلَفْتُمْ لَسَمَ قَاتِلًا ان لوگوں کے لیے جو جنگ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میدان
جنگ میں لڑنے والوں کو صبر اختیار کرنے یعنی قدموں میں ثبات اور استقامت پیدا کرنے کی تلقین فرما

رہی ہے نہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کرنے سے منع فرما رہی ہے۔ فرمایا گریہ اور ماتم
صبر کے منافی ہے یا میدان جنگ (جہاد) سے فرار صبر کے خلاف ہے۔ (۲) دوسری آیت شریفہ جو ماتم
کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنائی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے
اس طرح کیا ہے :- ”جو لوگ مستقل رہنے والے ہیں تنگ دستی، بیادری اور قتال میں یہی لوگ سچے اور متقی
(کے جاسکتے) ہیں“ مولانا تھانوی کے بعد شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے :- ”جو ٹھہرنے
والے ہیں سختی اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے“ یہاں
بھی شاہ صاحب کا ترجمہ ہی حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔ دراصل آیت کا تاہم بھی یہی ہے کہ لڑائی
(جہاد) میں جتنی سختی ہو، جنگ میں جتنی تکلیف ہو، میدان قتال میں ٹھہرے رہو، ڈٹے رہو اور
بنیان موصول بنے رہو۔ اس آیت مجیدہ میں بھی صبر سے مراد میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا ہے
اور جنگ (جہاد) سے فرار ہونا صبر کو چھوڑ دینا ہے۔ آپ کی پیش کردہ اس آیت سے بھی کہیں یہ
معلوم نہیں ہوتا کہ ماتم کرنا ترک صبر ہے لہذا اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس کے برعکس
آیت تو یہ بتا رہی ہے کہ صبر کو ترک کرنے والے وہ ہیں جو رسول اللہ صلعم کو نزعہ اعدائے میں تنہا چھوڑ
دیں اور جان بچانے کے لیے جہاد سے پیٹھے پھیر کر مچاڑ پر جا پڑیں۔ حقیقت میں یہی لوگ تارک صبر
ہوئے، سچائی سے دور ہوئے، جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا

ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں لہذا سید الشہداء علیہ السلام کے ماتمی انتشار اللہ
سچے اور صحتی ہیں اور یقیناً اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۳) پارہ ۱۳ سورۃ الرعد رکوع
۳، آیت ۲۲۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی :- ”اور وہ جو ثابت رہے چاہتے تو توجہ اپنے
رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دینیہ میں سے چھپے اور کھلے اور کرتے ہیں بولی
کے مقابلے میں بھلائی، ان لوگوں کو ہے پھیلنا گھر“ ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی :- ”یہ لوگ
اس لیے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جو یاں رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دی ہے اس
میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں اس

جہان میں نیک انجام اُن کے لیے ہے۔ اگر ان مختلف تراجم پر تعصب اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کا مروجہ یا غیر مروجہ ماتم سے کسی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ لہذا کھینچ تان کر اس آیت مجیدہ کو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنانا عملاً فریقین کے نزدیک حرام ہے، صرف حرام ہی نہیں بلکہ بے حد گمراہ کن بھی ہے۔ حضرت نعمت اللہ ولی اپنی مشہور و معروف پیشگوئی میں فرماتے ہیں۔

دو کس بنام احمد گمراہ کنند بے حد سازند اذ دل خود تفسیر فی القرآن

حاشیہ میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں:۔ ابوبکر ابن مردویہ جو اہل سنت کے ایک حلیل القدر عالم ہیں وہ کہتے ہیں یہ آیت امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (فلاح الکونین، ۶۹۶)

الجواب

(۱) آپ نے جو کچھ جواب الجواب میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل مذکورہ تینوں آیات میں شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اور مولانا اشرف صاحب تھانوی کے ترجمہ کے تحت صبر کا معنی ثابت قدم رہنا ہے، اور صابرین وہ ہیں جو مصائب اور میدان جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (ب) آپ کا ماتم صبر کے خلاف نہیں۔ (ج) اللہ یقیناً ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مدارِ بحث

آپ کے مروجہ ماتم میں جزع فزع کرنا، منہ پٹینا، سینہ کو ٹنڈا وغیرہ افعال پائے جاتے ہیں اور آپ ان افعال کو اور جزع کرنے کو صبر کے خلاف نہیں سمجھتے اور خصوصیت سے آپ نے جزع کے خلاف صبر نہ ہونے پر یوں استدلال کیا ہے کہ:۔ حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے۔ (ص ۱۷) لہذا اب مدارِ بحث صرف یہی امر رہ جاتا ہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جزع صبر کے خلاف نہیں تو آپ کا ماتم میں جزع کرنا جائز قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ فیصلہ لفظ صبر اور لفظ جزع کے معنی کی تحقیق پر ہی ہے، اس لیے صبر اور جزع کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔

صبر کا لغوی معنی

عربی لغت میں صبر بمعنی روکنے کے آتا ہے (۱) قاموس میں ہے:۔ صبر حبسہ یعنی اس کو روک لیا (۲) امام لغت علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔ الصبر ألا مساک فی ضیق۔ یعنی صبر تنگی و مصیبت میں روک لینے کو کہتے ہیں۔ يقال صبرت الذابۃ حبستہا بلا علف۔ میں نے جانور کو بغیر چارہ کے روک رکھا۔ اسی لغوی معنی کی بنا پر علامہ راغب صبر کی یہ تفسیر کرتے ہیں:۔ الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل والشرع او عملاً یقتضیان حسبما عنہ:۔ جس بات کا تقاضا عقل یا شریعت کریں اس پر نفس کو روک رکھنا یا جس سے روکنے کا تقاضا عقل اور شرع دونوں کریں اس سے روک لینا (۳) المنجد میں ہے:۔ الصبر التجلّد وعدم الشکوی من المر البلوی:۔ صبر کہتے ہیں مضبوط رہنے کو اور مصیبت کے الم (دکھ) کی وجہ سے شکایت نہ کرنے کو اور آپ نے بھی لکھا ہے:۔ صبر کے معنی ہیں کف النفس عمالہ بینجی یعنی نفس سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔ (۴) شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اور مولانا اشرف صاحب تھانوی نے اسی معنی کی بنا پر مندرجہ آیات میں صابرین کا ترجمہ:۔ ٹھہرنے والے، مستقل رہنے والے ثابت رہنے والے کیا ہے۔

جزع کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔ واصل الجزع قطع الحبل من نصفہ:۔ اور اصلی معنی جزع کا یہ ہے کہ رسی کو اس کے نصف میں سے کاٹ دیا جائے، (۲) قاموس میں ہے:۔ جزع المرض و الوادی قطعہ:۔ یعنی اس نے زمین اور وادی کو قطع کیا۔ اس لغوی معنی کی بنا پر جزع بقراری اور پریشانی کے اظہار کو کہتے ہیں، کیونکہ جزع آدمی کو سکون و اطمینان سے قطع (جدا) کر لیتا ہے چنانچہ (۳) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔ والجزع هو حزن یصرف الانسان عملاً ہو بصدہ و یقطعہ عنہ:۔ اور جزع وہ غم ہے جو انسان کو اس کام کو مٹاتا ہے اور جدا کرتا ہے جس میں وہ مشغول ہے۔ (۴) اسی لغوی معنی کی بنا پر منہج الامم میں لکھا ہے:۔ جزع ناشکیبائی ضد صبر یعنی جزع بے صبری ہے۔ (۵) غیاث اللغات میں ہے:۔ جزع۔ ناشکیبائی۔ یعنی جزع کا معنی بے صبری ہے۔

(۶) المنجد میں جَزَع کا معنی لکھا ہے: - لم يصبر عليه: - اس پر اس نے صبر نہ کیا، چونکہ صبر کا لغوی معنی روک رکھنا ہے اور جَزَع کا معنی قطع کرنا اور جدا کرنا آتا ہے اس لیے جَزَع بمقارری اور پریشانی کو کہتے ہیں اور صبر برقرار رہنے اور پریشانی نہ کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں یعنی قرار اور بمقارری ضدین ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی مخالف ہیں نہ کہ مطابق و موافق۔ چنانچہ قاموس میں ہے: - والصبر لقيض الجزع: - اور صبر جزع کی لقيض ہے (۳)۔ منتهی الارب میں ہے: - الصبر شكيبائي لقيض جزع: - صبر جزع کی لقيض ہے، وجزع ناشكيبائي ضد صبر: - اور جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے (۳) غياث اللغات میں ہے: - جزع، ناشكيبائي: - جزع بے صبری کو کہتے ہیں (۴) علامہ اصفہانی لکھتے ہیں: - فان كان حبس النفس لمصيبة سُئِيَ صبراً وايضا ذاك الجزع: - اور اگر کسی مصیبت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کا نام صبر ہے اور جزع اس کی ضد ہے۔“

لقيض اور ضد کا مفہوم | دو چیزیں معنی میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو ان کو ضدین اور لقيضین کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں بھی کچھ فرق ہے۔ ضدین وہ دو امر ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لیکن دونوں اٹھ سکتے ہیں مثلاً سیاہ اور سفید۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک چیز سیاہ بھی ہے اور سفید بھی، کیونکہ یا تو وہ چیز سیاہ ہوگی یا سفید لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ سیاہ بھی نہ ہو اور سفید بھی نہ ہو بلکہ سبز یا سرخ ہو (ب) اور لقيضین ان دو چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں۔ ان دونوں میں سے ایک کا اپنا ضروری ہوتا ہے مثلاً صابر اور غیر صابر۔ عاقل اور غیر عاقل۔ عالم اور غیر عالم، کہ ان میں سے ایک حالت اور وصف کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بے صبری کرنے والا ہے تو اس کو صابر نہیں کہہ سکتے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صابر بھی نہیں اور غیر صابر بھی نہیں۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی عاقل بھی نہیں اور غیر عاقل بھی نہیں یا عالم بھی نہیں اور غیر عالم بھی نہیں۔ یعنی جس جہت سے کسی کا ایک وصف ان میں سے بیان ہوگا اس جہت سے نہ یہ دونوں وصف جمع ہو سکتے ہیں نہ دونوں اٹھ سکتے

ہیں، اسی طرح صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ کتب لغت میں صبر اور جزع کو آپس میں ضدین یا لقيضین کہا گیا ہے۔ لہذا جہاں صبر ہوگا وہاں جزع نہیں ہوگا اور جہاں جزع ہوگا وہاں صبر نہیں پایا جائے گا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی برقرار بھی ہے اور بے قرار بھی ہے۔ بلکہ یا وہ برقرار ہوگا یا بے قرار، یا صبر کرنے والا ہوگا یا جزع کرنے والا، اور مصنف صاحب ”تکلا ح الکوکسین“ کی یہ لکھی بڑی جمالت ہے کہ وہ صبر اور جزع کا معنی نہ سمجھتے ہوئے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف نہیں، اور جو ماتم اور جزع کرنے والا ہے وہ صابر بھی ہے اس لیے اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ حالانکہ صبر اور جزع کے مذکورہ مفہوم کے تحت یہ لازم آتا ہے کہ حسب آیات قرآنیہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۵۔ جب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو لقيضاً جزع اور ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ جزع بے صبری کو کہتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو اور بے صبری کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو۔

از روئے قرآن جزع صبر کے خلاف ہے! | نہ صرف یہ کہ کتب لغت سے صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف اور ضد ثابت ہوتے ہیں بلکہ قرآن مجید سے بھی ان دونوں کے مفہوم کا تضاد اور مخالفت ہونا ثابت ہے چنانچہ سورۃ ابراہیم کے رکوع نمبر ۱ میں فرمایا کہ جہتی لوگ دوزخ میں یہ بات کہیں گے: - سَوَّأُوْا عَلَيْنَا اَلْبَصَرَ عِنَّا اَمْ صَبْرًا مَّا لَنَا مِنْ اَلْمَحْجِيْنِ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی (شینی منفسر) نے یہ لکھا ہے: - ”مگر ہمارے لیے تو دونوں حالتیں برابر ہیں، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر و سکوت اختیار کریں، ہمارے لیے تو کوئی چھٹکارا ہی نہیں ہے۔“ اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ جزع (رونا پینا) اور صبر (سکوت اختیار کرنا) دونوں جدا جدا حالتیں ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اور جہتاً کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے روئیں اور پیٹیں ہی کیا ہے لہذا جو آپ کے ماتم کی ابتدائی حالت ہے وہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ (۲) مولوی فرمان علی صاحب شینی کا ترجمہ یہ ہے: - ہم خواہ بمقارری کریں، خواہ صبر کریں (دونوں) ہمارے لیے برابر ہیں۔ (کیونکہ خدا ہے) ہمیں تو اب

چھکار انہیں“ (۳) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں: ”اور اب تو ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں۔ خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں، ہمارے لیے بچنے کی کوئی صورت نہیں“ (۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں: ”اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بیقرا کریم یا صبر کریں، ہم کو نہیں خلاصی“ یہاں حضرت شاہ صاحب نے بھی جزع کا معنی بیقرا کریم کیا ہے جو صبر کے مقابلہ میں آیا ہے اور صبر کا معنی شاہ صاحب موصوف دوسری آیات میں ٹھہرنے اور ثابت رہنے کا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے بھی ان کا ترجمہ پیش کیا ہے تو کیا آپ کے نزدیک ثابت و قرار اور بے قراری (یعنی صبر اور جزع) ایک ہی چیز ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو آدمی ثابت اور بقرار ہو گا اس کو بقرار نہیں کہہ سکتے اور جو بقرار ہو، اُس کو بقرار نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! ماتمیوں کی منطقی میں بقرار اور بقرار اور ثابت اور ثابت اور غیر ثابت، مستقل اور غیر مستقل کا اگر ایک ہی مفہوم و مطلب ہے تو ان کی یہ سفاهت اور جہالت ہے جس کا عقل و علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے (۵) علامہ شمس احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے کچھ فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل“ (۶) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں: ”ہم پر ایک سا ہے چاہے بیقرا کریم یا صبر سے رہیں، ہمیں کہیں پناہ نہیں۔ (۷) مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”گفاریں گے اب خلاصی کی کوئی راہ نہیں۔ نہ کافروں کے لیے شفاعت، آذروں میں اور فریاد کریں۔ پانچ سو برس فریاد و زاری کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گی تو کہیں گے کہ اب صبر کر کے دیکھو شاید اس سے کچھ کام نکلے۔ پانچ سو برس صبر کریں گے، وہ بھی کام نہ آئے گا تو کہیں گے: ”أَجْزِعْنَا أَمْ صَبْرُنَا مَا لَنَا مِنْ مَنِّحَيْصٍ“ (۸) شیعہ مجتہد شیخ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی ان الصبر والجزع سنیان مثلان لیس لنا مہیص ولا مہرب من عذاب اللہ۔“ (تفسیر مجمع البیان) یعنی صبر اور جزع دونوں ہمارے لیے برابر ہیں۔ ہمارے لیے کوئی خلاص اور بھانگنے کی جگہ نہیں ہے، اسی آیت کے تحت شیخ طبرسی موصوف لکھتے ہیں: ”الجزع انزعاج النفس لورود ما یغتم ولفیضہ

الصبر: ”اور جزع کہتے ہیں بوجہ غمناک خبر آنے کے دل کا بیقرا ہو جانا اور اُس کی نفیض صبر ہے“ یہاں علامہ طبرسی نے بھی صبر اور جزع کا آپس میں نفیض و مخالف ہونا بیان کر دیا ہے۔ تو جب قرآن مجید کی مندرجہ آیت اور سنی اور شیعہ مفسرین کی تفسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ جزع اور صبر ایک چیز نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی نفیض اور ضد ہیں۔ یعنی انسان میں یا صبر کی حالت پائی جائے گی، یا جزع کی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جزع (اور ماتم) کرنے والے کو صبر بھی کہا جائے۔ کیونکہ جو صابر ہو گا وہ جزع نہیں کرے گا اور جو جزع کرے گا وہ صابر نہیں رہے گا۔ اب قارئین حضرات خود ہی اذیتوں اور انصاف فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ قرآنی آیت اور سنی و شیعہ مفسرین کی تشریحات کے بعد کیا ماتم کرنے والے صابرین میں شامل ہو سکتے ہیں؟ اور جب قرآن کی متعدد آیات میں صبر کا حکم دیا گیا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ماتم اور جزع حرام ہیں، اور ماتمی کردہ کا عقیدہ اور عمل قرآن مجید کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ ماتم مردوحہ کا حرام ہونا (یعنی جزع و فزع وغیرہ) قرآن حکیم کی نص سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے مقابلہ میں ”فکدح الکوکین“ کے ماتمی مصنف کا یہ لکھنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ: ”ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں“ (ص ۶۸)۔

جہالت ہی جہالت

مصنف ”فکدح الکوکین“ لکھتے ہیں کہ: ”الکران مختلف تراجم پر تصب اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کا مردوحہ یا غیر مردوحہ ماتم سے کسی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ لہذا کھینچ تان کر اس آیت مجیدہ کو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنانا علمائے فریقین کے نزدیک حرام ہے۔ صرف حرام ہی نہیں بلکہ بے حد گمراہ کن بھی ہے“ (ص ۶۹)۔

الجواب

جب صبر کا معنی ہی جزع نہ کرنا ہے اور جزع کا معنی ہی بے صبری کرنا ہے جیسا کہ ”منتہی الارب“ میں لکھا ہے: ”جزع۔ ناشکیائی ضد صبر۔ یعنی جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے، اور آپ کے شیخ طبرسی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ لکھ دیا ہے کہ جزع کی نفیض صبر ہے، اور سورۃ ابراہیم کی مذکورہ آیت ”أَجْزِعْنَا أَمْ صَبْرُنَا“ میں

بھی جزیع اور صبر کو مقابلہ میں استعمال فرمایا ہے۔ تو پھر لفظ صبر سے ماتم اور جزیع کا حرام ہونا قرآنی نص سے ثابت ہو گیا۔ ہمیں اس میں کچھ تن کی ضرورت ہی نہیں پڑتی البتہ صبر کے لفظ سے آپ کا ماتم و جزیع کو حرام نہ سمجھنا اور صبر اور ماتم میں مطابقت پیدا کرنے کو شش کرنا درحقیقت انتہائی گمراہ کن ہے اور قرآن کے مدلول کا صریح انکار ہے۔ صبر اور جزیع میں نہ تو نسبت مساوات کی پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے بلکہ ان دونوں میں منافات کی نسبت ہے۔ اس لیے اہل لغت اور اصحاب تفسیر نے صبر اور جزیع دونوں کو آپس میں ضدین یا تقضیین لکھا ہے اور ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

دوسری آیت جو صبر سے ماتم کی دلیل میں پیش کی گئی تھی یہ ہے :-

آیت دوم کی تفسیر

والصبرین فی البأساء والضراء وحین البأس والملك الذین صدقوا

داو لک ہم المتقون (پارہ ۲ سورہ البقرہ، کوع ۲۲۲، مولیٰ قبول احمد صاحب شیعہ منسرنے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے :- "اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کی سختی کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عہدِ صحیح بولا اور یہی متقی ہیں" ہم نے صبر اور جزیع کے مفہوم کے متعلق کتب لغت اور تفاسیر اہل سنت، اور اہل تشیع سے جو تحقیق پہلے بیان کی ہے اس کے بعد قرآنی آیات صبر میں سے کسی آیت کی تشریح و تفسیر کی زیر بحث مسئلہ میں ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ صبر کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے وہاں جزیع و ماتم کی لفظی لازم آتی ہے۔ کیونکہ جزیع اور صبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے لیکن ماتمی مصنف صاحب کی کم علمی اور ہٹ دھرمی اور عوام کی نادانگیت کی بنا پر اس آیت کی مزید تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ کسی پہلو سے باطل کو کوئی گنجائش نہ مل سکے۔ اس آیت کی تفسیر سے پہلے صبر کا جامع مفہوم پیش کیا جاتا ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد مخالفین کے شبہات کا بالکل ازالہ ہو جاتا ہے۔

امام لغت علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :- فالصبر لفظ عام

صبر کا جامع مفہوم

ورجما خولفت بین اسماء بحسب اختلاف مواقعه فان

کان حبس النفس لمصیبة سستی صبراً لاخیر ویضادہ الجزیع وان کان فی معاربتہ سستی شجاعتہ

ویضادہ الحبن وان کان فی نائبة مضجیرة سستی رحب الصدمہ ویضادہ الضجر وان کان فی امساک الکلام سستی کتماناً ویضادہ المذال وقد سستی اللہ تعالیٰ کل ذلک صبراً نبتہ علیہ بقولہ والصابرین فی البأساء والضراء، والصابرین علی ما اصابہم والصابرین والصابرات الخ پس صبر ایک عام لفظ ہے اور بسا اوقات اس کے مواقع کے اختلاف کی وجہ سے اس (یعنی صبر) کے ناموں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو روک رکھنا ہے تو سولے صبر کے اس کا کوئی اور نام نہیں ہوتا اور اس کی ضد جزیع ہے، اور اگر لڑائی میں (نفس کو روکنا) ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد حبن (یعنی بزدلی) ہے، اور اگر کسی تنگی میں ڈالنے والے حادثہ میں ہو تو اس کا نام سینہ کی کشادگی ہے اور اس کی ضد ضمیر (یعنی تنگدلی) ہے، اور اگر کلام کے روکنے میں ہو تو اس کا کتان ہے اور اس کی ضد مذال ہے (یعنی بات ظاہر کر دینا) اور اللہ تعالیٰ نے ان سب حالتوں کو صبر کا نام دیا ہے اور اپنے ارشاد والصابرین فی البأساء والضراء وغیرہ آیات میں آگاہ کیا ہے۔

لفظ صبر کی اس تشریح سے ثابت ہوا کہ صبر بمعنی نفس کو روک رکھنا ہر جگہ پایا جاتا ہے خواہ بجائے صبر کے اس حالت کا کوئی اور نام ذکر کیا جائے مثلاً شجاعت، تو جس طرح شجاعت کی ضد بزدلی ہے اسی طرح صبر کی ضد جزیع و ماتم ہے۔ جس طرح بزدل آدمی کو شجاعت نہیں کہہ سکتے اور شجاع کو بزدل نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح صابر کو ماتمی نہیں کہہ سکتے اور ماتمی کو صابر نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ماتمی مصفت کا اگر یہ فلسفہ تسلیم کیا جائے کہ ماتمی بھی صابر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بزدل کو بھی بہادر کہا جائے۔ اگر اس طرح اس فلسفہ کو وسیع کیا جائے تو کیا کسی لفظ کا حقیقی مفہوم محفوظ رہ سکتا ہے۔ پھر تو ماتمی مصفت یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اہل شرک اور بت پرست دونوں اہل توحید ہیں اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں، ایک ہیں بلکہ اہل عقل اور بے عقل، اہل علم اور بے علم، اہل ایمان اور بے ایمان، اہل عدل اور ظالم سب کا ایک ہی مفہوم و مطلب ہے۔ (۲) امام رازمی صبر کے متعلق فرماتے ہیں :- ثم اعلم ان الصبر ضربان احدهما بدنی کتحمل المشاق بالمیدان والشبات علیہ دھراما بالفعل کتعالی الاعمال الشاقة او بالاحتمال کالصبر علی الضرب الشدید والالام العظیم والثانی - هو الصبر النفسانی

وهو منع النفس عن مقتضيات الشهوة ومشتيميات الطبع ثم هذا الضرب ان كان صبراً
 عن شهوة البطن والفرج سمي عفة وان كان على احتمال مكروه اختلفت اساميه عند الناس
 باختلاف المكروه الذي عليه الصبر فان كان في مصيبة اقتصر عليه باسم الصبر وبيضاة حالة
 تسمى الجزع والهلج وهو اطلاق داعي الهوى في رفع الصلوة وضرب الخد وشنق الجيب و
 غيرها وان كان في حال الغنى ليسي ضبط النفس وبيضاة حالة تسمى البطوان كان في حرمه
 مقاتلة ليسي شجاعة وبيضاة الحين وان كان في كظم الضيق والغضب ليسي حلماً وبيضاة
 النزع وان كان في نائمة من نواب الزمان مضجرة سمي سعة الصدر وبيضاة الضجر و
 الذم وضيق الصدر - وان كان في اخفاء كلام ليسي كتمان النفس ويسي صاحبه كتماناً وان
 كان عن فضول العيش سمي زهداً وبيضاة العزم وان كان على قدمي يمين من المال سمي
 بالقتاعة وبيضاة الشراء - وقد جمع الله تعالى اقسام ذلك وسمي الكل صبراً فقال والصابرين
 في البأساء اى المصيبة والضراء اى الفقر وحين البأس اى المحاربة اولئك الذين
 صمدوا اولئك هم المتقون - قال القفال رحمه الله ليسي الصبر ان لا يعبد الانسان المر
 المكروه ولا ان لا يكون ذلك لان ذلك غير ممكن - انما الصبر هو تحمل النفس على ترك اطلبها
 الجزع فاذا كظم الحزن وكفت النفس عن ابرار انما كان صاحبه صابراً وان ظهر دم مع عين
 او تغير لون قال عليه السلام الصبر عند الصدمة الاولى وهو كذلك لان من ظهر منه في الابداء
 مالا ليد معه من الصابرين ثم صبر فذلك ليسي سلوا وهو مما لا بد منه - (تفسير كبير ج ۲)
 ترجمہ :- پھر جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک بدنی صبر ہے جیسا کہ بدنی مشقتوں کا اٹھانا اور اس پر
 ثابت رہنا اور وہ یا تو کام کرنے سے ہوتا ہے جیسا کہ مشقت والے کام کرنا، یا برداشت کرنے سے
 جیسا کہ سخت ضرب اور بڑے درد الم پر صبر کرنا اور دوسری قسم صبر کی نفسانی ہے اور وہ یہ ہے
 کہ نفس کو نفسانی تقاضوں اور طبعی خواہشات سے روک لینا اور پھر اس دوسری قسم میں نفس کو
 پیٹ اور فرج (شرنگاہ) کی شہرت سے روکنا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور اگر کسی ناپسندیدہ اور

تکلیف دہ امر کو برداشت کرنا ہے، تو جس ناپسندیدہ امر پر صبر کرنا ہے اس کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں
 کے ہاں اس کے مختلف نام ہیں۔ اگر مصیبت میں نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کا نام صرف صبر ہی ہے
 اور اس کے خلاف جو حالت ہے اس کو جزع اور ہلع کہتے ہیں (یعنی میقرا می اور پریشانی) اور جزع
 یہ ہے کہ خواہش نفس کو آزاد چھوڑ دیا جائے، چیخنے چلانے میں اور منہ پھینکنے میں اور گریبان بھاڑنے وغیرہ
 افعال میں اور الجج و قتال میں نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد
 حین زردی ہے۔ اور اگر خفا (دولت مندی) کی حالت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کو ضبط نفس
 کہتے ہیں اور اس کی ضد بطریہ (یعنی اترانا اور ٹھہر کرنا) اور اگر یہ لڑائی اور جنگ میں ہے تو اس کو شجاعت
 کہتے ہیں اور اس کی ضد زردی ہے، اور اگر یہ غصے اور غضب کے روکنے میں ہے تو اس کو حلم کہتے ہیں اور
 اس کی ضد نزاق ہے یعنی گالی دینا، اور اگر یہ حوادثِ زمانہ کے کسی تنگی دینے والے حادثہ میں میں ہے
 تو اس کو سبب کی کشادگی کہتے ہیں اور اس کی ضد فحج - دم اور ضیق صدر ہے یعنی تنگ دلی، اور اگر یہ بات
 کے چھپانے میں ہے تو اس کا نام کتمان ہے اور بات چھپانے والے کو کتوم کہتے ہیں، اور اگر یہ عیش
 پرستی سے روکنے میں ہے تو اس کو زہد کہتے ہیں اور اس کی ضد حرص ہے، اور اگر خور سے مال پر نفس کو
 روک رکھنا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں اور اس کی ضد شرہ ہے یعنی لالچ، اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب
 قسمیں جمع کر دی ہیں اور سب کا نام صبر رکھا ہے اور فرمایا :- والصابرين في البأساء :- اور صبر
 کرنے والے ہیں مصیبت میں اور فقر (محتاجی) میں اور لڑائی کے وقت، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی لوگ
 متقی ہیں۔ فقال رحمة الله عليه فرماتے ہیں کہ صبر اس کو نہیں کہتے کہ انسان کسی تکلیف دہ امر کا دکھ نہ
 محسوس کرے اور نہ یہ ہے کہ اس کو ناپسند نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور بے شک صبر یہ ہے کہ وہ
 لے اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی مصیبت میں چیخنا چلانا، منہ پینا اور گریبان بھاڑنا وغیرہ افعال پائے
 جائیں تو یہ جزع ہے جو صبر کے خلاف ہے اور یہی افعال مروجہ ماتم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ماتم جس
 کو ماتمی مصنف صبر کے خلاف نہیں سمجھتے، یقیناً صبر کے خلاف ہے۔ واللہ الہادی۔

نفس کو بزع (بتقراری اور پریشانی) کے نہ ظاہر کرنے پر مجبور کرے۔ پس جب اس نے غم کو ضبط کیا اور اس کے آثار ظاہر کرنے سے نفس کو روک لیا تو ایسا کرنے والا صابر ہوگا، اگرچہ اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے یا اس کے (چہرے کا) رنگ بدل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر ابتداء صدمہ میں ہوتا ہے اور وہ اسی طرح ہے کیونکہ اگر اس آدمی سے ابتداء میں ایسا کام ظاہر ہو کہ جس کی وجہ سے وہ صابرین میں شمار نہیں ہو سکتا (یعنی ابتداء میں جزع فرغ اور مرد توجہ ماتم کرے) اور پھر صبر کرے (یعنی پھر ایسا نہ کرے) تو اس کو تسلی کہتے ہیں کیونکہ بعد میں تو ضرور تسلی ہو جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ صبر کے لفظ میں نفس کو روک رکھنے اور قابو کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ البتہ مختلف پہلوؤں سے اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً جنگ و جدال میں شجاعت کا ظہور انسان کے نفس پر کنٹرول کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس صبر کا نام شجاعت ہے اور اگر جنگ کے موقف پر صبر نہ کر سکے تو اس کو بزولی کہتے ہیں اور خصوصیت سے صبر کا اطلاق مصیبت میں نفس کو قابو میں رکھنے اور جزع اور بے قراری کا اظہار نہ کرنے پر ہوتا ہے اور اس کا سوائے صبر کے اور کوئی نام نہیں۔ لیکن اس حقیقت کے خلاف مصنف "تلاخ الکونین" کا عقیدہ یہ ہے کہ بزع (یعنی اظہار بے قراری) بھی صبر میں داخل ہے۔ یہ ان کی کتنی بڑی کم فہمی ہے کہ قرآنی مفہوم (یعنی صبر و جزع کا آپس میں متضاد ہونا) اور آیت اُجْرِعْنَا أَمْ صَابِرْنَا کے صریح مدلول کے خلاف حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کے ادعا پر ایک عقیدہ ماتم کا اختراع کر رہے ہیں اور غلط تفسیر قرآن کا الزام ہم پر عائد کرتے ہوئے حضرت نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی کا مندرجہ شعر ہم پر چسپاں کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس کا مصداق وہ خود ہیں علاوہ ازیں شعر کا دوسرا مدنی بھی وزن شعری کے لحاظ سے غلط لکھا ہے۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ سدا اند
در جہل مرکب ابد اللہ ہر مجاہد
کیا مصنف "تلاخ الکونین" کو یہ معلوم
نہیں کہ ان کے مفسرین نے قرآنی آیات کی

کیسی کسی عجیب و غریب تفسیر میں بیان کی ہیں مثلاً (۱) شیخ قمی جو بزع و جزع شیعہ امام حسن عسکری سے فیض پانے والے ہیں اور ان کی تفسیر شیعہ مذہب کی قدیم ترین تفسیر ہے اور کافی کے مؤلف شیخ یعقوب کلینی نے بھی ان سے روایتیں لی ہیں۔ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ط کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الكتاب علی (ع) لا شك فيه یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ الكتاب سے مراد حضرت علی ہیں، جن میں کوئی شک نہیں ہے (تفسیر قمی) حالانکہ یہاں الكتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے حضرت علی مراد لینا قرآن مجید کی صریح منوی تحریر ہے (۲) مولوی مقبول احمد دہلوی آیت کا ترجمہ تو یہ لکھتے ہیں:۔ "یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں" (ترجمہ مقبول) لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ "تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں" (۳) قرآن مجید میں حضرت آدم اور حضرت حوا کے متعلق فرمایا:۔ لَا تَفْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول صاحب لکھتے ہیں:۔ "اس درخت کے پاس نہ جانا" (ترجمہ مقبول) اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"الشجرۃ، محمد و آل محمد کے علم کا درخت مراد ہے" (ترجمہ مقبول)
(۴) قرآن مجید: پارہ ۴ سورہ آل عمران میں غزوہ بدر کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:۔
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ط اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے:۔ "بے شک اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی تھی جبکہ تم حقیر تھے" اور اس کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں:۔ تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس حال میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے، وہ لوگ ہرگز ذلیل نہ تھے بلکہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی وَأَنْتُمْ ضَعْفَاء۔ تفسیر عیاشی میں انہی حضرت سے منقول ہے کہ ابو بصیر نے یہ آیت آنحضرت کے سامنے پڑھی تو آنحضرت نے فرمایا کہ کٹھن جانتا ہے اس لیے اس طرح نازل نہیں فرمایا ہے بلکہ وہ یوں نازل ہوئی ہے وَأَنْتُمْ قَلِيلٌ۔ (ترجمہ مقبول ناشران ادتخار بک ڈپو کوشن نگر لاہور)۔ اور شیعوں کے شیخ قمی نے یہ لکھا ہے:۔ فتال

ابو عبد اللہ علیہ السلام ما کافوا اذلة وفيهم رسول الله صلى الله عليه واله وانما نزل
ولقد نصرکم بمداہر وانتم ضعفاء :- امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان میں موجود تھے تو وہ ذلیل نہیں تھے۔ بے شک آیت اس طرح نازل ہوئی تھی :- وانتم
ضعفاء۔ (تفسیر قمی جلد اول ص ۱۱۶) مفسرین شیعہ مولوی مقبول احمد اور شیخ قمی وغیرہ نے تصریح
کر دی ہے کہ موجودہ قرآن مجید میں جو وَ اَنْتُمْ اَذَلَّةٌ کے الفاظ ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ
نہیں ہیں بلکہ منجانب اللہ تو وَ اَنْتُمْ ضَعْفَاءُ یا اَنْتُمْ قَلِيلٌ کے الفاظ نازل ہوئے تھے۔ تو
اس سے شیعوں کا عقیدہ تحریف قرآن واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید میں لفظی تحریف کے بھی قائل
ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نعوذ باللہ قرآن کے الفاظ میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے
لہذا ان کا موجودہ قرآن پر کیسے ایمان ہو سکتا ہے جس میں وَ اَنْتُمْ اَذَلَّةٌ کے ہی الفاظ لکھے ہیں کیونکہ
اگر ایک آیت میں تبدیلی ہو جائے تو سارا قرآن غیر قابل اعتماد رہ جاتا ہے۔ اس قسم کے عقیدہ والے لوگ
اگر زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے تو یہ اُن کا لقیہ ہے۔ (دب) یہ بھی واضح ہو کہ اذلة
جمع ذلیل کی ہے اور لفظ ذلیل عربی زبان میں اس معنی میں نہیں مستعمل ہوتا جس معنی میں ہماری
اُردو یا پنجابی زبان میں استعمال ہوتا ہے بلکہ عربی زبان میں ذلیل کا معنی کمزور ہونا آتا ہے اور عالم اسباب
میں تعداد اور وسائل جنگ کی بنا پر غرور بدر میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کی جنگی
طاقت کے مقابلہ میں کمزور ہی تھے اور صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ اذلة کا لفظ دوسری جگہ بھی مذکور
ہے، فرمایا :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ
يُحِبُّونَهُ اذلة على المؤمنين اذلة على الكافرين۔ (پ ۶۔ سورۃ المائدہ ۸۴) اس کا ترجمہ
مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ لکھا ہے :- اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر
جائے گا (تو خدا کا کچھ نقصان نہیں) خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا، جن کو وہ دوست رکھتا ہے
اور اس کو وہ دوست رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے وہ رحمدل ہیں (اور) کافروں کے لیے سخت کا ترجمہ
مقبول) اور شیعہ مترجم مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اذلة کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں :- وہ مومنوں پر نرم

دل ہوں گے، توجب شیعہ مترجمین اس آیت میں اذلة کا ترجمہ رحمدل اور نرم دل لکھ رہے ہیں
توجب بدر کے سلسلہ میں اذلة کے مطلب میں کیا الجھن پیش آگئی کہ تحریف قرآن کا قائل ہونا پڑا۔ ع
کچھ بہانہ چاہیے انکار کرنے کے لیے۔ (ج) کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن میں لفظی تبدیلی (تحریف) کا عقیدہ امام
جعفر صادق کا تھا العیاذ باللہ۔ یہ ان ائمہ عظام پر صریح بہتانات ہیں ورنہ وہ اس قسم کے عقائد باطلہ
سے بالکل پاک تھے اور وہ اپنے اپنے دور میں اہل سنت والجماعت کے مذہبی اور روحانی پیشوا اور
بزرگ تھے۔ اس قسم کی خلاف کتاب و سنت باتیں ان حضرات کی طرف اسی طرح غلط منسوب کر دی
گئی ہیں جس طرح نصاریٰ نے اپنے مشرکانہ عقائد تثلیث وغیرہ کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام
کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

آیت نمبر ۳

تیسری آیت جس سے حرمت ماتم پر استدلال کیا گیا تھا یہ ہے :- وَالَّذِينَ
صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔ (پارہ ۱۳۔ سورۃ النور
ع ۳) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ نے یہ ترجمہ لکھا ہے :- جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی خوشنودی
حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز پڑھی، اور جو کچھ تم نے ان کو دیا تھا اس میں سے چھپا کر اور ظاہر
ظور پر (راہ خدا میں) خرچ کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے، عاقبت کا گھر انہیں کے لیے ہے۔
(ترجمہ مقبول)۔ مصنف "فلاح الکومکین" کہتے ہیں کہ اس آیت کا ماتم مراد جو یا غیر مراد جو ہے
کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ ان کی کم فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ صبر وا کا لفظ مطلق ہے اور اس کے تحت
صبر کی وہ تمام قسمیں آجاتی ہیں جن کی تفصیل امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر سے نقل کی جا چکی ہے
یعنی وہ لوگ مصیبت میں بھی صبر کرنے والے ہیں اور جنگ و قتال کے وقت بھی اور فقر و فاقہ وغیرہ کے
احوال میں بھی۔ توجب حسب لغت و تفسیر قرآن جزیع کرنا صبر کے خلاف ہے تو صابرین کی صفات
کے بیان میں ماتم مراد جو کا تعلق کیوں نہیں ہوگا؟ اگر صابرین اللہ کے ہاں فضیلت والے ہیں تو یقیناً ماتمی
لوگ جن کا فعل ماتم صبر کے خلاف ہے، اللہ کے ہاں بے وقار ہوں گے۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ لکھا ہے

کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے سوا اور کوئی صحابی اس آیت کا مصداق نہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت میں صابرین کی ایک جماعت مراد ہے جن میں حضرت علیؓ بھی ہیں، اور یہ بھی فرمائی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی جو صفت اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے، کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ اس صفت میں حضرت علیؓ سے افضل نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو سارا مال دربار رسالت میں پیش کر دیا تھا۔ جس کے متعلق شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ یہ کہہ چکے ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے گہل کو چھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس
اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تو اتنی واضح حقیقت ہے کہ کوئی دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ (۱) غزوہ تبوک میں حضرت عثمان نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار اشرفیاں رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے تھے۔ (۲) اوائل ہجرت میں مدینہ منورہ میں ایک میٹھا کٹواں جس کا نام ”رُذُمہ“ تھا، خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا (۳) مسجد نبوی کے ساتھ ملحقہ زمین تقریباً چھس ہزار دہریہ کی خرید کر مسجد میں شامل کر دی وغیرہ وغیرہ کیا مصنف ”فلاح الکوکبین“ بتا سکتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے غزوہ تبوک یا دوسرے مواقع پر کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا؟

جنگِ احد اور صحابہ

مصنف ”فلاح الکوکبین“ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”آپ کی پیش کردہ

اس آیت سے بھی کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماتم کرنا ترک صبر ہے لہذا اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس کے برعکس آیت تو یہ بتا رہی ہے کہ صبر کو ترک کرنے والے وہ ہیں جو رسول اللہ صلعم کو نرسہ اعدا میں تنہا چھوڑ دیں اور جان بچانے کے لیے جہاد سے ہٹ پھیر کر پہاڑ پر جا چڑھیں۔ حقیقت میں یہی لوگ تارکِ صبر ہوئے، سچائی سے دور ہوئے، جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا“ (فلاح الکوکبین ص ۶۸) :

الجواب

یہ پہلے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ماتم کرنا ترک صبر ہے کیونکہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے۔ جزع اور ماتم کرنے والے کو کسی حیثیت سے بھی صابر نہیں کہہ سکتے۔ (۲) جنگِ احد میں میدان سے ہٹ جانے اور بھاگ جانے کا آپ جو الزام صحابہ کرام پر رضی اللہ عنہم پر لگا رہے ہیں اس کا تفصیلی جواب دلیل نمبر ۱۲ کے تحت دے دیا ہے، اور سب سے بڑی بات اہل ایمان والوں کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا:۔
وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ۔ اور لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ۔ اور اللہ نے ان کے قصور سے درگزر کیا، (ترجمہ مقبول) اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا:۔ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ۔ اور اللہ نے ان کے قصور سے درگزر کیا، (ترجمہ مقبول) سورۃ آل عمران ع ۱۶) تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا ہے تو اس کے بعد جو ان کو مطعون کرتا ہے وہ صرف ان کا دشمن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس قرآن عظیم کا منکر ہے جس میں ان کی معافی کا اعلان فرمایا گیا ہے، اور یہی وہ حضرت عثمان ذوالنورین ہیں جن کی برحق خلافت کو حضرت علیؓ نے بارہ سال تک تسلیم کیے رکھا۔ فرمائیے کیا آپ حضرت علی المرتضیٰ کے اس طرز عمل سے خوش ہیں؟

حضرت علی المرتضیٰ کا صبر

ہم اہل سنت و الجماعت چونکہ دیگر خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طرح حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت کو بھی اپنے ایمان کی جزو مانتے ہیں۔ اس لیے روافض کے مطاعن کے سلسلہ میں ہمیں ان حضرات اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ و ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دینا پڑتا ہے ورنہ اگر روافض کے عقائد و نظریات کو دیکھا جائے تو نفوذِ وبال اللہ حضرت علی المرتضیٰ کی کوئی دینی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ ایک فرضی علی کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ جس کی اصلی علیؓ کی حقیقی تصویر سے کوئی مناسبت و مشابہت نہیں پائی جاتی۔ ہم الزامات کہتے ہیں کہ جو صحابہ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے تھے ان کو تو علامہ الفیوب اور رحیم و کریم خدائے معاف کر دیا لیکن روافض جو حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ (۱) وہ اللہ کی دی ہوئی خلافت کو حاصل نہ کر سکے اور چوبیس سال تک

وہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی سے اپنی خلافت واپس نہ لے سکے، بلکہ انہوں نے تقیہ ان خلفاء سے بیعت بھی کی اور ان کی اقتدار میں نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ (۲) حضرت فاطمہ الزہراء کا مذکب بھی چھین لیا گیا اور وہ بے بس ہو گئے تھی کہ نفوذ باللہ ان کے سامنے حضرت خاتونِ جنت کا بازو توڑ گیا، اُن کا عمل گرایا گیا۔ بلکہ حضرت علیؑ کے گلے میں رسی ڈال کر اصحاب ان کو حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے لیے مسجد میں لے گئے۔ (ملاحظہ ہو جلاء العیون اردو مطبوعہ لکھنؤ) کیا صابریں کی یہی شان ہوتی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰؑ کی یہی حقیقی تصویر ہے، اور کیا ایسے کمزور شخص کو کوئی اَسَدُ اللہ (اللہ کا شیر) تسلیم کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؑ کو اللہ جسمہ اگر صاحبِ کمالات و فضائل اور خلیفہ راشد مانے جاسکتے ہیں تو صرف مذہبِ اہل سنت کے عقیدہ کی بنا پر، ورنہ خارجی تو حضرت علی المرتضیٰؑ کے کھلے دشمن ہیں اور آپ کو مومن بھی نہیں سمجھتے، اور لافنی بظاہر حبیبِ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جن اُمور کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بھی دشمنی ہی ہے مگر بصورتِ محبت اور یہ زیادہ خطرناک نظریہ ہے۔

احادیثِ شیعہ کی رو سے بھی جِزَعِ صبر کے خلاف ہے

اہل تشیعہ دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ جِزَعِ صبر کے خلاف ہے اور ماتم کی ابتداء جِزَعِ کرنا ہی ہے۔ کیونکہ جِزَعِ کہتے ہیں دل کی بیقراری اور پریشانی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ لہذا شیعوں کا ماتم مردِ جہ صبر کے خلاف ہے لیکن مزید اتمامِ محبت کے لیے ہم شیعہ مذہب کی کتبِ حدیث سے بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ جِزَعِ اور صبر دو متضاد حالتیں ہیں، اور جِزَعِ کو ناقتیباً صبر کے خلاف ہے۔ (۱) شیعہ مذہب کی کتب "اصول اربعہ" میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب فروع کافی میں ہے:۔ عن جابر قال قلت لابی جعفر یرحمک اللہ ما الصبر الجمیل قال صبرٌ لیس فیہ شکوک الی الناس۔ :- اس کا ترجمہ اہل تشیعہ کے ادیبِ اعظم یہ لکھتے ہیں :- "جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا صبر جمیل کیا ہے، فرمایا! وہ صبر ہے جس میں لوگوں کی طرف شکایت نہ ہو، (اشافی ترجمہ خود

امام محمد باقر کے قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ اگر غم کی لوگوں کے سامنے شکایت کی جائے تو یہ صبر جمیل کے خلاف ہے۔ لیکن امام موصوف کے خلاف مصنف "فتاوح الکونین" کا یہ مذہب ہے کہ جِزَعِ فروع کرتا بلکہ اس کے جلوس نکالنا بھی صبر کے خلاف نہیں۔ (۲) فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ میں ہے کہ امام حسینؑ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا کہ :- فعنیک بالصبر فان الخیر فی الصبر والصبر من الکرم ودع الجزع فان الجزع لا یغنیک :- "پس آپ صبر کو اپنے اوپر لازم کریں کیونکہ صبر میں بھلائی ہے اور صبر جو انفرادی سے ہے اور جِزَعِ کو چھوڑے رکھنا کیونکہ جِزَعِ آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا" اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جِزَعِ صبر کے خلاف ہے کیونکہ امام حسینؑ صبر اختیار کرنے اور جِزَعِ کو چھوڑنے کی نصیحت کر رہے ہیں۔ لہذا مصنف "فتاوح الکونین" کا نظریہ امام حسینؑ کے خلاف ہے۔ (۳) "اصول کافی" میں ایک طویل حدیث ہے جس کا ترجمہ ادیبِ اعظم یہ لکھتے ہیں :- فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا، میں نے دنیا میں اپنے بندوں کے درمیان قرضِ حسنہ کو جاری کیا ہے پس جس نے مجھے قرضِ حسنہ دیا یعنی مستحق بندوں کو دیا تو میں اُس کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک دوں گا، بلکہ اس سے بھی کمیں زیادہ، اور جس نے مجھے قرض نہ دیا تو میں اپنے انعام کو اس سے کچھ کم کر دوں گا۔

اگر اس نے اس پر صبر کیا تو اس کو تین ایسی فضیلت دوں گا کہ اگر ان میں سے ایک اپنے ملائکہ کو دے دوں تو وہ میرے اس عطیہ کو پسند کریں پھر حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی :- الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا الیہ راجعون :- "اُن لوگوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا درود اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو اس کے لیے ہے جو تھوڑی سی کمی پر صبر کرے اور جو بڑے بڑے مصائب پر صبر کرنے والے ہیں، اُن کے اجر کا کیا ٹھکانہ ہے؟ (اشافی ترجمہ اصول کافی جلد ۲ ضکلا)۔ اس حدیث کے عربی الفاظ :- ذهبوا عطیة ثلاث خصال کا ترجمہ علامہ خلیل

قرظی نے صافی ترجمہ اصول کافی میں یہ کیا ہے :- پس صبر کرو و جزع نہ کرو اصلاً۔ (پس اس نے صبر کیا اور جزع بالکل نہ کیا) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے اور اس حدیث میں بھی آیت شریفہ وَكَثِيرًا مِّنَ الَّذِينَ إِذَا آصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سے ہی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کے لیے تین فضیلتیں ہیں اور صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بالکل جزع نہ کیا جائے اور اسی آیت سے میں نے یہ استدلال کیا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے جس کے جواب میں مصنف صاحب "کلاح الکوسین" یہ فرما رہے ہیں کہ میں صبر سے مراد جنگ میں ثابت قدم رہنا ہے اور یہ کہ تم کو نا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں۔ لیکن اب اپنے علامہ خلیل قرظی شارح اصول کافی کا کیا جواب دیں گے جو فرما رہے ہیں کہ :- صبر کرو و جزع نہ کرو اصلاً۔ (ب) مندرجہ حدیث کے الفاظ :- من اذنی منہا عرضاً کا ترجمہ ادیب اعظم صاحب نے یہ لکھا ہے :- "جس نے مجھے قرضِ حسنہ دیا"

لیکن علامہ قرظی کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں حرفِ فاء ہے نہ کہ قاف، اور جن نسخوں میں قاف ہے یہ کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے ہے اور افرضی فاء کے ساتھ ہو تو علامہ قرظی اس کا معنی کرتے ہیں :- "الافواض، دادن کسے را چیزے یعنی افراض کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز دینا، واصل آن واکردن راہ آشنائی میان خود و دیگرے است۔" اور اس کا اصلی معنی ہے اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان دوستی کی راہ کا کھول دینا۔ لہذا ان کی تحقیق پر ادیب اعظم کا ترجمہ محلِ نظر ہے واللہ اعلم (م) فروغ کافی میں ہے :- قال ابو عبد الله عليه السلام يا حمص ان من صبر صبر قليك وان من جزع جزع قليك ثم قال عليك بالصبر في جميع امورك۔ اس کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں :- "فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے اے حمص (راوی) جس نے صبر کیا تو اس نے مختوری مدت صبر کیا لیکن اس کا اجر باقی رہنے والا ہے اور جس نے بیتابی کا اظہار کیا تو اس کی بیتابی تو مختوری دیر رہی لیکن اس کی شرمندگی دیر پائے۔ پھر فرمایا صبر کو اپنے لیے لازم قرار دے اپنے تمام امور میں" (شافی ترجمہ فروغ کافی) اس حدیث میں بھی جزع کا لفظ صبر کے مقابلہ میں ہے۔ اور ادیب اعظم نے جزع کا ترجمہ بیتابی کے اظہار کرنے کا کیا ہے۔ تو امام جعفر صادق کے قول سے

بھی ثابت ہو گیا کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف ہے۔ (۵) فروغ کافی کی ایک حدیث کا ترجمہ یہ ہے :- فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ اپنے ایک صحابی کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ مرنے کے قریب تھا اور فرمایا اے ملک الموت! میرا یہ صحابی مومن ہے۔ اس نے کہا اے محمد! بشارت ہو کہ میں ہر مومن کے ساتھ ترمی کرتا ہوں اور جان لو اے محمد! جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھر والے جزع فرع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جاتا ہوں اور کہتا ہوں یہ روٹا پٹینا کیسا ہے خدا کی قسم میں اس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آیا اور نہ میں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے تو جزا پاؤ گے اور اگر بے قراری کا اظہار کرو گے تو گنہگار ہو گے۔ (شافی ترجمہ فروغ کافی ص ۱۱۱)

اس روایت کے آخری جملہ کے عربی الفاظ یہ ہیں :- وان متجزعوا تاتمشوا۔ (اور اگر تم جزع کرو گے تو گنہگار ہو گے) یہاں بھی جزع صبر کے مقابلہ میں ہے اور جزع کا ترجمہ ادیب اعظم نے بے قراری کے اظہار کرنے کا کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ جزع اور ماتم یعنی بے قراری کا اظہار کیا جانے تو صبر کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ لہذا ماتم مردوحہ حرام اور ممنوع ثابت ہوا (۶) فروغ کافی میں ہے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت قبض روح کے لیے آتا ہے تو وہ مومن سے کہتا ہے یا ولی اللہ لا تجزع :- "اے خدا کے دوست بے چین نہ ہو، ڈر مت" (شافی ترجمہ فروغ کافی) اس حدیث سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ ملک الموت جزع کرنے سے منع کرتا ہے لیکن مصنف "کلاح الکوسین" نے تو بہر حال جزع فرع کرنے کو سنت اور عبادت تسلیم کرنا ہی ہے کیونکہ یہ ان کے نفس کا شدید تقاضا ہے۔ آخر اس ضد اور کم فہمی کا کیا علاج ہے؟ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ چھ احادیث جن سے ہم نے جزع اور ماتم کا خلاف صبر ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کی سند میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے جس کی بنا پر مصنف موصوفت کافی کی احادیث کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

روایات کافی کی بحث

ما تم کے ناجائز اور حرام ہونے پر ہم نے رسالہ ”ہم
ما تم کیوں منہیں کرتے“ میں شیعہ مذہب کی ۹ عدد

روایات سے استدلال کیا تھا۔ جن میں روایت نمبر کے تحت یہ لکھا تھا کہ :- اُصول کافی ماتمیوں کے نزدیک وہ مستند کتاب ہے جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے اس کتاب کے متعلق فرمایا :- ہذا کافی لشیعتنا۔ (یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) اس میں یہ روایت ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الصبر من الايمان بمنزلة الرأس من الجسد فاذا ذهب الرأس ذهب الجسد كذلك اذا ذهب الصبر ذهب الايمان۔
دا اصول کافی جلد اول، کتاب الکفر والایمان۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر۔ جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا (ص ۲۶) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- اصول کافی کے مستند ہونے سے ہم انکار نہیں کرتے جیسا کہ آپ نے دلیل نمبر ۱ کے جواب میں ”ینا بیح المودت“ کو حنفیوں کی مستند کتاب تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ لیکن ہذا کافی لشیعتنا جو کافی کے۔ *Source Page* (سرورق) پر لکھا ہوا ہے۔ اس کو امام آخر الزمان علیہ السلام کا فرمان ماننے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ فقہ مطبوع نو لکھنؤ کی مطبوعہ کتاب پر کار پرواز ان مطبوع نے کتاب کو اور زیادہ پرکشش بنانے کے لیے لکھ دیا ہے حالانکہ دوسرے مطابع کی طبع شدہ کتابوں پر یہ فقرہ جو فرمان امام سے منسوب کیا گیا ہے کہیں نظر نہیں آتا بلکہ صاحب ”روضات الجنات“ نے اس کی تردید کی ہے لیکن ہم اس پر بھی مصر نہیں کہ اس کی تمام احادیث و روایات مستند اور صحیح ہیں جیسا کہ آپ بخاری و مسلم وغیرہ کو مانتے ہیں۔ قالوا هما اصح الكتب بعد کتاب اللہ کما فی رسالۃ ملحقۃ بسنن الترمذی وجعلوا رواۃہما ما ارجحہن علی کل سوائے کا نوا مرجیۃ او قدمیۃ او خارجیۃ :- کہتے ہیں یہ دونوں کتابیں (بخاری اور مسلم) سب کتب کے بعد کتاب اللہ زیادہ صحیح ہیں اور ہر دو کتب مذکورہ کے رواۃ کو اگرچہ وہ صحیح، قدریہ یا خارجیہ سے ہی

ہوں، سب پر ترجیح دیتے ہیں، یہ روایت بطریق ضعیف ہے۔ مرآة العقول شرح کافی ص ۳۱۰ ج ۳۔
الثانی ضعیف علی المشہور۔ (ملاحح الکوئین ص ۷) ہذا کافی لشیعتنا کا حوالہ :-

الجواب

(۱) آپ کی یہ تادیل کافی نہیں ہے کہ مطبع نو لکھنؤ والوں نے ہذا کافی لشیعتنا کے الفاظ لکھ دیے ہیں۔ ہمارے پاس اصول کافی کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۲ھ کا چھپا ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے قریباً ۹۱ سال پہلے یہ کتاب اصول کافی لکھنؤ میں طبع ہوئی تھی جو ہندوستان میں شیعوں کا اہم مرکز تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ مطبع والوں نے یہ جملہ کہاں سے لیا ہے اور پھر کس بنا پر انہوں نے اس کو حضرت امام مہدی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کیا لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین نے کتاب کی تصحیح نہیں کی تھی؟ یقیناً انہوں نے تصحیح کی ہوگی پھر انہوں نے کیوں اتنی غلط نسبت کو حذف نہ کیا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ مجتہدین ہذا کافی لشیعتنا کو امام فائب (حضرت مہدی) کا قول ہی سمجھتے ہوں گے۔ (۲) اس فقرہ کا ذمہ دار صرف اہل مطبع کو ٹھہرانا یہ آپ کی تلبیس ہے کیونکہ اسی اصول کافی کے خاتمۃ الطبع میں اس کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے ترجمہ (یعنی حالات) میں یہ لکھا ہے کہ :- وقد اتفق تصنیفہ فی الغیبۃ الصغریٰ بین اظہر السقراء فی مدۃ عشرين سنة کما صرح بہ النجاشی و یقال ان هذا الكتاب عرض علی القاسم علیہ السلام فاستحسنہ :- اور حسن اتفاق سے آپ کی یہ تصنیف بیس سال کے عرصہ میں حضرت مہدی کے سفیروں کے سامنے مکمل ہوئی ہے جیسا کہ نجاشی نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ کتاب حضرت قائم یعنی مہدی علیہ السلام پر پیش کی گئی اور آپ نے اس کو پسند فرمایا :- دا اصول کافی ص ۶۱۔

یہاں یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ اس کتاب کی تصحیح کرنے والے اور طبع کرانے والے مولوی سید محمد علی صاحب لکھنؤی ایک شیعہ فاضل ہیں اور انہوں نے یہ ترجمہ خود نہیں لکھا بلکہ کتاب شیعہ ”شدور العقیان فی تراجم الاعیان“ سے نقل کیا ہے اور اس کا ذکر صافی شرح کافی (مصنفہ علامہ خلیل قزوینی) کی تفریظ میں ان الفاظ میں موجود ہے :- چنانچہ ترجمہ خود مصنف علیہ الرحمۃ در اصول کافی

از شذور العقیان فی تراجم الاعیان مرسوم گشته من شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الیہما رجوعاً خود مصنف
یعنی شیخ کلینی کا ترجمہ اصول کافی کے آخر میں شذور العقیان فی تراجم الاعیان سے لکھا ہوا ہے۔ جو
اس سے واقف ہونا چاہیے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔ (۲) اصول کافی مطبوعہ مکتبۃ الصدوق
طہران ۱۳۸۱ھ کے مقدمہ میں لکھا ہے:۔ ولیرتقد بعض العلماء انہ عرض علی القائم صلوات
اللہ علیہ فاستحسنہ وقال "کافی لشیعتنا" اور بعض علماء کا یہ اعتقاد ہے کہ کتاب کافی حضرت مہدی
علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اس کو پسند کیا اور فرمایا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی
ہے۔ (۳) علامہ خلیل قرظینی نے الصافی شرح اصول کافی ص ۱۱ میں لکھا ہے:۔ از روئے احتیاط تمام
آں را در سبت سال تصنیف کردہ و در زمان غیبت صفری صاحب الزمان علیہ و علی آباءہ صلوات اللہ
الرحمن کہ شصت و نہ سال بودہ و در آن زمان مومنان عرض مطلب می کردند بتوسط سفراء یعنی آردگان
از آنحضرت و ایشان چہاں کس بودہ اند۔ بتخریب ایشان دکلائے بسیار بودہ اند کہ اموال از شیعہ نامیہ
می گرفتہ اند و می رسانیدہ اند و محمد بن یعقوب در بغداد نزدیک سفراء بودہ و در سال فوت آخر سفراء
ابو الحسن علی بن محمد السمری رحمہ اللہ تعالیٰ کہ سال سہ صد و سبت و نہ ہجری باشد فوت شدہ یا یکہ سال
قبل ازاں۔ پس تو از بود کہ اس کتاب مبارک بنظر اصلاح آن حجت خدائے تعالیٰ رسید باشد و اللہ اعلم
بشئہ۔ شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے اس کتاب کافی کو از روئے احتیاط بیس سال میں مکمل کیا ہے حضرت مہدی
کے غیبت صفری کے زمانہ میں جو انہتر واں (۶۹) سال ہے اور اس زمانہ میں مومنین سفیروں کے

لے اس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ بعض علمائے شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ کافی حضرت مہدی کی
خدمت میں پیش کی گئی ہے۔ لیکن اس کے خلاف شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر وہوسی
تجلیل عارفانہ کے طور پر فرماتے ہیں:۔ یہ قول کہ حضرت حجت نے اس کتاب کے متعلق فرمایا ہذا کافی
لشیعتنا۔ (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) صحیح نہیں۔ ہمارے کسی عالم نے ایسا نہیں کہا۔ (شافی ترجمہ
اصول کافی) اے شیعوں کے عقیدہ میں غیبت صفری وہ زمانہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ذریعہ اپنا مطلب عرض کیا کرتے تھے اور وہ چار سفیر تھے جو حضرت مہدی سے خبریں لاتے تھے اور ان
کی ترغیب سے اور بھی بہت دکلا تھے جو شیعوں سے مال لے کر آپ تک پہنچاتے تھے اور محمد بن یعقوب
کلینی بغداد میں ان سفیروں کے قریب رہتے تھے اور جس سال میں آخری سفیر ابو الحسن علی بن محمد السمری
نے وفات پائی ہے یعنی ۳۲۹ھ میں اسی سال شیخ محمد بن یعقوب کلینی کی وفات ہوئی ہے یا ان سے
ایک سال پہلے۔ پس ہو سکتا ہے کہ یہ مبارک کتاب اس حجت خدا تعالیٰ یعنی حضرت مہدی کی اصلاحی
نظر میں پہنچائی گئی ہو اور غالب قریب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہو
اور آپ نے اس کے متعلق ہذا کافی لشیعتنا کے الفاظ فرمائے ہوں۔ کیونکہ جب حسب زعم شیعہ
سفیروں کے ذریعہ ان کے اموال حضرت موصوف کی خدمت میں پہنچائے جاتے تھے تو کوئی وجہ نہیں
کہ جو کتاب احادیث ائمہ پر مشتمل ہو اور جس پر مذہب شیعہ کا دار و مدار ہو وہ آپ تک نہ پہنچائی جائے
جبکہ کافی کے مصنف بغداد میں ان سفیروں کے قریب ہی رہتے تھے اور بیس سال تک یہ کتاب لکھتے
رہے۔ ان حالات میں اگر شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت امام مہدی کی خدمت میں یہ کتاب پیش
نہیں کی تو اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس کی اصلاح ہی نہیں چاہتے تھے یا ان کو حضرت مہدی کے
وجود کا یقین و اعتقاد ہی نہ تھا، اور اگر بالفرض ان سے حضرت کی خدمت میں کتاب پہنچانے میں کوتاہی

بغنیۃ تحت الماتن:۔ جس میں سفیروں کے ذریعہ حضرت مہدی کے احوال و ارشادات معلوم ہوتے رہتے تھے
اور وہ چار سفیر یہ ہیں۔ (۱) پہلے سفیر ابو عمر و عثمان بن سعید ہیں۔ (۲) دوسرے سفیر ان کے بیٹے جعفر محمد بن عثمان
ہیں۔ (۳) تیسرے سفیر ابوالقاسم حسین بن روح ہیں متوفی شعبان ۳۳۸ھ۔ (۴) اور چوتھے سفیر علی بن محمد ہیں
جن کا ذکر الصافی شرح کافی کی مندرجہ عبارت میں ہے اور ان کو خاتم السفراء کہتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد
آج تک اور ان کے ظہور تک غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے۔ جس میں حضرت مہدی سے شیعوں کا کوئی رابطہ نہیں رہا
لیکن جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی پیدا نہیں ہوئے، قریب قیامت میں پیدا ہوں گے اور
آپ کے ذریعہ اس وقت اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ہو گئی تھی تو پھر حضرت مہدی پر لازم تھا کہ وہ خود ہی یہ کتاب منکوالیتے۔ کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ ہر بات اور ہر حال جانتے ہیں اور بالخصوص شیعوں کے ناموں کا رجسٹر ناموں کے پاس ہوتا ہے۔ لہذا شیعہ علماء یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ حضرت مہدی کو الکافی اور اس کے مصنف شیخ کلینی کا علم ہی نہ تھا، اور جب آپ کو علم تھا تو پھر یا تو آپ نے اس لیے یہ کتاب اپنے پاس نہیں منگوائی کہ اس میں تمام احادیث ان کے نزدیک صحیح تھیں، اور آپ کو کتاب اپنے پاس طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ حسب عقیدہ شیعہ وہ اپنی جگہ سے ہی سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں اور اگر الکافی میں نصف سے زائد احادیث ضعیف تھیں، جیسا کہ متاخرین شیعہ کا گمان ہے اور باوجود علم رکھنے کے حضرت مہدی نے اس کتاب کی اصلاح نہیں فرمائی۔ تو پھر اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام غائب کو مذہب اہل تشیع سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی اور نہ شیعوں کی گمراہی کا احساس تھا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مہدی شیعوں کے احوال سے تو فائدہ اٹھاتے رہیں اور خود ان کو دینی نفع نہ پہنچائیں اور ان کو ورطہ ضلالت میں یونہی رہنے دیں، اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر ان کو امام زمانہ تسلیم کرنے سے اُمت کو کیا فائدہ؟ اور اب تو صدیاں گزر چکی ہیں ان کے ساتھ اُمت کا کوئی رابطہ ہی نہیں رہا۔ شیعہ علماء و مجتہدین دعائیں کرتے رہتے ہیں لیکن خدا جانے آپ کا ظہور کس کو نصیب ہوتا ہے۔

سم اسم شیعہ لیے رہے ہونگے تو امام مہدی ظاہر ہونگے

علامہ خلیل قرظی نے شارح اصول الکافی لکھتے ہیں :- ومنقول است کہ اگر

عدد ایشان بسی عدد سیزده کس با بیست اجتماعی رسد، امام ظاہر می شود۔ (صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ حصہ سوم ص ۳۱) :- اور منقول ہے کہ جب ان کی (یعنی شیعہ حضرات کی) تعداد اجتماعی طور پر ۳۱ ہو جائے گی تو امام صاحب ظاہر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تک اہل تشیع کی تعداد ۳۱ تک نہیں پہنچی ورنہ امام غائب ضرور ظاہر ہو جاتے تو پھر مصنف "فتاوح الکونین" نے شیعوں کی ترقی کے جو گیت گائے ہیں، یہ سب غلط ہے، اور اکثر مدعیان شیعیت دراصل شیعہ نہیں ہیں محض محبت اہل بیت کے نام پر عوام کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ واللہ اعلم (۳) ابو علی محمد بن اسمعیل نے

بھی اپنی کتاب "منتہی المقال" مطبوعہ طران میں مصنف کافی شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :- الکافی الذی لم یصنف مثله، عرض علی القاسم صلوات اللہ علیہ فاستحسنہ :- کتاب کافی ایسی کتاب ہے جس کی مثل کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور وہ حضرت مہدی کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور آپ نے اس کو پسند فرمایا تھا :- (۵) مرزا باقر اصفہانی نے بھی اپنی کتاب "رؤضات الجنات" میں کتاب "مبیت المرتاد" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :- حکم اخذ علیہ فقال: کاذب لشیعتنا :- بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب آپ پر پیش کی گئی تھی تو آپ نے فرمایا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے :-

(۶) "فتاوح الکونین" پر تقریظ لکھنے والے مولوی محمد حسین صاحب (جن کے نام کے ساتھ سلطان المتکلمین، رئیس المدین اور مجدد وغیرہ القاب لکھے گئے ہیں) الشافی ترجمہ اصول کافی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :- یہ کتاب حضرت صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجه کی غیبت صغریٰ اور اُن کے بعد کی موجودگی میں لکھی گئی ہے لہذا اگرچہ عند التحقيق اس کتاب کا امام العصر کی بارگاہ میں پیش ہونا اور انتخاب کا یہ فرمانا کہ :- "الکافی کاذب لشیعتنا" پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ مگر اس کا انتخاب کے مخصوص و کلام کی موجودگی میں لکھا جانا اور اس حقیقت کا مسلم ہونا کہ یہ کتاب تمام ملت جعفریہ کی دینی فلاح و سہبود اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے لکھی جا رہی ہے جو زمانہ غیبت میں ان کی توجہ کا مرکز بنے گی۔ مگر اس کے باوجود اس کی رو میں نہ ناحیہ مقدسہ سے کسی توفیق مبارک کا صادر ہونا اور نہ وکلائے امام کا روکنا، لوگنا اس سے کم از کم ان کی تائید و رضائے سکوتی تو ضرور ہو جاتی ہے اور یہی امر اس کتاب کی وثاقت و جلالت کی قطعی دلیل ہے۔ (کذا) استدلال الصلواتہ المجلسی فی المراتب جلد اول ص ۱۷ :- انہی حقائق کی بنا پر سید جلیل سید بن طاووس علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ فتصانیف هذا الشيخ محمد بن یعقوب و مراد آیاتہ فی زمن الوکلاء المدکورین دیجد طریقاً الی منقولاً منہ :- شیخ جلیل محمد بن یعقوب کی تصانیف و روایات کا وکلائے امام علیہ السلام کے دور میں ہونا، ان کے منقولات کی تحقیق و وثاقت کی طرف ایک راستہ کھول دیتا ہے :- انہی خصوصیات کی بنا پر بلا ثبوت تردید کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے آج تک فن احادیث میں اصول کافی کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ (مقدمہ شافی شرح اصول کافی ص ۱۷) :-

بہر حال اعتقادات شیعہ کی بنا پر یہی بات راجح ہو سکتی ہے کہ کتاب الکافی حضرت ہمدی کی حدیث میں پیش کی گئی اور آپ نے اس کو ہذا اکافی لشمذہبنا (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) کی سند عطا فرمائی ہے اور خود مولوی محمد حسین صاحب نے بھی حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی تسلیم کر لی ہے یعنی اس کتاب کے متعلق حضرت امام کا کچھ نہ فرمانا بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کی اس کو تائید و تصدیق حاصل ہے اور اس کی مندرجہ تمام احادیث مذہب شیعہ کی رو سے صحیح ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ، مقدمہ نشانی ترجمہ اصول کافی ص ۵۰ میں لکھتے ہیں کہ: "کافی کی سولہ ہزار ایک سو نواوے

کافی کی روایات کی تعداد

(۱۶۱۹۹) احادیث میں صرف پانچ ہزار بہتر (۵۰۷۷) صحیح ہیں۔ باقی ایک سو چوبیس (۱۴۴) حسن اور ایک ہزار ایک سو سولہ (۱۱۱۶) موثق اور تین سو دو (۳۰۲) قوی اور نو ہزار چار سو پچاس (۹۴۵۰) ضعیف ہیں۔" دجوالمہ قصص العلماء جلد اول ص ۱۸ اور یہ بھی عجیب انکشاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس کتاب حدیث میں نصف سے زیادہ احادیث ضعیف ہوں اور صحیح احادیث صرف ۵۰۷۷ ہوں اس کو تمام کتب حدیث اور شیعوں کی اصول اربعہ میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند کتاب کس بنا پر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب موصوف کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ: "ابتداءً اسلام سے آج تک فن حدیث میں اصول کافی کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔" ہم کہتے ہیں کہ بے شک اسلامی تاریخ میں کسی ایسی اصح ترین کتاب حدیث کا وجود نہیں ملتا جس میں نصف سے زائد احادیث ضعیف ہوں اور ہر تیسرا حتمہ احادیث صحیح ہوں۔ یہ ایک عجیب ترین علمی نظریہ ہے جو شیعہ مذہب کے خصائص میں سے ہے اور جب آپ کے نزدیک کافی کی صحیح احادیث صرف ۵۰۷۷ ہیں تو پھر اس نقلی و ذناخرا کا کیا مطلب جو آپ نے لکھا ہے کہ: "کافی کی احادیث جو کہ سولہ ہزار ایک سو نواوے (۱۶۱۹۹) ہیں۔" زقصص العلماء جلد دوم ص ۱۸۔ فوائد رضویہ جلد ۷ ص ۲۵ (مجموعی طور پر برادران اسلامی کی بخاری و مسلم بلکہ تمام صحاح ستہ کی احادیث سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ احادیث بخاری و مسلم کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر (۷۷۷۵) ہے اور اگر احادیث مکرر کو حذف کر دیا جائے تو باقی صرف چار ہزار احادیث رہ جاتی ہیں" (مقدمہ ابن الصلاح،

نہایتہ الدر امیۃ ص ۲۲۵۔ کشف الظنون جلد ۳ ص ۵۴۳، ۵۴۴) مولوی محمد حسین صاحب کی یہ تحقیق بالکل غلط ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی احادیث کی مجموعی تعداد (۷۷۷۵) ہے کیونکہ یہ تعداد تو صرف صحیح بخاری کی حدیثوں کی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "و مبلغ ما اورافی ہذا الكتاب مع التکرار سبعۃ الاف و مائتان و خمس و سبعون حدیثاً و بعد حذف التکرار اربعۃ الاف: "اور امام بخاری نے اس کتاب میں جو احادیث درج کی ہیں ان کی تعداد مکرر احادیث کے ساتھ ۷۷۷۵ ہے اور اگر مکرر حدیثوں کو حذف کیا جائے تو کل تعداد چار ہزار ہے" یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ حقیقاً مکرر حدیث صرف ایک ہے۔ یعنی ایسی روایت جس کی سند اور متن میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو اور وہ ایک ہی طریقہ پر ہو، صرف ایک روایت ہے ورنہ کچھ نہ کچھ تغیر ضرور کیا گیا ہے۔ لہذا کافی کو عددی پہلو سے بھی صحیح بخاری پر فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب کہ نصف سے زیادہ احادیث کافی میں ضعیف ہیں تو اس کو تعلیمیاً بھی حدیث کی صحیح کتاب نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی یہ دعویٰ ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ کافی جیسی کوئی کتاب فن حدیث میں اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔

رفع تعارض

مولوی محمد حسین صاحب نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کافی کی سولہ ہزار ایک سو نواوے (۱۶۱۹۹) احادیث میں سے نو ہزار چار سو پچاس حدیثیں ضعیف ہیں، اور یہ بھی ملتے ہیں کہ کافی کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ: "حضرت شیخ کلینی نے مقدمہ کافی میں یہ ادعا کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں تمام اخبار و آثار صحیحہ جمع فرمائے ہیں۔ چنانچہ ان کے عین الفاظ یہ ہیں۔ (مقدمہ اصول کافی) انک تعبت اذا یكون عندک کتاب کافٍ یجمع من جمیع فنون علوم الدین ما یکنفی بہ المتعلم و یرجح علیہ المسترشد و یأخذ منه من یرید علم الدین والعمل بہ بالآثار الصحیحۃ عن الصادق علیہم السلام و السنن القاطعۃ التي علیہا العمل" حالانکہ ان دونوں باتوں میں صریح تضاد پایا جاتا ہے کہ خود مصنف شیخ کلینی کے نزدیک تو کافی کی تمام احادیث صحیح ہوں اور متاخرین علمائے شیعہ اس میں سے نصف سے زائد احادیث کو ضعیف قرار دیں، تو اس تضاد کو رفع کرنے اور دونوں کو حل

میں تطبیق دینے کے لیے مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :- اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض متقدمین و متأخرین کی اصطلاح سے عدم واقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ورنہ حقیقت حال سے واقف کار جانتے ہیں کہ مؤلف علام کی فرمائش بھی صحیح ہے اور مذکورہ بالا تقسیم بھی درست ہے کہ حدیث صحیح کے بارہ میں متقدمین و متأخرین کی اصطلاح علیحدہ علیحدہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت و گنجائش تفصیل یہ ہے کہ ہر خبر دو حال سے خالی نہیں یا متواتر یا واحد یعنی اگر کسی خبر کو ہر طبقہ میں اس قدر جماعت کثیر نقل کرے جس کا کذب و افتراء پر اتفاق کرنا عادتاً محال ہو تو اس خبر کو متواتر کہا جاتا ہے، اور جو خبر ایسی نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے۔ دہدایۃ المحدثین ۳۵ - نہایۃ الدعویہ -

اب اس خبر واحد کی متقدمین کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں تھیں، صحیح اور غیر صحیح۔ وہ خبر صحیح ہر اس حدیث کو کہتے تھے جس کے ساتھ کچھ ایسے قرائن و اخلیہ و خارجیہ ہوں جن کی بنا پر اس پر اعتماد و وثوق کیا جاسکے۔ ائمہ اطہار کے قریب الہد ہونے کی وجہ سے متقدمین کے پاس ایسے قرائن کثرت تھے کہ جو حدیث اس طرح محفوف بالقرائن نہیں ہوتی تھی وہ اسے غیر صحیح سمجھتے تھے۔ چنانچہ محدث جلیل شیخ علی اکبر راجی الاسلام فرماتے ہیں (ہدایۃ المحدثین ص ۳۱) نزدیک ماہ صحیح اطلاق می شد براں حدیثیکہ معتقد بود باسچہ اقتضای کرد اعتقاد ایشان براں۔ یہاں بخوف طوالت ان قرائن کا تذکرہ نہیں کیا جاسکتا اور متأخرین کے نزدیک (اور اس اصطلاح کے بانی سید جلیل احمد بن طاووس متوفی ۹۷۰ھ استاد حضرت علامہ علی یا بقول بعض علماء خود ملامہ علی قدس سرہ ہیں) خبر واحد کے متعدد اقسام ہیں۔ بعض اقسام کا تعلق راویان اخبار کے صفات و اطوار سے ہے اور بعض کا متن اخبار سے اور بعض کا ربط راویوں کے مذکور و محدود ہونے سے ہے نیز ان کے نزدیک صحیح کا میزان و معیار اور ہے۔ ہم یہاں خبر واحد کے صرف ان بعض اہم انواع و اقسام کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق راویان اخبار کے عقائد و اعمال کے ساتھ ہے اور یہ بنا بر مشہور پانچ قسمیں ہیں۔ حدیث صحیح (ہدایۃ المحدثین از ۳۵ تا ۴۵ - نہایۃ الدعویہ)

اصطلاح متأخرین میں حدیث صحیح اس کو کہا جاتا ہے جس کا سلسلہ سند معصوم تک منتهی ہوتا ہو اور ہر طبقہ میں اس کے راوی اثنار عشری اور عادل ہوں الخ (مقدمہ شافی شرح اصول ص ۱)

ہمارے سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث کو متقدمین محدثین شیعہ صحیح کہتے ہیں ان کو متأخرین شیعہ کیونکر غیر صحیح کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ ان کو ائمہ کے زمانہ کا قریب بھی نصیب نہیں اور ان کی تحقیق کے ذرائع بہر حال متقدمین کے مقابلہ میں کمزور اور ناقابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔ قرائن داخلہ و خارجہ کا علم جو متقدمین کو ہو سکتا ہے وہ متأخرین کو نہیں ہو سکتا اس لیے شیعہ علماء کے لیے بغیر متقدمین کی تحقیق پر اعتماد کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے اور پھر الکافی کی احادیث کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی کا حاصل ہونا اتنی بڑی حجت ہے کہ اس کے مقابلہ میں متأخرین شیعہ کی تحقیق و تنقید کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور خواہ کیسی ہی آپ تاویل و توجیہ پیش کریں الکافی کی صحیح احادیث میں سے نصف سے زیادہ احادیث کو ضعیف قرار دینا اس کی وثاقت و جلالیت شان کو بخروج کرنا ہے اور اس کے بعد الکافی کی یہ تعریف لغو ہو جاتی ہے کہ :- محدث جلیل ملاحسن فیض کاشانی وافی میں قمر ازاد ہیں :- الکافی اشرفہا و اذقیما و اتمہا و اجمعہا لاشتمالہ علی الاصول من بینہا و خلوہ من الفضول و شینہا الخ۔ تمام کتب اربعہ میں سے اشرف و اوثق و اتم و اجمع کافی ہے کیونکہ یہ علاوہ فروع کے اصول پر بھی مشتمل ہے اور فضول اور باعث عیب باتوں سے خالی ہے (مقدمہ شافی ترجمہ اصول کافی ص ۱)۔

(۲) مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے جو خبر متواتر کی تعریف لکھی ہے کہ :- ”اگر کسی خبر کو ہر طبقہ میں اس قدر جماعت کثیر نقل کرے جس کے کذب و افتراء پر اتفاق کرنا عادتاً محال ہو تو اس خبر کو متواتر کہا جاتا ہے“ تو اس تعریف کی بنا پر تو شیعہ مذہب کی کوئی حدیث بھی متواتر نہیں ہو سکتی کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ ائمہ سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں ہو ہی نہیں سکتے، چنانچہ :-

بعد وفات رسول صرف تین چار مومن رہ گئے۔ (۱) فروع کافی جلد سوم کتاب البرہان ص ۱۱ میں ہے۔ عن ابی جعفر علیہ

السَّلام قال كان الناس اهل ردّة بعد النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ الْاَثَلثة فَقُلْتُ وَمِنَ الْاَثَلثة
 قتال مقداد بن الاسود و ابو ذر الغفاري وسلمان الفارسي رحمة الله عليهم وبركاتة۔ (رامام
 محمد باقر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے ان تین کے، مقداد، ابو ذر
 غفاری، اور سلمان فارسی رحمۃ اللہ علیہم و برکاتہ) ۲، شیعوں کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: "اور جب سید
 اوصیاء دفن سرد انبیاء سے فارغ ہوئے اور بے وفائی اصحاب اور کفر و نفاق ان لوگوں کا مشاہدہ کیا انگلیں
 ہوئے۔ جب رات ہوئی جناب امیر حسنینؑ کو اپنے ہمراہ لے کر ایک گھر میں مہاجر و انصار کے تشریف لائے
 اور ان کو عقوبات الہی سے ڈرایا اور وصیت رسول خدا کو جو بمقام غدیر فرمائی تھی، پڑھ کر سنایا اور ان سے
 نصرت و یاری چاہی مگر سولے چوبیس آدمیوں کے اس گروہ نے شرم سے کسی نے قبول نہ کیا اور جب صبح ہوئی
 چار آدمیوں سے زیادہ بیعت جناب امیر پر قائم نہ تھے۔ اسی طرح تین رات تک ہر شب جناب امیر ان،
 لوگوں کو دعوت بیعت فرماتے اور ان سے طلب یاری کرتے تھے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت دیگر
 تین آدمیوں کے سوا اور کسی نے بیعت قبول نہ کی" (جلاء العیون جلد اول مطبوعہ مکھنؤ)

(۳) شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن امر وہوی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ:۔ اب امیر المؤمنین علیہ السلام
 سے احادیث کو نقل کرنے والی اصحاب رسول میں چند ہستیاں رہ گئیں۔ جن میں جناب سلمان، ابو ذر، عمار بن
 یاسر، مقداد اور حذیفہ یمانی وغیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ لیکن سلطنت حکومت کے غل غبارہ میں ان بے چاروں
 کی سنتا کون تھا۔ جب حضرت علیؑ کی حکومت کا زمانہ آیا تو ان احادیث کی نشر و اشاعت پر یوں اوس پڑی کہ
 امیر معاویہ کی دیرینہ عداوت رنگ لائی۔ سازشوں کے جال بچھے، حضرت علیؑ کے خلاف وہ پردے پکینڈے ہوئے کہ
 خدا کی پناہ۔ خلافت کا سارا زمانہ حضرت علیؑ کو باطل کوشوں سے لڑتے گذر گیا۔ اس پر بھی چین نہ آیا تو حدیث
 سازی کی ایک ایسی ٹکسال قائم ہوئی جس میں صبح سے شام تک سینکڑوں حدیث رسولؐ ڈھلنے لگیں۔ منبر پر اٹھنے والوں
 نے بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا اور مکاتب و مدارس میں ملاؤں نے موضوع احادیث کا درس دینا شروع کیا
 مہنڈے ہی عرصہ میں ڈھیر لگ گئے الخ (دیباچہ نشانی ترجمہ فروغ کافی جلد اول ص ۷) حسب تصریح علماء
 شیعہ نفوذ باللہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تین چار اصحاب ہی مومن رہ گئے تھے تو

میر خلتائے اربعہ کے تین سالہ دور میں اہل اسلام نے احکام شریعت پر کس طرح عمل کیا ہو گا جب کہ
 احادیث نبویہ کی اشاعت ہی کے ذرائع بند کر دیئے گئے تھے، اور جو احادیث دوسرے صحابہ کرام سے
 اہل اسلام نے سنی تھیں اور ان کا سلسلہ عالم اسلام میں پھیلا تو ان پر تو شدید علماء کو اعتماد نہیں ہے جیسا
 کہ ادیب اعظم صاحب موصوف اس کے متعلق یوں بیان فرما رہے ہیں کہ:۔ حدیث سازی کی ایک ٹکسال
 قائم ہوئی تو اللہ کے دین اور قرآنی احکام و اعمال کا تحفظ اس دور میں تو ہو ہی نہیں سکا میر آج ہوسلمانوں
 کے پاس دین ہے اس پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔

سب مہاجرین و انصار جنتی ہیں

قرآن مجید میں ہے:۔ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ اُولَئِكَ مِنْ
 الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
 بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا
 ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (دپ ۱۱-۱۶) مولانا اشرف علی صاحب مہاتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے:۔
 اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے
 اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے (یعنی اللہ سے)
 راضی ہوئے اور اُس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں
 جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے" یہ آیت نص قطعی ہے۔۔۔
 مہاجرین و انصار سب کے جنتی ہونے میں، پھر ان کے تابعداروں کے جنتی ہونے میں اور مہاجرین میں
 بھی سب سے بڑا درجہ اصحاب میں سے حضرت ابو بکر صدیق کا ہے۔ جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بحکم خداوندی شبِ ہجرت میں اپنے ہمراہ لیا اور پھر تین دن صدیق اکبر نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ
 وسلم کی معیت میں غارِ ثور میں گزارے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق کو صاحبِ رسول
 فرمایا۔ سورۃ توبہ میں ہے:۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخَفْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ "جب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اپنے صاحب (یعنی رفیق و یارِ غار) سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کریں، اللہ ہمارے ساتھ ہے"
 اور بالخصوص افضل المہاجرین کی پیروی کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور جنت کی بشارت

دبیری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیا اور زندگی اُن کی پیروی میں گذاری اور کسی طرح کی مخالفت بھی نہ کی۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین بھی سابقین اور مہاجرین صحابہ میں سے ہیں اور ان کی خلافت راشدہ کو بھی حضرت علی المرتضیٰ نے برضا و رغبت تسلیم کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے دور خلافت میں بھی حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی خلافت کے برحق ہونے پر ان مہاجرین و انصار کی بیعت سے ہی استدلال کیا تھا۔ چنانچہ ”منہج البلاغۃ“ میں ہے کہ حضرت علی کریم اللہ وجہ نے ارشاد فرمایا:۔ ائندہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علی ما بایعوہم علیہ فلم یکن للشاہدان بیعتا مرد لا للغائب ان یردوا وامننا الشوری للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل فستوه اماما کان ذلک للہ رضی۔ (۳۱۵ مطبوعہ طہران) یہ نیک میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور اسی امر پر کی ہے جس پر اُن سے کی تھی۔ پس جو شخص حاضر ہے اس کو اس کے خلاف کوئی اختیار نہیں ہے اور جو موجود نہیں اس کے لیے رد کرنا جائز نہیں ہے، اور تحقیق مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ پس اگر وہ کسی ایک شخص پر اتفاق کر لیں اور اس کو امام قرار دیدیں تو یہ اللہ کی رضائے مطابق ہی ہوگا۔“

جن مہاجرین و انصار کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی فرمایا ہے اور ان سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے انہی کو انتخاب خلیفہ کا حق حضرت علیؓ دے رہے ہیں اور جس کو وہ امام و خلیفہ تجویز کر لیں اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی علامت قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اعلان خداوندی اور ارشاد امر تقویٰ کے خلاف علماء و مجتہدین شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سولے تین چار کے باقی مہاجرین و انصار العیاذ باللہ مرتد ہو گئے تھے اور کسی نے بھی حضرت علیؓ کی مدد نہ کی۔ باوجود اس کے کہ آپ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی ساتھ لے کر ان مہاجرین و انصار صحابہ کے در بدر پھرتے رہے۔ کیا اس عقیدے کے بعد قرآن عظیم پر ایمان باقی رہ جاتا ہے؟

عہد امام حسنؓ

ادیب اعظم صاحب موصوف لکھتے ہیں: ”یہی صورت امام حسن علیہ السلام کو پیش آئی، دمشق حکومت زور و زور دونوں طاقتوں سے کام لیکر ان احادیث کی روک تھام کر رہی تھی جن کے ناقلی امام حسن علیہ السلام تھے۔ سازشوں کے ہر طرف حال بچھے ہوئے تھے۔ منبروں پر حضرت علی علیہ السلام پرست و شتم کی بوجھاڑ ہو رہی تھی۔ بنو اُمیہ کے متشددانہ انداز نے شیعوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ حکومت کا شہد چاٹنے والے مجھو کے بھیڑیوں کی طرح شیعوں کا خون پی رہے تھے۔ ایسی خوفناک حالت میں شیعہ احادیث کی تدوین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

عہد امام حسینؓ اور حدیث

نیز لکھتے ہیں: ”امام حسن علیہ السلام کے بعد جب امام حسین علیہ السلام کا دور امامت آیا تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک بن گیا۔ جس کی انتہا واقعہ کربلا پر ہوئی۔ ایسے آغوشہ کفر و دور میں ترویج و تدوین و تعلیم احادیث کا کیا ذکر کرے؟“

عہد امام زین العابدینؓ

لکھتے ہیں: ”چوتھا دور امام زین العابدین کا تھا وائفہ کربلا کے بعد اہل بیت رسولؐ کا رہا سہارا روحانی وقار بھی دنیا پرستوں اور بنو اُمیہ کے نمک خواروں کی نظر میں ختم ہو گیا تھا۔ صدیوں جس گھر میں وحی آتی تھی اب وہ دیران تھا۔۔۔۔۔ اب درس حدیث کون کون سے اور کون دے۔ کیا وہ پیکر حُزْن و دُلال، مجسمہ حیرت و یاس جو بہتر (۲۴) کا سو گوارا ہے، جس کے دل و جگر پر ہزار زخم ہیں اب اس قابل ہے کہ مسجد رسولؐ میں بیٹھ کر لوگوں کو بھولی ہوئی حدیثیں یاد دلائے۔ کیا ظالم حکومت اس بات کی اجازت اسے دے گی؟ حاشا وکلا، ثم حاشا وکلا۔ (دیباچہ شافی ص ۷۹) فرمائیے! جب حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام زین العابدین کے زمانہ تک درس و اشاعت حدیث کا کوئی انتظام ہی نہ ہو سکا اور یہ ائمہ کرام تبلیغ حق بھی نہ کر سکے۔ تو اتنے طویل عرصہ میں عاتقہ المسلمین ارشادات و اعمال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہے اور ادھر اصلی اور کمال قرآن کو حضرت علیؓ نے غصہ میں آ کر بالکل ہی غائب کر دیا تھا اور قسم کھالی تھی کہ تم

اس قرآن کو حضرت ممدی کے ظہور تک ہرگز نہ دیکھ سکو گے (اصول کافی، جلد ۱ العیون) کتاب اللہ یوں غائب ہوئی اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریس و اشاعت بھی نہ ہو سکی۔ تو دین و شریعت کو کون سمجھتا اور کون عمل کرتا، امت کے پاس نہ علم رہا اور نہ عمل۔ تو بارہ اماموں میں سے پہلے چار ائمہ معصومین حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت زین العابدین سے امت کو کیا دینی فائدہ پہنچا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کس فائدہ کے لیے معصوم امام بنا کر بھیجا اور امت پر ان کی امامت و خلافت کا تسلیم کرنا لازم قرار دیا۔ جو نہ قرآن کی حفاظت کر سکیں اور نہ حدیث و سنت کی اور نہ اپنی خلافت کا تحفظ کر سکیں نہ امامت کا بلکہ جو ان کے حقوق غصب کرنے والے تھے بظاہر ان کی اطاعت میں ہی اپنی زندگیاں گزار دیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسین نے اگر مزید کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے اعزہ کی جانیں قربان کیں تو آپ کے جانشین نے اپنی جان بچانے کے لیے اسی یزید کی بیعت کر لی جیسا کہ مذہب شیعہ کی مستند کتابوں سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

دور امام محمد باقر و امام جعفر صادق

امام زین العابدین تک اشاعت حدیث کا انتظام نہ ہونے اور ائمہ حضرات کا اس بارے میں لاچار و مجبور ہونے کا اقرار کرنے کے بعد عمل کے شیعہ نے ائمہ کی تاریخ کا ایک دوسرا رخ پیش کر دیا کہ ان دونوں اماموں کے ذریعہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت کا اللہ نے انتظام کر لیا اور اس طرح دین خداوندی کو بیکہ محفوظ ہو گیا۔ چنانچہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر وہسوی لکھتے ہیں: پانچواں دور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کی تعلیم کو ناقیامت رکھنا منظور تھا، لہذا اس نے یہ بندوبست کیا کہ اہل بیت سے عناد رکھنے والوں کو باہم دست و گریباں کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ بزائمیہ کے ایوان حکومت میں زلزہ آ رہا تھا اور بنی عباس اپنی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ حصول اقتدار کی جلد و جہد میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پگڑی سنجانا دیشوار تھی اندازاً اہل بیت کی تلوار کچھ دنوں کے لیے نیام میں چلی گئی اور اپنی فکر نے فریقین کو امامین ہمامین سے خائف

کر دیا۔ ہمارے دونوں اماموں کو اس وقفہ میں اتنا موقعہ مل گیا کہ مسجد رسول میں درس کا آغاز کر دیا۔ لوگ موضوع احادیث سننے سننے آگئے تھے۔ قرآن کے صحیح مفہوم کا پتہ نہ چلا سکتے تھے مسائل فقہیہ اپنی اصل سے ہٹ کر کچھ سے کچھ ہو گئے تھے۔ لوگوں کی ترستی ہوئی نکاہیں امام محمد باقر علیہ السلام پر پڑیں اور جوق در جوق لوگ اس مقدس درس میں شریک ہونے کے لیے دور دور سے آئے گئے۔ قلمدان کھل گئے اور امام کی زبان سے احادیث صحیحہ سن سن کر ضبط تحریر میں لانے لگے۔ یہ احادیث کھنے والے چار ہزار سے زائد اہل فضل و کمال تھے۔ اسلامی حکومت کا کوئی شہر، کوئی قصبہ ایسا نہ رہا جہاں کے لوگ اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ جیسے لوگ بھی اس درس میں شریک ہوئے۔ جس کو حتیٰ احادیث لکھنے کا موقعہ مل گیا وہ لکھ کر لے گیا اور اپنی بستی کے مومنین کو جا کر سنائیں۔ اس دور میں چار سو کتابوں میں احادیث جمع ہوئیں جو اصول الربیعہ ماہ کملاتی ہیں۔ ان چار سو کتابوں میں جو احادیث جمع ہوئیں وہ پراگندہ تھیں۔ نہ کوئی ترتیب تھی نہ تقسیم ابواب۔ جو حدیث جس وقت سن لی تھی، لکھی تھی۔ سب سے پہلے جس نے بقیود ابواب احادیث کو جمع کیا وہ صاحب کافی جناب ابو جعفر یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ تھے۔ انہی چار سو کتابوں کی جستجو میں وہ بیس برس سرگرداں رہے۔ کافی میں زیادہ تر احادیث وہی ہیں جن کا سلسلہ روایت یا تو امام محمد باقر علیہ السلام تک پہنچتا ہے یا امام جعفر صادق علیہ السلام تک۔ ابو جعفر علیہ السلام سے مراد امام محمد باقر علیہ السلام اور ابو عبد اللہ سے امام جعفر صادق ہیں۔

مندرجہ بیان سے تو یہ امید بندھتی تھی کہ جب امام محمد باقر کے درس میں چار چار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے، اور حکومت کی طرف سے کوئی روک ٹوک بھی نہیں تھی، اور چار سو حدیث کی کتابیں بھی تیار ہو گئیں تو احادیث نبویہ اور علوم دینیہ محفوظ ہو گئے ہونگے اور سابقہ زمانوں کی کمی پوری ہو گئی لیکن ح۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ پھر ان احادیث کی نشر و اشاعت پر آدس پڑ گئی اور ساری محنت برباد ہو گئی۔ چنانچہ ادیب اعظم لکھتے ہیں: اگر یہ چار سو کتابیں ظالموں کی دستبرد

سے محفوظ رہیں تو کتنا بڑا علی سر رہا ہوتا۔ مگر جن بے درد ناحق شناسوں نے معصوموں کے گلے پر چھڑی بھری وہ ان کی احادیث کے ذخیروں کو کہاں چھوڑنے والے تھے۔ چنانچہ جہاں کہیں شیعوں کا قتل عام ہوا۔ ان کے مال و اسباب کے ساتھ ان کے کتب خانے بھی بھونک دیئے گئے۔ سب سے زیادہ کتابیں بغداد میں بالخصوص محلہ کرخ میں تھیں وہ سب نذر آتش ہو گئیں۔ تو گویا علم حدیث کا جو چراغ ان ائمہ نے جلا دیا تھا وہ بھی بجھ گیا۔ جب احادیث کا سارا ذخیرہ ہی تباہ ہو گیا تو شیعہ مذہب ہی گویا کہ غائب ہو گیا۔

خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

سے مازیاراں چشم یاری داشتیم

ادیب اعظم صاحب لکھتے ہیں: "اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور حکومت آیا تو وہی جان و مال و آبرو کے خطرے ساتھ لایا۔ اب عباسی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھیں لہذا آل رسول کی دبی آگ بھڑک اٹھی۔ جس کے نتیجے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پندرہ سال سے زیادہ قید رہے۔" (شانی توجہ فروع کافی ص ۷)

دورِ امام رضا

آپ کے بعد امام رضا علیہ السلام کو کچھ وقت ایسا مل گیا کہ آپ نے لوگوں سے احادیث کو بیان فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے دورِ امامت میں تدوین حدیث کا کام پھر از سر نو شروع ہوا۔ آپ کی احادیث کا ایک مجموعہ "عیون اخبار الرضا" ہے۔ زمانہ کی ناسازگاری اور شیعوں کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ائمہ کی صورت دیکھنے اور ان کی زبان سے حدیث رسول سننے کو ترس گئے تھے۔" (ص ۷)

شامتِ تقیہ

یہ ہے مذہب شیعہ کی اشاعت و تدوین حدیث کی وہ تاریخ جس کا ان کے ادیب اعظم خود اقرار کر رہے ہیں۔ مذکورہ حالات سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ احادیث نبویہ ان ائمہ کرام کے سینوں میں ہی رہیں، اور اگر وہ کتابوں میں کبھی جمع کی گئیں تو پھر وہ بھی برباد ہو گئیں، اور اگر خواص نے ائمہ سے کچھ احادیث حاصل بھی کیں تو وہ بھی تقیہ کی نذر ہو گئیں۔ چنانچہ ادیب اعظم صاحب لکھتے ہیں: "غور کرو کیسے نازک دورِ حجتبان

اہل بیت پر گذرے ہیں وہ نہ تو آزادانہ طور پر اپنے ائمہ سے مل سکتے تھے نہ ان کی زبان سے احادیث سن سکتے تھے اور نہ ان سے سنی ہوئی احادیث کو بالاعلان نقل کر سکتے تھے۔ بلکہ کافی میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں کہ ان کو بیان کر کے امام نے ناکید فرمائی ہے، کہ چونکہ یہ عقائد عامہ کے خلاف ہیں لہذا ان کو بیان نہ کریں ورنہ ان کی جانبیں خطرہ میں پڑ جائیں گی اور ہمارے لیے مصیبت ہوگی۔ اگر بضرورت کوئی نقل کرتا بھی تو یہ کہہ کر قال الرجل (ایک شخص نے بیان کیا) یا کسی صحابی امام کا نام لے کر بیان کرنا کہ میں نے فلاں سے سنا ہے کیونکہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام کا نام لے کر کوئی حدیث بیان کرنا جرم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث ان حضرات کی کنیت سے منقول ہیں یعنی خال ابو جعفر (مراد امام محمد باقر علیہ السلام) قال ابو عبد اللہ (مراد امام جعفر صادق) قال رجل صالح (مراد امام موسیٰ کاظم) قال ابو الحسن (یعنی امام رضا علیہ السلام) چونکہ عام لوگ کنیت سے ناواقف تھے لہذا راوی خطروں سے محفوظ رہتے تھے۔ (ص ۷)

دورِ امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری
کوئی دور ایسا نہ آیا کہ کسی امام سے

سن کر تدوین احادیث کا کام کیا جاتا، کیونکہ امام محمد تقی اور امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہم السلام کی زندگیاں یا تو قید میں گذریں یا ان کے دروازوں پر پہرے رہے یا حکومتوں کے جاسوس ان کے اور ان کے شیعوں کے پیچھے لگے رہے۔ جو لوگ جان پر کھیل کر ان تک پہنچ جاتے وہ کچھ فیض پالیتے۔ (مثلاً مذکورہ بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راوی ائمہ کرام کا نام تک بھی نہیں لے سکتا تھا یا ان کی کنیت ذکر کرنا تھا، اور یا صرف یہ کہہ دیتا تھا کہ قال الرجل یعنی ایک آدمی نے یہ کہا ہے۔ تو جب جان کے خوف کا یہ حال ہے تو پھر ایسی روایات کے سننے والوں کو کیسے یقین آتا ہوگا کہ یہ حدیث کسی امام معصوم نے بیان کی ہے، اور یہ حجت ہے اور واجب العمل، اور پھر عقیدہ تقیہ کی نحوست بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یعنی یہ کیسے یقین آسکتا ہے کہ یہ بات کسی امام نے ہی فرمائی۔ خواہ ان کی کنیت کبھی ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ ہر حدیث میں راوی کے متعلق یہ احتمال ہے کہ وہ از روئے تقیہ یہ حدیث امام کی طرف منسوب کر رہا ہو۔ لہذا اگر

کسی پہلو سے اس روایت کی صحت کا گمان بھی ہو سکتا تھا تو تفسیر کی بنا پر وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ایک مسئلہ کے تین مختلف جواب

اصول کافی میں ہے :- ذراره بن اعین سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے میں

نے ایک مسئلہ پوچھا، حضرت نے اس کا جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اور یہی مسئلہ پوچھا آپ نے میرے جواب کے علاوہ جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اس کو میرے جواب سے علیحدہ جواب دیا اور دوسرے کے جواب سے بھی الگ۔ جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے کہا یا ابن رسول اللہ! یہ دونوں عراقی آپ کے پرانے شیعوں میں سے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب آپ نے الگ الگ کیوں دیئے۔ فرمایا اے زرارہ یہی بہتر ہے ہمارے اور تمہارے لیے۔ اگر تم ایک ہی امر پر جمع ہو جاؤ تو مخالفت تم کو اپنی مجلس سے نکال دیں گے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۳۷)

امام کا خلافِ حق بات کہنا۔ (۲) سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول من عرف انما لا نقول الا حقا فليكنف بنا يعلم فان سمع منا خلاف ما يعلم فليعلم ان ذلك دفاعٌ منعه۔ ترجمہ :- میں نے ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام کو فرماتے سنا جو شخص یہ جانتا ہے کہ ہم نہیں کہتے مگر حق، تو اس کو چاہیے کہ اکتفا کرے اس پر جو ہم سے جانا ہے، اور ہم سے کوئی بات ایسی سنی جو حکم خدا کے خلاف ہو تو سمجھ لے کہ ہم نے تم سے دشمنوں کے ضرر کا دفع چاہا ہے۔ یعنی بصورتِ تفسیر اس کو بیان کیا ہے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۳۷)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق ایک ہی مسئلہ کے تین مختلف اور متعارض جواب اپنے شیعوں کو بھی دیتے تھے اور عہدِ اپنی زبان سے خلافِ حق بات بھی کہتے تھے تاکہ ان کے شیعہ محفوظ رہیں۔ لیجئے! جن دو اماموں یعنی امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے متعلق ادیبِ اعظم نے یہ لکھا ہے کہ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے درسِ حدیث بھی شروع ہو گئے اور امام محمد باقر کے درس میں چار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے اور آپ سے مروی احادیث کی چار سو کتابیں دونوں بھی کر لی گئی تھیں۔ ان کی روایت و بیان مسئلہ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے شیعوں کو بھی خلافِ حق بات بتلاتے

تھے تو پھر جمع عام میں انہوں نے جو احادیث تقریباً چار ہزار آدمیوں کے سامنے بیان کی اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ امام موصوف نے یہ صحیح بیان کی ہیں اور تفسیر پر عمل نہیں فرمایا۔ چنانچہ صاحب موصوف انکافی کی احادیث کے متعلق خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ :- ایسی احادیث امام نے اپنے شیعوں سے بیان کی ہیں یعنی ان کی عملی صورت اگرچہ مشکوک و مستعدتات شائبہ امام نے وہ اس لیے تعلیم کی کہ ان کے پیرو دشمنوں کے ضرر سے محفوظ رہیں اور ایسی بات کو اپنے عقیدے کے خلاف عمل کرتے دیکھ کر ان کو قتل کر دیں اور امام کو بھی مصائب کا۔ بعض ایسی ہیں کہ ایک سائل کو بحفاظت تفسیر امام نے کوئی جواب دیا ہے اور خطرہ ٹل جانے کے لکھ بھیجا ہے۔ بعض اوقات مجلس امام میں حکومت کے جاسوس بھی آجاتے تھے۔ اس کے سوال کا جواب بالا مجال دیا جاتا تھا۔ بعض احادیث سے بے واضح ہوتا ہے کہ ذراره لفظ کی نماز جماعت میں شرکت کی اجازت دی ہے۔

ایسی احادیث بھی ہیں کہ دشمنوں کے خوف سے امام نے سائل کو ہدایت کی۔ کونشر نہ کرے الخردیبا چہ شافی ترجمہ فروع کافی جلد اول ص ۳۷ کیا ان تشریحات بھی کسی صاحبِ عقل کو مذہبِ شیعہ کی کسی حدیث پر اعتماد ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایسے دین کے پیشوا اور رہنما تسلیم کر سکتا ہے جن کی تصویر ادیبِ اعظم نے پیش کی ہے۔ کیا ہیں جن کو شیعہ مذہب میں انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل مانا جاتا ہے اور جن کے لئے بتیرو کوئی آدمی مومن نہیں بن سکتا۔ پھر اگر گیارہ اہل حق نے کوئی کسر باقی رکھی تھی غائب نے پوری کر دی کہ مدیوں سے غائب ہیں۔ اُمت سے کسی طرح کا کوئی تعلق و خواہش کی وادیوں میں جھٹک رہی ہے لیکن امام زمان اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ پورے ہوں تو آپ اُمت کے سامنے آئیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ خلفائے ثلاثہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کو یوں مطمئن و مجروح کیا گیا کہ انہوں نے علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء کا حق غصب کیا اور ان پر بے پناہ مظالم کئے، اور

حضرت ہمدی امام غائب تک کے ائمہ کو تقیہ باز اور ہر مشکل وقت پر جان بچانے والے اور دین حق کو بچانے والے ثابت کیا گیا۔ تو فرمائیے! اسلام کے پاس اب کونسی ایسی مایہ ناز ہستی باقی رہ جاتی ہے جس کو محبوب رب العالمین، رحمتہ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل جانشین تسلیم کیا جائے اور جس کی بے داغ جامع شخصیت کی اطاعت کی طرف امت کو دعوت دی جائے نہ ایسے اسلام پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ ایسے ائمہ اسلام جن کے متعلق ماتمی فرقہ کے نظریات مندرجہ بالا روایات و عبارات میں مذکور ہیں۔ ع۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چوراخ سے

صحیح بخاری اور کافی کا موازنہ

مسنف "فلاح الکوفین" اپنی "الکافی" مؤلفہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ہم اس پر بھی مصر نہیں کہ اس کی تمام احادیث و روایات مستند اور صحیح ہیں جیسا کہ آپ بخاری اور دیگرہ کو مانتے ہیں۔ قالوا ہما اصح الکتب بعد کتاب اللہ کما فی رسالۃ ملحقۃ لسنن الترمذی وجعلوا رواہما ارجحین علی کل سواء کا نو امرجیۃ او قدمیۃ او خارجیۃ۔ "کتے ہیں دو لوگوں کتابیں بخاری اور مسلم سب کتب سے بعد کتاب اللہ زیادہ صحیح ہیں اور ہر دو کتب مذکورہ کے روایات کو اگرچہ وہ مرتبیہ یا قدریہ یا خارجیہ سے ہی ہوں، سب پر ترجیح دیتے ہیں" (صفحہ ۱)

الجواب

ہیں کہ ان کے نزدیک ایسی کتاب حدیث اسلام میں آج تک تصنیف نہیں ہوئی اور خود شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے نزدیک بھی کافی کی ساری احادیث صحیح ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب شیبی علامہ نے بھی اس کے حق میں امام غائب کی رضائے سکوتی کا اعتراف کر لیا ہے لہذا اس پہلو سے شیعوں کے لیے کافی کی تمام احادیث حجت ہیں۔ البتہ اگر دوسرے پہلو سے تنقید کی جائے کہ ائمہ کبار خلاف حق باتیں خود اپنے شیعوں سے بھی بیان فرمادیتے تھے، اور ایک مسئلہ کے متعارض جواب دیتے تھے اور ایسا کرنا تقیہ پر مبنی تھا اور تقیہ خود ایک بڑی عبادت ہے کہ مذہب شیعہ کے ائمہ نے اسی تقیہ پر مشتمل ہیں تو الکافی ہو یا سنن لا یحضرہ الفقہیہ، تہذیب ہو یا استبصار مذہب شیعہ کی کسی حدیث کی صحت پر اعتماد

نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے برعکس صحیح بخاری کا پایہ بہت بلند ہے اس کی تمام احادیث امام بخاری کے اپنے معیار پر صحیح ہیں، اور بعض محدثین نے صحیح بخاری کی چند روایات پر تنقید بھی کی ہے اور ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور بعض دوسرے محدثین نے اس کا جواب بھی دیا ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور اگر کچھ روایات قابل جرح ہو سکتی ہیں تو وہ بھی گنتی کی چند ہی ہوں گی۔ یہ نہیں کہ کافی کی طرح نصف سے زائد احادیث اس میں ضعیف ہوں اور آپ نے ہویہ الزام لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں بعض راوی مر جبہ قدریہ اور خارجیہ بھی ہیں تو یہ بھی امر واقع ہے کہ صحیح بخاری میں بعض راوی شیعہ بھی ہیں مثلاً عبد اللہ بن موسیٰ، ابن عیینہ، اور عبد الرزاق وغیرہ، اور اس قسم کے راویوں پر اعتماد ان کی ظاہری حالت تقابست کی بنا پر کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے شیعہ راویوں کی روایت اس وجہ سے قبول کی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ شیعہ مذہب میں تقیہ بھی ایک عبادت ہے، اور وہ خلاف واقعہ بات بھی بیان کر دیتے ہیں اور یہ ان کے ائمہ امام جعفر صادق وغیرہ کی سنت ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق بعض روایات پیش کی جا چکی ہیں۔

اسی بنا پر امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: بہت سے شیعہ

امام اہل سنت کا ارشاد

عمر بھرتی بنے رہے اور ان میں سے بعض کا تشیع مرتے وقت ظاہر ہوا اور بعض کا مرتے وقت بھی ظاہر نہ ہوا۔ سوا ان کے چند مخصوص لوگوں کے کوئی ان کے تشیع سے واقف نہ ہو سکا۔ بہت سے شیعہ ایسے ہوئے کہ ان کا تشیع تو کھلا ہوا تھا مگر ہمارے محدثین کو یہ پتہ نہ تھا کہ کذب بھی ان کے مذہب میں عبادت ہے اور قرآن مجید کو محرف جاننا بھی ان کے ضروریات مذہب سے ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تم توث کو بھی یہ لوگ جھٹلانا چاہتے ہیں۔ لہذا ہمارے اپنے محدثین نے ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کی روایت قبول کر لی۔ آج وہی روایت شیعہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور علماء کو جواب دینا پڑتا ہے۔ شیعوں کی اپنی کوشش تو یہ تھی کہ دین اسلام کی کوئی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہے۔ قرآن مجید کو محرف قرار دے کر مشکوک بنانے کی سعی کی اور احادیث کو یوں تباہ و برباد کرنے کی تدبیر کی۔ مگر اللہ ممتد نوریہ و نوکر کا انکار فرماتا۔ ان کی دونوں کوششیں ناکام رہیں، قرآن مجید کو محرف ہونا کسی طرح ثابت نہ ہو سکا، اور

احادیث کے لیے یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے محمدؐ میں اہل سنت کے ہاتھوں فن حدیث کو اس طرح کامل و مکمل کر دیا۔ اصول حدیث ایسے مدون ہوئے، فن اسماء الرجال ایسا مکمل ہوا کہ آج ذرا سی توجیہ میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے۔ مگر اب ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ راویوں کی جس قدر روایات کتب اہل سنت میں ہیں ان کی تنقید کر دی جائے۔ اس تنقید کے بعد میدان بالکل صاف ہو جائے گا۔ اور ایک ہیرت انگیز حقیقت کا انکشاف دنیا کے سامنے آجائے گا۔ (النجم لکھنؤ ماہ صفر ۳۵۲ ھ ص ۳۱۲)

اہل سنت کے نزدیک خارجی وغیرہ بھی اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں، اور اہل بدعت کی روایت قبول یا رد کرنے کے سلسلہ میں محدثین اہل سنت کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ”المصباح فی اصول الحدیث“ میں امام سیوطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :-

اختلف العلماء فی قبول روایتہ او عدمہ علی ثلثۃ اقوال
 قبل تقبل روایتہ مطلقاً وقیل لا تقبل مطلقاً فہو قول الجمهور وقال قوم وهو الذی صححہ الامام
 فخر الدین الرازی۔ ان کان یعتقد ان الکذب حرام قبلت روایتہ وان کان یعتقد ان الکذب
 حلال لا تقبل روایتہ۔ (ص ۱۳۱)۔ یعنی اہل بدعت میں سے جن کی تکفیر نہیں کی گئی ان کی روایت کے
 قبول یا رد میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی مطلقاً روایت قبول کی جائے گی دوسرا یہ کہ مطلقاً
 قبول نہیں کی جائے گی اور جمہور کا یہی قول ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے اور امام رازی نے اسی کو
 صحیح کہا ہے کہ اگر وہ بدعتی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جھوٹ حرام ہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اور اگر وہ
 جھوٹ کو حلال جانتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

(ب) علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں :- نشر اعلم انما الخلاف فی اصحاب البدع الذین لم یبیعوا
 الکذب واما المبیعون کالکرامیۃ فلا یقبل روایتہم البتۃ لانه لما جاز فی دینہم علی زعمہم
 الکذب لا یبالون بالارتکاب علیہ ومنہم الروافض الغلاة و الامامیۃ فان الکذب فیہم
 اظہر واشہر الخ :- پھر جان لے کہ ان اہل بدعت کی روایت قبول کرنے میں اختلاف ہے جو جھوٹ کو
 مباح نہیں سمجھتے۔ لیکن جو جھوٹ کو مباح سمجھتے ہیں مثلاً کرامیہ تو ان کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے
 گی۔ کیونکہ جب ان کے دین میں جھوٹ جائز ہے تو پھر وہ جھوٹ بولنے کی پروا نہیں کریں گے اور انہی اہل بدعت

میں سے روافض اور امامیہ بھی ہیں کیونکہ ان میں جھوٹ بہت فاسد اور مشہور ہے حتیٰ کہ جھوٹ
 بن گئے ہیں، اور انہوں نے اذروئے تقیہ ہر قسم کے گناہوں بلکہ کفر تک کے ارتکاب کو جائز قرار
 (بحر العلوم) اور ”المصباح“ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”امام مالک اور ابن مبارک رافضیو
 لوگوں کی روایت قبول نہیں کرتے جو صحابہ کرام یا سلف صالحین کو سب کرنے والے ہیں۔
 کہتے اور گالیاں دیتے ہیں اور ان اہل بدعت کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جو اپنی بد
 لوگوں کو دیتے ہیں اور ان کے علاوہ اہل بدعت کی وہ روایت قبول کر لی جائے گی جس سے ان
 تائید نہ ہوتی ہو، اور اگر وہ روایت ان کی بدعت کے موافق ہو تو رد کر دی جائے گی۔ امام
 سیوطی نے اسی کو صحیح کہا ہے۔“ (ص ۱۳۳)۔

بہر حال مندرجہ تفصیل کے تحت مبتدع لوگوں کی روایت کے قبول یا عدم قبول کا مسد
 ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مبتدع فرقوں کی تکفیر یا عدم تکفیر کا مسئلہ ان
 ہونے پر ملتی ہے۔ لہذا جس کو جو تحقیق ہوئی اُس نے اسی پر حکم لگا دیا۔ ۱۲

امام بخاری کا نام محمد بن اسمعیل ہے
 ابو عبد اللہ ہے۔ آپ بروز جمعہ بعد

امام بخاری کی جہالتِ شان

شوال ۱۹۴ ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات عید الفطر کے بعد شنبہ کی رات کو ۲۵۶ ھ
 کی عمر ۶۲ سال تھی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ
 :۔ چھ لاکھ حدیثوں کے اس ذخیرہ میں سے جو ان کے پاس موجود تھا، انتخاب شروع کیا، جو ان
 ان پر اکتفا کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دو
 چھوڑ بھی گئے۔ بخاری جب کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت

لے یہاں یہ ملحوظ رہے کہ شیعوں کی ”الکافی“ کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی ۲۵۰ ھ مطابق
 ہوئے ہیں اور وفات ۳۲۶ ھ میں ہوئی ہے یعنی امام بخاری ۵۶ سال پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ شیخ محمد بن
 ان کی صحیح بخاری ”الکافی“ سے بہت پہلے تصنیف ہوئی ہے۔

اور پھر اس کو لکھتے۔ چنانچہ ۱۲ سال کے عرصہ میں اس انتخاب سے فراغت پائی۔ جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے۔ (اس کو اصطلاح محدثین میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ ان فرض بخاری کی حُسنِ ترتیب کا نتیجہ تھا کہ یہ جامع اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی میں ہی اس کو نوے (۹۰) ہزار آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا۔ جن میں سب سے آخری فرسبسی ہیں اور آج کل ان کی روایت ہی علو اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔ بخاری کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے، حج کو اُمید ہے کہ قیامت کے دن حج سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ میں نے بفضلِ خدا کسی شخص کی غیبت نہیں کی۔ سبحان اللہ! کس قدر تعقّف اور تورّع تھا۔ (رخدا تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین) (رَبُّسْتَانَ الْمُحَدِّثِينَ مَتْرُوم)

۱) ردّ ماتم کے سلسلہ میں پہلی روایت جو رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں پیش کی گئی تھی وہ یہ ہے :- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الصبر من الایمان بمنزلۃ الرأس من الجسد فاذا ذهب الرأس ذهب الجسد کذا اذا ذهب الصبر ذهب الایمان۔ (اصول کافی کتاب الکفر والایمان ص ۱۱۰) :- ”امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر۔ پس جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا، اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا“ (ص ۱۱۰)۔ اس کے جواب الجواب میں مصنف ”فکلام الکونین“ لکھتے ہیں :- یہ روایت بطریق ضعیف ہے۔ مرآة العقول شرح کافی ص ۱۱۰، الثانی ضعیف علی المشہور“ (فلاح الکونین)۔

۱) اس حدیث کے ضعیف ہونے کی علت (وجہ) نہیں بتائی کہ کیوں ضعیف ہے۔ اس روایت کی سند میں سہل بن زیاد راوی بھی نہیں ہے (۲) اس حدیث کا مضمون تو صرف یہ ہے کہ صبر نہ رہے تو ایمان جاتا رہتا ہے۔ کیا آپ فضیلت صبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (یہ شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے) (۳) مذہبِ شیعہ کی بنا پر اُصول کافی کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ کیونکہ کم از کم ان کو امام ثمال کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور خود اُس کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے نزدیک بھی اس کی سب روایات صحیح ہیں۔ (۴) بالفرض اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو پھر بھی یہ قابل عمل ہے۔ چنانچہ ”مرآة العقول“ کے مصنف علامہ باقر مجلسی ہی لکھتے ہیں کہ :- والحق عندی ان وجود الخبر فی امثال تلك الاصول المعتبر متا یورث جواز العمل به لکن لا بد من الرجوع الی الاسانید لتخرج بعضها علی بعض عند التعارض۔ (مرآة العقول جلد اول ص ۱) :- میرے نزدیک حق یہ ہے کہ کسی حدیث کا اصول کافی ایسی کتب معتبرہ میں پایا جانا جواز عمل کے لیے کافی ہے۔ ہاں! تعارض کے وقت بعض احادیث کو دوسری بعض پر ترجیح دینے کے لیے سند کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے“ اور اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب نے بھی لکھا ہے کہ :- ”اگر کسی وقت بالفرض کتب الرجوع کی احادیث میں باہم تعارض واقع ہو جائے تو اس کے بل بوتے پر بعض روایات کی دوسری بعض پر ترجیح دی جائے ورنہ عدم تعارض کی صورت میں کافی کی تمام احادیث قابل اعتماد و عمل ہیں“ (مقدمہ الشافی ترجمہ اُصول الکافی ص ۱) اور اگر اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث صحیح ہے تو وہ پیش کریں۔ کیا ائمہ سے کوئی ایسی حدیث بھی صحیح ثابت ہو سکتی ہے جس کا مضمون صبر کے خلاف ہو؟ یہ سچے ثابت کیا جا چکا ہے کہ بززع فزع کرنا از رُوئے کُفْت و از رُوئے قرآن و تفسیر شیخ طبرسی صبر کے خلاف ہے۔ صبر اور بززع دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا امام جعفر صادق کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ جو آدمی صبر چھوڑ دے یعنی بززع فزع اور ماتم کرے اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ :- شیخ الطائف نے اس مقدمے میں بڑی وسعت کی ہے اور عمل ہر حدیث پر جائز بلکہ واجب گنا ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۰)۔

رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں دوسری روایت یہ پیش کی گئی تھی :- عن ابی عبد اللہ

ردّ ماتم کی روایت شیعہ نمبر ۲

۱) شیخ الطائف سے مراد شیعوں کے ابو جعفر طوسی ہیں جو ”استبصار“ اور ”مذہب الاحکام“ کے مصنف ہیں اور یہ دونوں کتابیں شیعوں کی اُصولِ اربعہ میں سے ہیں۔ ۱۲

عليه السلام قال ان الصبر والبلاء ليستبقان الى المومن فباتيه البلاء وهو صبور وان العجز والبلاء ليستبقان الى الكافر فباتيه البلاء وهو جزع (فروع كافي جلد اصلا) :- امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ صبر اور مصیبت دونوں مومن کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرنے والا ہوتا ہے اور جزع (بے صبری) اور مصیبت کافروں کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ جزع کرنے والا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کے نزدیک صبر کرنے والا مومن ہے اور جزع کرنے والا کافر ہے۔ (ص ۲۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- (دل) یہ روایت بھی بطریق ضعیف ہے۔ (مرآة العقول ص ۱۱۱ الثانی ضعیف) (ب) آپ تو صبر کے معنی ہی نہیں جانتے، آپ کے نزدیک پیش آمدہ مصیبت پر جو خاموش رہا، جس نے گریہ و بکا نہ کیا وہ صابر اور جس نے آنسو بہائے یا شدت غم میں سر و سینہ پیٹ لیا وہ بے صبر ہو گیا۔ حالانکہ رونابے صبری کی دلیل نہیں بلکہ فعل کے فاعل کے اعتراض کرنے کو بے صبری کہتے ہیں۔ جس کی تصدیق حضرت موسیٰ اور خضر کی باتوں کے قصبے سے ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا، میں اس شرط پر تمہارے ساتھ چلتا ہوں کہ تم مجھے وہ تمام باتیں سکھا دو جو تم کو من جانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں۔ حضرت خضر نے کہا تم میں صبر کی استطاعت نہیں :- وکیف تصبر علی ما لا تحیط بہ خبیراً۔ پھر تم ایسی بات پر کیسے صبر کرو گے جو تمہارے احاطہ علم میں نہیں، قَالَ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَاَنْ اَخْبِرُكَ لَكَ اَمْرًا :- موسیٰ نے جواب دیا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے میں تمہاری کسی بات میں مخالفت نہیں کروں گا۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے کشتی میں سوراخ کرنے پر اعتراض کیا، تو خضر نے کہا۔ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَابِرًا :- میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے؟ اور جب موسیٰ لڑکے کے قتل پر معترض ہوئے تو پھر خضر نے کہا اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَابِرًا :- اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بے صبری بے ناظمی کے فعل پر اعتراض کرنا جو نتیجہ ہے لاعلمی کا۔ لہذا انسان کو جس بات کا علم نہ ہو اس پر صبر نہیں کر سکتا۔

رج صبر کے معنی میں کف النفس عما لا ینبغی۔ یعنی نفس سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔ صبر و حقیقت لائق میں ہوتا ہے یا باساء والضراء میں لڑائی میں صبر سے مراد یہ ہے پیٹھ دکھا کر نہ بھاگے اور جو بھاگ گیا وہ

اس حدیث کی رُو سے بے ایمان ہو گیا۔ باسء اور ضرء میں صبر یہ ہے کہ تکلیف اور مصیبت کے سامنے خدا کی شکایت نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر میں رہے۔ وہ اس لیے کہ حضرت یعقوب نے اَشْكُوْا بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَبِّيْ اِلَى اللّٰهِ اپنے بٹ و حزن اللہ ہی کے پاس کی۔ فرمائیے! ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح نہیں ہوجاتی کہ جب تک سامنے خدا کا شکوہ نہ کیا جائے، صرف رونا اور سینہ کو بلی کرنا بے صبری نہیں۔ (مختصر الکوا

الجواب

آپ تو بالکل ہلکے مرگب میں مبتلا ہیں، یعنی آپ اپنی کم علمی اور علم سمجھتے ہیں اور انجن حیدری چوال کا یہ آپ پر انتہائی ظلم ہے و مذہبی بحث کی آپ پر ذمہ داری ڈال دی جس کی آپ اہلیت نہیں رکھتے چنانچہ (دل) آپ سے کہہ کر رونا بے صبری کی دلیل نہیں یا میری طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ آپ کے نزدیک پیش آمدہ پر جو خاموش رہا۔ جس نے گریہ و بکا نہ کیا وہ صابر۔ تو ان میں سے دونوں باتیں زیر بحث نہیں اور یہ کہیں لکھا ہے کہ صابر وہ ہے جو خاموش رہے۔ یہاں خاموش رہنے یا نہ رہنے کی کوئی بحث ہی نہ خاموش رہنے کا آپ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ مصیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ راجِعُونَ طبع حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صابریں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نزول مصیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ راجعون ہیں، اور زیر بحث مسئلہ تو آپ کا ماتم ہے جس میں مُنْثَبِطِيْنَا، سِدِيْنَا، وَغِيْرَهٗ اَفْعَالُ كَالرُّكْبَابِ كِبْرًا اور جو آیتیں آپ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کے متعلق پیش کی ہیں بحث سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذکورہ واقعہ کسی مصیبت سے تعلق نہیں رکھتا۔ (د) آپ نے دو مطلب بیان کیے ہیں ایک یہ کہ کسی فعل کے فاعل پر اعتراض نہ کرنا، اور یہ معنی آپ نے میں لفظ صبر سے لیا ہے اور دوسرا معنی آپ نے صبر کا یہ لکھا ہے۔ کف النفس عما لا ینبغی سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں لیکن صبر کا پہلا معنی آپ کا صحیح نہیں۔ کیونکہ شاعر صاحب حدیث دہلوی نے ان آیتوں کا یہ ترجمہ لکھا ہے :- اور کیونکر ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز میں نہیں اس کی سمجھ۔ کہا تو پاؤ سے گا اگر اللہ نے چاہا تو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی

حضرت شاہ صاحب نے صبر کا معنی ٹھہرنا اور صابر کا معنی ٹھہرنے والا لکھا ہے۔ (ب) مولانا اثر علی صاحب مقلاتوی لکھتے ہیں: ”جواب دیا آپ کو میرے ساتھ رہ کر میرے افعال پر صبر نہ ہو سکے گا اور بھلا ایسے اُمور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطہ واقفیت سے باہر ہیں (موسیٰ نے) فرمایا انشاء اللہ عجب کو آپ صابر یعنی ضابط پاویں گے اور میں کسی بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا۔ تو یہاں حضرت مقلاتوی نے صابر کا معنی ضبط کرنے والا لکھا ہے۔ (ج) آپ کے مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں: ”فرمایا کہ تم سے میرے ساتھ یقیناً صبر نہ ہو سکے گا“ (ترجمہ مقبول) آپ اگر آیت میں لفظ ”مَعِيَ“ (میرے ساتھ) کا مطلب سمجھ لیتے تو ان آیات سے استدلال کرنے کی آپ کو ضرورت نہ پڑتی کیونکہ ”مَعِيَ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اور یہی معنی یہاں لفظ صبر کا بھی ہے کہ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہیں سکیں گے، اور مولانا مقلاتوی کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپ ضبط نہیں کر سکیں گے تو ان آیات میں بھی صبر کا اصلی معنی ٹھہرنا ہی ہے۔ خواہ حضرت موسیٰ کے حضرت خضر کے ساتھ نہ ٹھہر سکنے کی وجہ کوئی بھی ہو، اور عدم صبر کا مطلب نہ ٹھہر سکتا ہی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت خضر کے افعال پر اعتراض کیا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اُمور آپ کی شریعت کے خلاف تھے، اور خلافِ شرع امر پر نیکر کرنا انبیاء کرام کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ ان کے سکوت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اُمور شرعاً جائز ہیں، اور حضرت خضر علیہ السلام کی شریعت جدا تھی۔ علاوہ ازیں وہ کام حضرت خضر نے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ بامر الہی کے تھے جیسا کہ آپ نے خود یہ فرمایا تھا، وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي: ”اور میں نے تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا“ (ترجمہ مقبول)

(۲) دوسرا معنی صبر کا جو آپ نے لکھا ہے کہ: ”نفس سے وہ اُمور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں“ صحیح ہے لیکن جس طرح قول نامناسب ہوتا ہے اسی طرح فعل بھی نامناسب ہوتا ہے لہذا نامناسب بات اگر بے صبری میں شمار ہوگی تو نامناسب فعل بھی بے صبری سمجھا جائے گا، اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف زبان سے غیر مناسب اعتراض کرنا بے صبری ہے اور فعل سے نہیں تو یہ غلط ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو نصیحت کرے اور وہ زبان سے تو کچھ نہ جواب دے لیکن ناصح کو دو چار تھپڑ مار دے تو کیا آپ کے نزدیک

تھپڑ مارنے والا شخص صابر ہی کہلائے گا کیونکہ اُس نے زبان سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اگر کوئی شخص زبان سے ایسے الفاظ نکالے جو اعتراض پر مبنی ہوں تو اس کو غیر صابر کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ مُنہ پیٹ لے اور سینہ کو ٹٹنے لگ جائے حتیٰ کہ اپنے بدن کو چھریوں اور زنجیروں سے لہلہا کر لے تو اس کا یہ فعل یعنی ماتمی مظاہرہ بھی یقیناً صبر کے خلاف ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی اُن رحمتوں سے محروم رہ جائے گا جو صابریں کو نصیب ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص بجائے مُنہ پیٹنے اور سینہ کو ٹٹنے کے صرف زبان سے جزع جزع کرنے لگے اور اپنی بے قراری اور پریشانی کا اظہار کرے تو یہ بھی صبر کے خلاف ہوگا کیونکہ سابقہ بحث میں اندر دئے لغت اور اندر دئے قرآن بلکہ احادیث شیعہ سے بھی صراحتاً ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے یعنی جزع کرنے والے کو صابر نہیں کہہ سکتے اور جو صابر ہے وہ جزع جزع نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ روایت پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: ”جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھر والے جزع جزع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جانا ہوں اور کہتا ہوں یہ رونا پینا کیسا؟ خدا کی قسم میں اُس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آیا، اور نہ میں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے تو جزا پاؤ گے اور اگر بقیارسی کا اظہار کرو گے تو گنہگار ہو گے۔“ (مشافی ترجمہ فرد ۶ کافی)۔

روایت کے عربی الفاظ یہ ہیں، وَإِنْ تَجْرَعُوا فَاتَّهَمُوا: ”اگر تم جزع کرو گے تو گنہگار ہو گے“ اور آپ کے ادیب اعظم نے بھی یہاں جزع کا ترجمہ بے قراری کا اظہار کرنا کیا ہے، جس کا نتیجہ گنہگار ہونا بتایا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں فرمایا: ”اگر تم چپ رہو گے اور صبر کرو گے“ اور اس کا نتیجہ اجر پانا بتایا گیا ہے تو اس حدیث سے لفظ صبر اور لفظ جزع کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی جزع کرنا صبر کے خلاف ہے لیکن آپ اپنی روایتی جہالت کی بنا پر یہ فرما رہے ہیں کہ: ”حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے“ کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے، جزع عام صبر کے بھی خلاف ہے اور صبر جمیل کا مقام تو زیادہ بلند ہے، اور دلیل نمبر ۱ کی بحث میں شیعہ مجتہد علامہ طبرسی کی یہ تفسیر پہلے درج کر دی گئی ہے: ”أَنْفِي فَأَمْرِي صَبْرٌ جَمِيلٌ لِأَجْرٍ مَعَهُ“: ”یعنی میرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع

نہیں“ (تفسیر مجمع البیان سورۃ یوسف) اور آیت اِنَّمَا اَشْكُوْا بَنِيَّ وَحَزَنِيْ اِلَى اللّٰهِ کی تفسیر بھی شیخ طبرسی نے یہ لکھی ہے کہ :- المعنى انما اشكو حزني وحاجتي واختلال حالي وانتشارها الى الله وظلم اللبالي وافات خلواتي لا اليكم :- معنی یہ ہے کہ میں اپنے غم اور حاجت اور اپنے حال کے تغیر اور اس کے اضطراب کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں راتوں کے اندھیروں میں اور اپنی تنہائیوں کے اوقات میں نہ کہ تمہارے آگے :- اس کے باوجود بھی اگر آپ ہی رٹ لگائے جائیں کہ جزع و فزع کرنا، مُنَّہ پینا اور سینہ کو ٹٹا اور ماتمی جلوس کا مظاہرہ کرنا اور گلی گلی، کوچے کوچے میں حسین کا اظہار کرنا اور اعلان کرتے پھرنا بھی صبر ہے، تو یہ آپ کی بدبختی ہے۔ اس کا علم و فہم دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کو محبت حسینؑ قرار دینا لغو و باطلہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کی صریح توحید ہے واللہ المہادی ✽

(۳) اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ :- ”ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح نہیں ہوجاتی کہ جب تک غیر خدا کے سامنے خدا کا شکوہ نہ کیا جائے صرف رونا اور سینہ کو بی کرنا بے صبری نہیں“ یہ حقائق نہیں بلکہ آپ کے ”غرائب“ ہیں جو آپ کی جہالت و جہالت پر مبنی ہیں۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص خدا کی شکایت کرے تو وہ کافر ہوجاتا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے رب کی شکایت کریں۔ کیا آپ کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول فَصَبْرٌ حَمِيْلٌ کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے جب اپنے بیٹوں کی زبانی یہ سنا کہ یوسف کو بھڑپا کھا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں صبر جمیل اختیار کروں، یعنی خدا کی شکایت نہ کروں گا۔ کیا خدا کی شکایت نہ کرنا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کا خصوصی کمال ہے؟ جبکہ عام مؤمنین بھی مصیبت کے وقت اپنے رب کی شکایت نہیں کیا کرتے، نہیں بلکہ صبر جمیل کا مطلب یہ ہے کہ میں انتہائی ضبط کرتے ہوئے بالکل جزع و فزع نہیں کروں گا، اور نہ لوگوں کے سامنے اپنے اس غم کی شدت کا اظہار کروں گا جیسا کہ آپ کے شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر ”مجمع البیان“ میں یہی لکھا ہے کہ :- فَأَمْرِيْ صَبْرٌ حَمِيْلٌ لَّا جَزَعٌ مِّنْهُ :- ”یعنی میرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع نہ ہو“ لیکن اس کے خلاف آپ اپنی روایتی جہالت کی

بنیاد پر یہ لکھ رہے ہیں کہ :- ”حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے“ اور اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے مفسرین نے صبر جمیل کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل دلیل نمبر ۱ کی بحث میں گذر چکی ہے۔

رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں بعنوان جزع کی تعریف یہ لکھا گیا تھا کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ جزع کس کو کہتے ہیں، جس کے کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے تو اس کے متعلق بھی امام محمد باقر کا فرمان موجود ہے :-

عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت له ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالويل والعويل ولطم الوجه والصدر، وجز الشعر من التواصي ومن اقام النواحة فقد توث الصبر واخذ في غير طوليته :- (فروع کافی جلد اول ص ۱۲) :- ”یہ دریافت کرنے پر کہ جزع کیا ہے، امام محمد باقر نے فرمایا کہ سخت جزع شور و فغاں اور بلند آواز سے چیخنے اور چلانے، مُنَّہ، سینہ پینے اور پیشانی کے بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں اور جس نے توحہ کی مجلس قائم کی اُس نے صبر چھوڑ دیا اور اسلام کے راستہ کے خلاف چلا“

عویل کا معنی ہے آواز سے رونا اور ویل کا معنی ہے مصیبت پر شور و فغاں کرنا۔ (غیث اللغات) فرمائیے مروجہ ماتم میں جو افعال پائے جاتے ہیں اور جن کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے، اس کے متعلق امام محمد باقر کا صریح فتویٰ ہے کہ البیاض والاصفر کو چھوڑنے والا اور اسلام کے خلاف چلنے والا ہے“ (ص ۲۳) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- ”اولاً اس روایت کا راوی سہل بن زیاد ہے جن کی نسبت کتاب الرجال“ علامہ حلی ص ۱۲ پر ہے۔ سہل بن زیاد کان ضعیفاً جذاً فاسد الروایۃ :- ”سہل بن زیاد بالکل ضعیف اور فاسد الروایۃ ہے نیز یہ روایت ضعیف ہے۔ (بحوالہ مرآة العقول ص ۱۰۸ ثانیاً۔ تمام کتب علم اصول فقہ (سنی و شیعہ) میں یہ مسلمہ قاعدہ ہے، ما من عامٍ الا وقد خُصَّ۔ یہ روایت عام ہے لیکن جس ماتم کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے وہ مظلوم کربلا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم ہے جو عام نہیں۔ معصوم کا ارشاد ہے کل جزع و فزع قبیح الاعلیٰ الحسین۔ (الفصول المہمہ شیخ حُرّ عاملی) :- ”تمام جزع و فزع قبیح ہے مگر حضرت امام حسین کے لیے۔ یہ سب کچھ جائز ہے شیعہ ہر ماتم کے

جواز کے مدعی نہیں۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں اور قرآن حکیم مظلوم کے لیے بزرع و فزوع کی اجازت دیتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، لَا يُجِيبُ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا (پہلی سورۃ النساء، آیت ۱۲۸)۔ "اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں" یعنی مظلوم اگر اپنے ظالم کی نسبت حکایت و شکایت کریں گے تو وہ گناہ نہیں۔ (ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی) (فلاح الکونین)۔

الجواب

(۱) سہل بن زیاد کو اگر بعض محدثین شیعہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس پر ہرج کی ہے تو بعض دوسرے شیعہ محدثین نے ہی اس ہرج کا جواب دیا ہے اور سہل بن زیاد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد بن اسمعیل ابو علی نے "منتہی المقال" میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے :- ذی المعراج عن بعض معاصریہ عدا حدیثہ فی الصحیح وعدا من مشائخ الاجازة :- اور معراج میں ہے کہ سہل بن زیاد کے بعض معاصرین نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کو مشائخ اجازت میں شمار کیا ہے، اور الوجیزہ میں ہے کہ سہل کا ضعف مضر نہیں ہے کیونکہ وہ مشائخ اجازت میں سے ہے۔ یعنی سہل بن زیاد ان مشائخ میں سے ہے جو شاگردوں کو کتب حدیث کی اجازت دینے والے ہیں۔ اور منتہی المقال میں یہ بھی لکھا ہے :- وکیف یجوز طرح الخبر الذی ہوفیہ سیماء اذ کان من مشائخ الاجازة للکتب المشہورۃ مع ان المشائخ العظام نقلوا عنہ الخ :- اور کیونکہ اس حدیث کو رد کرنا جائز ہو سکتا ہے جس میں سہل بن زیاد راوی ہو۔ خصوصاً جبکہ وہ مشہور کتب حدیث کی اجازت دینے والے مشائخ میں سے ہے اور بڑے بڑے مشائخ (محدثین) نے اس سے احادیث نقل کی ہیں (منتہی المقال طبع قدیم ایران ۲۲۸ و ۲۲۹)۔ توجب سہل بن زیاد مشائخ اجازت میں سے ہے پھر اس کی روایت کیوں قبول نہیں ہوگی (ج) اگر سہل بن زیاد راوی کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیں تو پھر شیعہ مذہب کی کتب اصول الحدیث یعنی الکافی، استبصار، تہذیب الاحکام اور من لایحضرہ الفقہیۃ کی بہت سی روایات ناقابل اعتبار ہوں گی

گی۔ کیونکہ ان کی بہت سی روایات میں سہل بن زیاد راوی پایا جاتا ہے اور اگر آپ سہل بن زیاد کو ضعیف کہہ کر حدیث ماتم کی احادیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر آپ جنازہ میں پانچ تکبیرات بھی پڑھنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ حدیث بھی سہل بن زیاد سے مروی ہے :- عدۃ من اصحابنا عن سہل بن زیاد عن محمد بن زرعۃ بن محمد عن سماعة قال سألته عن الصلوة علی المیت فقال تکبیر خمس تکبیرات الخ (فروع کافی، کتاب الجنائز ص ۱۰۰) ادیب اعظم اس روایت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں :- میں نے پوچھا نماز میت میں کتنی تکبیریں ہیں، فرمایا پانچ (دشانی ترجمہ فروع کافی ص ۱۰۰) (ب) عورتوں کی نماز جنازہ کی حدیث میں بھی سہل بن زیاد راوی ہے لہذا اس کا بھی انکار کریں۔

رسول اللہ نے چار تکبیریں پڑھیں

تھے اور بعض پر چار۔ جن پر چار تکبیریں کہتے ان پر نفاق کی تہمت لگائی جاتی تھی۔ (ایضاً مشافہ ص ۱۰۰) یہ کہیں قدر رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے کہ بعض کی نماز جنازہ پر پانچ اور بعض پر چار تکبیریں پڑھتے تھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لا تصل علی احد منہم مات ابدًا۔ (سورۃ توبہ) منافقین میں سے اگر کوئی مرجائے تو آپ کبھی بھی ان پر نماز جنازہ نہ پڑھیں۔) یہ ہے احادیث شیعہ کی حقیقت اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حمزہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر (۷) تکبیریں پڑھیں اور حضرت علی نے سہل بن حنیف پر پچیس اور ایک قول ہے پچیس (۵)۔ (دشانی ص ۱۰۰)

و قلوبہا پاؤں دھونا

کافی جلد اول ص ۱۰۰) اگر سر کا مسح کرنے سے پہلے تو نے بھول کر پاؤں دھولے تو پھر سر کا مسح کرو، پھر اپنے پاؤں دھولو۔ لیکن یہاں ادیب اعظم صاحب نے غلط ترجمہ کیا ہے کہ پاؤں پر مسح کر لو، یہ بڑی علمی خیانت ہے۔ استغفر اللہ!

(۲) اگر بالفرض یہ روایت ضعیف ہے تو بھی قابل اعتماد و عمل ہے بلکہ شیخ الطائفہ کے نزدیک ضعیف پر عمل واجب ہے (بحوالہ تحفہ انوار عشریہ) (۳) کسی راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے الگائی کی احادیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حسب اقرار مولوی محمد حسین صاحب (مصنف احسن الفوائد) الگائی کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔ (۴) زیر بحث مذکورہ حدیث کو سہل بن زیاد کی وجہ سے ضعیف قرار دینے سے بھی آپ کی جان نہیں چھوٹ سکتی۔ کیونکہ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے متصل ہی فرود ع کافی میں یہ لکھا ہے :- علی بن ابراہیم عن ابیہ عن عمر بن عثمان عن ابی جہیل عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام مثلاً :- یعنی ان راویوں نے بھی امام جعفر صادق سے مذکورہ حدیث بیان کی ہے، جو زیر بحث ہے اور مذکورہ زیر بحث حدیث کا ترجمہ جو شیعوں کے ادیب اعظم نے لکھا ہے وہ بھی یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ قارئین اس حدیث کے مضمون سے اچھی طرح واقف ہو جائیں :- فرمایا حضرت (یعنی امام جعفر صادق) نے جب میں نے پوچھا بزرع کیا ہے۔ اشد بزرع زور سے رونا پینا، منہ پر لٹا پانا سینہ کو ٹٹنا، سر کے بال ٹوٹنا اور نوچ کرنا ہے۔ یہ صورت ترک صبر کی ہے اور صحیح طریقہ کو چھوڑنا ہے (رشاشی ترجمہ فرود کافی جلد اول ص ۱۸۱ باب ۷۹ - صبر و جزع و استرجاع)

فرمائیے جب یہی حدیث امام جعفر صادق سے دوسری سند سے ثابت ہے جس میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے۔ تو کیا اب بھی آپ امام جعفر صادق کا تردید ماتم میں یہ فتویٰ قبول نہیں کریں گے؟ علاوہ ازیں یہی حدیث ابن بابویہ قمی کی ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں موجود ہے۔ جس کی روایات کے متعلق آپ کے ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس میں وہی احادیث جمع کی ہیں جو ان کے نزدیک قابل فتویٰ ہیں اور جو ان کے رب کے درمیان جنت ہیں۔ لہذا ان کے مقابلہ میں جواز ماتم کے لیے آپ کے مزعومات محض باطل اور ناقابل اعتبار ہیں۔ (۳) جب عربی لغت اور قرآن و حدیث کی انھوں سے پہلے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ بزرع کرنا صبر کے خلاف ہے۔ کیونکہ صبر اور جزع دونوں آپس میں ضد ہیں تو پھر آپ اس مضمون حدیث کو کمزور کر دے کہتے ہیں جو مذکورہ روایات میں امام جعفر صادق سے ثابت ہے۔ (۴) الحمد للہ قرآن و حدیث کی انھوں کے مقابلہ میں علمی میدان میں عاجز آ کر آخر آپ نے یہ تسلیم کر ہی لیا کہ: شیعہ ہر ماتم

کے جواز کے مدعی نہیں۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً نائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں اور قرآن حکیم مظلوم کے لیے بزرع و فزع کی اجازت دیتا ہے۔ کاش! اگر آپ بدلے بھرت میں ہی یہ تسلیم کر لیتے تو اتنے صفحات آپ کو سیاہ نہ کرنا پڑتے، اور قرآنی آیات و واقعات (حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصیبت اور حضرت ہابیل وغیرہ) سے مطلقاً ماتم کے سنتتہ ہونے پر غلط استدلال پیش کر کے یوں دقت ضائع نہ کرتے۔ ع۔ ہائے اس زودیشیمان کا پشیمان ہونا

(۵) اور اگر آپ اس اقرار میں مخلص ہیں کہ سولائے امام حسین یا ان کی نظیر کے ماتم کے اوروں کا ماتم حرام ہے تو پھر آپ پر اور دوسرے ماتمی علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ماتمی مجالس میں شیعہ عوام کو یہ بتادیں کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب کی مصیبت (وفات وغیرہ) پر ماتم کرنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ فعل حرام ہے جس کے ارتکاب سے مسلمان صابرین کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے اور وہ ان خصوصی رحمتوں سے محروم ہو جاتا ہے جو صابرین کو عطا کی جاتی ہیں۔ (۶) اب زیر بحث مسئلہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ کیا حضرت حسین کا ماتم سنتتہ و عبادت ہے جس کے آپ مدعی ہیں؟ آپ نے اس کے اثبات کے لیے یہ روایت پیش کی ہے :- کل جزع و فزع قبیح الا علی الحسین :- ”تمام بزرع و فزع قبیح ہے مگر امام حسین علیہ السلام کے لیے، یہ سب کچھ جائز ہے“ (فلاح الکوفین)

یہی روایت علامہ باقر مجلسی کی کتاب ”بحار الانوار“ میں ان الفاظ کے

بحث روایت کل جزع و فزع قبیح الخ

ماتم درج ہے :- شیخ نے کتاب ”امالی“ میں حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ :- کل الجزع والکبار مکروہ الا البکاء علی الحسین :- یعنی ہر اندوہ و مصیبت میں رونا اور بے قراری کرنا ممنوع ہے، مگر زہر و زاری کرنا مصیبت پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی :- ”بحار الانوار“ مترجم اردو حقہ اول ص ۱۸۱، مطبوعہ ادارہ علوم آل محمد، دست پورہ لاہور

(۱) ”بحار الانوار“ کی اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ سولائے حضرت حسین کی مصیبت کے کسی دوسرے کی مصیبت پر رونا بھی جائز نہیں۔ حالانکہ آپ خود

الجواب

ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات پر حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیکار یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا ثابت کر چکے ہیں اور اہل سنت کی صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث موجود ہے، تو پھر سولے حضرت حسین کے کسی دوسرے کی مصیبت پر بیکار کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ کلی الجزع والبكاء والی یہ روایت جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ بے اصل اور موضوع ہے۔ (۲) دوسری روایت جس میں بجائے بیکار کے فزع کا لفظ ہے، قابل بحث رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ جب الکا فی کی صریح حدیث اور شیخ قمی کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان افعال ماتم کو ممنوع فرمایا جو امام حسین کے مروجہ ماتم میں پائے جاتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام حکم سے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا تو پھر کس بنا پر امام حسین کے ماتم کو عبادت قرار دیا جاسکتا ہے۔ (ب) آپ نے مامن عام الا وقد خصیٰ کو مستم قاعدہ قرار دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور یہ قاعدہ ان علماء کا ہے جن کے نزدیک عام ظنی ہوتا ہے۔ لیکن احناف اہل سنت کے نزدیک ہونکہ عام بھی خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے اس لیے وہ اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ (ملاحظہ ہو نوامی اللؤلؤ اور توضیح و تنوید) مثلاً لا سَجَّيْ كَعْدِيْ :- میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ عام ہے لیکن اس میں تخصیص جائز نہیں ہے ورنہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال کے لیے بھی اس میں تخصیص نکل سکے گی۔ (ج) کلی جزع و فزع قبیح الا علیٰ الحسین کی روایت جو آپ نے پیش کی ہے یہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی مثال ہے، نہ کہ عام مخصوص منہ البعض کی اور مستثنیٰ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہوتا ہے اور اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، مثلاً قرآن مجید میں ہے :- وَمَا كَانَ لِحُومٍ مِّنْ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَا :- اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے، (ترجمہ مولانا مہناوی) :- ”کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے سولے اس کے کہ غلطی ہو جائے“ (ترجمہ مقبول) تو اس آیت میں قتل خطا مستثنیٰ ہے سپہ حکم سے اور اگر اس مستثنیٰ کو مستقل حکم قرار دیا جائے تو لازم آجگا کہ کسی مومن کو خطا سے قتل کر دینا جائز ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے لہذا روایت زیر بحث میں اِلَّا عَلٰی

الحسین سے بھی بوجہ مستثنیٰ ہونے کے یہ حکم ثابت نہیں ہو سکتا کہ امام حسین پر جزع و فزع کرنا جائز ہے اس جگہ سے تو اس کا جواز بھی ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اس کا عبادت ہونا ثابت ہو جائے جس کے آپ مدعی ہیں۔ لہذا اس کے عبادت ہونے کے لیے آپ پر مستقل دلیل کا پیش کرنا لازم ہے۔ (۲) کسی عام حکم میں جو تخصیص کی جاتی ہے تو تخصیص حکم کے لیے مستقل کلام لائی جاتی ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں تخصیص کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے :- قصر العام علی بعض مستثیات بکلام مستقل موصول (نور الالواء توضیح و تنوید) یعنی عام حکم کو اس کے بعض مستثیات پر قصر کر دینا کلام مستقل موصول کے ساتھ، اور آپ نے جو روایت پیش کی ہے اس میں اِلَّا عَلٰی الحسین کلام غیر مستقل ہے نہ کہ مستقل۔ لہذا اس روایت سے ماتم حسین کی تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔ (۳) جس طرح ”فروع کافی“ اور ”من لا یحضرہ الفقیہ“ کی روایت سے حرمت ماتم صراحتاً ثابت ہوتی ہے اور یہ حرمت عام ہے۔ اس لیے اس کی تخصیص کے لیے آپ پر لازم ہے کہ ان حدیثوں کی بہ نسبت کوئی زیادہ صحیح حدیث پیش کریں۔

(۴) عبادت ہونا تو بڑی بات ہے ماتم حسین کا جواز بھی آپ ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ قبل ازیں لغت قرآن اور احادیث شیعہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے اور چونکہ قرآن میں صبر صریح حکم موجود ہے :- وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ :- اور مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے۔ اس لیے صبر کے خلاف جو فعل ہوگا یعنی جزع وہ خلاف حکم قرآنی ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، اور صبر کا حکم بھی تمام مومنین کو ہر قسم کی مصیبت میں دیا گیا ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور صبر کے فضائل بھی آیات قرآنیہ وغیرہ سے صراحتاً ثابت ہیں :- اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ :- بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسین کی مصیبت پر مومنین کے لیے صبر کا حکم اور صبر کی فضیلت ختم ہو جائے اور اس کے خلاف جزع و فزع کی اجازت دی جائے جو خصوص کتاب و سنت کی بنا پر حرام ہے۔ کیا مومنین کے نزدیک امام حسین کی شہادت اس لیے تھی کہ اس کے بعد حرام کام حلال ہو جائیں یا اس لیے تھی کہ آپ کی قربانی کے پیش نظر مسلمان یہ سمجھ لیں کہ ان کی اسلامی زندگی کا مقصد حدود و شریعت کا تحفظ ہے اور حرام اور حلال اور حق و باطل میں امتیاز کا باقی رکھنا ہے خواہ اُس کے صلہ میں مال و جان اور اعزہ و اقارب

سب کی قربانی دینی پڑے۔ فرمائیے! اہل سنت جو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت جزیع و فزیع اور ماتم حرام کا ارتکاب نہیں کرتے۔ وہ حضرت حسین کے مقصد شہادت کا تحفظ کرنے والے ہیں یا ماتمی لوگ جو امام حسین کے نام پر حرام کو حلال ٹھہرا کر حد و شریعت میں توڑ پھوڑ کو نہ صرف جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کا مقصد شہادت حسین کی بنا پر حد و شریعت کو یا مال کرنا ہے تو پھر اہل نظر کو اس امر میں شک نہیں رہتا کہ یہ ماتمی تحریک اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے جو حضرت حسین کے نام پر عوام کو رجمہ تلعالین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مقدسہ اور سنت مطہرہ کی پیروی سے باز رکھنے کے لیے اختیار کی گئی ہے، اور یہ ماتم عظمت حسین کو گھٹانے کے لیے کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیوں پہلے یہ فرمادیا ہے۔

نوحہ لائق نیست بر خاک شہیدان انکہ بہت کترین دولت ایشان بہشت برترین

اور اسی حقیقت کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

نوحہ وغم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسینؑ حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شانیاں حسینؑ

(۵) آیت لَا يُجِزِي اللَّهُ الْجَنَّةَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ: "اللہ تعالیٰ بُری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے" سے آپ کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ دل آیت میں تو صرف ظالم کی شکایت اور برائی بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس میں رونا دھونا اور ماتم کرنا کسی طرح بھی نہیں پایا جاتا۔ (ب) اور اگر آپ اپنی جہالت سے اس اجازت کو ماتم پر محمول کرتے ہیں تو پھر بھی آپ کو مفید نہیں۔ کیونکہ آیت میں جس بات کی بھی اجازت دی گئی ہے وہ ہر مظلوم کے لیے ہے۔ اگر ماتم جائز ہوگا تو ہر مظلوم کے لیے، اس میں حضرت حسینؑ کی تخصیص نہیں رہے گی، اور اگر حرام ہوگا تو سب کے لیے۔ حالانکہ آپ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ سوائے حضرت حسینؑ اور آپ کی نظیر کے اوروں کا ماتم حرام ہے اس لیے آپ اپنے اس من گھڑت ضابطہ کو چھوڑ دیں یا اس آیت سے استدلال نہ کریں۔ یہاں مختصر جواب کافی ہے۔ اس آیت کی مفصل بحث جواز ماتم کی دلیل نمبر ۱۹ کے تحت گزر چکی ہے، دوبارہ ملاحظہ فرمائیں (۶) آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ: "حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً"

قابل ہیں" تو اس سے نظیر کے لیے جواز نکالنا بھی آپ کی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ نظیر کے لیے ماتم کا ثبوت بطریق قیاس ہوگا اور چونکہ مستثنیٰ خود ہی کلام مستقل نہیں ہے اس لیے وہ مقیس علیہ یعنی کی صلاحتیت نہیں رکھتا، لہذا قیاس بھی درست نہیں ہو سکتا۔ آپ کی حالت قابل رحم ہے کہ ڈوبتے ہوئے تنکے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔

نہ حنہ ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے لیے یہ روایت پیش کی گئی تھی:۔ عن ابی عبد اللہ علیہ

روایت ماتم کی حدیث شنیعہ نمبر ۳

السلام قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله ضرب المسلم يده على فخذه عند المصيبة احباط لجزءه۔ (فروع کافی جلد اول ص ۱۱۱)۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مصیبت کے وقت اپنے ران پر ہاتھ مارے تو اس کا اجر و ثواب برباد ہو جاتا ہے: "هم ماتم کیوں نہیں کرتے" اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں:۔ اقلًا بحوالہ مرآة العقول جلد سوم ص ۹۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ثانیاً "من لا يحضره الفقيه" کتاب الطہارۃ، باب التعزیه والجزع عند المصيبة۔ من أصيب بمصيبة جزع عليها اوله يجزع صبر اوله يصبر كان ثوابه من الله عز وجل الجنة۔ مصیبت زدہ جزیع کرے یا مصیبت کے وقت صبر، اس کا ثواب جنت ہے" (روایت شنیعہ) مشکوٰۃ ص ۸۔ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما أصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا حزن ولا اذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها الا كفر الله بها من خطاياها (منفق علیہ)۔ مومن کو جو تکلیف ہم و وزن میں تک کہ جو کا نظر اس کو چھپے خدا اُس کے لیے اُس کی خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ (روایت سنی) آپ نے جس ضعیف روایت کا سہارا لیا تھا، اُس نے آپ کے موقف کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ (فلاح الکونین)

(۱) آپ نے اہل سنت کی مشکوٰۃ شریف سے جو حدیث پیش کی ہے اس کا تو ماتم بلکہ رونے سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے

الجواب

کہ مومن کو اگر کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ چھوٹی ہو یا بڑی تو اس کی وجہ سے اسکی بعض خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں، اور نصب تک کا وٹ کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ آپ نے نہیں لکھا تو جس طرح دوسری تکالیف یعنی تھکاوٹ وغیرہ کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر اسکی کانٹا چھیننے کی بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وجہ سے بھی اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ فرمائیے! کیا کانٹا چھیننے اور تھکنے پر بھی آپ ماتم کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس حدیث میں غم و حزن کے لفظ سے ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ علاوہ ازیں اس باب کی دوسری احادیث میں بخار و تب لاسق ہونے کی وجہ سے بھی خطاؤں کے معاف ہونے کا وعدہ ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ جان بوجھ کر آدمی بیماری اور بخار و تب کو بڑھاتا رہے تاکہ اس کے گناہ معاف ہوتے رہیں۔ حالانکہ جہاں بیماری پر گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے وہاں بیماری کا علاج کرنا بھی سنت ہے۔ (د) حدیث مذکورہ تو آپ کے ماتم کی جڑ ہی کاٹ رہی ہے کیونکہ اگر کسی کو کانٹا چھینے تو اس تکلیف پر مومن کو اجر تو ملے گا لیکن وہ بدن سے کانٹا نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو کسی عزیز و بزرگ کی موت و شہادت سے کوئی صدمہ پہنچتا ہے اور اس کو غم لاحق ہوتا ہے تو اس مصیبت پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ لیکن جس طرح وہ بیماری کے ازالہ کی اور کانٹا نکالنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح اس پر لازم ہے کہ وہ غم و اندوہ کو بھی دل سے نکالنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہدائے اُحد کے صدمہ کے باوجود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لادینوں کے ساتھ وَلَا تَحْزَنُوا فَرَّأیَا ہے یعنی غم بھی نہ کھاؤ۔ توجب ارشاد خداوندی یہ ہے تو پھر ماتم کا سلسلہ جاری رکھنے کی کب اجازت ہو سکتی ہے؟ جو غم و اندوہ پر مبنی ہے۔ (۲) آپ نے فروع کافی کی مذکورہ حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب سابقہ روایات کی بحث میں دیدیا گیا ہے، دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

(۳) آپ نے جواباً ”مَنْ لَا مَاتَمِي مَذْهَبٍ فِي صَبْرٍ أَوْ فِي صَبْرٍ بَرٍّ“ کی جو حدیث پیش کی ہے، اس کا پورا ترجمہ غالباً اس لیے نہیں لکھا کہ اس کا مطلب آپ کے خلاف ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ

اس روایت کا ترجمہ یہ ہے: ”جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا کیا جائے اُس کو اُس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، خواہ وہ اُس پر جزع کرے یا نہ کرے اور خواہ وہ اس پر صبر کرے یا نہ کرے“ اور یہ روایت اس لیے آپ کے خلاف ہے کہ دل، اس سے ثابت ہوا کہ صبر اور جزع ایک دوسرے کے مخالف حالتیں ہیں اور حرف اُذی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اُذی احد الامرين کے لیے آتا ہے یعنی دونوں باتوں میں سے ایک ہوگی، دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ مصیبت آنے پر مومن یا جزع کرے گا یا نہیں کرے گا اور صبر کرے گا یا نہیں کرے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ صبر بھی کرے اور بے صبری بھی، ان دونوں میں سے ایک بات ہی پائی جائے گی اور پہلے بھی متعدد مقامات پر یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر اور جزع آپس میں ضدیں ہیں۔ (د) ”مَنْ لَا يَحْضُرُ الْفَقِيهَ“ کی مذکورہ روایت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ مصیبت پر خواہ کوئی صبر کرے یا نہ صبر کرے، دونوں حالتوں میں اس کو جنت مل جائے گی اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے کا کیوں حکم دیا ہے اور صابرین کے فضائل کیوں بیان فرمائے گئے ہیں۔ جبکہ صبر نہ کرنے پر بھی جنت نصیب ہو سکتی ہے۔

(ج) پہلے تو آپ یہی کہتے رہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جزع کرنے والوں کے ساتھ بھی ہے۔ لیکن اس روایت نے تو آپ کے مذہب کو بے نقاب کر دیا کہ آپ کے ہاں، صبر اور بے صبری دونوں کا ایک ہی نتیجہ اور ثواب ہے، اور آپ کا مذہب قرآن حکیم کے بیان کردہ فضائل اور خصوصیات کے انکار پر مبنی ہے، اور یہی وہ خطرناک شریک ہے جو ماتم حسین کے عنوان سے جاری کی گئی ہے۔ تاکہ ناواقف مسلمانوں کو اس راستہ پر لگا یا جائے کہ جنت کے حصول کے لیے صبر کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے قرآنی احکام کی پیروی کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ مصیبت حسین کے قصور میں اگر آتش کا ایک قطرہ بھی تمھاری آنکھ سے ٹپکے گا تو تم جنت کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پھر نماز و روزہ وغیرہ اسلامی ارکان و عبادات کی کیا ضرورت؟ اور یہی وجہ ہے کہ بے عمل لوگ زیادہ ماتم کرتے ہیں اور مسلمانوں کی شیعہ مذہب میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ کیونکہ وہی اس شریک کے صحیح سرگرم رکن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

روا ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۰
ماتمی ٹریکیٹ کے جواز میں ایک یہ روایت پیش کی گئی تھی۔ قال
النبي صلى الله عليه وآله عند وفاته لفاطمة لا

تخمشي علي وجهها ولا ترخي علي شعرا ولا تنادي بالويل والويل ولا تقبلي علي نائحة
(فروع کافی جلد ۲ ص ۲۵۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی وفات کی وقت حضرت فاطمہ کو کہ میری وفات پر نہ دینا اور بال
نکھون اور ویل عویل سے نہ چیخنا چلانا اور نوحہ کرنے والیوں کو ماتم کرنا راہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۵۴) اس کے جواباً ابیہ
ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ :- یہ روایت بھی بحوالہ امرأة العقول جلد ۳ ص ۵۱۳ ضعیف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی وفات کے بعد رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے نہ سیدہ فاطمہ کو منع کیا اور نہ ازواج سے
کسی کو گریہ و بکا۔ نوحہ و ماتم کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اگر آپ نے اس طرح کا کوئی حکم دیا ہوتا تو آپ
کی وفات کے بعد نہ بعدہ فاطمہ الزہراء نوحہ و ماتم کرتیں۔ نہ حضرت عائشہ من بیٹتیں۔ اس کے برعکس
مدارج النبوت جلد دوم ص ۲۹۹ پر ہے کہ :- رحلت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم کے
سر مبارک کو بالین پر رکھا اور اپنا روئے اور پیٹتی ہوئی کھڑی ہو گئیں (فلاح الکوئین ص ۷۵) الجواب
(۱) ان روایات کے ضعیف قرار دینے کا جواب پہلے مفصل بیان کر دیا گیا۔ اور اگر آپ میں کچھ علمی
و دینی شعور باقی ہے تو اتنا تو سمجھ لیں کہ شیعہ اصول حدیث کے تحت ضعیف حدیث بھی قابل عمل بلکہ
آپ کے شیخ الطائفہ طوسی کے نزدیک واجب العمل ہے اور جس امرأة العقول کے حوالہ سے آپ
اس روایت کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ اسی کتاب کے مصنف علامہ مجلسی نے الکافی کی احادیث
کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ :- والحق عندی ان وجود الخبر فی امثال تلك الاموال المعتبرة مما يورث جوارح الناس
لا بد من الرجوع الى الاسانيد ترجيح بعضها على بعض عند التنازع (مرآة العقول جلد ۱ ص ۱۰۰) اور میرے نزدیک تو یہ
ہے کہ کسی حدیث کا اصول کافی ایسی کتب معتبرہ میں پایا جانا جواز عمل کے لئے کافی ہے۔ ہاں تنازع کے وقت
بعض احادیث کو دوسری بعض پر ترجیح دینے کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (مقدمہ شافی ترجمہ اصول کافی
جلد اول از مولوی محمد حسین) علامہ نے الکافی کی تعریف میں مقدمہ مظہری ص ۲۵ کی عبارت پیش کی ہے جس کا ترجمہ
یہ ہے۔ تمام شیعہ خیر الصحیحہ کا اس کتاب کی فضیلت اور اس کے قابل عمل و وثوق ہونے پر اتفاق ہے۔ نیز ان کا اس

ام پر اجماع ہے کہ اس کتاب کا درجہ تمام کتب احادیث سے اجل و ارفع ہے اور یہ کتاب وہ قطب ہے جس
پر قابل اعتماد راوی جو ضبط و اتفاق میں مشہور ہیں کی روایات کا دار و مدار ہے۔ (مقدمہ شافی ص ۷) فرمائیے۔
تمام شیعہ علماء کے اس اتفاق اجماع کے بعد کیا الکافی کی حیثیت آپ کے نزدیک یہی ہے کہ جو حدیث اس کی آپ کے
خلاف ہو اس کو بلا تامل رد کر دیں۔ (ب) اصول کافی کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت فاطمہ الزہراء کو ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرمایا ہے جن کو آپ حصول جنت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔
آپ علمی طریق سے اس حدیث کا کوئی جواب دیں۔ اور اگر کسی دوسری صحیح حدیث سے اس حدیث کا
تعارض ہے تو وہ بھی پیش کر دیں۔ اور یہ ثابت کریں کہ حضرت فاطمہ الزہراء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان افعال ماتم کا حکم دیا تھا کیا نموداً باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ افعال کبھی صادر ہوئے ہیں (۲)
اس حدیث کی آپ تردید نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی سند میں سہل بن زیاد بھی راوی نہیں ہے جس کی وجہ
سے آپ کو بہانہ مل جائے۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ یہ حدیث امام جعفر صادق نے سورۃ الممتحنہ کی آیت لا یقیننک
فی معس و ویت کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے۔ مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی ممانعت اور اسی آیت کے
تحت آپ کے مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی مخالفت شیخ قمی نے کی اور امام جن عسکری سے فیض پانے والے میں یہ لکھا ہے جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لی تو حارث بن عبد المطلب کی بیٹی ام حکیم نے
عرض کیا :- یا رسول اللہ ما هذا المعروف الذی امرنا اللہ بہ ان لا نغیب فیہ ؟ فقال ان لا تغیبن وجہاً ولا تملکن خداً ولا
تغتن شعراً ولا تمزقن جیباً ولا تسودن ثوباً ولا تدعون بالویل والشور ولا تقین عند قبر فبا بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہ علی هذه الشروط۔ (تفسیر قمی - سورۃ الممتحنہ جلد دوم ص ۳۴)۔ ام حکیم نے عرض کیا
کہ اے اللہ کے رسول۔ اللہ تعالیٰ نے جس معرکہ (بیکلی) کا حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی
نہ کریں وہ کیا ہے۔ تو حضور نے فرمایا کہ تم اپنا منہ نہ نوچو۔ اور رخسار سے نہ پیٹو اور بال نہ اکھاڑو اور گریبان
نہ پھاڑو۔ اور کپڑے کالے نہ رنگو اور ویل اور ہلاکت نہ پکارو اور کسی قبر کے پاس نہ کھڑی ہو پس ان شرطوں
پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے بیعت لی۔ اور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی
نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :- ام حکیم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی

یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر ٹاپنے نہ مارو۔ اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے بال نہ کھولو۔ اپنے گریبان چاک نہ کرو۔ اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے دائے کر کے نہ رو۔ پس آنحضرت نے اپنی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں بیعت یعنی چاہی (ترجمہ مقبول مطبوعہ استقلال پریس لاہور) بارہم تعداد ایک ہزار) مولوی مقبول احمد دہلوی نے آیت کی تفسیر میں جس حدیث کا ترجمہ لکھا ہے۔ وہ بھی دو جہاں جلد دوم ص ۲۰ پر یہ فرمانہ حدیث کے متصل ہی مذکور ہے مہمل بن زیاد راوی نہیں ہے امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ پہلی حدیث امام محمد باقر سے مروی دونوں کی مندرجہ بالا جہاں ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو ماتمی افعال سے منع فرمایا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں **وَلْيُفِي عَيْتِي نَاعِمَةً** (تو مجھ پر نوحہ کرنے والی عورت کو قائم نہ کرنا) جس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کو خصوصیت سے نوحہ کرنے والی عورتوں سے بھی منع فرما دیا ہے۔ اور دوسری حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے جس میں فتح مکہ کے موقع پر عورتوں کی بیعت لینے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں کیونکہ وہاں اپنی وفات کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی بلکہ عمومی طور پر بیعت کی شرائط میں سے افعال ماتم کے نہ کرنے کا وعدہ لیا گیا ہے اور چونکہ بیعتیہ مومنہ ہونے کے ہر عورت سے یہ وعدہ لیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کے لئے یہ وعدہ نہ ہو جس کی سیدۃ النساء اہل الجنتہ فاطمہ کی بشارت دی گئی ہے۔ یعنی حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں) بہر حال جب کہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے بھی اس حدیث کو صحیح سمجھ کر اپنی الکافی میں درج کیا ہے جس کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور شیخ قمی نے بھی اپنی تفسیر میں سورہ ممتحنہ کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے درج کیا ہے۔ اور دور حاضر کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی فروع کافی کی اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ تو ان کے مقابلہ میں مصنف فلاح الکونین کے قول کی کیا حیثیت ہے جو بیچارے اس قسم کے علمی مباحث کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔

احادیث اہل سنت سے حرمت ماتم کا ثبوت

سورۃ الممتحنہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں جس طرح احادیث شیعہ سے حرمت ماتم کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح اس آیت مذکورہ کے تحت

احادیث اہل سنت میں بھی نوحہ ماتم سے ممانعت ثابت ہے چنانچہ را، عن ام عطیة رضی اللہ عنہا قالت اخذ علينا النبي صلی اللہ علیہ وسلم عند البیعة ان لا نوح - وبخاری شریف، کتاب الجنائز) "حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ بیعت کے وقت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی" (۱۷) عن ام عطیة قالت اخذ علينا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع البیعة ان لا نوح - (صیحیح مسلم) : "ام عطیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ (۳) عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من ضرب بالخذ وشن الجبوب وبدوعی الجاہلیة۔" حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخسارے پیٹے اور گریبان بھاڑے اور جاہلیت کی طرح لپکائے چلائے" (صحیح بخاری) علامہ علی قاری حنفی دعویٰ الجاہلیتہ کی شرح میں فرماتے ہیں

مرآة شرح مشکوٰۃ) یعنی جاہلیت کی لپکاری ہے کہ رونے پر زبان سے وہ بات کہے جو شرعاً ناجائز ہے۔ مثلاً ذیل اور لاکت کے الفاظ جو جاہلیت کے زمانہ میں کہتے تھے) (۴) قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوروی (رحمۃ اللعالمین جلد اول) میں فتح مکہ کے موقع پر بیعت کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ: "عورتوں سے یہ بھی اقرار لئے جاتے تھے: کسی کے سوگ میں نہ نہ نوحہ کریں گی طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی نہ سر کے بال کھینکیں گی۔ نہ گریبان چاک کریں گی، نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی اور نہ قبر پر سوگاری میں بیٹھیں گی"

(مشکوٰۃ شریف) حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور سننے والی عورت پر لعنت کی ہے، تو جس طرح فروع کافی کی روایت میں نوحہ کرنے والی عورت سے منع کہا گیا ہے، اسی طرح ابوداؤد کی اس حدیث میں بھی نوحہ کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور نوحہ صرف رونے اور آنسو بہانے کو نہیں کہتے بلکہ بلند آواز سے رونے اور بین کرنے کو کہتے ہیں جو عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ تو جب سنی اور شیعہ دونوں کی صحیح احادیث سے ماتم موجب کی حرمت ثابت ہے۔ اور قرآن مجید اور لعنت اور روایات شیعہ سے بھی جزیع کرنا خلاف صبر ثابت ہوتا ہے تو پھر ان فصوص کے خلاف فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب کا یہ کہنا بالکل فضول اور غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے نہ سیدہ فاطمہ زہرا کو منع کیا اور نہ ازواج سے کسی کو گریہ و بکا۔ نوحہ ماتم کی ممانعت فرمائی" کیا ماتمی مصنف کا مشن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی خاتون جنت کو قرآنی

حکم صبر کے خلاف عمل کرنے والی ثابت کریں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بھی مخالفت کتاب و سنت ہونا ظاہر کریں۔ جن کو تمام مومنین اور مومنات کی روحانی اور ایمانی مائیں۔ حسب ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے: **وَأَذَانًا لِّمَا نُحْمَدُ** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں (سورہ الاحزاب)

ماہی مصنف بعنوان "حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا نوحہ" کے تحت **خاتونِ جنت پر نوحہ کرنے کا بہتان** لکھتے ہیں کہ: یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے از حد گریہ و زاری فرمائی وہ کہتی تھیں: **یا ابتاہ یا ابتاہ**۔ آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ **وا ابتاہ**۔ آپ نے جنت الفردوس میں اتا امت فرمائی۔ **وا ابتاہ** آپ کی رحلت کی خبر جب انیل کو کون پہنچائی۔ **وا ابتاہ** آپ کے بعد وہ وحی کس پر لائینگے۔ اے خدا فاطمہ کی روح کو حضور اکرم کی روح سے ملا دے۔ اے خدا مجھے اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما دے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا کو کسی نے ہنستا نہیں دیکھا " (فلاح الکونین ص ۷۵)

الجواب (۱) اس عبارت کے آخری جملہ "اہل سیر کہتے ہیں" سے پہلے کی یہ عبارت آپ نے چھوڑ دی ہے۔ اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما۔ اور روز قیامت حضور اکرم کی شفاعت سے محروم نہ کرنا" جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ الزہراء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی محتاج ہیں۔ (۲) اس عبارت سے حضرت خاتونِ جنت کا صرف بکار (رضا) ثابت ہوتا ہے نوحہ اور ماتم کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے جو زیر بحث ہے۔ پھر اس عبارت سے آپ کا ماتم کیسے ثابت ہو گیا۔ اور جب شیعہ کی اصح الکتاب الکافی۔ اور تفسیر تمہی وغیرہ سے انبال ماتم کا ممنوع ہونا ثابت ہو گیا۔ اور کانی کی حدیث میں حضرت فاطمہ الزہراء کو لاقہیبی علی الناحیۃ فرمانا ثابت ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ نوحہ کرنے والوں کو نہ ماتم کرنا" تو پھر آپ خواہ مخواہ اس ارشاد نبوی کے خلاف حضرت خاتونِ جنت کا نوحہ و ماتم ثابت کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں کیا آپ ہمیں چاہتے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کا صبر مومن عورتوں کے لئے نمونہ بنایا جائے۔

آپ نے بعنوان "حضرت عائشہ کا نوحہ" لکھا ہے کہ حضرت **حضرت عائشہ صدیقہ پر نوحہ کرنے کا بہتان** عائشہ رضی اللہ عنہا بھی گریہ زاری کرتی اور کہتی تھیں **یا رب**

اس نبی محترم نے نوحہ کو تو انگریزی پر اور درویشی کو مالداری پر اختیار فرمایا افسوس۔ اس دین پروردہ نبی پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر لہذا سزاوت پر آرام سے نہ سوتے اور ہمیشہ قدم ثبات و قرار کے ساتھ محاربہ نفس کے مقام صبر و استقامت پر گامزن رہتے اور اس کو ترک نہ فرمایا اور کبھی بھی کافر دل کے ایذا و دستم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری اور ملامت کا بخار نہ آیا۔ اور اباب نفرو احتیاج کے اوپر احسان اور فضل و امانت کو بند نہ کیا۔ دشمنوں کی سنگ باری سے زندان مبارک شہید اور رخسار مبارک زخمی ہوئے۔ حوادث زمانہ نے آپ کی پیشانی اقدس پر پٹی باندھی اور آپ کا شکم اطہر کئی کئی دن تک جو کئی روٹی سے سیر نہ ہوا " (مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۵) (فلاح الکونین ص ۷۵)

اس کے بعد کی حسب ذیل عبارت ماہی مصنف نے یہاں چھوڑ دی ہے جو ان کے **مصنف کی ثنیات علمی** استدلال کو باطل کرنے والی ہے: **"کاشا ن اقدس کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی گئی، لیکن کہنے والے کو کسی نے نہ دیکھا اس نے کہا کہ۔ السلام علیکم اهل البيت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل تقی فاقہ الموت"** اے نبی کے گھر والو۔ تمہیں سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت تم پر ہو۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ تم جان کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور ہر فاسق کے لئے ایک قائم مقام ہے اللہ عزوجل پر اعتماد و اتق رکھو اور وہ تمہیں اس کی طرف لٹائے گا۔ آہ و فغان نہ کرو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ آواز تعویذ کرنے والے فرشتہ کی تھی (مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۵)

جو عبارت ماہی مصنف نے چھوڑ دی ہے اس سے ثابت ہوا کہ رو حضرت عائشہ صدیقہ **حضرت عائشہ اہل بیت میں** بحیثیت (مدارج النبوت جلد دوم ص ۷۴) زوجہ مطہرہ ہونے کے اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ فرشتہ نے آپ کو اہل بیت سے خطاب کیا۔ اور قرآن حکیم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت فرمایا۔ البتہ حدیث شریف سے حضرت علی مرتضیٰ حضرت فاطمہ الزہراء حضرت حسن اور حضرت حسین کا بھی حضور کی دعا کے تحت اہل بیت ہونا ثابت ہے (جب حضرت عائشہ صدیقہ نے جو کچھ فرمایا اس میں نہ نوحہ ہے نہ ماتم صرف گریہ ہے لیکن اس پر بھی فرشتہ نے حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ الزہراء سب گھر والوں سے کہہ - جس طرح نہ نوحہ دے دے

صبری بکیند" (مدارج النبوة جلد دوم اصل ناری ص ۵۵) جزیع ذکر و اور بے صبری مت گرد" اور اس کا ترجمہ مدارج النبوة اردو میں یہ لکھا ہے: "آہ و فغان نہ کر دو" فرمائیے مدارج النبوة کے فارسی الفاظ میں جب فرشتہ نے حضرات اہل بیت کو جزیع کرنے سے منع فرمایا تو اس سے تو آپ کے ماتم کے خلاف ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر جزیع جائز ہوتا تو فرشتہ منع نہ کرتا، اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء اور حضرت عائشہ صدیقہ کا اس عبارت سے جزیع کرنا ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے انہوں نے حقیقتاً جزیع نہیں کیا۔ کیونکہ ان کو کمال صبر حاصل تھا۔ لیکن ان کے گریہ و بکا کو بھی جزیع سے تعبیر فرما کر اس سے جس روک دیا گیا۔ جنات الابرار سنیاات المقربین کے تحت فرمایا گیا۔ یعنی ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے حق میں خطا نہیں سمجھی جاتی ہیں، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام نے حقیقتاً کوئی نافرمانی نہیں کی تھی صرف نسیان سے وہ عمل صادر ہوا تھا لیکن ان کو عیالان غواہیت سے تعبیر فرمایا گیا فقہی امام ابوحنیفہ وغیرہ سورۃ طہ (۱) ج آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق یہ عبارت پیش کی ہے کہ رحلت کے بعد حضرت عائشہ نے حضور اکرم کے سر مبارک کو بائیں پر رکھا اور اپنا درد نئے فورٹینی ہوئی کھڑی ہو گئیں، الحجاب ناری اصل عبارت یہ ہے۔ پس نہاد عائشہ سر مبارک آنحضرت علیہ السلام کو بائیں دبر خواست درحالیہ کی زندگی زید بر دئے خود" (مدارج النبوة جلد دوم ص ۵۳) تو ان الفاظ سے اگر منہ پٹینا مراد لیا جائے تو یہ بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

روہ شخص ہم میں سے نہیں جو رخسارے پیٹے اور گریبان بچاڑے اور جاہلیت کی طرح پکارے" اور آپ خود ان جگہ میں کہ: "اگر آپ نے اس طرح کا کوئی حکم دیا ہوتا تو آپ کی وفات کے بعد نہ سیدہ فاطمہ الزہراء اور نہ دواتم کر تیں نہ حضرت عائشہ منہ پٹتیں" اہل سنت کی صحیح بخاری کی حدیث مذکورہ میں چونکہ صراحتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسارے پیٹنے سے فرمانا ثابت ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ کے منہ پٹنے کی روایت صحیح بخاری کی حدیث سے متعارض ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں قرار دی جاسکتی رب، اور خود مدارج النبوة سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت حضرت حمزہ کے سلسلہ میں نوحہ سے منع فرمایا تھا۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ در روایتی آمدہ کہ فرمود مقصود من این زبود کہ زمان بیانید و بر حمزہ گریہ کنذ۔ وہی کرد از نوحہ کردن۔ (جلد دوم ص ۱۸۲) اور مدارج النبوة مترجم اردو میں ہے: فرمایا۔ میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ پر رویں۔ اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا (ص ۲۳۱) اور سیرت ابن ہشام عربی میں بھی ہے۔ وَتُحْفَ يَوْمَئِذٍ عَن النَّوْحِ (۹۹) اور اس

دن نوحہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ابہر حال جب سنی اور شیعہ دونوں کی احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ و ماتم سے منع فرمایا تو پھر یہ بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ حضرت خاتونِ جنت یا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے ارشاد نبوی کے خلاف نوحہ و ماتم کا ارتکاب کیا ہوگا اور فضائل صبر سے وہ نوحہ باللہ محروم رہ گئی ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو دوسری مومن عورتیں مصائب پر کیسے صبر اختیار کر سکتی ہیں (رج) زیر بحث روایت کے فارسی الفاظ یہ ہیں: ہی زبدر برکت خود" لیکن اس سے بھی مراد پٹینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا معنی تو یہ ہے کہ دینی تاثر کی بنا پر آپ نے عورتوں کی حالت کے مطابق اپنے منہ پر ہاتھ مارا (د) غیث اللغات میں زدن کے ۲۵ معانی لکھے ہیں۔ جن میں زدن کا معنی رکھنا بھی آتا ہے۔ لہذا ان الفاظ کا یہ معنی ہوگا کہ حضرت عائشہ نے اپنے چہرہ پر ہاتھ رکھا" اور یہ بھی عورتوں کی عام عادت ہے بہر حال اس سے کسی طرح بھی پٹینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا معنی تو یہ ہے کہ آپ مدعی ہیں۔ اور اگر اس طرح کرنا عبادت ہوتا تو آپ اس کے بعد بھی ہمیشہ کمر تین احالاً تکریہ ثابت نہیں ہے۔

آپ نے لکھا ہے۔ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار میں سے ہر ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن مرثیہ خوانی ملاں میں منظم کر کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ ان میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں جو بعد از دفن قبر شریف کی زیارت کو گئیں اور اس جگہ کی مٹی کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھا اور روتے جوتے یہ

شعر منظوم فرمایا

هَذَا عَلِيٌّ مِنْ شَمِّ قَرْبَةِ أَحْمَدِ اَنْ لَا يَشْمَ مَدَى الزَّمَانِ غَوْلِيَا
صَبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوَادِنِهَا صَبَّتْ عَلَيَّ اَلْاَيَامُ صَرَفَتْ لِيَا لِيَا

مدارج النبوة جلد دوم ص ۵۴ فرمائیے۔ کیا اس کا نام مرثیہ نہیں (فلاح الکونین ص ۷۷)

الحجاب (۱) بحث تو مسکرتام میں ہو رہی ہے نہ کہ مرثیہ کے جائز یا ناجائز ہونے میں رب، انظم یا نہ میں میرت کی تعریف کرنے کو عربی میں مرثیہ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت فاطمہ الزہراء اور بعض صحابہ کرام نے اپنے تاثر کے تحت اشعار کہے ہیں۔ لیکن اس کے لئے جس کوئی مجلس قائم نہیں کی۔ اور نہ ہی حضرت خاتونِ جنت نے عورتوں کو اکٹھا کر کے کوئی مرثیہ خوانی کی ہے۔ آپ کی مردہ مرثیہ خوانی تو ہزاروں اور لاکھوں روپے کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ کیا ذاکرین اور مرثیہ خوانوں کو شہادت حسین کا قلبی رنج ہوتا ہے؟ وہ تو بر تلکن روتے رولاتے ہیں اور خوب کاتے عیش اڑاتے ہیں رحمت اللعالمین

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدر کے تحت اہل بیت عظام اور صحابہ کرام نے مرثیہ خوانی اور ماتم مجالس کا کوئی ایسا نمونہ پیش کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مٹی مرثیہ خوانوں کی حقیقت تو وہ ہے جو جوش ملیح آبادی نے ان اشعار میں پیش کی ہے

سازِ عشرت ہے تجھے ذکرِ اہم شرفین
ڈھالتا ہے تیرے سکتے بستگانِ غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہل عزاکا شور و شین
سر جھکالے شرم سے لے تاجِ خونِ حسین
اے جو تعلیمِ حقّی دل سے گزرنے کے لیے
اس کا استعمال ہو اور پیٹ بھرنے کیلئے

رو ماتم کی حدیث شلیعہ نمبر ۶

ابن بابویہ نے بے حد معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت وفات جناب سیدہ سے کہا اے فاطمہ جب میں مرجاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ ٹونچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور داویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ بلانا جلا رہے لیوں مترجم اردو حصہ اول ص ۷۷ مطبوعہ لکھنؤ "رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۷" اس کے جواب الجواب میں مٹی مصنف لکھتے ہیں۔ اولاً (۱) یہ روایت کافی کی اس روایت کا ترجمہ ہے جس کو بحوالہ المرأة العتول ضعیف کہا گیا ہے۔ نمبر ۸ میں اس کا مکمل مدلل اور مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ (ب) لفظ معتبر میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں چنانچہ اس اصطلاح کے موجد بھی علامہ مجلسی ہیں، خود انہوں نے اپنے رسالہ رجال میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ معتبر کا لفظ ضعیف روایات کو بھی شامل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ہدیۃ المؤمنین درایۃ الحدیث وغیرہ۔ ثانیاً۔ اگر پیغمبر خدا صلعم جناب سیدہ فاطمہ الزہراء کو منع فرماتے تو ناممکن تھا کہ جناب سیدہ ان پر اصرار فرمائیں۔ لیکن کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر رسول صلعم نے گریہ دیکھا بھی کیا۔ سر بھی پٹایا اور نوحہ بھی کیا۔ مدارج النبوة ص ۱۷۳ مدارج النبوة رکن ۴ باب ۶ ص ۷۷ روز جنگ احد جب آپ کے قتل کی آواز ماری نہ پہنچی سے فاطمہ زہراء چوں ایں آواز شنید دست بر سر زماں و بیرون دوید۔

حضور یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین حیات ہوا۔ اس وقت آپ نے بیٹی کو ایسا کرنے سے کیوں نہ منع فرمایا

(فلح الکونین ص ۷۷)

الجواب (۱) کافی کی حدیث کے متعلق آپ کے مکمل مدلل و مسکت جواب کا مکمل مدلل اور مسکت ابطال کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ سابقہ بحث کو دیکھ لیں (۲) آپ نے علامہ مجلسی کی اصطلاح یہ بیان کی ہے کہ لفظ معتبر ضعیف روایت کو ہی شامل ہے۔ تو اگر آپ کے نزدیک ضعیف روایت غیر معتبر ہوتی ہے تو یہ اصطلاح ہی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر روایت غیر معتبر ہے تو اس کو بے حد معتبر کے الفاظ سے بیان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا غیر معتبر کو معتبر اور معتبر کو غیر معتبر کے لفظوں سے بیان کر سکتے ہیں۔ حالانکہ معتبر اور غیر معتبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے صبر اور جزع کو ایک ہی سمجھا ہے حالانکہ صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتوں کا نام ہے۔ (ب) اگر ضعیف روایت سے مراد غیر معتبر نہیں ہے تو یہ مفہوم ہمارے خلاف نہیں۔ اور پہلے بحوالہ یہ پیش کر چکا ہوں کہ کافی کی احادیث خود علامہ مجلسی کے نزدیک بھی قابل عمل ہیں اور شیخ طوسی کے نزدیک ضعیف حدیث بھی واجب العمل ہوتی ہے۔ اس لئے اس روایت کو ضعیف قرار دینے سے بھی ماتم مردود کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ عبادت ہو جو آپ کا اصل دعویٰ ہے۔

(۳) کتب حدیث کے مقابلہ میں سیر و تواریخ کی روایات قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ احادیث پورے اسناد کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ اور پھر ان کے راویوں پر خوب جرح و تنقید کی جاتی ہے۔ بخلاف ان کے سیر و تواریخ کی کتابوں میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ آپ پر لازم بخٹا کافی کی حدیث کے مقابلہ میں کوئی اس سے قوی حدیث پیش کرتے جس سے ان افعال ماتم کا ثبوت ملتا جن سے کافی کی حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو منع فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ کے شیخ قمی نے بھی سورہ الممتحنہ کی آیت کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد درج کیا، اس سے بھی ماتم مردود کا حکم ہونا ثابت ہوتا ہے تفسیر قمی کے مقابلہ میں مدارج النبوة کی روایات آپ کے لئے کیونکہ حجت ہو سکتی ہیں (۴) آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء کو ماتم سے منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ جس مدارج النبوة سے آپ حضرت فاطمہ الزہراء کا نوحہ و ماتم ثابت کرنے کی لاپٹائل کوشش کر رہے ہیں اسی میں ممانعت بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سن اور نہ لگیں حضور اکرم نے فرمایا۔ اے میری بیٹی رو نہ

کہا۔ مدارج النبوة ص ۷۷

یونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے فاطمہ الزہراء صلی اللہ علیہا کے چہرہ اور سے آنکھوں کو پونچھا اور دلداری و بشارت فرمائی (مدارج النبوة جلد دوم ص ۷۷) فرمائیے کیا یہ عبارت آپ کو اس کتاب میں نظر نہیں آئی۔ اس سے تو آپ کے ماتم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے کیونکہ شدت غم سے رونا جو جائز تھا اس سے بھی منع فرمایا۔ چہ جائیکہ آپ یکتائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرماتے۔

(۵) تاریخ کامل ابن الاثیر میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے تو آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور تم کو تمہارے نبی کی طرف سے نیک بدلہ دے۔ پس ہم بھی رونے اور آپ بھی رونے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ تم میری قبر کے کنارے سخت پر مجھے رکھ دو اور پھر میرے پاس سے ہٹ جاؤ تاکہ جبرئیل، اسرافیل، میکائیل اور ملک الموت عزرائیل اور فرشتوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر فوج در فوج آکر نماز جنازہ پڑھو اور مجھے میری تعریف کر کے اور چیخ چیخ کر رو کر نماز پڑھنے اور میری طرف سے میری موت کے بعد آخری سلام پہنچاؤ خود تمہارے نفوس پر اور جو اصحاب میرے پاس سے غائب ہیں اور درویش ہیں ان کو بھی میرا سلام پہنچاؤ اور ص ۵۲۲ مطبوعہ کراچی) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً چیخ چیخ کر رونے سے منع فرمایا۔ تو پھر ماتم مروجہ کی گنجائش کہاں باقی رہی۔ اور حضرت فاطمہ الزہراء کی طرف ان افعال ماتم کو منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر کسی روایت میں حضرت فاطمہ الزہراء یا حضرت عائشہ صدیقہ کا چیخنا چلانا یا منہ پینٹنا وغیرہ مذکور ہے تو وہ یقیناً غلط اور من گھڑت ہوگی (۶) آپ نے مدارج النبوة حصہ اول کے حوالہ سے جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ: فاطمہ الزہراءؑ تپوں این آواز شنید دست بر سر زناں از خانہ بیرون دیدن اس کی پوری عبارت حسب ذیل ہے۔ اور عجیب و غریب روایت یہ ہے جسے مدارج النبوة نے بیان کیا ہے کہ شیطان کی یہ آواز سنی تو گھر کی عورتوں کے سروں پر ہاتھ رکھ باہر نکل کر دوڑنے لگیں (مدارج النبوة اردو جلد دوم ص ۱۶۲) آپ نے جلد اول کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ عبارت جلد دوم میں مذکور ہے۔ (ب) یہ عبارت مدارج النبوة کی ہے۔ اور پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ مدارج النبوة میں رطب و یابس۔ صحیح و غلط۔ بر قسم کی روایں درج ہیں۔ اس لئے دوسری شخصوں کے مقابلہ میں اس کی روایات قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ رح مولانا مفتی غلامین الدین نعیمی ترجمہ لکھا ہے اس کی بنا پر تو آپ کا استدلال بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ اور اگر آپ کا ترجمہ پیش نظر رکھا

جانے جو روایت کے ظاہری الفاظ پر مبنی ہے تو پھر بھی اس سے ماتم مروجہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں اچانک غیر اختیاری طور پر سر پر ہاتھ مارنا مذکور ہے پھر اس کے بعد بار بار ایسا کرنا یا سال بسال اسی طرح کرنا کہیں ثابت نہیں ہوتا (د) اگر قوم کی سابقہ عادت کے مطابق حضرت فاطمہ الزہراء نے سر پر ہاتھ مارا بھی ہو تو جنگ احد کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے صدمہ میں عورتوں کا جمع ہونا اور پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر میں ان کو نوحہ سے بھی منع فرمادینا (جیسا کہ اسی مدارج النبوة سے یہ بات ثابت ہے) اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کی اباحت اگر تھی تو وہ بھی منسوخ ہو گئی (ذ) اور سر پر ہاتھ مارنے کا فعل بھی حضرت فاطمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں کیا کیونکہ وفات کی خبر سن کر آپ نے گھر سے نکلنے سے منع کیا۔ لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل پسند فرمایا۔ (س) فارسی میں زون کا معنی رکھنا بھی آتا ہے۔ لہذا یہ مطلب ہو گا کہ آپ سر پر ہاتھ رکھے ہوئے گھر سے نکلیں۔ بہر حال مذکورہ متعدد وجوہ کی بنا پر آپ کی پیش کردہ روایت سے زیر بحث ماتم کی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

مشکوٰۃ کا حوالہ اور نامی مصنف کی علمی حیثیت

نامی مصنف مشکوٰۃ فصل مسطورہ ۳۲۶ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں تکلیف زیادہ ہوئی (آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ و اکرب اباءؑ نے تکلیف باکبر کر نوحہ و بین کر تیں) یہ عمل تو جناب سیدہ علیہا السلام آپ کے سامنے کر رہی تھیں۔ پھر آپ نے بیٹی کو نوحہ کرنے سے کیوں نہ روکا۔ مدارج النبوة کن ۴۔ باب ۱۳۔ فاطمہ فغان کنال آواز بر آورد کہ یا ابتادائے بر من (فلاح الکونین ص ۷۷)

الحجاب (۱) مشکوٰۃ شریف کی پوری حدیث حسب ذیل ہے: عن انس قال لما نقل النبي صلی اللہ علیہ وسلم جعل يتغشاہ الکرب فقالت فاطمہ و اکرب اباءہ فقال لها ایس علی ابيک کرب بعد ایوم فلما مات قالت یا ابتاہ اجاب ربنا دعاء یا ابتاہ من جنة الفردوس ما واه یا ابتاہ الی جبرئیل نغشاہ فلما دفن قالت فاطمہ یا انس اطابت انفسکم ان تعثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب

سَرَاةُ الْبُخَارِي) اس حدیث کا اردو ترجمہ مولانا قطب الدین صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے۔ اور روایت ہے انس سے کہ کہا۔ جبکہ شدت سے بیمار ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے ہوش کرتی تھی ان کو شدت مرض کی۔ پس کہا فاطمہؓ نے دائے کرب باپ میرے کو یعنی کیا شدت مرض ہے آپ کو۔ پس فرمایا آنحضرت نے حضرت فاطمہ کو کہ۔ نہیں ہے تیرے باپ پر محنت و شدت بلکہ آج کے دن کے (زمانہ) یعنی یہ کرب بسبب شدت دکھ بیماری کی ہے اور بعد آج کے دن کے نہیں ہونے کا۔ یہ اس لئے کہ کرب بسبب علائق جسمانیہ کے ہوتا ہے جو بعد آج کے دن کے منقطع ہو جائیں گے۔ یہ علائق صوفیوں میں ہے۔ اور تعلقات روحانیہ معنویہ میں تو کرب ہے ہی نہیں، پس جبکہ وفات پائی حضرت نے۔ کہا فاطمہ نے اے باپ میرے اجابت کی اور گئے طرف پروردگار کے کہ بلا یا آپ کو اپنے حضور میں۔ اے باپ میرے۔ اے وہ شخص کہ جنت الفردوس جگہ اس کی سے اے باپ میرے طرف جبریلؑ کے پہنچانے ہیں ہم خبر موت کی۔ پس جبکہ دفن کئے گئے حضرت کہا فاطمہ نے اے انس آیا گوارا ہوا تمہارے نفسوں پر اے صحابہ یہ کہ ڈر والو اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی نقل کی یہ بخاری نے مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ جلد چہارم ص ۵۵ فرمائیے (۵) اس حدیث میں نہ حضرت فاطمہ کے کہ یہ کا ذکر ہے نہ منہ پٹنے اور ماتم کرنے کا۔ اور اس کا آپ کے نوحہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اس حدیث سے آپ کے ماتی موقف کو کیا فائدہ پہنچا۔ (ب) آپ نے علمی خیانت یہ کی کہ حسب ذیل عبارت درمیان میں چھوڑ دی۔ پس فرمایا آنحضرت نے حضرت فاطمہ کو کہ نہیں ہے تیرے باپ پر محنت و شدت بعد آج کے دن کے، اس ارشاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو تسلی دی ہے جو حضور کی بیماری کی شدت سے متاثر ہو کر یہ کہہ رہی تھیں "ولے کو ب باپ میرے کو" یعنی حضور نے فرمایا کہ یہ جو تکلیف میری تو دیکھ رہی ہے یہ آج کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اور جب وفات کے بعد یہ تکلیف بالکل ختم ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر دی تو وفات کے بعد خاتون جنت کس بنا پر ماتم کرتیں۔ اور اگر کوئی اپنے بزرگ کی تکلیف کو دیکھ کہ یہ کہے کہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ تو کیا اس کو عرت میں نوحہ و ماتم ہی کہا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے حدیث مذکور کا آخری حصہ علیحدہ پیش کیا ہے اور پھر یہ لکھ دیا ہے کہ۔ بخاری ص ۶۲ پر بھی یہ نوحہ درج ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہی ہے جو مشکوٰۃ شریف میں درج کی گئی ہے۔ اور ان الفاظ کو نوحہ بھی نہیں کہا جاتا۔ اور اگر اس حدیث کی درمیانی عبارت مٹی درج کر دیتے جس

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو تسلی دی ہے۔ تو تارین پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوحہ و ماتم نہ کرنے کے لئے ہی خاتون جنت کو یہ تسلی دے رہے ہیں۔ (ج) یہاں بخاری شریف کی یہ حدیث بھی ملاحظہ کر لیں۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ علیہا السلام فی مشکواہ الذی قبض فیہ فساڑھا البشی فبکت ثم دعاھا فساڑھا البشی فضحکت۔ فسألنا عن ذالک فقالت فساڑھا البشی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبض فی جہدہ الذی لونی فیہ فبکت ثم ساڑھا البشی فی اول اہلہ یتبعہ فضحکت" صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی اس بیماری میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہو گئی تھی اور آپ پوچھتے کچھ بات کہی تو آپ رو پڑیں۔ پھر آپ کو بلایا اور آپ سے پوچھتے کچھ بات کہی تو حضرت فاطمہؓ سنس پڑیں۔ پھر تم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھتے یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری میں وفات پا جاؤں گا تو میں رو پڑتی تھی پھر آپ نے مجھ سے رازداری میں فرمایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی تو میں سنس پڑتی تھی" فرمائیے۔ یہ حضرت خاتون جنت کے رونے اور سنسنے کی کیفیت۔ کہ باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سننے اور اس کا صدمہ لانا ختم ہونے کے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر جلدی ہی سب سے پہلے وہ حضور سے ملاقات کریں گی تو پہلا غم دور ہو گیا اور سنسنے لگ گئیں تو ایسی صابرہ خاتون جنت کو اپنے جیسا ماتمی اور نوحہ خواں ثابت کرنا کیا حضرت قبول کے مقام صبر و استقامت کا صریح انکار نہیں ہے؟

(۲) ماتمی مصنف لکھتے ہیں۔ ۱۔ مدارج النبوة ص ۴۰۰ پر بھی وہ لہرے ہیں جو جناب فاطمہ الزہراء نے پدر بزرگوار کے مجال پر پڑھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ اذ اشتد شوقی اثیت فبکرت باکیا۔ انوح و اشکوا ما اراک مجادیا۔

یا ساکن الغبراء علیہ البکاء۔ و ذکرک انسانا جمیع المصائب۔ جب میرا شوق زیادہ ہوتا تو میں روتی ہوتی آپ کی قبر کی زیارت کرتی ہوں۔ نوحہ اور شکوہ کرتی ہوں۔ لیکن آپ جواب نہیں دیتے۔ اسے مٹی میں آرام کرنے والے مجھے رونا سکھا دے۔ تیرے دکھنے میں سب مصیبتیں بھلا دیں۔ (نلاح الکونین ص ۱)

الجواب (۱) حضرت فاطمہ الزہراء کے ان اشعار میں صرف رونے کا ذکر ہے یعنی آنسو بہانا جس کو عربی میں بکا کہتے

ہیں۔ اور یہ ممنوع نہیں کیونکہ شدت غم کے تحت یہ غیر اختیاری امر ہے۔ اور سبقت منہ پینے اور سینہ کوٹنے وغیرہ افعال ماتم کی حرمت میں ہو رہی ہے جس کا ان اشعار میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کوئی شہر سے باہر نہ تھی بلکہ مسجد نبوی کے پاس ہی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں ہی یہ قبر اطہر ہے جس کو روضہ مقدسہ کہا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ الزہراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے سخت متاثر تھیں اور اس حالت میں قبر مبارک پر حاضر ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

(ب) ان اشعار میں انوح کے لفظ سے شبہ ہو سکتا ہے جس کا معنی ہے "میں زور کرتی ہوں" تو اس سے بھی آپ کا ماتم روبرو ثابت نہیں ہو سکتا جس کے ضروری اجزاء میں سے منہ پینا اور سینہ کوئی کرنا ہے۔ اگر یہ اشعار حضرت خاتونِ جنت کے ہی ہیں تو پھر اس کی تاویل کی جائے گی۔ کیونکہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث صحیحہ سے زور کا ممنوع ہونا ثابت ہے۔ اسلئے یہاں زور سے مراد صرف گریہ و بکا ہے چنانچہ از روئے لغت بھی زور کے مختلف معنی ہیں (۱) منہ پینا الارب میں ہے۔ زور آواز قمری و کبوتر۔ اور استناخہ کا معنی ہے۔ زور کردن و بانگ کردن و گریستن و گریبانیدن و گریے را۔ (زور کرنا۔ اور استناخہ بھیڑیے کے آواز کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور رونے کو بھی اور کسی کو زور لگانے کو بھی)۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف رونے کو بھی زور کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور قمری اور کبوتر کی آواز کو بھی زور کہتے ہیں۔ اور بھیڑیے کی آواز کو استناخہ کہا جاتا ہے)

(۲) منہ میں ہے۔ النوحی۔ البكاء علی المیت مع الجرح والصوت (میت پر جرح کر کے اور آواز سے رونا) بیان اللسان میں ہے۔ زور زور سے رونا۔ ماتم کرنا۔ غیث اللغات میں ہے۔ گریہ کردن با آواز و بیان مصیبت۔ یعنی آواز سے رونا اور بیان مصیبت کرنا (جس کو بین کرنا کہتے ہیں) (۳) اور قلموس میں۔ فاح الرجل بکی واستبکی غیرہ مرد نے زور کیا یعنی وہ رویا اور دوسرے کو اس نے زلایا) تو جب تک آواز سے جلا جلا کر نہ رویا جائے۔ زور جائز ہے کیونکہ اس کا مطلب صرف گریہ و بکا میں آنکھوں سے آنسو بہانا ہے اور اگر بلند آواز سے اور بیان کر کے رویا جائے جس کا رواج اور تائید کے ہاں بھی ہی صورت ہے تو یہ زور ممنوع اور حرام ہے۔ اور لفظ زور کے معنی کی مختلف صورتوں کا فرق حضرت علامہ سید الرشاد صاحب محدث کشمیری دارالعلوم دیوبند نے بھی بیان فرمایا ہے۔ وحق من منا التنبیہ علی انه يستفاد من هذا الحدیث اباحة بعض مراتب النياحة مع بقاء الكراهة (فیض الباری ص ۳۶۳) اور ہم نے پہلے اس پہنچے کر دی ہے کہ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیاحت اذہر کرنے کے بعض مراتب مباح ہیں

اور جو دان میں کراہت باقی رہنے کے) لیکن اس سے وہ زور جائز یا عبارت نہیں ثابت ہو سکتا جو از روئے احادیث ممنوع ہے (۴) دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔ یا ساکن الخبراء علیہ السلام۔ اسے مٹی میں آرام کرنے والے مجھے رونا سکھائے اس پر نامی مصنف سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر یہ رونا عبادت ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اپنی مقدس زندگی میں اپنی پیاری صناہ جزادی کو رونے کا طریق نہیں بتلادیا تھا۔ جو آج آپ کو سیکھنے کی ضرورت پڑی (ب) رونا اکثر شدت غم کا نتیجہ ہے تو اس میں سیکھنے اور سکھانے کا کیا دخل ہے (ج) بکا کا معنی آنسو بہانا ہے نہ کہ منہ پینا اور سینہ کو ٹٹانا اور اگر آپ نے ماتم کرنا ہوتا تو پھر منہ پینے اور سینہ کوٹنے کا طریقہ پوچھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف رونا چاہتی تھیں۔ لیکن آپ کو اس میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا رونا شرعی حدود سے تجاوز کر جائے اس لئے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مجھے رونے کا صحیح طریق سکھادیں تاکہ میں جذبات سے بے اختیار ہو کر کہیں رونے کی ایسی صورت اختیار نہ کر لوں جو ناجائز ہو اور گناہ کی حد کو پہنچ جائے۔ (۲) اس کے بعد تیسرا شعر یہ ہے جو آپ نے چھوڑا ہے۔ فان كنت عن عیني في التراب مغنبا۔ فما كنت عن قلبی الحسین بغائبا (ہیں اگر آپ قبر مبارک میں میری آنکھ سے پوشیدہ ہیں تو آپ میرے نگین دل سے تو غائب نہیں ہیں) اس شعر سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ تو پھر رونے کا طریقہ کس طرح سیکھتیں۔ دراصل یہ اظہار غم کا ایک طریق تھا۔ جو اشعار میں بیان کیا۔ جس کو یار لوگوں نے ماتم قرار دے دیا۔

ع۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

جو زور زور سے رونے جرح فزع کرنے اور بیان مصیبت کی شکل میں ہوتا ہے۔ جو حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ (۱) مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ النياحة اذا لم تشب قبل موتها تقام بدم القیبة وعلیہا سوال من قطران ودرع من جرب "زور کرنے والی عورت نے جب موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی ہوگی کہ اس کے بدن پر سخت بدبودار تیل کا کرتہ ہوگا اور خارشیں زور ہوگی۔"

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ وفيه دليل علی تحريم النياحة وهو جمع علیه (اس میں دلیل ہے نیاحت کے حرام ہونے پر اور اس پر سب کا اجماع ہے)۔ نیز فرماتے ہیں۔ وان

النیاحة حرام مطلقاً وهو مذہب العلماء كافة۔ اور بیشک نوحہ مطلقاً حرام ہے اور یہ سب علماء کا مذہب ہے۔
 (۲) صحیح بخاری میں بھی یہی حدیث مذکور ہے۔ جن کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ واخذ امتنا
 من هذه الاحادیث تحريم النوح وتعدد مما سن الميت بخواكهفاه مع رفع الصوت والبكاء وتحريم
 ضرب الجند وشنق الحبيب ونشر الشعر وحلقه ونشفه والتسويد الوجه واللقاء التراب على الرأس
 والدعا بالويل والشجور الخ (اور ان احادیث سے ہمارے ائمہ حدیث نے نوحہ اور میت کی خوبیاں گننانے کی
 حرمت سے مثلاً واكفاه وغیره کہا ہے اور آواز اور رونے کے ساتھ اور حرام ہے رخسار سے پٹینا اور گریبان بھاڑنا اور
 بال کبیر اور بال مونڈنا اور بال اکھاڑنا اور منہ کا لاکرنا اور سر پر مٹی ڈالنا اور ویل اور شور (پلاکت) پکارنا (فتح الباری)
 (۳۱) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ یوسف کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ انما المذنب عنده ما يفعلها الجمله
 من النياحة ولطم الخناور والصدور وشنق الحبيب وتخزين العشاب (روح المعانی) بیشک وہ افعال ممنوع
 ہیں جن کو جہلا کرتے ہیں مثلاً نوحہ کرنا۔ اور رخسار سے پٹینا اور گریبان چیرنا اور کپڑے بھاڑنا۔

(۳۲) حافظ عماد الدین ابن کثیر محدث سورۃ الحجۃ کی آیت ولا تعصنک فی معروف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ روی
 ابن جریر۔ قال منعهم ان یخن رکان اهل الجاهلیة یمنقن العشاب ریحدثن الوجوه ویقطعن
 الشعور (ابن جریر نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور جاہلیت کے
 زمانہ کے لوگ اپنے کپڑے بھاڑ دیتے تھے اور اپنے چہرے پھیلتے تھے اور بال کاٹ دیتے تھے) (۵) نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں
 عن اسید البزار عن امرأة من الملبعات قالت کان فیما اخذ علینا
 رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان لا نعصیه فی معروف ان لا نغمشمن وجهاً ولا ننشر شعور
 ولا نشق جیباً ولا ندعوا ویلاً (حضرت اسیدان عورتوں میں سے ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جو
 فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے والی ہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا
 تھا کہ ہم نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں اور ہم منہ نہ لوچیں اور ہم بال نہ بکھیریں اور ہم گریبان چاک نہ کریں اور ہم ویلا (پلاکت)
 نہ پکاریں) (تفسیر ابن کثیر سورۃ الممتحنہ) احادیث شیعہ سے نوحہ کی ممانعت

(۱) ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں سے منع فرمایا ان میں یہ بھی تھا۔

النیاحة من عیال الجاهلیة (اور نوحہ کرنا جاہلیت کے زمانہ کا فعل ہے) (من لا یحضرہ الفقیدہ ص ۵۷) (۲) حضرت
 علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث من لا یحضرہ الفقیدہ میں درج ہے جن کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ طویل
 حدیث حضرت علی کے اپنے ہاتھ کی کٹی ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ۔ نئی عن الرنة فی المصیبة ونهی عن
 النیاحة والاستماع الیہا ونهی عن اتباع النساء الجنائز . . . ونهی عن التصاریر
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت میں چیخنے چلانے سے منع فرمایا اور نیاحت (نوحہ کرنے) سے منع فرمایا۔
 اور نوحہ سننے سے منع فرمایا اور عورتوں کو جنازوں کے پیچھے جانے سے منع فرمایا۔ . . اور تصویروں سے منع فرمایا۔
 (من لا یحضرہ الفقیدہ ص ۱۱۱) اور نوحہ کی ممانعت میں یہ دو حدیثیں من لا یحضرہ الفقیدہ میں ہیں جس کے متعلق اس کتاب کے
 مصنف ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے لکھا کہ اس میں سب صحیح اور قابل اعتماد احادیث درج کی گئی ہیں اب
 آپ فرمائیں کہ جب ال سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث صحیحہ سے نوحہ کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ تو اس کے
 خلاف آپ کس مذہب کی بنا پر خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراء کا نوحہ ثابت کرنا چاہتے ہیں! (۳) پہلے یہ عرض
 کر دیا گیا ہے کہ اگر کسی شعر میں نوحہ کا لفظ مذکور ہے اور وہ شعر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی ہے۔ تو اس سے
 مراد صرف وہ رومان ہے جو نثر جاہلیت سے ہے۔ اور حضرت خاتون جنت سے ہم اس نوحہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو نثر جا
 ممنوع اور حرام ہے اور زمانہ کفر و جاہلیت کی رسم و عادت ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کے ارشاد سے بھی جزع کرنا
 ممنوع ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ نے یہ کہا تھا کہ۔
 لولا انک امرت بالصبر ونهیت عن الجزع لاکفنا ناعلیک ماء الشئون رنج البلائہ صحت
 مطبوہ تہرن) اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع کرنے سے آپ نے نہ منع کیا
 ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی ختم نہ دیتے) فرمائیے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا جزع فزع کرنے سے منع فرمایا ثابت ہوا یا نہیں۔ اور کیا اس ممانعت کے بعد بھی حضرت خاتون جنت جزع
 فزع اور نوحہ دیا تم کا از کتاب کر سکتی تھیں۔ ہرگز نہیں۔

ما تم نہ کیٹ کے جواب میں حرمت قائم کے سلسلہ میں یہ
 روایت کبھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پس جمع

رومانہم کی حدیث شیعہ نمبر ۷

اہل بیت میرے اور بیبیاں میری حسب مراتب اشارہ اور سلام مجھ پر کریں جو حق اشارہ اور سلام کرنے کا ہے اور آزار بعد اسے نالہ و نوحہ نہ پہنچائیں (جلد العیون ص ۲۷)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوحہ اور نالہ کرنے سے ڈکھ ہوتا ہے لیکن یار لوگوں نے اس کو عبادت اور جنت کا نشان سمجھا ہوا ہے۔ (ہم نام کیوں نہیں کرتے ص ۲۷)

اس کے جواب ابجواب میں اتمی مصنف لکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا روایت بھی دلیل نمبر ۹ کی روایت سے ملتی جلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گذشتہ روایت میں مخاطب جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں اور اس میں صحیح اہل بیت و ازواج کو مخاطب کیا گیا ہے۔ دریا تا اس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل بیت اور ازواج کو گریہ و بکا۔ آہ و نغنا۔ نوحہ و ماتم سے منع فرماتے تو یہ ناممکن تھا کہ اہل بیت علیہم السلام سے کوئی فرد یا ازواج سے کوئی بیوی آپ کے حکم کے خلاف ایسا فعل کرتی۔ مگر کتب احادیث و تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے وصال پر اہل بیت۔ ازواج اور صحابہ نے آہ و بکا کی۔ سر بیٹھے اور نوحے کئے ملاحظہ فرمائیں۔

معارج النبوة رکن ۴ باب ۱۳ ص ۲۳۔ اہبات المؤمنین ہمنالہ و نغیر یا وج فلک اسیر رسیدند و طائفہ از اصحاب آواز بر کشیدند و اجمدا۔ و فاطمہ گفت و آمد پناہ (یعنی ازواج رسول نے رونے کی آواز آسمان تک پہنچائی۔ صحابہ کی ایک جماعت نے وا محرا کا نوحہ کیا اور فاطمہ علیہا السلام ہائے مدینہ کر کے مین کرتی تھیں۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ قبض و هو فی حجری ثم وضعت رأسہ علی و سادۃ و قیمت مع النساء اضرب و جہی۔ بی بی عائشہ نے کہا جب حضور کی روح قبض ہوئی تو آپ کا سر مقدس میری گود میں تھا۔ پھر میں نے سر مقدس کو تکبیر پر رکھا اور میں اٹھ کر عورتوں کے ساتھ بیٹھنے لگی۔ میں اپنا منہ پیٹ رہی تھی۔ تاریخ طبری ص ۱۹۔ سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص ۳۳۔ سیرت حلبیہ جلد ۴ ص ۲۷)

ابجواب (۱) آپ کی درایت (سمجھ) تو الٰہی چلتی ہے۔ کیونکہ اصول و درایت تو یہ ہے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو یا صحیح حدیث کے خلاف ہو اس کو رد کر دیا جائے گا چنانچہ مذہب شیعہ کی سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث اصول کافی میں ہے کہ۔ فرمایا حضرت رسول خدا نے ہر۔ ایمان کی علامت ہے اعمال صالحہ سے اور روشنی ہے حکمت قرآن سے۔ پس جو حدیث کتاب خدا کے موافق ہو اسے لے اور جو مخالف کتاب ہو اسے چھوڑ دو (شافی ترجمہ اصول

کافی جلد اول ص ۲۷) اور از روئے قرآن سنی اور شیعہ دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جرح کرنا صبر کے خلاف ہے۔ اب آپ ان دو صورتوں میں سے ایک صورت کو پسند کر لیں۔ (۱) حضرت فاطمہ الزہرا اور ازواج مطہرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم قرآن کے تحت صبر کرنے والی ہیں تو جن روایات میں ان کا جرح فرج کرنا مذکور ہے وہ خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے رد کر دی جائے گی (ب) یا آپ یہ تسلیم کریں کہ نعوذ باللہ حضرت خاتون جنت اور ازواج مطہرات قرآن کے خلاف چلنے والی ہیں۔ تو پھر آپ ان روایات کو قبول کر لیں جن میں خلاف قرآن ان کا جرح فرج کرنا مذکور ہے۔ اور آپ جو دلائل دے رہے ہیں ان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ ایلیا زباللہ حضرت فاطمہ الزہرا اور ازواج مطہرات اس قرآن کے خلاف عمل کرنے والی ہیں۔

(۲) آپ نے معارج النبوة سے پہلی روایت پیش کی ہے۔ حالانکہ اس کتاب کے مصنف کے متعلق مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی بھی یہ تحقیق پیش کر چکا ہوں کہ۔ (اس کے مصنف) سنی داعظ تھے۔ کتاب میں رطب و باس سب کچھ ہے۔ (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۷) لہذا اس کتاب کی روایتیں بخاری و مسلم کی مذکورہ صحیح احادیث کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ سے صراحتاً منع فرمایا ہے۔ یہ احادیث روایات کی حدیث شیعہ نمبر ۹ کی بحث میں پھر ملاحظہ فرمائیں۔ (ب) معارج النبوة کی اس روایت میں بھی یہ لکھا ہے کہ بعض اصحاب نے وا محرا کہا اور حضرت فاطمہ نے وادینا کہا۔ تو ان الفاظ سے بھی آپ کا نوحہ و ماتم ثابت نہیں ہوتا (۳) سیرت ابن ہشام ہو یا تاریخ طبری ان کی روایات سے عقائد ثابت نہیں کئے جاتے۔ مورخین نے عموماً اپنی تاریخوں میں صرف سنی سنائی روایات درج کر دی ہیں۔ اور وہ غلط روایات کو بھی بلا تنقید درج کر دیتے ہیں۔ لہذا ان روایات کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور قبل ان میں اسی تاریخ ابن ہشام سے ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت حمزہ کی شہادت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا تھا۔ قال ابن ہشام و نہی یومئذ عن النوح (اس دن نوحہ کرنے سے منع کر دیا گیا) (ابن ہشام عربی ص ۱۹) تو جب اسی کتاب سے نوحہ سے مانعت ثابت ہو چکی ہے تو اس کے خلاف دوسری روایت کیسے قبول کی جا سکتی ہے جب کہ نوحہ سے منع کرنے کی روایت صحیح بخاری و مسلم کی احادیث بھی کھیلان ہے لہذا البتہ بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ کے خلاف کوئی روایت خواہ کی کتاب میں ہو بخلاف حجت نہیں ہو سکتی (۴) اس طرح آپ کتب شیعہ کی روایات میں سے بھی کوئی روایت نوحہ و ماتم کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے جو

من لا یحضرہ الفقیہ تفسیر قمی اور پنج البلاغۃ کی احادیث کے خلاف ہو۔ کیونکہ عام تاریخی روایات شیعہ مذہب کے اصول پر بھی مذکورہ کتب حدیث و خطبات حضرت علی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اگر آپ کچھ بھی علم و فہم یا صدق و دیانت رکھتے تو اپنی صحاح اربعہ کی احادیث میں سے کوئی اقویٰ اور اصح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتم مروجہ کی تائید و اثبات میں پیش کرتے۔ اور اگر میں نے جلال العیون وغیرہ سے فوجہ و ماتم کی تردید میں روایات پیش کی ہیں تو وہ الکافی من لا یحضرہ الفقیہ اور تفسیر قمی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہی کی ہیں۔ (۵) آپ نے یہ بھی خوب لکھا ہے کہ: یار لوگ تو ماتم ان بزرگواروں کی سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ان لوگوں کا اتباع عبادت ہے یا نہیں۔ ان کی بیرونی نشان جنت ہے یا نہیں؟ (فلاح الکونین ص ۷۷) اجواب۔ (۱) ان حضرات کا دامن ماتم مروجہ کی آلودگی سے بالکل پاک ہے۔ کیونکہ یہ قرآنی احکام صبر کے خلاف ہے۔ (کیونکہ جزع صبر کے خلاف ہے) اور یہ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ جیسا کہ من لا یحضرہ الفقیہ کی حدیث سابقہ نمبر میں درج کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کا فعل ہے۔ اور پنج البلاغۃ سے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزع کرنے سے منع نہ فرماتے تو ہم آنکھوں کا پانی رو رو کر ختم کر دیتے لیکن آپ اپنے من گھڑت ماتمی فلسفہ کے تحت اس ضد پر قائم ہیں کہ کتاب اللہ اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات حضرت مرتضیٰ کے مخالف ہونے کے باوجود بھی یہ ماتم سنت ہی ہے تو آپ کی اس کج فہمی اور ہٹ سہمی کا کیا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو فہم و غلو ص عطا فرمائیں تو شاید ماتم کی ان بھول بھلیوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

رو ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۸

سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: جب کوئی مصیبت پیش آئے تو مصیبت رسول خدا یاد کرو کہ ایسی مصیبت ہرگز کسی پر نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی (ایضاً جلاء العیون ص ۷۷)

تو جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت شہادت حسین وغیرہ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے اور ایسی مصیبت تعظیٰ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج اہل بیت کو عموماً اور حضرت فاطمہ الزہرا کو خصوصاً نوحہ کرنے اور منہ پٹینے سے منع فرمایا ہے تو پھر سانحہ کربلا کی یاد میں بھی یہ افعال گناہ ہوں گے نہ کہ عبادت اور اس قسم کی

مجالس ماتم بپا کرنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آئے گی نہ کہ اطاعت (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۵) اس کے جواب اجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں۔ اگر آئینہ قلب کو تعصب کے گرد و خبار سے صاف کر کے روایت پر غور کیا جائے تو اس کے کسی پہلو سے بھی رونے اور ماتم کرنے کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس ہی روایت غم و اندوہ کی دعوت دیتی ہے۔ یہ نظرت انسانی ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت یاد آتی ہے تو اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ دل پر چوٹ لگے تو آنکھوں سے قطرات آنک کا بہ نکلنا لازمی ہوتا ہے کیونکہ رونا دلیل رقت قلب ہے اور یہی غم جب شدت اختیار کرتا ہے تو انسان بے اختیار سر و سینہ بیٹتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی جب اس مصیبت عظیم کو درود نول رکھنے والا کوئی محب رسول یاد کرے گا تو اس کے گریاں دل پر یقیناً چوٹ لگے گی اور وہ لازماً گریاں و ماتم کماں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج و اہل بیت کو عموماً اور سیدہ سلام اللہ علیہا کو خصوصاً رونے کی ممانعت کرنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ ہم دلیل ۱۰-۹-۸ کے جوابات میں ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ سانحہ کربلا کی یاد میں مجالس ماتم کا بپا کرنا مخالفت رسول نہیں بلکہ اطاعت رسول ہے اور ساتھیوں کا سر اور ریش میں خاک ڈالنا سنت رسول ہے جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں جناب ابن عباس اور جناب ام سلمہ کا بروز عاشورا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھنا درج ہے کہ آپ کے سر اور ریش میں خاک تھی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا۔ شہادت مقتل الحسین انفاً۔ میں ابھی ابھی حسین کی قتل گاہ سے آ رہا ہوں (فلاح الکونین ص ۷۷) اجواب (۱) آپ نے یہ تو مان لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سب مصیبتوں سے عظیم ہے۔ اور اگر آپ اس روایت کو بھی بے بنیاد کہہ دیتے تو پھر ہم آپ سے کیسے منوا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث فروع کافی میں باہن افاظ منقول ہے: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال من اصاب بمصیبتہ فلیذکر مصابہ بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانہ من اعظم الحصاب (جلداول کتاب الجنائز) اس کا ترجمہ شیعوں کے ادب اعظم بن ظفر حسن صاحب امر و ہومی یہ لکھتے ہیں۔ فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس پر کوئی مصیبت آجائے تو حضرت رسول خدا کی مصیبتوں کو یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔

(۲) دوسری حدیث امام محمد باقر سے مروی ہے۔ قال ابو جعفر علیہ السلام ان اصبحت بمصیبة فی نفسک اونی ملکک اونی ولدک فاذا ذکر مصابک برسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فان الخلاق کم یصابوا بمثلہ" فرمایا ابو جعفر یعنی امام محمد باقر علیہ السلام نے اگر کوئی مصیبت تمہاری جان مال یا اولاد پر آجائے تو رسول اللہ کی مصیبت کو یاد کرو کہ ایسی مصیبت کسی پر نہیں ہوئی۔ (شانی ترجمہ فروع کافی جلد اول حصہ اول ص ۱۵۸) (۳) فرمایا جب امیر المؤمنین علیہ السلام کا انتقال ہوا تو امام حسن علیہ السلام نے مرنے کی خبر سے امام حسین کے پاس بھیجی جو مدائن میں تھے جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا ہائے کیسی بڑی مصیبت ہے اور رسول اللہ نے فرمایا جب کوئی مصیبت تم پر آئے تو میری مصیبت کو یاد کرو لیا کہ وہ اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔ رسول اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ (شانی ترجمہ فروع کافی ص ۱۵۸)

یہ چار حدیثیں شروع کافی سے اس لئے درج کی گئی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں یہ معلوم کیا جاسکے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مصیبت کو یاد کرنے کا مطلب آیا یہ ہے کہ مصیبت زدہ آدمی خوب نوحہ و ماتم کرے جیسا کہ آپ نے جب عادت اس نے اپنا ماتمی فلسفہ ثابت کیا کہ:۔ جب اس مصیبت عظیم کو درد دل رکھنے والا کوئی حب رسول یاد کرے گا تو اس کے گریاں دل پر لیتا جاوٹ لگے گی اور وہ لازماً گریاں ماتم کماں ہوگا۔" یا یہ مطلب ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت عظمیٰ کو یاد کر کے اپنی مصیبت کو ہلکا سمجھے اور اس سے تسکین پا کر نوحہ و ماتم سے پرہیز کرے۔ آپ کا یہ مطلب بالکل غلط ہے اور منشا حدیث کے بالکل خلاف۔ چنانچہ (۱) منذر جب احادیث میں سے دوسری حدیث میں یہ ہے۔ امام محمد باقر نے فرمایا ہے کہ اگر تمہاری جان مال اور اولاد میں کوئی مصیبت آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت کو یاد کرو تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر تمہارا مال ضائع ہو جائے تو پیٹنے اور کوٹنے لگ جاؤ۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ تیری یہ مصیبت تو ادنیٰ مصیبت ہے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اعظم مصیبت پر اصحاب و اہل بیت نے ماتم بپا نہیں کیا اور صبر اختیار فرمایا تو پھر تم بھی صبر اختیار کرو۔ کیونکہ ہلکی مصیبت پر صبر کرنا آسان ہے بہ نسبت بڑی مصیبت پر صبر کرنے سے۔۔۔ مشکلیں اتنی بڑیں بچھو کہ آسان ہو گئیں

(ب) اور تیسری حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر حضرت حسن نے

مدائن میں حضرت حسین کو بھیجی تو آپ نے صرف اتنا کہا۔ ہائے کیسی بڑی مصیبت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے بڑی مصیبت کو یاد کر کے ماتم ممنوعہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ورنہ اگر آپ کا فلسفہ مانا جائے تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ امام حسین حضرت علی المرتضیٰ کی خبر شہادت سن کر منہ پیٹتے اور سینہ کوٹتے اور نوحہ باللہ دیواروں سے ٹکریں مارتے اور سر بھوڑتے۔

(ج) میدان کر بلا میں اپنی شہادت سے پہلے حضرت امام حسین نے جواہری ہمشیرہ حضرت زینب کو وصیت فرمائی اس کو آپ کے رئیس المدینین علامہ باقر مجلسی یوں بیان کرتے ہیں:۔ دیکھو ہمارے پردہ دار و بردار شہید ہوتے اور سب سے بہتر تھے جناب رسول خدا کا اشرف المخلوقات تھے دنیا میں نہ رہے اور بجانب سرانے باقی رحلت فرمائی اسی طرح بہت مواظب اپنی خواہر سے بیان کر کے وصیت کی اور کہا۔ اسے خواہر گرامی تم کو میں قسم دیتا ہوں کہ جب میں شہید ہو کر بعالم بقا رحلت کروں۔ گریبان چاک نہ کرنا۔ اور منہ نہ لوجنا۔ واویلا نہ کرنا۔ پس اہل حرم کو فی الجملہ تسلی و دلانہ دے کے تہیہ سفر آخرت درست کیا۔ جلا را العیون اژد و جلد دوم ص ۱۵۸ مطبوعہ انصاف پریس لاہور) اس میں تصریح ہے کہ امام حسین نے اپنی ہمشیرہ محترمہ کو پہلے حضرت حسن حضرت علی المرتضیٰ اور حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتیں یاد کرائیں اور پھر افعال ماتم سے منع فرمایا کہ گریباں چاک نہ کرنا الخ۔ فرمائیے اس میں تو آپ کے من گھڑت ماتمی فلسفہ کی واضح تردید ہو رہی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت وفات کو یاد کر کے انسان بے اختیار مرو سینہ پٹتا ہے اور اس ماتم کو آپ اطاعت رسول قرار دے رہے ہیں۔ لیکن حضرت امام حسین عین مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت وفات یاد کر کے گریباں چاک کرنے اور منہ پیٹنے سے منع فرما رہے ہیں کیا آپ اطاعت رسول کا مطلب امام حسین سے زیادہ جانتے ہیں العباد باللہ نہیں بلکہ آپ نے تو منذر جب حدیث کے مقابلہ میں اپنا اختراعی فلسفہ ماتم پیش کر کے حضرت امام حسین کی صریح مخالفت کی ہے۔

سرور کائنات کی توہین

آپ نے لکھا ہے کہ: ماتمیوں کا سروریش میں خاک ڈالنا سنت رسول ہے (فلاح الکونین ص ۱۵۸) اور اس کے بعد آپ نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث کو بطور دلیل کے پیش کیا، الجواب (۱) آپ نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث کا صرف ایک جملہ پیش کیا ہے۔ پوری حدیث

حسب ذیل ہے: عن سائی رحلت علی ام سلمہ، وہی تبکی فقلت ما بیکیک قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسہ ولحیتہ التراب فقلت مالک یا رسول اللہ قال شہدنت قتل الحسین انفا۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب "سائی کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رورہی تھیں پس میں نے کہا آپ کو کس بات نے رلایا ہے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ یعنی خواب میں کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی پر بخار تھا۔ پس میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا حال ہے۔ تو فرمایا کہ میں ابھی ابھی حسین کے قتل میں حاضر ہوا تھا۔ روایت کیا ہے اس کو ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث غریبہ (۱) امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا۔ اور غریب روایت صحیح اور حسن روایت سے کم درجے کی ہوتی ہے (۲) یہ معاملہ خواب کا ہے اور غریبی کے خواب سے شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہو جاتا یعنی غریبی کا خواب اور کشف شرفاً حجت نہیں ہو سکتا۔ (۳) مولانا قطب الدین صاحب محدث دہلوی نے مظاہر حق میں لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ شہادت امام حسین سے پہلے ۵۹ھ میں وفات پا چکی تھیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی لیکن یہ قول مرجوح ہے۔ (۴) اور اگر دوسرا قول ہی اختیار کیا جائے گا امام حسینؑ کی شہادت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے پہلے ہوئی ہے۔ تو بھی اس کا تعلق خواب میں رویت مثالیہ سے ہے۔ چنانچہ حضرت عجد الف ثانی۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے روحانی لطائف کے مشکل اور متشکل ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:۔ ایں مشکل گاہ در عالم شہادت بودہ و گاہ در عالم مثال چنانچہ در یک شب ہزار کس آن سرور را علیہ و علی اکبر الصلوٰۃ والسلام بصورت مختلفہ در خواب می بیند اور استفادہ می نمایند ایں ہمہ تشکل صفات و لطائف اوست علیہ و علی اکبر الصلوٰۃ والسلام بصورتہائے مثالی الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب ۵۶) یعنی لطائف روحانیہ کا شکل اختیار کرنا کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ جیسا کہ مثلاً ایک ہزار آدمی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں تو یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور لطائف کا مختلف شکلوں میں دکھائی دینا ہوتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مثالی جسم حقیقی جسم سے جدا ہوتا ہے اس لئے اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سلمہ کو مثالی شکل میں اسی طرح نظر آئے اور حضور اپنے اصلی جسم کے ساتھ اپنے روضہ مقدسہ میں ہی آرام فرماتے پھر خاک ڈالنے کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے (۵) حدیث کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چہرہ مبارک پر خاک ڈالی تھی۔ العیاذ باللہ۔ جب ساری مقدس زندگی میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے غم و اندوہ سے منسوب ہو کر کبھی بھی چہرہ مبارک پر خود خاک نہیں ڈالی۔ تو بعد از وفات خواب میں اس کا کیوں تصور کیا جاسکتا ہے آپ تو اپنے حرام ماتم کے اثبات کیلئے محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی سے بھی باز نہیں آئے یہ حُب حسین اور حُب اہل بیت اسی جھوٹ اور افتراء کا نام ہے اس طرح کی دلیلیں آپ اما مبارکہ میں اپنے ہاتھوں کے سامنے دیا کریں۔ کتاب میں اس قسم کی لغو باتیں لکھ کر آپ اپنی جہالت و رجالت کا بھی ثبوت دیتے ہیں۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس رود۔ میلس اندر طعنہ پا کاں برد

(۶) روایات میں آتا ہے کہ جنگ بدر میں حضرت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر جو بخار پڑا تھا بعد از جنگ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے اور سے گرد و بخار صاف کیا۔ تو کیا غزوہ بدر کے گرد و بخار کو بھی آپ چہرہ انور پر خاک ڈالنے کی سنت قرار دیں گے۔ اور کیا اس سنت پر کبھی حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسنین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عمل بھی کیا ہے۔ اور یہ بھی فرماتیں کہ اگر نبی کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بارش میں بھیک گیا ہو تو کیا آپ کے نزدیک از خود کپڑوں کو راستہ میں بھگو دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دی جائے گی۔ (۷) اور جو حقیقی سنت ہے یعنی ڈاڑھی رکھنا وہ تو ہاتھوں میں سے کسی کسی کو بھی نصیب ہوگی۔ عموماً ان کے علماء و مجتہدین بھی ممنون ڈاڑھی سے محروم ہوتے ہیں۔ تو جس کی ڈاڑھی بھی نہیں وہ خاک کہاں ڈالینگے

عبرت! عبرت! عبرت!

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے سلسلہ میں امام حسین کی آخری رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۹ وصیت کے تحت یہ روایت پیش کی گئی تھی کہ سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلائے معلیٰ میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا کہ:۔ اے بہن جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ: میری معیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پھینا اور بال

اپنے نہ لوجا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت پر صبر فرمایا تھا تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا" (جلال العیون مترجم۔ باب قضایا کے کہ بلا ص ۳۸) (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں تھکتے ص ۱۸) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: یہ روایت احاد میں سے ہے اور اس کا مدرک بھی جلال العیون میں نہیں لکھا گیا۔ ص ۱ پر مؤلف نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ اس میں غیر معتبر روایتیں بھی درج ہیں۔ علاوہ اس کے روایت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے جیسا کہ اس کے بعد ہی لکھا ہے بس اہل بیت عصمت رافی الجملہ تسلی نمود و تمہیہ سفر حضرت زاراست کرد۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل بیت کو فی الجملہ تسلی دی اور سفر آخرت کی تیاری کی "اگر یہ امور ممنوع ہوتے اور امام ان سے توبہ کرنے کو کہتے تو ناممکن تھا کہ حضرت زینب علیہ السلام اور دیگر مخدرات اہل بیت معافیت کے بعد انہی امور کو بجالاتیں چنانچہ اسی کتاب کے ص ۱۹ پر ہے "جب بعد شہادت امام علیہ السلام کا ذوالجناح خیام میں آیا فریاد اجینا واما ماہ برکشیدند امام کلثوم خواہر انجناب دست بر سر مجاز و ندبہ می کرد و می گفت و امیرا۔ (ص ۱۸) چون زینب خاتون را نظر بر سر آں سرمنور افتاد سر خود را بر چوب محلی زد کہ خون ازاں بر زمین ریخت و زیادہ بر آورد (ص ۱۸) در مجلس بزیہ چون زینب خاتون برآں سرمنور افتاد بے نقاب شد۔ گریبان چاک کرد و صدائے حزین کہ دلہارا پارہ پارہ کرد فریاد برآورد و کہ یا حسینا ہا الخ۔ ان واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلمات آپ نے بطور تسلی و ترمیم فرمائے، لہذا اس مصیبت پر یہ تمام امر نہ صرف جائز بلکہ باعث ثواب ہیں" (فلاح الکونین ص ۱۸)

اجواب (۱) آپ لکھتے ہیں کہ یہ روایت احاد میں سے ہے اور اس کا مدرک بھی جلال العیون میں نہیں لکھا گیا۔ خدا جانے آپ روایات احاد کا مطلب بھی جانتے ہیں یا نہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ شیخہ احادیث میں کوئی متواتر حدیث نہیں ہو سکتی۔ اور غیر متواتر روایات جو ہیں ان سب کو احاد ہی میں شامل کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے مولوی محمد حسین صاحب کی حسب ذیل عبارت پہلے بھی نقل کر چکا ہوں: اور جو خبر ایسی (یعنی متواتر) نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے (ہدیتہ المحدثین ص ۳۵)۔

اب اس خبر واحد کی متذکرین کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں تھیں۔ صحیح اور غیر صحیح الخ (مقدم شانی ترجمہ اصول کافی ص ۱) آپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ صحیح حدیث بھی احاد میں سے ہی ہوتی ہے۔ (ب) اگر اس روایت کا مدرک

جلال العیون میں نہیں لکھا گیا تو اسی کے ہم معنی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں جو شیخ مفید کے حوالے سے لکھی گئی ہے چنانچہ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ و بروایت شیخ مفید شریعین یہ شرط ہے کہ عمرو بن سعد کے پاس نویں محرم روز پنجشنبہ یا جمعہ لایا" اسی روایت کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ: جب حضرت زینب نے یہ خبر دہشت اثر سنی اپنا منہ پیٹ لیا اور فریاد وادبلا بلند کیا۔ حضرت نے فرمایا اسے خواہر گرامی عذاب و نکال تمہارے دشمنوں کے لئے ہے تم صبر کرو اور دشمنوں کی شامت و ہنسائی سے مجھے بچاؤ" (جلال العیون اردو جلد دوم ص ۱۸ مطبوعہ انصاف پریس لاہور) اس میں حضرت زینب کے منہ پینٹنے کے بعد حضرت حسین کا آپ کو صبر کی تلقین کرنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ کرو (ج) علاوہ ازیں ماتم سے معافیت کی ایک دوسری روایت سید ابن طاووس وغیرہ کے حوالے سے یہ مذکور ہے کہ: پس حضرت امام زین العابدین نے فرمایا۔ اسے چھو بھی اس قدر کافی ہے۔ بحمد اللہ آپ عاقل و دانا ہیں آپ جانتی ہیں کہ بعد مصیبت جزع کرنا مفید نہیں" (جلال العیون جلد دوم ص ۱۸) فرمائیے۔ جس جزع و فزع سے حضرت حسین نے قبل از شہادت حضرت زینب کو منع فرمایا تھا اسی جزع فزع سے امام زین العابدین بعد از شہادت منع فرمائیے ہیں۔ (۵) امام جعفر صادق نے فرمایا: ہم اہل بیت بے قرار ہوتے ہیں قبل مصیبت۔ لیکن جب مصیبت آجاتی ہے تو قضائے الہی پر راضی ہو جاتے ہیں" (شانی ترجمہ فروع کافی جلد اول ص ۱۸) اس حدیث کو ادیب اعظم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بقائے بشری اہل بیت کو مصیبت سے پہلے پہلے کچھ پریشانی ہوتی بھی ہے تو مصیبت نازل ہونے کے بعد وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ قضائے الہی کے تصور کے تحت صبر اختیار کرتے ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق کے خلاف آپ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ جزع فزع اور نوحہ و ماتم ختم ہی نہیں ہونا چاہئے۔ اور حضرت زینب وغیرہ مخدرات اہل بیت نے صبر کا بالکل دامن چھوڑ دیا اور عوام کی طرح سر بر ہنہ منہ سر پینٹی ہیں۔ آپ تو ایسے محب ہیں کہ مستورات کو سر بر ہنہ بننے میں ہی نوحہ باللہ آپ کے مشن کی تکمیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ یہ روایت پیش کر رہے ہیں کہ: چون زینب خاتون را نظر بر سر آں سرمنور افتاد بے نقاب شد کہ جب حضرت زینب کی نظر حضرت حسین کے اس نورانی سر پر پڑی تو آپ نے نقاب اتار دیا۔ کیا یہی پردہ نشینا اہل بیت کا آپ کے نزدیک کمال ہے۔ اور جو روایت آپ نے درج کی ہے کہ: سر خود را بر چوب محلی زد۔ یعنی حضرت زینب نے اپنا سر کچا دے کی لکڑی پر مارا" تو اس سے یہ بات تو ماتمیوں کی غلط ثابت ہو گئی کہ خواتین

اہل بیت کو بلا مصلحتی (بے کچاؤ) اونٹوں پر سوار کرایا گیا تھا۔

ماتمی مصنف کی بوجہی

آپ زیر بحث روایت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: علاوہ اس کے روایت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل بیت کو فی الجملہ تسلی دی اور سفرِ آخرت کی تیاری کی۔ اس کو کہتے ہیں کہ۔ جاو وہ جو سر پہ چڑھ کے بسے۔ آپ ہمارے پیش کردہ دلائل سے اتنے حواس باختہ ہو چکے ہیں کہ آپ کو یہ شعور بھی نہیں کہ کیا لکھ رہے ہیں۔ جب روایت مذکورہ سے خود آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے۔ تو اس سے تو ہمارے موقف کی تائید اور آپ کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ تسلی دلانا اور صبر دلانا ایک ہی بات ہے۔ اور تسلی حاصل کرنے کے لئے ہی ضروری ہے کہ افعال ماتم سے پرہیز کیا جائے۔ کیا آپ تسلی و اطمینان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ وہ نعمت ہے جو من جانب اللہ عجوبانِ خداوندی پر نازل ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین (سورۃ فتح پارہ ۲۶) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر اس کا ترجمہ لکھتے ہیں: اللہ نے بھی تسکین اپنے رسول پر نازل کر دی اور ان کے لئے کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہ تھے بھی اُس کے متقی اور اس کے اہل فرمایے۔ اگر کوئی آپ جیسا صاحبِ منہ پیٹ رہا ہو اور سینہ کوٹ رہا ہو اور دیواروں سے ٹکریں مارنے کی کوشش کر رہا ہو تو دیکھنے والے کیا یہ کہیں گے کہ اس کو بڑی تسکین و تسلی حاصل ہے۔ یا یہ کہیں گے کہ اس پر بیچارہ صبر و سکون سے محروم ہے۔ تو بہر حال اس آیت سے ہی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی سکینت اور تسلی نازل فرماتا ہے جو اس کے محبوب اور مقبول ہوں۔ اور برعکس اس کے جن پر بجائے تسلی کے جزع فزع اور سینہ کوٹی غالب ہے ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور وہ رحمتِ خداوندی سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب جو راستہ آپ چاہتے ہیں اختیار کریں اگر صابرین میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو اس ماتم سے سچی توبہ کر لیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا چاہتے ہیں تو پھر ساری عمر ماتم کرتے رہیں۔ کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن امام کربلا حضرت حسینؑ کا نام لیکر ان افعالِ قبیحہ کے مرتکب نہ ہوں۔ اس موقع پر شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

صابروں پر جبکہ ہوتا ہے مصیبت کا نزول، انا للہ کے کہہ کر لیتے ہیں وہ اس کو قبول

ان کے بڑھتے ہیں مدارجِ جنت انہوں میں، حاسدان کے سب نظر آتے ہیں عینوں و نول
راہ حق میں جان لے کر بھگتے زندہ حسینؑ، تو انہیں مردہ سمجھ کر بین کرنا ہے فضول

(ب) یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ سورۃ الفتح کی مندرجہ آیت میں جن مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی اور سکینت نازل کرنے کی بشارت دی ہے وہ اصحابِ حدیبیہ ہیں جن کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ اور ان میں حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی۔ اور خلفائے اربعہ میں سے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو دربار رسالت میں اس وقت حاضر نہ تھے لیکن چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ معظمہ بطور سفیر گئے ہوئے تھے۔ اس لئے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی غائبانہ بیعت فرما کر ان کو اس بیعت رضوان میں شامل کر لیا۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ لہذا آپ بھی اعلانِ خداوندی کے بعد ان اصحابِ کرام اور خلفائے عظام سے راضی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مذکورہ ۹ روایات شیعہ تو وہ تھیں جو حرمتِ ماتم کے ثبوت کے لئے
روایات کی حدیث شیعہ نمبر ۱

رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں پیش کی گئی تھیں۔ اور ماتمی مصنف کے جواب الجواب کے سلسلہ میں ان پر مفصل جوابی بحث کر کے انہوں نے احادیثِ ماتم مروجہ کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ اب ان کے علاوہ اور احادیثِ شیعہ بھی پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لا ینبغی الصبیح علی المیت ولا شق الثیاب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ۔ میت پر چیخ چیخ کر نہیں رونا چاہیے اور نہ کپڑے پھاڑنا۔ (شافی ترجمہ فروع کافی جلد اول صفحہ ۱۸۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اپنی مصیبت
روایات کی حدیث شیعہ نمبر ۱

کی شکایت کی۔ فرمایا اگر صبر کر دے گا تو اجر ملے گا اور نہ کر دے گا تو جو حکم الہی ہے وہ جاری ہو کر رہے گا اور تم بے اجر ہو گے۔ (شافی ترجمہ فروع کافی صفحہ ۱۸۱) اس روایت میں رانت ہما زور کے الفاظ ہیں۔ اور ما زور کا معنی گنہگار ہونا ہے۔ نہ کہ صرف بے اجر ہونا جیسا کہ آپ کے ادیب اعظم نے لکھا ہے تو فرمائیے۔ امام جعفر صادقؑ نے مصیبت کی شکایت کرنے والوں کو صبر کی تلقین کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آدمی کسی کے سامنے اپنی مصیبت کی شکایت بھی نہ کرے تو یہ پورا صبر ہے۔ لیکن آپ تو بسے حسینؑ۔ ہائے حسین کرتے

ہوئے۔ منہ بیٹھے اور سینہ کوٹتے ہوئے ماتمی جلوس نکالنے کو بھی صبر ہی قرار دیتے ہیں۔ ابن چہ بوا بھی اس کا شکر آپ حضرت حسین کے مقام شہادت کی قدر کرتے۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۲ | امام جعفر صادق نے فرمایا کہ: "رونا پینٹنا پینچنا بہتر ہے۔ اور نہ سزاوار۔ لیکن لوگ اسے جلتے نہیں اور صبر بہتر ہے" (شانی ترجمہ فروع کافی ص ۱۵۸) اس سے بھی حسب ارشاد امام صادق ثابت ہوا کہ پینٹنا پینچنا صبر کے خلاف ہے۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۳ | میں حضرت ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھا کہ گھر میں سے کسی کے زور زور سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت کھڑے ہوئے پھر بیٹھے اور اناللہ وانا الیہ راجعون کیا اور پھر اپنی بات شروع کر دی جب بات ختم ہوئی تو فرمایا کہ ہم یہ پسند کرتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے" (ایضاً شانی ص ۱۵۸) اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کو گھر میں سے کسی کے زور زور سے رونے کی آواز بھی ناگوار گذری۔ اور آپ نے سمجھا دیا کہ گو ہم چاہتے یہی ہیں کہ کوئی مصیبت نہ پہنچے اور عافیت ہی نصیب ہو لیکن جب مصیبت آجاتی ہے تو پھر وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی بنا پر آپ نے اس وقت اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور نہ خود زور زور سے رونے اور نہ منہ پینٹنا اور نہ سینہ کوٹنا۔ تو آپ کا فلسفہ ماتم تو اس سے باطل ہو گیا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس حدیث کو ادیب اعظم نے بھی صحیح قرار دیا۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۴ | امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اے احق اسے مصیبت نہ شمار کر جس پر نہیں صبر دیا گیا ہے اور جس پر تم ثواب کے مستحق ہو مصیبت تو وہ ہوتی ہے جن پر صبر نہ کرنے سے اجر و ثواب نہ ملے" (ایضاً شانی ترجمہ فروع کافی) اس حدیث کو ادیب اعظم نے حسن لکھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اصل مصیبت اس کے لئے ہے جو صبر نہ کر کے اور اجر سے محروم رہے اور جس نے صبر اختیار کیا وہ اجر کا مستحق ہو گیا اس لئے گو یا کہ اس کیلئے مصیبت ہی نہ رہی کیونکہ صبر کی وجہ سے اس نے اخروی نفع حاصل کر لیا۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۵ | فرمایا ابو جعفر علیہ السلام (یعنی امام محمد باقر) نے جو بندہ وقت مصیبت استرجاع کرتا ہے (یعنی اناللہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے) اور صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ

اس کے پہلے گناہ بخش دیتا ہے اور جب کبھی ذکر مصیبت اور نزول مصیبت کے وقت اناللہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے تو جتنے گناہ اس کے مصیبت اور صبر کے درمیان کئے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے" (ایضاً شانی ترجمہ فروع کافی) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور پھر بھی جب کبھی وہ مصیبت یاد آتے اور اناللہ پڑھے اور صبر کرے تو اس مدت کے درمیان گناہ بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دیتا ہے اور یہاں آپ نہیں کہہ سکتے کہ پینٹنا کوٹنا کوئی صبر کے خلاف نہیں کیونکہ از روئے لغت و قرآن یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا ہی صبر کے خلاف ہے جو جائیکہ کوٹنا پینٹنا وغیرہ افعال ماتم۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۶ | ابن بابوی قمی یعنی شیخ صدوق کی کتاب حدیث من لایحضرہ الفقیہ میں یہ حدیث مذکور ہے۔ "وآتی ابو عبد اللہ علیہ السلام قوماً قد اصابوا بمصیبة فقال جبر اللہ وھنکم و احسن عزا کم ورحم موتا کم۔ ثع انصرف یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کو مصیبت پہنچی تھی تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کمزوری کو دور فرمائے۔ اور تمہیں بہتر صبر عطا کرے اور تمہارے مردوں پر رحم فرمائے۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے" کیا بہترین صبر کی دعا کا یہ مطلب ہے کہ مصیبت زدہ لوگ خوب منہ پینٹیں اور سینہ کوٹیں اور صبر کا دامن چھوڑ کر اپنے پروردگار کو ناراض کریں۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۷ | وعزّی الصادق علیہ السلام رجلاً باہن له فقال علیہ السلام له اللہ خیر لا ینک منک۔ وثواب اللہ خیر لک منہ فبلغہ جزعہ بعد ذلک فعاد الیہ فقال له مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم أنما لک بہ أسرۃ فقال انہ کان مر اھقاً۔ فقال له ان ا ما مہ ثلث خصال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ ورحمۃ اللہ وشفاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ فلن تفتوہ و احدۃ منھن ان شاء اللہ" (من لا یحضرہ الفقیہ) اور امام جعفر صادق نے ایک مروی کے پاس تعزیت کی جس کا بیٹا وفات پا گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہ نسبت تیرے بیٹے کے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب تیرے لئے تیرے بیٹے سے بہتر ہے۔ پس اس کے بعد آپ کو اس شخص کے جزع کرنے کی آواز پہنچی تو

آپ پھر واپس تشریف لائے اور اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے کیا تیرے لئے اس میں کوئی پیروی کرنے کے لئے نمونہ نہیں ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ وہ (بیٹا) بلوغت کے قریب عمر کا تھا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اُس کے آگے تین حالتیں ہیں۔ (۱) لاله الا اللہ کی شہادت (۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس سے ضائع نہ ہوگی۔

روا تم کی حدیث نمبر ۱۸ دروی مہران بن محمد عن الصادق علیہ السلام انه قال ان المیت اذا مات بعث اللہ عزوجل ملکاً الی اوجع اہلہ علیہ فتمسح علی قلبہ فانسأه لوعة الحزن لولا ذلك لم تعبر الدینا (من لا یخضرہ الفقیہ) اور مہران بن محمد سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو اس کے گھر والوں میں سے اس شخص کی طرف بھیجتا ہے جو ان سب میں سے زیادہ دکھ میں ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے دل پر ہاتھ پھیرتا ہے اور غم کی پریشانی اور قلق کو اس کے دل سے بھلا دیتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا آباد ہی نہ ہو سکتی (من لا یخضرہ الفقیہ) اور یہی حدیث فروع کافی میں بھی ہے۔ اس حدیث کے آخری جملہ کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں: اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا آباد ہی نہ رہتی۔ (یعنی لوگ فرط غم سے اپنی عورتوں کے پاس جلتے ہی نہیں) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ماتمی لوگ جو شہادت امام حسینؑ پر صدیاں گزرنے کے بعد غم حسین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں غلبہ غم ہوتا تو وہ بوجہ ازدواج کے قریب نہ جا سکتے کے اولاد سے ہی محروم رہتے۔ اور فروع کافی میں اس کے متصل جو روایت ہے اس میں بھی یہی مضمون ہے۔ جس کو ادیب اعظم نے حسن لکھا ہے۔

روا تم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۹ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: من لم ینجھہ الصبر اھلکھ الجنح (جس شخص کو صبر نجات نہ دے اس کو جزع ہلاک کر دیتا ہے) (بیج البلاغہ ص ۵۶ مطبوعہ مطہرا) اس سے معلوم ہوا کہ صبر کرنے میں نجات ہے۔ اور جزع کرنے میں ہلاکت ہے لیکن ماتمی مصنف کا نظریہ اس کے خلاف ہے کہ جزع کرنے میں نجات ہے۔ اور جو جزع فزع نہیں کرنا اس کے لئے ہلاکت ہے۔ اور ان کی کج فہمی اس حد تک بچے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام

کے صبر جمیل کو بھی جزع ہی قرار دیتے ہیں۔

روا تم کی حدیث شیعہ نمبر ۲۰ ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں یہ حدیث درج کی ہے۔ عن عمرو بن ابی المقدام قال سمعت ابا الحسن ابا جعفر علیہ السلام یقول فی هذه الایة ولا یعصینک فی معروف قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال لفاطمۃ علیہا السلام اذا اناصت فلا تخشینی علی رجبیا ولا ترخی علی شعراً ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علی نائحتہ ثم قال هذا المعروف الذی قال اللہ عزوجل فی کتابہ ولا یعصینک فی معروف (معانی الاجاز مطبوعہ ایران ص ۱۱۱) عمرو بن ابی المقدام سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو الحسن یا امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت ولا یعصینک فی معروف کے بارے میں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری مصیبت پر اپنا منہ نہ ٹوچنا اور بال نہ کھولنا اور ویل اور ہلاکت نہ پکانا اور مجھ پر نوجہ کرنے والی عورتوں کو نہ قائم کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ معروف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ولا یعصینک فی معروف (یعنی عورتیں نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں)۔ یہی حدیث فروع کافی میں بھی ہے اور اس حدیث کو صحیح سمجھ کر شیخ صدوق نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

روا تم میں قرآنی آیت نمبر ۴ ماتمی ٹرکٹ کے جواب میں ۹ آیات قرآنیہ اور ۹ احادیث شیعہ سے ماتم کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ آیات میں سے تین آیات کی بحث ابتدا میں گذر چکی ہے۔ اس کے بعد ۹ احادیث شیعہ کی بحث بھی مکمل ہو چکی اور بعد ازاں گیا مزید احادیث شیعہ روا تم میں پیش کر دی گئی ہیں۔ اب بقیہ ان آیات قرآنیہ پر نمبر وار بحث کی جاتی ہے۔ ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں لکھا تھا کہ۔ رونامی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور خوشی سے بھی۔ خوف سے بھی اور محبت سے بھی یہ انسان کے طبعی تاثرات ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے غم کے باقی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ جنگ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہوئے اور ستر اصحاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پرچم نبوی کے سایہ میں کفار کے مقابلہ میں شہید ہوئے جس میں حضور کے سگے چچا حضرت حمزہ بھی

تھے اور ان شہداء کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدر بھی تھا لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ **لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** (اور نہ تم سست ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ سورۃ ال عمران رکوع ۱۲)

اس آیت کی پیشگوئی کے تحت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیروز کسری جیسی کفار کی عظیم سطنتوں پر غالب آگئے۔ ان غالب آنے والی جماعت صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور شہداء حضرت علی المرتضیٰ کو خلافت راشدہ کی صورت میں یہ اسلامی غلبہ عطا فرمایا۔ (نبی اللہ عنہم جمعین ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں تہی مصنف لکھتے ہیں۔ بالآخر آپ نے تسلیم کر ہی لیا کہ انسان کبھی غمگین ہوتا ہے تو روزنا ہے۔ کبھی جذبات مسرت سے اس کے آنسو نکل آتے ہیں کبھی بحالت خوف محزون ہوتا ہے اور کبھی اپنے مصائب پر گریا ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں نہ کہیں کہ حضرت انسان دنیا میں آتے ہی روزنا شروع کر دیتا ہے اور آخر وقت تک روتا ہے۔ روزنا ہوا ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ روزنا بتقاضائے فطرت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو بھی روزنا پسند ہے فرماتا **إِنْ هَذَا إِلَّا مَحْدِيثٌ لَعَبْوَاتٍ لِّتَجْعَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَتَّبِعُونَ دِينًا** اس بات سے تعجب کرتے ہو ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں کسی مقام پر بھی انسان کو غم کی حالت میں روتے سے منع نہیں فرمایا نہ مصائب و آلام میں رونے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں خوف کی حالت میں حزن و ملال کا اظہار کرنے سے ضرور منع فرمایا..... بہر حال مسلمانوں کو غم سے باز رکھنے کی دلیل میں جو آیت میں گنتے پیش کی ہے اس میں تو آپ کے موقف کی تائید کا شائبہ تک نہیں۔ آیت مجیدہ کی ابتداء میں **وَلَا تَحْزَنُوا** کا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ **کاہل نہ ہو (حافظ فرغان علی شیعہ) سست نہ ہو (شاہ عبدالقادر سنی) ہمت نہ ہارو (اشرف علی تھانوی سنی) اور درمیان میں انتم الْأَعْلَوْنَ تم ہی غالب رہو گے ہمت نہ ہارنے کا ارشاد اور تم ہی غالب رہو گے کا وعدہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ احد کی اتفاقیہ شکست سے مسلمان جی چھوڑ بیٹھے تھے ہمت ہار چکے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اتفاقیہ شکست کا حزن و ملال دور کرنے اور مسلمانوں کی ہمت بندھانے اور حوصلے بلند کرنے کے واسطے غلبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے) فرمائیے۔ اگر اس آیت میں غم شہداء کی ممانعت کی ہوتی تو پورا دین ماتم کہہ کیوں بنتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا پر رونے اور ماتم کرنے**

والی انصاری عورتوں کے حق میں دعائے خیر کیوں فرماتے اسیرت النبی وغیرہ (فلاح الکونین ص ۸۳)

الجواب (۱) کسی مصیبت پر انسان کو حزن و ملال لاحق ہونے میں تو اختلاف نہیں۔ یہ تو ابتداء بحث میں ہی لکھ دیا تھا۔ پھر آپ کا یہ لکھنا غلط بیانی ہے کہ۔ بالآخر آپ نے تسلیم کر ہی لیا کہ انسان کبھی غمگین ہوتا ہے الخ۔ اسی طرح انسان کا کسی واقعہ سے خوش ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے۔ (ب) میں نے یہ تو لکھا ہے کہ انسان خوف سے بھی روتا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ۔ کبھی بحالت خوف محزون ہوتا ہے۔ کیونکہ خوف اور حزن دو جدا جدا حالتوں کا نام ہے۔ (ج) آپ نے جو آیت **هَذَا مَحْدِيثٌ لَعَبْوَاتٍ لِّتَجْعَبُونَ** زیادہ رونے کے ثبوت میں پیش کی ہے اس کا مصیبت سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ جو آیت تم کی دلیل نمبر ۱۲ کی بحث میں آپ کے استدلال کا اچھی طرح ابطال کر دیا۔ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں (د) رونے کی طرح خوش ہونا اور ہنسنا بھی فطرت انسانی ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ خوشی پر زور نہیں دیتے صرف رونے کا زور دیا ہی روتے رہتے ہیں۔ حالانکہ خود حرمت اللعابین صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح وقتی طور پر گہکا ہوا ثابت ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تبسم اور ضحک (ہنسا) بھی ثابت ہے لیکن آپ ہنسنے کی سنت پر عمل نہیں کرتے اور تبسم اور ہنسی کا کوئی جو کس نہیں نکالتے۔ ماتم حرام نے آپ کی فطرت کو مسخ کر دیا، اس لئے آپ حق و باطل، صحیح و غلط اور افراط و تفریط اور عدل و ظلم کا فرق ہی نہیں سمجھ سکتے۔ بے شک خوش ہونا اور ہنسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن باوجود اس کے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔

زیادہ ہنسنے کی ممانعت

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کثرة الضحک تمیت القلب (اصول کافی ص ۶۸۶)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زیادہ ہنسا دل کو ماردیتا ہے۔ دوسری روایت میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں **کثرة الضحک تمیت الدین** کما یصیت الماء المالح (زیادہ ہنسا دین کو اس طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح پانی نمک کو گھل دیتا ہے) (۲) امام جعفر صادق فرماتے ہیں **النہق تہتہ من الشیطان** (تہنقہ شیطان کی طرف سے ہے) تو فرمائیے جہاں سکھانا اور ہنسانا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے تجاوز کرنا یعنی زیادہ ہنسا اور تہنقہ لگانا رکھ لکھا کر زور سے ہنسا اول کو مردہ کرتا ہے۔ اور یہ شیطان کے اثر کا نتیجہ ہے۔ (۳) عن ابی الحسن الاول علیہ السلام قال

کان یحییٰ بن زکریا علیہ السلام یسکی ولا یضحک وکان عیسیٰ بن مریم یضحک ویسکی
 وَکان الذی یصنع عیسیٰ علیہ السلام افضل من الذی کان یصنع یحییٰ علیہ السلام
 راہول کافی ص ۶۹ باب الدعایہ والصلوات آپ کے ادیب اعظم نے اس روایت کا یہ ترجمہ لکھا ہے
 فرمایا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کہا یحییٰ بن زکریا روتے تھے اور ہنستے دتھے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام
 ہنستے بھی تھے اور روتے بھی تھے اور ان کا یہ طریقہ یحییٰ کے طریقہ سے افضل تھا۔ اثنی عشری ترجمہ اصول کافی جلد دوم
 ص ۱۶۶۴ اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ روتے بھی اور ہنستے بھی۔ لہذا اس حدیث سے آپ کے روتے
 ہی روتے کا فلسفہ باطل ہو گیا (ب) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا رونا بھی مصیبت کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپ نوح الہی
 کے تحت روتے تھے چنانچہ علامہ خلیل قزوینی اصول کافی کی شرح حامی میں اس روایت کے تحت لکھتے تھے :-
 ”گر یہ می کرد از ترس عذاب الہی و خندہ ہرگز نمی کرد یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام عذاب الہی کے مفرد سے روتے تھے
 اور کبھی ہنستے نہ تھے۔ بہر حال جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح مصیبت
 پر زیادہ روتے اور جزع فزع کرنے اور نہ پیٹنے وغیرہ افعال ماتم سے بھی منع فرمایا۔ اور ائمہ اہل بیت سے بھی اس
 کی مماثلت ثابت ہے جس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔ لیکن آپ فطرت و اعتدال کو کیا سمجھیں یہ تو حضرت زینب
 کی بددعا کا اثر بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ پر ماتم ہی ماتم محیط ہے۔“

(۲) سورۃ آل عمران کی جس آیت سے منع رکھنے پر میں نے استدلال پیش کیا، آپ نے سنی و شیعہ مفسرین سے
 لائے تھے اور ترجمہ بھی لکھ دیا اور انتہا اعلیٰ کا بھی لیکن درمیانی جملہ لائے تھے اور ترجمہ نہیں لکھا۔ جو بلا بحث
 تھا اب ملاحظہ فرمائیں (۱) سنی علماء میں سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں۔ اور رنج منت کرد اور یہ یاد
 رکھیں کہ آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی دہلوی کو سنی تسلیم کر لیا ہے۔ (ب) مولانا احمد رضا خاں صاحب دہلوی لکھتے
 ہیں اور نہ عم کھاؤ۔ (ج) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ اور عم نہ کھاؤ اور شیعہ علماء میں سے مولوی
 مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ اور رنجیدہ نہ ہو۔ (ترجمہ مقبول) مولوی فرمان علی لکھتے ہیں۔ اور اس رائے
 شکست سے رٹھو نہیں۔ (ج) اور مولوی امداد حسین صاحب کاشمی لکھتے ہیں۔ اور نہ عم کھاؤ

(۳) آپ کا یہ لکھنا ہی کتنی دیدہ دلیری پر مبنی ہے کہ خدا نے قرآن مقدس میں کسی مقام پر بھی انسان کو غم کی

حالت میں رونے سے منع نہیں فرمایا۔ کیا یہ آیت قرآن مقدس کی آیت نہیں ہے جس میں لائے تھے اور غم نہ کھاؤ فرمایا
 ہے ہاں ممکن؟ بقیہ شیعہ جو قرآن امام غائب صاحب غار شریعت زانی ہی میں لے کر بیٹھے ہیں اس میں یہ حکم
 نہ ہو (ب) اگر حجون کا معنی غم ہے اور جنگ احد میں شہداء نے احد کا غم مسلمانوں کو لایا تھا۔ اور اس پر یہی
 آیات نازل ہوئیں تو باوجود اس کے آپ کا یہ فرمانا کہ مصیبت پر غم کی وجہ سے رونے کی اللہ تعالیٰ نے کسی
 جگہ بھی ممانعت نہیں فرمائی کیا قرآن مجید کا انکار نہیں۔ (ج) آپ نے تو سمجھا ہی نہیں۔ دوسروں کو سمجھانے کے
 لئے یہاں شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا پیش کرتا ہوں۔ جو انہوں نے حسب ذیل آیت کا لکھا ہے
 وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰلٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (سورۃ النحل۔ رکوع ۱۱)
 اور اے رسول! صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہو گا مگر اللہ ہی کی مدد سے۔ اور ان شہداء نے
 احد کے متعلق رنج کرو اور رکناف جو چال چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو۔“

اس آیت کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ: مطلب یہ ہے کہ جو اصحاب شہید ہو
 ہو گئے ہیں ان پر جو بے ادبی بعد شہادت ان کے ساتھ کی گئی ہے اس پر رنج و غم نہ کھاؤ اور ترجمہ مقبول۔ استقلال
 پریں لاہور بار پنجم) جب آپ کے مابہ ناز شیعہ مفسر یہ تشریح کر رہے ہیں کہ سورۃ النحل کی مندرجہ آیت لائے تھے
 علیہم شہداء نے احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان شہداء کے کلام کے متعلق رنج و غم کھانے سے ہی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا۔ تو اس کے باوجود آپ کا یہ لکھنا کہ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی انسان کو غم کی حالت
 میں رونے سے منع نہیں فرمایا۔ کس قدر سفید جھوٹ ہے جو ماتم حسین کی تائید میں بولا گیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ
 اس قسم کے اکاذیب اور باطل پر مشتمل کتاب فلاح الکونین کی تعریف مولوی محمد حسین صاحب دہلوی فرما رہے ہیں جن کو
 شیعہ مجتہد العصر مانتے ہیں

(۱) آپ کے مجتہد مفسر شیخ طبری لکھتے ہیں: وَلَا تَحْزَنْوا بِمَا یصیبکم فی اموالکم وابدانکم
 (تفسیر مجمع البیان جز رابع ص ۲۰۹) اور نہ غم کھاؤ جو اس کے جو تم کو تمہارے مالوں اور تمہارے بدنوں کو مصیبت
 پہنچے۔ اس میں بھی غم کا تعلق مالی اور بدنی مصیبت کے ساتھ مان لیا۔ (۲) اہل سنت کی تفسیر خازن میں ہے: یعنی
 لَا تَحْزَنْوا اَعْلٰی مَنْ قَتَلَ مِنْکُمْ لِاِنَّہُمْ فِی الْاٰجِلِ (یعنی نہ غم کھاؤ تم ان پر جو تم میں سے قتل کئے گئے

ہیں کیونکہ وہ جنت میں ہیں فرمائیے جب شیعوں اور سنی مفسرین وضاحت کر رہے ہیں کہ قتل اور شہادت وغیرہ کی مصیبت پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غم کھانے سے منع فرمایا۔ اور مولوی مقبول احمد دہلوی کی تفسیر سے بھی ثابت ہو گیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہدائے احد کا غم نہ کھانے کا حکم دیا ہے۔ تو پھر آپ اس کے خلاف یہ کیا فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی مصیبت پر غم کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔ آپ حکم قرآن کے خلاف یہ نظر یہ کیوں اختیار کرتے ہیں اور اہل اسلام کو کتاب اللہ کے صریح حکم کے خلاف کیوں ترغیب دیتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی شہادت کا غم قیامت تک کھاتے رہو۔ اور نہ صرف غم بلکہ منہ پٹیٹے اور سینہ کھٹتے رہو۔ اور یہ بھی تو سمجھیں کہ آپ بزمِ خودِ محمد حسین کی بنا پر ماتم کرتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے غم کھانے اور اس کے باقی رکھنے سے بھی منع فرمایا اور آپ کے مردِ جہاد ماتم کا منی بھی ختم کر دیا گیا تو پھر اسلام میں ماتم کی گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی۔ لہذا مذکورہ آیت سے ماتم حرام ہونا لازماً ثابت ہو گیا۔ اور غم و ماتم حسین اور رونے دھونے کے آپ کے سارے فلسفے جو موافقہ مقولہ آپ اپنی کتاب میں بیان فرما دیتے ہیں سب باطل ہو گئے۔ جاہِ الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زهوقاً حق ایسا اور باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگنے والا ہی ہوا کرتا ہے آپ نے یہاں سیرت النبی کے حوالہ سے شہدائے احد کے ماتم کا ذکر کیا ہے جس کا مدلل رد دلیل نمبر ایک بحث میں گذر چکا ہے پھر ملاحظہ فرمائیں۔

غلبہ اسلام اور ملکی فتوحات

آپ نے لکھا ہے کہ غلبہ کا وعدہ تو حضور کی زندگی میں پورا ہو چکا تھا۔ محض ملکی فتوحات کو رفع مدارج اور کمال ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ناس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد ایمان قرار دیا ہے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کو کسی ناسق سے مدد مل جاتی ہے۔ جیسا کہ کنز العمال ج ۱ ص ۱۸ ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اس دین کو ناسق آدمی سے بھی مدد پہنچا دیتا ہے (فلاح المؤمنین) الحجاب (۱) بیشک غلبہ کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی پورا ہوا۔ لیکن دور رسالت میں غلبہ دین کس جماعت کے ذریعہ ہوا۔ جو آیت میں۔ نئے پیش کی ہے۔ وَاَنْتُمْ اِلَّا عِلْوٰنٌ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد شعبی نے یہ لکھا ہے۔ حالانکہ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے (ترجمہ مقبول) اس

سے ثابت ہوا کہ جس غلبہ کا وعدہ اس آیت میں ہے وہ مومنین کے ذریعہ ہی حاصل ہو گا۔ نہ کہ ناسیقین کے ذریعہ اور مومنین سے مراد بھی وہی مومن ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھے۔ یہ وعدہ بعد میں آنے والے مومنین کے متعلق نہیں ہے۔ دوسری آیت میں ہے۔ هُوَ الَّذِي اَيَّدَكَ بِبَنِي إِسْرَائِيلَ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَالْفِئْتَيْنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَمَّا لَفَّ بِيَنْوَيْمِمْ طَرَاثُ عَزِيْزٍ حَكِيْمٍ ۝ رپ ۱۰ سورۃ الانفال ۸۲ مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے وہ وہی ہے جس نے اپنی امداد سے اور مومنین کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی تھی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ہے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اسے نبی تمہارے لئے اللہ اور مومنین ہیں سے جو تمہارا

غلبہ دین کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلافی نظریہ

اتباع کرتے ہیں وہی کافی ہیں (ترجمہ مقبول) ان آیات میں بھی تصریح ہے کہ (۱) مومنین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ (۲) ان مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے الفت و محبت ڈال دی جو مال و دولت وغیرہ ظاہری اسباب کی بنا پر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ تو مذکورہ دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین کا غلبہ نصیب ہوا۔ وہ ان مومنین کا ملین کی تائید و قربانی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جس کی توفیق ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی۔ (۳) اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ غلبہ دین باقی رہا یا نہیں۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جن مومنین کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کو شوکت اور غلبہ عطا ہوا۔ انہی کے ذریعہ دور رسالت کے بعد بھی اسلام کا غلبہ روم، ایران اور افریقہ تک پھیل گیا۔ اور کفار کے مقبوضہ ممالک خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان زو النورین کے دور خلافت میں اسلام کے زیر نگین ہو گئے۔ اور دنیا نے کفر کے ایک وسیع اور بعض علاقے پر چھم اسلام لہراتا رہا۔ اس لئے خصوصاً یہ تین خلفاء از روئے قرآن یقیناً مومن کامل ہیں۔ اور ان کی حکومت خلافت راشدہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غلبہ دین کی پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات ہیں۔ لیکن اس کے برعکس شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ (۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے چند اشخاص کے وہ ساری جماعت

مومنین نعوذ باللہ منہ ہو گئی اور دشمن اسلام بن گئی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی تھی اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت و الفت ڈال دی تھی۔ اور جن کے ذریعہ مکہ فتح ہوا تھا اور جن کی نصرت سے ملک عرب میں اسلام کو مکمل غلبہ نصیب ہوا تھا (رب) جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والے تھے جنہوں نے بدر و احد اور خندق و حنین میں کفار کا مقابلہ کیا اور جنہوں نے سب سے پہلے مکہ فتح کر لیا۔ وہ سب سوائے تین چار کے حضرت علی المرتضیٰ کے مخالف ہو گئے اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو خلافت حضرت علی کو عطا کی گئی تھی وہ بھی انہوں نے زبردستی چھین لی۔ حضرت فاطمہ الزہراء کے باغ و خاک پر قبضہ کر لیا۔ سبھی کہ حضرت حضرت علی المرتضیٰ کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر ان کو مسجد میں لے گئے اور العیاذ باللہ حضرت فاطمہ الزہراء کی پسلیاں توڑ دیں اور دروازہ گر کر ان کا محل سافظ کیا اور بیٹے میں جو بچہ تھا اور جن کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرسن رکھا تھا اس کو شہید کیا اور ۲ سال اپنے دور خلافت میں ان تین خلفاء نے اسلام کے خلاف نظام جاری کیا۔ اور جھوٹی احادیث کی اشاعت کرائی۔ اور اہل بیت پر مظالم توڑے تو اب ہمارا سوال یہ ہے کہ پھر سورۃ آل عمران میں جو اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ فرمایا۔ کہ اگر تم مومن رہے تو تم ہی غالب آؤ گے۔ اس وعدہ کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ان تین خلفاء اور ان کی جماعت پر چھکوں غالب نہ ہو گئے۔ اس بارے میں شیعہ عقیدہ کو سچا مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی مومن ہی نہ تھے۔ ورنہ وہ مغلوب نہ ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو غالب کرنے کا وعدہ فرمایا تھا جو ہمہ رسالت میں موجود تھے۔ کیا قرآن کی ان آیات کے بعد کوئی مومن یہ عقیدہ قائم کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو مومنین کو غلبہ عطا کرنے کا تھا لیکن حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اللہ کا یہ وعدہ پورا نہیں ہونے دیا۔ اور ۲ سال تک

لے شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ اعلان کرتا ہے کہ ان مومنین کے دلوں میں اس نے الفت و محبت ڈال دی لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ وغیرہ آپس میں سخت دشمن تھے اور اہل بیت پر یہ مظالم ان خلفاء نے عداوت کی بنا پر ہی کئے تھے کیا اس نظریہ کے بعد اس آیت پر ایمان باقی رہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔

شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کو بالکل لے لیں اور مچھو کر دیا۔ (۳) یہ صرف ملکی فتوحات کی پیش گوئی نہیں بلکہ مومنین کو غلبہ دین عطا کرنے کی پیش گوئی ہے۔ اس لئے آپ کی بیٹا دلوں باطل ہے کہ اگر ان اصحاب و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہو تو یہ زہری حکومت کا غلبہ تھا ذکر دینی خلافت کا۔ اور عوام شیعہ کو آپ اسی اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو صرف ملکی فتوحات ہیں جو کفار کو بھی نصیب ہو جاتی ہیں۔ غلبہ دین اور خلافت راشدہ کے متعلق ان شاء اللہ بعد میں کسی عنوان کے تحت مفصل مدلل عرض کیا جائے گا۔ (۴) آپ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ناسق آدمی سے بھی مدد پہنچا دیتا ہے۔ تو اس کا غلبہ دین کی اس پیش گوئی سے تعلق نہیں جو مذکورہ آیات میں بیان کی گئی ہے (۵) اس حدیث کا تعلق تو بعد کے زمانوں سے ہے کہ کبھی کوئی ایسا شخص بھی دین کے لئے قربانی دے دیتا ہے جو خود صالح نہیں ہوتا اور فاسق بنا کر دار رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے دین کا وقار قائم ہو جاتا لیکن آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حدیث کا مصداق بھی نہیں مانتے کیونکہ آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ نعوذ باللہ خلفائے ثلاثہ نے اپنے دور خلافت میں دین کو برباد کیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ یہ تسلیم کر لیں کہ گویہ خلفاء خود مومن صالح نہ تھے لیکن ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو طاقت عطا فرمائی۔ تو پھر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان خلفاء نے اسلام نے دین حتی ہی چھیدا یا تھا۔ اور ان کے عہد خلافت سے لے کر اب تک حرمین شریفین کو مظلم اور دین منورہ میں اصولی طور پر مذہب اہل سنت والجماعت ہی موجود ہے اہل سنت کی اذان اہل سنت کی نماز اور اہل سنت کی عبادات ہی رائج ہیں اس لئے مذہب اہل سنت ہی برحق ہے۔ کیا آپ یہ نتیجہ تسلیم کر سکتے ہیں؟ (۶) اس حدیث میں ناسق کے ذریعہ تا بعد دین کا ذکر ہے۔ اور ناسق وہ ہونا ہے جو ایمان تو رکھتا ہو لیکن اس کا عمل خلاف شریعت ہو۔ لیکن آپ العیاذ باللہ ان خلفائے ثلاثہ اور ان کے ملنے والوں کو تو سرے سے مومن ہی نہیں سمجھتے۔ لہذا اس حدیث سے بھی آپ کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ دے تو مذکورہ آیات کی روشنی میں ہی ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت راشدہ پر کامل یقین حاصل ہو سکتا ہے۔

”خلافت کا چمن“

اس میں بوجہ و عمر ہوں یا ہوں عثمانؓ و علیؓ سب کی خوشبو سے مہکتا ہے خلافت کا چمن

گنبد حضرت اہ شہادت دے رہا ہے آج تک پابندی ہے خواجہ کوئین کی ان کا وطن

زندہ و پائندہ ہے وہ دل الی یوم التناور

جس میں ان چاروں کی الفت کا ہے ربا موجدان (مولانا نظری حائ)

روایتم میں قرآنی آیت نمبر ۱

ہم نے روایتم میں ایک یہ دلیل پیش کی تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کو ارشاد فرمایا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ رِیَابَہُ ۲۰۔ سورہ العنکبوت

۲۰ ع "تہ خوف کر اور نہ غم کھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خوف کو دل سے نکالنا مطلوب ہے اسی طرح غم کو دل سے نکالنا بھی پسندیدہ ہے" روایتم کیوں نہیں کرتے " (ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں۔ آیت کے سیاق و سباق کو ترک کر کے اپنا مطلب نکالے

اور درود سزوں کے عقائد کو ہدف طعن بنانے کے لئے آیت کے باقی حصہ کو چھوڑ کر صرف دو لفظ نقل کرنا کیا علمی و ریاضتی نہیں ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم سے اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ صاحبان دانش خود اندازہ لگالیں کہ مذکورہ آیت کا حضرت امام حسین کی مجالس و ماتم کے جائز و ناجائز ہونے سے کیا واسطہ حضرت لوط علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنی قوم کو خلاف فطرت فعل سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن قوم نے آپ کے پند و نصائح پر کان نہ دھرا۔ آخر حویب الل کی بدکاری، سیاہ کاری حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے ان کے لئے بارگاہ رب العزت میں عذاب کی درخواست کی۔ خدا کے فرستادہ فرشتے حسین و حمیل لوطوں کی شکل میں بطور جہانم آپ کے پاس آئے ان کو دیکھ کر ان کی قوم کو موقوف حرکت کا خیال آیا تو بے حد پریشان ہوئے۔ آپ کو حکم مندریکھ کر دتال ان فرشتوں نے کہا (لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ) اندیشہ نہ کریں اور رنجیدہ نہ ہوں ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ اس قوم پر عذاب آنے کی خبر لے کر آئے ہیں۔ اِنَّا صُنَّجُوکَ وَاَهْلَکَ الْاِصْرَ اِنَّکَ کَانَتَ مِنَ الْعَاصِیِیْنَ۔ ہم آپ کو اور خاص متعلقین کو سچا لیں گے۔ سوائے آپ کی بیوی کے جو عذاب میں رہ جائے گی۔ بتائیے اس میں گریہ و ماتم کے ناجائز ہونے سے کیا تعلق۔ ازکاف کا بی معلوم شد۔

الجواب (۱) علمی بددیانتی تو وہ ہوتی ہے جس میں ما قبل یا مابعد کی وہ عبارت چھوڑ دی جائے جو پیش کردہ عبارت کے خلاف ہو بتائیے کہ لائحہ عمل کا معنی ہے غم نہ کھا۔ کیا اس سے پہلے یا بعد کی عبارت میں کہیں یہ حکم ہے یا یہ

مقصود ہے کہ غم کھانے رہو۔ پھر اس سے علمی بددیانتی کیونکر لازم آگئی۔ علمی بددیانتی تو وہ ہے جس کے آپ نزدیک

ہوتے رہتے ہیں اور متعدد مثالیں اس کی پیش کر چکا ہوں (۱) اس آیت کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے

یہ لکھا ہے، اور جب ہمارے وہ فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کے آنے کی وجہ سے مغموم ہوئے

اور ان کے سبب دل تنگ ہوئے۔ اور فرشتوں نے جب یہ حال دیکھا تو وہ فرشتے کہتے لگے آپ رکی بات کا،

اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو سچا لیں گے۔ سچر آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب

میں رہ جائے والوں میں ہوگی۔ اس میں لائحہ عمل کا ترجمہ مولانا تھانوی نے "مغموم ہوں" کیا ہے (ب) مولانا

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے: اور انہوں نے کہا نہ ڈریے اور نہ غم کجھ (رج) حضرت شاہ عبدالقادر

محمد دہلوی لکھتے ہیں۔ اور وہ بولے تو نہ ڈرا اور نہ غم کھا" (د) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: یعنی اپنی قوم کی شرارت

سے ڈریں مت۔ یہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے ننگین نہ رہو۔ (د) مولوی مقبول احمد صاحب شعلی لکھتے ہیں

تو انہوں نے کہا کہ تم نہ ڈرو اور رنجیدہ ہو۔ (س) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی کا ترجمہ: اور وہ بولے تو مت ڈرا اور نہ

غم کرے۔ اس کے حاشیہ پر کاظمی صاحب موصوف لفظ سیبئی۔ ذرعاً اور سووم وغیرہ کے معانی کی تفصیل کرتے

ہوئے لکھتے ہیں: ضاق فلان بکذا۔ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ وہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو

اور اس سے نکلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (بحوالہ باب الزاویل جلد ۳ ص ۱۹۸) (لفات القرآن لغمانی جلد ۲ ص ۱۳۱)

اور امام رابعی اصفہانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: سووم ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں ڈال دے خواہ دنیوی اور

یہ سے ہو یا اخروی امور سے۔ احوال نفسیہ میں سے ہو یا احوال بدنیہ میں سے یا ان حالات میں سے ہو جو جاہ و مال

کے چھوٹ جانے اور دست کے پھٹ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لغوی معنی کی اس تفصیل اور علامہ شبیر احمد صاحب

عثمانی کی تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو جو غم لاحق ہوا وہ اس مصیبت کی وجہ سے تھا جو فرشتوں کے

نوعی صورت لوطوں کی شکل میں آنے پر قوم لوط کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے تھی جس پر فرشتوں نے

فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ غم نہ کھائیں۔ اور موضوع بحث بھی یہی ہے کہ کسی مصیبت کی وجہ سے اگر غم لاحق

ہو تو اس کو بڑھانا چاہیے یا گھٹانا۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے ثابت ہوا کہ خواہ کسی ہی مصیبت ہو

غم کو دل سے نکالنا چاہیے۔ اور یہ واضح طور پر آپ کے نام کی تردید ہے کیونکہ آپ کا نام غم حسین پر ہی معنی ہے آپ

غم کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتے ہیں اور غم کی مجال اور غم کے جلوس نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غم کو باقی نہ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا آپ کا ماتم اور اس کا فلسفہ اس ارشاد خداوندی کے خلاف ثابت ہو یا نہ؟ سخن شناس نہ دلیرا خطا این جا است :

رد ماتم کی آیت نمبر ۱
ہم نے رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے " میں لکھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا۔ **فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَالْقَبْرِ فِي الْبَيْتِ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي اِنَّا لَدَّوْهُ الْبَيْتِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ۲۰ سورۃ النقص - ۱۲) بس جب تجھ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور نہ خوف کر اور نہ غم کھا ہم پھر دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو پیغمبروں سے یعنی جو تکمیر بنی اسرائیل پر بھیجے ہوئے والے اسی لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے جوانوں کی سرداری ملنے والی ہے اس لئے ان کے بارے میں کسی قسم کا غم کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے (ص ۲۵) اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں: اس دلیل میں پورا قصہ نقل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف اپنے موقف یعنی غم نہ کرنے کو ثابت کرنے کے لئے آیت کا لفظی ترجمہ کر کے کہہ دیا گیا۔ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اس لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں۔ واہ و حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم مجلس کی ممانعت کی کیا خوب قرآنی دلیل ہے۔ اب یہ پورا واقعہ سنئے تاکہ آپ حضرت جان لیں کہ مادر موسیٰ کو وہ کون سا خوف اور غم تھا جس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ اس کے بعد مصنف موصوف سورۃ قصص کی دوسری آیات سے فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ کو یہ خوف لاحق ہوا اگر اس بچے کی خبر فرعون کو ہو گئی تو وہ اس کو قتل کر دے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اوحینا الی اُمّ موسیٰ موسیٰ کی ماں کو وحی کی۔ **اِنَّ اَرْضِیْہِہٖ**۔ تم اس کو دوڑھ پلاؤ۔ **فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِہٖ**۔ پھر جب تم کو فرعون کے جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو **فَالْقَبْرِ فِي الْبَيْتِ**۔ اس کو دریا کے پیر کر دو۔ **وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي** پھر اس کے متفق ہونے کا اندیشہ کرنا۔ اس کی مفارقت پر غم کرنا۔ کیونکہ **اِنَّا لَدَّوْهُ الْبَيْتِ** ہم ضرور اس کو تمہارے پاس پہنچا دیں گے **وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ**۔ اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے۔ آیت میں حضرت موسیٰ کی والدہ

کو حضرت موسیٰ کی سلامتی کی بشارت دی گئی ہے تاکہ مادر موسیٰ کو حضرت موسیٰ کے قتل یا غرق ہونے کا جو خوف ہے وہ دور ہو جائے۔ جب وہ خوف جس سے مادر موسیٰ رنجیدہ تھیں دور ہو گیا تو پھر کیا خوف اور کیا غم۔ اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام تو شہید کرنے گئے ہاں اگر موسیٰ شہید ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو غم کرنے سے منع فرماتا تو آپ کہہ سکتے تھے حسین کے ماتم دارو۔ دیکھو۔ موسیٰ اللہ کے رسول تھے وہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا غم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہذا تم بھی حسین کا غم نہ منایا کرو اور اس سے سخن شناس نہ دلیرا خطا این جا است

الجواب (۱) آپ اور سخن شناسی۔ یہ دونوں مشکل جمع ہو سکتے ہیں۔ اتنی لمبی چوڑی تقریر سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا اور میرے استدلال کا آپ نے کیا جواب دیا۔ آپ نے جو یہ لکھ دیا:۔ مادر موسیٰ کو وہ کون سا خوف اور غم تھا جس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی یہی آپ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے صراحتاً ثابت ہوا اور آپ نے بھی مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا غم دور کرنے کے لئے وحی بھیجی تھی۔ اور یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی قسم کا ہی غم لاحق ہو تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ غم کا باقی رکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اس کے خلاف آپ کا من گھڑت مامی فلسفہ یہ ہے کہ غم کو باقی رکھنا چاہیے اور انسان ساری عمر رونے دھونے کے لئے ہی آیا ہے۔ لیکن آپ کا یہ فلسفہ اس حکیم خداوندی کے سخت مردود ہے (ب) کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اپنے بچے کا غم معمولی تھا۔ ایک تو آپ کو اس کے نقل کا خوف تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لَا تَخَافِي**۔ کہ خوف نہ کرنا اور پھر دریا میں ڈالنے کے بعد بچے کے ڈوبنے وغیرہ کی مصیبت کا غم لاحق ہونے والا تھا۔ اس لئے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالنے کا حکم دینے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا غم بھی دکھانا تو کسی مصیبت پر غم کھانا اگر پسندیدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع کیوں فرماتے۔ (ج) آپ کا آخری نکتہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دینا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو غم کھانے سے منع فرمایا اور امام حسین چونکہ شہید ہو گئے ہیں اس لئے ان کا غم ممنوع نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ کوئی علمی نکتہ نہیں بلکہ آپ کے غرابیات میں سے ایک غرابیہ ہے جس کو آپ گاہے بگاہے تاریخین کی ضیانت طبع کے لئے پیش فرمایا کرتے ہیں۔ کیا آپ اتنا نہیں سبھی سمجھتے کہ اس وقت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر ایک مصیبت طاری تھی اور اپنے ہاتھ سے انہوں

نے اپنے پیارے بچے کو دریا میں ڈالنا تھا۔ لیکن آئندہ چونکہ یہ مصیبت دور ہونے والی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ مکرمہ کے پاس واپس آنے کے بعد منصب رسالت پر فائز ہونا تھا۔ اور یہ سب امور باعث مسرت ہیں اس لئے ان کے تصور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غم نہ کھانے کا حکم دے دیا۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت تو ہم نے دیکھی ہی نہیں۔ شہادتِ حسین پر صدیاں گزر چکی ہیں۔ مگر ہمارا عقیدہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ ہے کہ حضرت حسینؑ مقام شہادت پر فائز ہو کر جنت کا رزق کھا رہے ہیں اور وہاں آپ کی روح مبارک کو کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی تکلیف نہیں۔ اور صدیوں سے وہ جنت کی لذت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو آئندہ کی متوقع خوشی کی بنا پر غم نہ کھانے سے منع فرمایا۔ تو حضرت حسینؑ کی یقینی خوشی اور راحت کی بنا پر ہمارے لئے اب غم و الم کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔ جب دوران مصیبت غم نہ کھانے کا حکم خداوندی ثابت ہے تو مصیبت ختم ہونے کے بعد ہمارے لئے غم کھانا کیونکر جائز ہو جائے گا۔ اسی بنا پر تو میں نے آپ کے مائی دلائل کی بحث نبرا میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ سوال پیش کیا تھا کہ مضر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا انیسوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں آتا اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں؛ رہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص (د) آپ کا یہ حکمت کہ ہاں اگر موسیٰؑ شہید ہو جائے اور اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو غم کرنے سے منع فرماتا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ حسینؑ کے ماتم واروغ۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا کہ آپ اس صورت میں بھی اپنے ماتم سے باز آجاتے کیونکہ جب سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت کی بحث کے سلسلہ میں سورۃ النحل پارہ ۱۴ کی آخری آیت دلائل میں علیہم سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہدائے احد کا غم کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا حسب ذیل ترجمہ بھی بطور اتمام حجت پیش کر دیا اور ان شہدائے احد کے متعلق رنج نہ کرو لیکن پھر بھی آپ اس حکم خداوندی کے خلاف اپنے ماتم پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اس کو نہ صرف جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں تو کیا آپ کا موجودہ قرآن پر ایمان بھی ہے یا کہ نہیں۔ کسی شاعر نے آپ جیسوں کے سمجھانے کے لئے کیا خوب کہا ہے۔

حسینؑ زندہ ہیں جنت میں چین کرنے ہیں، حسد ہے ان سے جنہیں شہرہ میں کرتے ہیں
خوشی سے ان کی جو خوش ہیں وہ غم سے ہیں آزاد جو اس سے جلتے ہیں۔ دن رات بین کرتے ہیں
ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں ایک آیت بھی پیش کی گئی تھی۔ **الَا إِنَّ**
رِدْمَاتِمَ كِي قِرَانِي آيْتِ نَمْبَرِي اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون۔

خبردار۔ اولیاء اللہ کی شان ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ عبادت تو اولیاء اللہ کی روحانی غذا ہوتی ہے۔ اگر غم و ماتم بھی عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولایم یحزنون نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو غم کی یاد گاریں منانے والے ہیں؛ رہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص (۲۸)

اس کے جواب الجواب میں نکتہ شناس مصنف لکھتے ہیں: مذکورہ بالا آیت سے مابعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الذین آمنوا وکانوا یتقون**۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ **لہم البشیر فی الحیوة الدنیاء و فی الآخرة**۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے دنیا و آخرت آخرت میں ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ بشارت ہے اولیاء اللہ کے لئے کہ قیامت کے دن ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون (رنجیدہ) ہوں گے۔ بتائیے۔ اس آیت میں حضرت امام حسینؑ کی یادگار غم منانے کی ممانعت کہاں ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ ماروں گھٹنا چھوٹے آنکھ۔

سماع و عظ کجا نغمہ رباب کجا بیس تفاوت راہ از کجاست تا کجا
الجواب (د) چونکہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ماتم کرنا عبادت ہے اس کا مینی غم مصیبت حسینؑ ہے اس لئے میں نے اس آیت سے غم و ماتم کے عبادت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور میں نے تصریح کر دی ہے کہ اگر غم و ماتم بھی عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولایم یحزنون نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو غم کی یاد گاریں منانے والے ہیں؛ لیکن اس کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے تو صرف یہ لکھا ہے کہ اس بشارت کا تعلق قیامت سے ہے کہ اس دن ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ (۲) مجھے اس پر اصرار نہیں ہے کہ اس آیت میں نفی حزن کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے۔ لیکن اس کی مراد میں مفسرین کا اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کو خوف و غم نہیں ہوتا۔

چنانچہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی لکھتے ہیں: بعض نے فرمایا ہے کہ ولایت نام ہے قرب الہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔ (خزان المعرفان فی تفسیر القرآن)

(ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں: "خوف سے خوف حق اور غم سے غم آخرت مراد نہیں ہے بلکہ دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء سے ہو سکتا ہے وہ مومنین کا ملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اللہ پر اعتماد ہوتا ہے۔ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں۔" نیز لکھتے ہیں: "اور خوف و حزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی من جانب اللہ خوف و حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے۔" (تفسیر بیان القرآن)

(ج) علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: "بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے۔ یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف سے خوف حق یا غم سے غم آخرت مراد نہیں۔" ہم کہتے ہیں کہ غم کی نفی کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو یا آخرت کی زندگی سے، اولیاً اللہ کی اس صفت خاصہ سے آتما تو معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اس دنیوی زندگی میں بھی مخلوق کا خوف اور حزن غالب نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایک بہادر شخص پر دشمن کا خوف غالب نہیں ہو سکتا۔ گو بٹری لگانا کے تحت وقتی طور پر اس کو کچھ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق ان کی شان کے مطابق قرآن میں بھی خوف کا لفظ مذکور ہے۔ اس طرح صابر شخص پر بھی کسی عزیز و بزرگ کی جدائی یا قتل کی مصیبت کا غم غالب نہیں ہوتا۔ گو طبعی طور پر اس کو غم لاحق ہو جاتا ہے لیکن خوف و حزن دونوں حالتوں میں عوام و خواص ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عوام کے دلوں پر پریشانی کا غلبہ ہو جاتا ہے لیکن خواص یعنی اولیاء اللہ کے قلوب مطمئن رہتے ہیں گو جسمانی تکلیف و اذیت ان کو بھی پہنچتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (جو لوگ ایمان لائے اور ان

کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ خبر وارد آگاہ رہو) کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اور جب کہ خارجی اسباب کا اثر اولیاء اللہ کے دلوں پر غالب نہیں ہوتا تو پھر مصائب کے بارے میں بھی ان کی یہی خصوصیت

ہوگی کہ ان پر رنج و غم غالب نہ ہو۔ لیکن مائتی فلسفہ تو ہے کہ مصائب کی وجہ سے جتنا مومنین پر رنج و غم غالب ہو اور پھر وہ اس کے تقاضے سے دیواروں کے ساتھ ٹکریں ماریں تو وہ صابرین اور کاملین میں سے ہیں۔ حالانکہ امام الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی بھی غم غالب نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی آپ نے منہ پٹیا اور نہ سینہ کوبی کی لہذا مومنین کا حال یہی ہے کہ رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و کمالات سے ان کو زیادہ مناسبت و مشابہت نصیب ہو جائے۔ اَلَّذِينَ هُمْ كَرُجُلٍ ذُرِّيَّةٌ (کیا تمہیںوں میں کوئی شخص بھی عقل و فہم رکھنے والا نہیں ہے؟) (د) اور اگر انبیاء و اولیاء کو طبعی طور پر کسی موقع پر خوف و حزن لاحق ہوا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دور کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۱) فرعون کے جادو گروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (آپ مت ڈریں۔ آپ ہی غالب ہونے والے ہیں) (۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی فرمایا لَا تَخَفْ (آپ خوف نہ کریں) (۳) حضرت لوط علیہ السلام کو ارشاد ہوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (آپ خوف بھی نہ کریں اور غم بھی نہ کریں) (۴) امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (آپ ان (شہداء) پر غم نہ کھائیں۔) (۵) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو اولیاء اللہ سے افضل ہیں) فرمایا لَا تَهَمُّوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (اور سست مت ہو اور نہ غم کرو) ان آیات میں انبیائے عظام اور صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوف یا غم نہ کرنے کے ارشاد سے ہر صاحب عقل و انصاف یہی نتیجہ نکالے گا کہ خوف و حزن کو طبعی حالتیں ہیں لیکن ان کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے اور اگر آپ یا دوسرے مائتی لوگ اپنے خود ساختہ نظریہ یا تم سے بلند تر ہو کر غور فرمائیں تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو اتنا تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے خوف و حزن دونوں سے نبی فرمائی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ غم کے جلوس نکالتے ہیں اور مجالس غم قائم کرتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ مجالس خوف بھی قائم کریں اور ڈور اور خوف کے جلوس بھی نکالیں

رد ماتم کی قرآنی آیت نمبر
ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ بھی دلیل پیش کی تھی کہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غار ثور

میں دشمنوں کی وجہ سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غم لاحق ہوا اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یار غار سے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (نہ غم کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) سورۃ توبہ ۶۲۔ اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- حضرت رسول اکرم جیسے نورانی بزرگوار کا شب بھرت، یعنی سے دور غارتوں میں پوشیدہ ہونا۔ ایسی حفاظتی تدبیر ہے جس کو آجکل (سول ڈیفنس) کی اصطلاح میں Emergency Room پناہ گاہ کہتے ہیں۔ ایسی پناہ گاہ میں رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ناانگہانی دشمنوں سے گھبرا جائے، جہاں کے خوف سے حزن و دلال کا شکار ہو جائے، جی ہار بیٹھے، دل چھوڑ دے، وہاں سوائے لَا تَحْزَنْ کے اور کہا بھی کیا جاسکتا ہے۔ گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں، جہاں کے خوف سے لٹنے والے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لَا تَحْزَنْ حضرت امام حسین علیہ السلام کے گریہ و ماتم کے ناجائز اہرام ہونے کی دلیل کیسے بن گیا؟

ع نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے تم یہ جیتان کب تک

(فلاح الکونین ص ۵۸)

الجواب (۱) آپ نے لَا تَحْزَنْ کے تحت جو کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لکھا ہے اس سے تو ثابت ہو گیا کہ آپ کو بغض حضرت ابوبکرؓ سے نہیں بلکہ دراصل قرآن عظیم سے ہے اور آپ اس طریق سے کتاب اللہ سے عوام کا اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں اور نہ صرف حضرت صدیق بلکہ ان انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی لوگوں کو بدظن کرنا چاہتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لَا تَحْزَنْ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ (۱) لَا تَحْزَنْ کے معنی ہیں "نہ غم کر" اور ان الفاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نقل فرما دیا ہے تو اگر ان الفاظ کا مستند ہی ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آپ لکھ رہے ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی لَا تَحْزَنْ فرمایا ہے اس کا حال وہی تھا جو حضرت ابوبکرؓ کا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط پیغمبر علیہ السلام سے بھی فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ وَ لَا تَحْزَنْ (نہ خوف کر اور نہ غم کھا) حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بھی حزن کا لفظ ہی مذکور ہے وَ ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ (اور آپ کی آنکھیں حزن و غم کی وجہ سے سفید ہو گئیں)۔ بلکہ خود نبی کریمؐ کو بھی فرمایا لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (پارہ ۱۳ کربخ آخری) آپ ان یعنی شہدائے اللہ پر غم نہ کھائیں) اور جنگ احد

کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا لَا تَهْتَمُوا وَ لَا تَحْزَنْ لَوْ رَدُّوا رُءُوسَهُمْ (نہ سستی کرو اور نہ غم کرو) تو اگر آپ کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ کو لَا تَحْزَنْ فرمانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو انتہائی خوف لاحق تھا، جی ہار بیٹھے اور دل چھوڑ بیٹھے تھے تو حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت لوط، صحابہ کرام، حتیٰ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آپ کا یہی خیال ہو گا کہ نعوذ باللہ جی ہار بیٹھے اور دل چھوڑ بیٹھے تھے وغیرہ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی لَا تَحْزَنْ سے خطاب فرمایا ہے اور آپ کے باطن میں تو یہی مرض پوشیدہ ہو گا لیکن بظاہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنا کر دشمنان قرآن کو ایک راستہ بتلا دیا ہے کہ جس کو بھی لَا تَحْزَنْ کہا جائے اس کو حضرت ابوبکرؓ کی طرح عیب دار سمجھو اور ایسے شخص کو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کا مقبول و محبوب بالکمال بندہ نہ سمجھو جب حضرت ابوبکرؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ گاہ میں تھے لیکن انبیائے کرام اور بالخصوص رسول کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی پناہ گاہ میں تھے پھر ان کو کیوں خوف لاحق ہوا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی لَا تَحْزَنْ فرمایا (ارج) آپ نے علمی بددیانتی کی بنا پر حضرت صدیق پر بہتان تراشی کی ہے کیونکہ آیت

لَا تَحْزَنْ کے الفاظ میں بن کا معنی ہے "غم نہ کر" لیکن آپ نے اس کا مطلب یہ نکال دیا کہ ڈر مت "فرمائیے کیا غم اور خوف ایک ہی حالت کا نام ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی سے ڈرتا ہو تو کیا اس کو یہ کہا جاتا ہے کہ غم مت کر ڈرنا اور غم کرنا تو دو جدا جدا حالتیں ہیں۔ اگر صدیق کبیر کے دل میں دشمنوں کا خوف ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی لَا تَحْزَنْ فرماتے کہ آپ خوف نہ کریں۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کے دل کا حال معلوم نہ ہوا تھا یا اللہ تعالیٰ کو لفظ خوف کا استعمال کرنا نہ آتا تھا کہ بجائے لَا تَحْزَنْ کے لَا تَحْزَنْ فرما دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابوبکرؓ کے دل کی حالت غم کو لَا تَحْزَنْ ہی سے بیان فرمایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے غم کا ادراک کر کے لَا تَحْزَنْ ہی فرمایا۔ لیکن آپ ایسے نامی ہیں کہ رب العالمین اور جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے غم کی مراد کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق پر فرود فرما دیا ہے کہ ان کو غم محبوب نہ تھا بلکہ دشمنوں کی وجہ سے اپنی جان کا خوف لاحق تھا۔ کیا محبت امام حسین اور غم شہادت حسین کا یہی تقاضا ہے کہ کلام اللہ کی معنی لغوی کی جائے اور مقبولان حدادندی پر بہتان تراشیاں کی جائیں؟ کیا ایمان بالقرآن اسی کا نام ہے کہ آپ ان آیات کا مصداق نہیں۔ فَيَسْلُبْهُمْ مَرْصُوقًا فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرْصُوقًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا

کانوا بیکذبون ہر ان کے دلوں میں بیانیہ سوال اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری اور بھی بڑھادی ہے اور ان کیلئے دردناک علاج ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے لیکن آپ کا جواب آسان ہے

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب بلا تفسیر بسم نے کیا تھا ہمیں ثواب بلا

زیر بحث پوری آیت ہے **لَا تَحْزَنْ كَاشِي** اَلَّذِينَ كَفَرُوا وَتَآئِبِي اَلَّذِينَ اٰمَنُوْا اِنَّ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ اَلَّذِيْ اٰتٰنَا هٰذَا نِعْمَةً وَّ اَحْسَنُ اَلَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ عَلٰنَا اِنَّ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ اَلَّذِيْ اٰتٰنَا هٰذَا نِعْمَةً وَّ اَحْسَنُ اَلَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ عَلٰنَا

اِنَّ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ اَلَّذِيْ اٰتٰنَا هٰذَا نِعْمَةً وَّ اَحْسَنُ اَلَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ عَلٰنَا اِنَّ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ اَلَّذِيْ اٰتٰنَا هٰذَا نِعْمَةً وَّ اَحْسَنُ اَلَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ عَلٰنَا

اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کر گے تو کچھ پرواہ نہیں اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جب کہ ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ وہ رو میں کا دو سرا تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر۔ بے شک اللہ تم دونوں کے ساتھ ہے پس اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر دل سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو اس نے پست کر دیا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ بزرگوار اور حکمت والا ہے

ترجمہ مفصل الامام ابو موسیٰ امداد حسین صاحب کاظمی مفسر شیعہ نے لا تحزن کا ترجمہ "غم نہ کر" کیا ہے (۳) مولانا اشرف علی صاحب خانوی کا ترجمہ یہ ہے "تم کچھ غم نہ کرو" اور تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس میں قصہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے یہ غار مکہ معظمہ سے قریب ہے اس میں آپ اور حضرت صدیق تین روز تک رہے کفار آپ کو دھو ڈتے دھو ڈتے ایک تاکفیبی نشان شناس کے بتلانے سے اس غارت تک پہنچے اس وقت حضرت

صدیق کجھو آپ کی وجہ سے تکر ہوئی آپ نے ان کی تسلی کی **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ** چونکہ وہ غار پر عنکبوت یعنی مکڑی اٹے جلا بنا رکھا تھا اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا۔ سب لوٹ گئے اور اس قافلہ کو بے وقوف بنایا پھر آپ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے الخ تفسیر بیان القرآن دم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے جب کہنے لگا اپنے رفیق کو تو غم نہ کیا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے جس میں داخل ہوتے

کا راستہ صرف ایک تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر باہر بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا صرف لیٹ کر داخل

ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابو بکر نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کبوتر کاٹنا نہ کرے نہ بیچا کے ایک سوراخ باقی تھا اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا سب انتظام کر کے حضور سے اندر تشریف لانے

کو کہا آپ صدیق کے زانو پر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابو بکر کا پاؤں ڈس لیا مگر صدیق پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے مبادا حضور کی استراحت میں خلل پڑے جب آپ کی آنکھ کھلی اور قصہ

معلوم ہوا تو آپ نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی۔ اور کفار "تائف" کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا حضور کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غارتوں تک نشان قدم

کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جلا تین بیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیئے یہ دیکھ کر سب نے تائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم

ہوتا ہے اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح و سالم رہ سکتے تھے۔ ابو بکر صدیق کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے انہیں ٹکڑی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ رسول اللہ ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو

دیکھ پائیں گے حضور نے فرمایا کہ ابو بکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا فیصلہ اللہ ہے یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و الطینان حضور کے

قلب مبارک پر اور آپ کی برکت سے ابو بکر کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت تائید کی انہوں نے مولانا احمد رضا حال صاحب دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے جیب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ دیکھ

بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے قرآن مجید میں صرف اتنا ہی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے فرمایا **لَا تَحْزَنْ** اور اس کا معنی مشرین نے بھی بیان کیا کہ غم نہ کیا اور حزن کا لغوی معنی غم ہی ہے

لیکن ماہی مصنف اس سے مراد ہونا مراد لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: اگر حزن کے معنی غم دانہ روٹنا۔ دھونا نہیں تو پھر آپ بتائیں کہ آپ نے یہ دلیل

گر یہ دیکھا کی ممانعت میں کیوں پیش کی۔ (فلاح الکونین ص ۱۳۳) آپ کی یہ کٹنی بڑی جہالت یا تلبیس ہے کہ حزن کا معنی تو کرتے ہیں غم دانہ۔ لیکن بریکٹ میں اس سے مراد لیتے ہیں (روٹنا۔ دھونا) حالانکہ رونے کے لئے لفظ لکنا

تو کرتے ہیں غم دانہ۔ لیکن بریکٹ میں اس سے مراد لیتے ہیں (روٹنا۔ دھونا) حالانکہ رونے کے لئے لفظ لکنا

ہے۔ نہ کہ حزن۔ حزن صرف غم کو کہتے ہیں جو دل میں ہوتا ہے۔ اور رونا دھونا اس کے لئے لازم بھی نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے دل میں غم و اندہ ہوتا ہے لیکن وہ روتا نہیں۔ اس لئے قرآن مجید کے الفاظ لا تحزن سے حضرت ابو بکر کا رونا ثابت نہیں ہوتا (ب) میں نے یہ آیت ماتم کی تزیید کے لئے اس لئے پیش کی تھی کہ آپ کے ماتم کی بنیاد پر شہادت حسین کی مصیبت کا غم و اندہ تو جب اللہ تعالیٰ غم باقی رکھنے سے ہی منع فرما رہے ہیں جو بنیاد ماتم ہے تو ماتم کی ممانعت بھی اس سے ثابت ہو گئی۔ کیا کوئی عمارت بغیر بنیاد کے کھڑی ہو سکتی ہے۔ جب قرآن عظیم نے ماتم کی بنیاد ہی گڑی تو پھر ماتمی عمل خود بخود برباد ہو گیا (۲) آپ نے جواب البجاب میں حضرت ابو بکر صدیق کے رونے کے ثبوت میں مدارج النبوت کی عبارت کا ایک حصہ پیش کیا ہے یہاں ہم اس کے علاوہ باقی عبارت بھی پیش کرتے ہیں:۔ غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق راتوں رات اس نشیبی کھڑکی راہ سے نکلے جو حضرت ابو بکر کے گھر میں تھی اور اب تک وہ مکان اور کھڑکی قائم ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد دو غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسیّدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامان سفر اور زاد راہ تیار کیا تھا ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی ڈوری نہ تھی جس سے زاد راہ کو باندھتے۔ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت ہے کہ وہ تہنند کے ارپ کر بند باندھتی ہیں پھر اس کمر بند کے دو کڑے کئے ایک سے نوشہ دان کا دمان باندھا اور دوسرے کڑے سے کمر باندھی۔ اس بنا پر ان کو نہ اتنا نطانتیں یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر کو جو جوان اور عقلمند و ہوشیار شخص اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو قریش کے پاس گذاریں اور رات کے وقت غار ثور میں آکر کفار کی خبریں پہنچایا کریں۔ ارباب زبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلنے اور کبھی پیچھے چلنے تھے منقول ہے کہ راہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کو اپنے کاٹھنوں پر اٹھایا اور غار ثور کے دبانہ تک لائے۔ غار ثور میں حضرت صدیق پہلے داخل ہوئے تاکہ کوئی آنت اور تکلیف حضور کو نہ پہنچے کیونکہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں اس کے بعد حضرت صدیق نے

احتیاط کے ساتھ اپنی تیمتی چادر مبارک پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا۔ سوراخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی اٹھی مضبوطی سے لگادی اور رسول اللہ اندر تشریف لے آئے۔ حضور اندر تشریف لے آئے اور اپنا مبارک حضرت صبا رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور کچھوئیں نے حضرت ابو بکر صدیق کے پاؤں پر ڈنسا شروع کر دیا۔ نہ ناف کی اور نہ جنبش کی مبادا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور نیند میں خلل واقع نہ شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور کے چہرہ انور پر گرے جس سے حضور بیدار ہوئے فرمایا۔ ابا بکر لا تحزن ان اللہ معنا۔ اسے ابو بکر غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے سیکینہ نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام و قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ اور کچھوئیں نقصان پہنچا یا حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا غار میں جب ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہ رہا ہے تو مجھے رونا آ گیا جانتا تھا کہ حضور کو اتنی محنت و مشقت کی عارت نہیں ہے۔ مدارج النبوت حصہ دوم ص ۹۱۹ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں سے آپ نے صرف یہ ٹکڑا پیش کیا ہے۔ کچھوئیں نے حضرت ابو بکر صدیق کے پاؤں پر ڈنسا شروع کر دیا۔ یا ابابکر لا تحزن معنا: اس پر آپ لکھتے ہیں کہ اگر ہم کسی کو سانپ کے کاٹنے اور کچھو کے ڈسنے کی بنا پر روتے تو قرآن کریم کی آیت لا تحزن کی رو سے یہ مجالس ماتم ناجائز ہوتیں۔ ایسی تکلیف کا کام ہے۔ بڑے بوڑھوں کو اگر اس طرح کی کوئی تکلیف پیش آجائے تو ان کے لئے صبر کرنا لازم الکوین ص ۱۲۱) الجواب: اور اس سانپ اور کچھو کاٹ رہے تھے اور حضرت ابو بکر نے نہ ناف کی اور نہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ کیا بچوں کا صبر و ضبط ایسا ہی ہوتا، اگر آپ جیسے کرتے ہوئے غار سے باہر بھاگ جاتے (ب) آپ نے یہ بھی مان لیا کہ بڑوں بوڑھوں کو اس سے صبر کرنا لازم ہے یعنی صبر کا تقاضا یہ ہے کہ رویا بھی نہ جائے۔ لہذا منہ بیٹا اور سینہ کوٹنا تو یقیناً صبر کے خلاف ہے۔ کے بڑے بوڑھے کیوں ماتم کرتے ہیں (ج) حضرت صدیق کی آنکھوں سے سانپ کچھوئیں کے ڈس

آنسو نکلنا یہ بے صبری کی بالکل دلیل نہیں ہے صبری ہوتی تو پھرات اور حرکت تک نہ کرنے کا مطلب کیا ہے اس طرح اتنی شدید تکلیف میں آنسو نکلنا ایک غیر اختیاری طبعی اثر ہے جو کمال صبر کے بھی خلاف نہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ پیاز کاٹنے سے بھی آدمی کے آنسو نکل آتے ہیں کیا یہ بھی بے صبری کا نتیجہ ہوتا ہے (وہ بعد میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت صدیق کے رونے کی بحوالہ حدیث یہ وجہ بھی لکھ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی پاؤں مبارک سے خون بہتا دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو رونانا آگیا۔ لہذا ان دونوں وجہوں کی بنا پر آپ کا یہ نظریہ تو باطل ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ دشمنوں کے خوف سے رونے پھرتے جیسا کہ آپ نے شروع میں بطور طعن پیش کیا (۲) مدارج النبوۃ کی پوری عبارت سے تو حضرت صدیق کا انتہائی عشق ثابت ہوتا ہے (۱) حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی سے ہی رسول اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے (۲) حضرت عائشہؓ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسماء نے فوراً زاد سفر تیار کیا اور حضرت اسماء نے اپنا کمر بند چھڑا کر اسٹعمال کیا۔ اور ان کے بیٹھی حضرت عبد اللہؓ بھی رازدارانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روزانہ کھار کی خبریں پہنچاتے تھے۔ تو یہ سارا کتبہ رحمۃ اللعالمین کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ کیا خوب دشمنی ہے۔ (۳) راہ میں حضرت ابوبکرؓ نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کاندھ پر اٹھایا۔ اور یہ مائیموں کے نظریہ میں سخت عداوت ہے۔ (۴) غار میں پہلے خود گئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بند سے محفوظ رکھیں (۵) اپنا کپڑا پھاڑ کر سوراخ بند کئے اور ایک سوراخ میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ کوئی سانپ بچھو آئے تو پیچھے ان کو کاٹے۔ کیا یہی بغض و عناد کا مظاہرہ ہے؟ (۶) آخر سانپوں اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکرؓ کو ڈنبا شروع کر دیا اور آپ نے آٹ تک نہ کی ہتھی کمزوری اور بے سببی ہے کیا نامی ساجان بھی اپنے کسی نہ بھی دشمن کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ جو واقعہ غار حضرت صدیق کے کمال عشق و محبت پر قطعی دلیل تھا اور اس کا بنا پر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ معنا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے اس واقعہ کو یا ان ماتم نے حضرت ابوبکرؓ کی دشمنی اور بے صبری کی دلیل بنا دیا۔ آخر اس کچھ نہیں اور بیجا بغض و عناد کا کیا علاج؟

یار غار خواجہ فرید الدین عطار کی نظر میں

بنائی آئینیں اڈھما فی الغار است

چوں سیکندہ شد ز حق منزل برو گشت مشکلمہائے عالم حاصل برو
مولانا نظری علی خاں مرحوم نے واقعہ غار کے متعلق کیا خوب لکھا ہے۔ در زمان اسلام جن کی بیسی کچھ جیش کی مسیحی سرزمین پر سر چھپانے پر مجبور ہوئی تھی۔ اب کفر کی آنکھ بچا کر دارالاسلام مدینے کا عزم کرتے ہیں اور آخر میں ان کا سردار ملائکہ مقربین کی مدد سے دشمنان دین سے قائلانہ منصوبوں کو زک دے کر رات کی تاریکی میں اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر جاتا ہے۔ اس سفر میں اس کے صرف دو رفیق ہیں ایک صدیق اکبر دوسرا رب اکبر

شان نزول

یہ آیت غزوہ تبوک کے کس موقع پر نازل ہوئی ہے اس کے متعلق مولانا اشرف علی صاحب تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ تبوک ایک مقام ہے ملک شام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ وغزوہ خیبر وغیرہ سے فارغ ہوئے آپ کو خبر معلوم کہ روم کا نصرانی بادشاہ مدینہ پر فوج بھیجنا چاہتا ہے۔ اور فوج تبوک میں کہ اس کی عداوتی کے حدود میں ہے جمع کی جاوے گی۔ آپ نے خود ہی قصد سفر کے مقابلہ کے لئے فرمایا اور مسلمانوں میں اس کا اعلان عام کر دیا۔

اچونکہ وہ زمانہ گرمی کی شدت کا تھا مسلمانوں کے پاس سامان بہت کم تھا اور سفر بھی دروازہ کا تھا اس لئے اس غزوہ میں جانا بڑی ہمت کا کام تھا اس لئے ان آیات میں اس کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور چونکہ منافقین و جبہ عدم ایمان و عدم اخلاص کے اس میں طرح طرح کے بیانات پیش لائے اور ان کی طرح طرح کی خباثیں ظاہر ہوئیں اس لئے ان آیات میں ان پر بھی بہت تشبیہ ہوئی ہے غرض آپ اس مقام تبوک تک تشریف لے جا کر لشکر نصاریٰ کے منتظر رہے مگر وہ ایسے غروب ہوئے کہ ان کا حوصلہ نہ پڑا اور آپ وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہ کر خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ جب ۶۲۷ء میں ہوا۔ (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر لکھتے ہیں تفسیر قمی میں ہے کہ اس غزوہ کے موقع پر لوگوں کی حسرتی کا باعث یہ تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سفر اس سے زیادہ طویل اور اس سے زیادہ سخت نہیں کیا تھا اور وجہ اس غزوہ کی یہ تھی کہ موسم گرما میں شام کی طرف سے مدینہ منورہ میں محاطہ النسل لوگوں کا ایک قافلہ بفرس تجارت آیا کرتا تھا۔ اس سال میں لوگوں نے یہ خبر چھپائی کہ اہل روم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں

اور ان کے بادشاہ ہرقل نے اپنے بہت سے لشکر اور اپنے ماتحت قبائل ممالک بلقائیں بھیج دیے ہیں اور خود محض میں آگیا ہے پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ توک کی تیاری کے لئے حکم دیا (حاشیہ ترجمہ مقبول)

مذکورہ آیت کے ترجمہ اور شان نزول سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔

آیت غار سے فضائل صدیق کا ثبوت

(۱) اللہ تعالیٰ منافقین کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہیں کرو گے تو ان کا وبال تم پر ہی آئے گا۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے (۲) جیسا کہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی مدد فرمائی تھی جبکہ کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا (۳) جب کافروں کی شدید مخالفت کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خداوندی مکہ کو چھوڑا اور غار ثور میں پناہ لی تو اس وقت آپ کے ساتھ ایک دوست بھی تھا اور غار میں صرف یہی دو ساتھی تھے اور گویا نام نہیں ہے لیکن مخالفین بھی یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ ہی تھے۔ اور خود مصنف نلاح الکونین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے اس سے اہل انصاف یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ غار کے ساتھی یعنی حضرت ابو بکر صدیق یقیناً مومن ہیں کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے کافر ہی نکالیں اور پھر نفوذ باللہ حضور کفار کی پارٹی میں سے ہی ایک مخالف شخص کو اس مشکل ترین اور رازدارانہ سفر میں اپنا رفیق بنا لیں اور حضرت ابو بکر کو ساتھ لیجئے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت ابو بکر انتہائی وفادار بھی تھے اور قوی القاب بہادر بھی۔ ورنہ ایسے نازک موقع پر کوئی سمجھ دار آدمی ایسے شخص کو ساتھ نہیں رکھتا جو بزدل بھی ہو اور اس کی وفاداری بھی مشکوک ہو۔ (۴) چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم ازلی کی بنا پر یہ معلوم تھا کہ سفر ہجرت میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رفیق خاص کو بھی مخالفین اپنے بغض و عناد کی بنا پر طعن کریں گے اس لئے آیت میں لصاحبہ فرمایا یعنی حضرت ابو بکر صاحب رسول ہیں نہ کہ دشمن رسول۔ اس کا مخالفین یہ جواب دینے ہیں کہ غار میں اکل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے سے حضرت ابو بکر کا مومن ہونا ثابت

نہیں ہوتا جس طرح ان دو قیدیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں رہنے کی وجہ سے جن کو خوابوں کی تفسیر بتلائی تھی مومن لازم نہیں آتا۔ حالانکہ وہاں بھی لفظ صاحب ہی مذکور ہے یہاں صاحب کی تفسیر اسے میرے قید خانے کے ساتھ رہنے سے ہے۔ اسے میرے قید خانے کے دو رفیق اور مولیٰ امداد حسین صاحب کاٹھی لکھتے ہیں: اسے میرے قید خانے کے دو ساتھیوں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کا ساتھی نہیں فرمایا بلکہ قید خانہ کے ساتھی فرمایا کیونکہ صاحبی دراصل صاحبین ہے جو اسجن کی طرف مضاف ہے اور اس اضافت کی وجہ سے صاحبین کا وزن سا قاطباً صاحبی رہ گیا یعنی دو ساتھی قید خانہ کے۔ اور برعکس اس کے آیت غار میں لصاحبہ میں لفظ صاحب کی اضافت نمبر کی طرف ہے اور نمبر کا مرجع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے لہذا صاحبہ کا معنی ہے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب ان دو قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام گھر سے ساتھی بنا کر نہیں لے گئے تھے بلکہ وہ تو اپنے اپنے جرم کی بنا پر قید خانہ میں ڈالے گئے تھے۔ لیکن حضرت ابو بکر کو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے بلا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت صدیق نے اپنے عشق و محبت کی بنا پر اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا کر ایک دشوار گزار اونچی پہاڑی کو طے کر کے غار ثور میں پہنچایا تھا چنانچہ مشیہ مصنف "حملہ حیدری" میں بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

چہیں گفت راوی کہ سالار دین	چوں سالم بجز چہ سال آفرین
ز نزدیک آن قوم پُر مکر رفت	بسوئے سمرائے ابو بکر رفت
پئے ہجرت او نیز استنادہ بود	کہ سابق رسولش شب و روز
نبی بردر حستانہ اش چوں رسید	بجو شش ندائے سفر و رسید
چوں بوجہ نزال حال آگاہ شد	زخانہ بردوں رفت و ہمراہ شد
چوں رفتند چندین بدامان و شیت	قدم فلک ساجد و گشت
ابو بکر آن گاہ بدوشش گرفت	دلے زین حدیث است جائے گفت
کہ در کس چنان قوت آمد پدید	کہ بار نبوت تو اندک شبید

ترجمہ۔ راوی نے اس طرح روایت کی ہے کہ جب دین کے سردار اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے سلامتی کے ساتھ اس پر فریب قوم سے نکل کر حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے۔ تو وہ ہجرت کے لئے تیار تھے کیوں کہ حضور نے ان کو پہلے سے خبر دے دی تھی جب نبی کریم حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر ہجرت کی آواز سنی اور اس حال سے آگاہ ہو کر اپنے گھر سے نکلے اور حضور کے ہمراہ ہو گئے جب آپ نے حضورؐ کو دشت کاٹے کیا تو حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے جو شب معراج میں آسمانوں پر پہنچے تھے اس وقت حضرت ابوبکر نے حضور کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور یہ امر بہت ہی عجیب ہے کہ حضرت ابوبکر میں ایسی طاقت آگئی کہ آپ نے نبوت کا بوجھ اٹھایا۔

(۱۵) جہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اس غزوہ تبوک میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں سستی کر رہے تھے وہاں یہ بھی بتا دیا کہ حضرت ابوبکر تو ہرگز ان لوگوں میں شمار نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ تو ساہا سال پہلے کے رفیق خاص ہیں اور آپ نے اس کٹھن مرحلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا جبکہ تمام کفار مکہ حضور کی گرفتاری اور قتل کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔ اور آپ نے تنہا مکہ معظمہ سے دیرینہ منورہ تک محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ صبر آزما سفر اختیار کیا۔ اور یہ وہ خصوصی فضیلت ہے جو تمام صحابہ کرام میں سے سفر ہجرت میں صرف حضرت ابوبکر صدیق کو ہی نصیب ہوئی۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے یساحیحہ اور زانیہ انہیں وغیرہ مبارک الفاظ سے یار غامی خصوصی فضیلت کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ (۶) گو شب ہجرت میں آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہی حضرت علی المرتضیٰ کہ شریف میں بستر نبوی پر سونے تھے اور بیشک یہ بھی حضرت علی کی وفاداری اور شجاعت کی دلیل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے شب ہجرت میں حضرت علی کے بستر پر سونے کا واقعہ قرآن حکیم میں بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ ایک وقتی ضرورت کے لئے تھا۔ علاوہ ازیں کفار کی امانتیں جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد فرمائی گئیں تاکہ آپ وہ امانتیں ادا کر کے دیرینہ منورہ کو ہجرت کریں لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت یعنی سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو صدیق اکبر کے سپرد کیا۔ تاکہ حفاظت وہ اس امانت خداوندی کو دیرینہ منورہ تک پہنچائیں اور گو کفار کی امانتوں کا جس کو امان بنا یا گیا وہ بھی صدق و امانت میں ممتاز ہے لیکن

جس کے سپرد خود اللہ تعالیٰ کی امانت ہوئی وہی افضل امت ہے اور وہی افضل الخفاء ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
(۷) اگر حضرت علی المرتضیٰ کو بستر نبوی پر
خلافت صدیقی میں روم و شام کی فتوحات

اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا اشارہ تھا تو یہ صحیح نہیں اور شاید اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک میں دیرینہ منورہ میں شہر کی حفاظت اور امانت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا لیکن رفیق ہجرت اور یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے اس تاریخی سفر پر اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ جہاں شاہ روم سے مقابلہ کی توقع تھی۔ تاکہ اس موقع پر بھی نانی انتہیں کی خصوصیت حضرت ابوبکر صدیق کو ہی نصیب ہو۔ اور چونکہ حضرت صدیق نے ہی آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اول خلیفہ بنا تھا اس لئے آپ کو ہی اس سخت معرکہ میں لشکر اسلام کی قیادت کا تجربہ کرنا مقصود تھا۔ اور گو اس موقع پر قیصر شاہ روم مرعوب ہو گیا اور سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نہ آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صدیق اکبر کی وہ عظیم ثنائی انتہیں کی شخصیت ہے جنہوں نے اپنے قلیل اٹھائی سالہ دورِ خلافت میں فتوحات عراق کے علاوہ ہر قریب قریب روم کی حدود سلطنت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ شاہ روم نے مسلمانوں کے مقابلے میں لاکھوں کی تعداد میں فوج بھیج دی اور اس کا بھائی پتھوڑوس رومی افواج کا سپہ سالار اعظم تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کے مختلف لشکر بھیجے۔ ایک لشکر کے سالار حضرت زید بن ابی سفیان تھے۔ دوسرا لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں تھا۔ تیسرے لشکر کے قائد حضرت عمرو بن العاص تھے اور چوتھے لشکر کے سالار حضرت شرجیل بن حسنہ تھے۔ ایک اسلامی لشکر حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں بھی تھا۔ ان تمام لشکروں کی کل تعداد تقریباً بیس ہزار تھی۔ آخر میں حضرت صدیق اکبر کے حکم سے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے جو عراق کے محاذ کو چھوڑ کر شام کے محاذ پر تشریف لائے۔ اور رومی افواج کو شکست دے کر اجنادین کا عظیم معرکہ فتح کیا۔ اور بعض مورخین کے نزدیک رومیوں کے مقابلے میں یروشک کی عظیم فتح بھی حضرت صدیق کے عہدِ خلافت میں ہی ہوئی تھی۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت صدیق نے بن اسلامی لشکروں کو رومیوں کے مقابلے میں ترتیب دیا تھا ان کو مختلف راستوں سے روانہ کیا گیا تھا۔

اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ جو حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے بھائی ہیں، کو توک کے راستہ جانے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ وہی مقام توک ہے جس کی نسبت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہ روم کے مقابلے میں یہ سفر غزوہ توک کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کا ذکر مشہور شیخ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی آیت غار کی شان نزول میں ان الفاظ سے کیا ہے: اس سال میں لوگوں نے یہ خیبر پھیلانی کہ اہل روم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں اور ان کے بادشاہ ہرقل نے اپنے بہت سے لشکر اور اپنے ماتحت قبائل ممالک بلقا میں بھیج دیئے ہیں اور خود حمص میں آگیا ہے۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ توک کی تیاری کے لئے حکم دیا۔ رحاشیہ ترجمہ مقبول تعصب سے بالاتر ہو کر مصنف فلاح الکونین بھی کچھ سوچیں کہ یہ جو افواہ پھیلی تھی کہ خود ہرقل شاہ روم حمص میں آگیا ہے یہ جس وہی مقام ہے جہاں شام کی بہت بڑی چھاؤنی تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ کے اسلامی لشکروں کے مقابلے میں رومیوں کے لشکروں کو ترتیب دینے کے لئے ہرقل شاہ روم خود حمص میں آگیا تھا۔ اور اس نے وہاں سے نوے ہزار فوج صرف حضرت عمر بن العاص کے مقابلے میں بھیجی تھی حالانکہ حضرت عمر بن العاص کے پاس اس وقت زیادہ سے زیادہ سات آٹھ ہزار کا لشکر تھا تو جب آئندہ حضرت صدیق نے ہی ہرقل کے مقابلے میں اسلامی لشکر بھیجے تھے اور ملک شام کی حدود میں پرچم اسلام لہراتا تھا تو پھر غیر آخر لڑنا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الہی یا رنار کو بھی اس خصوصی سفر میں اپنے ساتھ رکھنا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اہل کی حیثیت سے شاہ روم کا مقابلہ کرنا تھا اور چونکہ من جانب اللہ حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق اول خلیفہ ہونے کا فیصلہ نہ تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ مطلوب نہ تھا کہ حضرت علی پہلے خلیفہ بنیں۔ اس لئے شاہ روم کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو ہمراہ لیا اور حضرت علی المرتضیٰ کو شہر کی حفاظت کے لئے اپنا نائب بنا دیا۔ اور اپنے ہونے والے جانشین اعظم کو اپنے ہمراہ لے گئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ نانی رسول اور نائب مطلق ایسی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہمیں ناریں کرام انصاف کریں کہ یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جن کو مصنف فلاح الکونین یہ لکھ رہے ہیں کہ غار میں دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ دل چھوڑ گئے تھے اور جی ہانپے تھے۔ یہ جملہ احوال ابوبکر پر نہیں اس ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے جنہوں نے حضرت علی پر بھی ترجیح دے کر حضرت

ابوبکر صدیق کو اس سفر ہجرت میں اپنا رفیق بنا لیا تھا۔ اور یہ وہی ابوبکر صدیق ہیں جو ہجرت کے اس سارے طویل سفر میں اللہ تعالیٰ کی وحی کے ایمن تھے کیونکہ اس دوران میں آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی وحی نازل ہوئی تھی اس کے براہ راست سننے والے صرف صدیق اکبر ہیں۔ اور اس خصوصیت میں بھی ان کے ساتھ اور کوئی صحابی شریک نہیں ہے۔

پارغار و پارمیر علامہ اقبال کی نظر میں

من شے صدیقی را دیدم بخواب	گل ز خاک راہ او چیدم بخواب
آں آفتن اناس بر مولائے ما	آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او گشت ملت را چو ابر	تہانی اسلام و غار و بدر قبر
گفتش اے خاصہ خاسان عشق	عشق تو مرطوع دیوان عشق
پختہ از دستت اساس کار ما	چارہ فرما از پیے آزار ما
گفت تاکہ در بوس گردی اسیر	آب و تاب از سورہ اخلاص گیر

(۸) یہ بھی عجیب فلسفہ امامت و خلافت ہے کہ جس نے غزوہ توک کی تکمیل کی۔ اور آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی ہرقل شاہ روم کے لشکروں کو شکست دی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آنا چاہتا تھا۔ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین اور امت کا امام اول تسلیم کیا جائے۔ بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک کیا جائے۔ لیکن جس نے ۲۲ سالہ خلافت تاملنے کے بعد اپنے دور خلافت میں بھی ملک کفر میں سے کچھ بھی نہ فتح کیا ہو۔ اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلا فصل بھی چھٹوئی ہو اور ۲۲ سال کا طویل عرصہ یوں بے بسی اور لے یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان آمنتم الناس علیٰ فی صحبتہ و مالہ ابوبکرؓ و مالہ ابوبکرؓ صحیح بخاری و مسلم و بیشک تمام لوگوں میں سے اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں۔

بیکسی میں گزارا ہو۔ کہ بظاہر دشمنان اسلام کے مذہب کا ہی پیرو کار رہا۔ اور اپنا سچا مذہب ظاہر کرنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو جس کو تقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو ایسا شخص تراہ انفرادی علم و عمل اور ذہن و تقویٰ میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے رحمت اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اول اور خلیفہ افضل کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے بلکہ اس مافی نظر یہ کی بنا پر تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے ہمدردانہت میں بھی برحق خلیفہ تسلیم نہیں کئے جاسکتے کیونکہ انہوں نے اپنے اقتدار میں بھی مذہب اہل سنت ہی پر عمل کیا اور وہ مذہب اہل بیت جن کو مائے گروہ اپنا سچا مذہب تسلیم کرتا ہے اس کی تائید کی اور اس پر عمل کر سکے۔ باتوں کے عقیدہ کے پیش نظر کیا اس سے زیادہ کمزور اور ناکام خلیفہ کی مثال اسلامی تاریخ پیش کر سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت شہر خدائے رضی اللہ عنہ کی عظمت شان بھی اس وقت تسلیم کی جاسکتی ہے جبکہ ان کو مذہب اہل سنت کے مطابق خلیفہ چہارم تسلیم کیا جائے۔

دورِ خلافت کی سچی تصویر (از مولانا حالی)

جب امت کو سب ل چکی تھی کی نعمت
تو اسلام کی وارثت اک قوم چھوڑی
خدا اور نبی کے وفادار بندے
جمالت کی رسمیں مٹا دینے والے
اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہبان
کینئر اور بانو تھی آپس میں ایسی
کیا امتوں نے جہاں میں اجالا
زمانہ میں پھیلائی تو حید مطلق
رہی حق پر باقی نہ بندوں کی حجت
سب اسلام کے حکم بردار بندے
اوا کر چکی نرسن اپنا رسالت
کردیا میں جس کی مٹ لیں ہیں تھوڑی
یتیموں کے رائیوں کے غم خوار بندے
خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
تو بالکل ہمار ان کا احتلاص پر تھا
ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپاں
زمانہ میں مائی جائے مہنیں ہوں جیسی
ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
لگی آنے گھر گھر سے آواز تھی تھی
نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
سب اسلاموں کے مددگار بندے

رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑاؤں میں ٹرختا
سبھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں
رہ حق میں تھی دوڑا درجھاگ ان کی
بزل کو عرب اور عجم سے نکالا
نقش میں نے حق کے سرشار سارے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا
نہ تھا عید و حر میں تفاوت نمایاں
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جاسنبھالا۔

(۹) آیت غار کے الفاظ **إِنَّ اللَّهَ مَعَهُ** کے تفسیر میں حدیث کے مخالفانہ پروردگار کی جڑی کاٹ دی چنانچہ خود مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ **بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے** (ترجمہ مقبول) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ عام معیت نہیں جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا **وَمَعَكُمْ** ایسا کہنت (تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے) کیونکہ یہ معیت (ساتھ ہونا) تو بوجہ خالق ہونے کے اللہ تعالیٰ کو اپنی ہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان کی شد و رک سے بربست اس کے زیادہ نزدیک ہے بلکہ یہاں معیت (ساتھ ہونے) سے مراد اس کی خاص رحمت و مدد کا حاصل ہونا ہے جیسا کہ فرمایا **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ** (بے شک اللہ تعالیٰ پر سیرگاہوں کے ساتھ ہے) **إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے ساتھ ہے۔ تو اب اس معیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اپنی خصوصی نصرت و رحمت کی وجہ سے اسی طرح حضور کے طفیل حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی ہے اور چونکہ حضور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ خاص معیت اللہ تعالیٰ کی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی ہمیشہ ہمیشہ تک کے لئے ہے اور صدیقی خلافت کی کامیابی بھی اسی خداوندی معیت کی وجہ سے ہی ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی معیت میں بھی حضرت ابوبکرؓ ثانی اتین میں اور آپ کو معیت ربانی کے کمالات میں بھی ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درجہ حاصل ہے۔ اور باقی امت کے اعتبار سے آپ اس میں اولیٰ درجہ پر نائز ہیں۔ اب قارئین خود فرمائیں کہ قرآن عظیم میں **إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا** کے اعلان کے بعد بھی کیا کوئی مومن حضرت

صدق کی نیت و نداداری۔ صداقت و شجاعت میں شبہ کر سکتا ہے۔ ع۔ نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے نہ پڑا مثال کر تیکہ
مفسرین شیعہ کی پریشانی | شیعہ علماء کے لئے یہ آیت غارِ سخت پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے اس لئے اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں
 ان کے بیانات بھی متضاد ہیں، مصنف فلاح الکونین تو یہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ پر کفار کا خوف طاری ہو گیا
 تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تحزن فرمایا۔ لیکن یہ ایک بہتان ہے جو الفاظِ قرآن سے ثابت نہیں
 ہو سکتا۔ جس کی تفصیل گذر چکی ہے (ب۔ مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں کہ۔ خداوند تعالیٰ نے یہاں
 لا تحزن فرمایا لا تحزن نہیں فرمایا۔ حزن اس امر پر افسوس کرنے کو کہتے ہیں جو ہاتھ سے نکل گیا ہو اور خوف
 آنے والے واقعات کے متعلق ہوا کرتا ہے۔ دیکھو تفسیر بیضاوی اہل سنت۔

پس اگر حضرت ابوبکر کو رسول اللہ کے گرفتار یا قتل ہو جانے کے متعلق خوف ہوتا تو رسول لا تحزن فرماتے لا تحزن نہ کہتے۔
 آنحضرت کا لا تحزن فرمانا صاف بتلا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر کو کسی ہاتھ سے نکلے ہوئے واقعہ کا افسوس تھا۔ (تفسیر زوار القرآن)
 تو کاظمی صاحب نے مصنف فلاح الکونین کے نظریہ کی تردید کر دی اور یہ مان لیا کہ حضرت ابوبکر کو کسی ہاتھ سے نکلے ہوئے
 واقعہ کا افسوس تھا۔ چونکہ مقصود حضرت صدیق کو صرف ملٹون کرنا ہے۔ اس لئے حزن کا معنی کسی بات کا افسوس
 کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر کی یہ کیفیت تھی کہ انہیں پکپی لگی ہوئی تھی اور انہیں کسی طرح سکون نہیں
 آتا تھا۔ لیکن کاظمی صاحب کو یہ پریش نہ رہا کہ اگر حضرت ابوبکر کو کسی بات کا افسوس تھا تو پھر آپ پر پکپی طاری ہونے کا کیا مطلب
 پکپی تو آدمی کو کسی کے خوف کی وجہ سے لگتی ہے۔ غم اور افسوس میں تو پکپی نہیں لگتی۔ اور یہ تو کاظمی صاحب ہی جانیں کہ
 حضرت ابوبکر کو کس واقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس تھا۔ اگر وہ اس کو ظاہر کر دیتے تو اس کا جواب بھی دے دیا
 جاتا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جس بات کا آپ کو غم ہو گیا ہے کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوا تھا۔ اگر
 اس بات کا علم تھا کہ حضرت ابوبکر کو کسی واقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس لاحق تھا اور کاظمی صاحب کا وہم ثابت
 یہی ہو کہ حضرت ابوبکر جو نقصان حضور کو پہنچا سکتے تھے وہ نہ پہنچا سکے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر
 سے یہ کیوں فرمایا کہ لا تحزن (تو غم نہ کر) اس ارشادِ نبوی کا آپ کی اس نکتہ سنجی سے کیا جوڑ ہے۔ اور اس کے ساتھ
 ہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا ان اللہ معنا۔ اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ

مان لیا۔ کہ (اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے) تو اس ارشادِ نبوی نے تو کاظمی ہوں یا مصنف فلاح الکونین سب کی رگ بہل
 کاٹ دی ہے

خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم * نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہے

کاش کہ آپ صاف دلی سے اس قرآن پر ایمان رکھتے تو سب شبہات ختم ہو جاتے۔ پھر اس اظہارِ عنان کے
 بعد کاظمی صاحب نے ایک اور بات کا بھی انکشاف فرمادیا چنانچہ بحوالہ کافی امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ: جب آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا (یعنی حضرت ابوبکر کا) حال دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ انصار میں سے جو میرے اصحاب
 ہیں تمہیں ان کو مجلسوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے دکھلا دوں اور حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں کو سمندر میں جاتے ہوئے
 دکھا دوں۔ انہوں نے عرض کی۔ ہاں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے چہرہ پر پھیرا تو انصافاً
 بھی اپنی مجلسوں میں باتیں کرتے نظر آنے لگے اور حضرت جعفر طیار بھی سمندر میں جاتے ہوئے دکھائی دینے لگے (حاشیہ ترجمہ قرآن از
 مولوی امداد حسین کاظمی) فرمائیے۔ ادھر تو حضرت ابوبکر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ثابت کر رہے ہیں اور ادھر یہ بھی
 تسلیم کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ فرمایا کہ اے ابوبکر افسوس نہ کر۔ بلکہ آپ کے چہرہ پر رحمت
 کا ہاتھ پھیر کر بطور کشف حضرت ابوبکر کو انصار کا اپنے گھروں میں بیٹھ کر باتیں کرنا اور حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں
 کا سمندر میں چلنا بھی دکھا دیا۔ اس سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے متعلق جو غم لاحق ہوا تھا۔ اس کا ازالہ حضور صلی نے نہ صرف لا تحزن کے ارشاد سے کیا بلکہ آپ کو کشتی مناظر دکھلا کر
 بالکل ہی غم کا ازالہ فرمادیا۔ زہے شان ابوبکر۔ زہے نصیب ابوبکر۔

(۱۰) اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا كَمَا بَدَا لَنَا فِي مَدْيَنَ وَ كَا بَدَا لَنَا فِي مَدْيَنَ وَ كَا بَدَا لَنَا فِي مَدْيَنَ
 تو وہاں۔ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ پس اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی
 اور ایسے لشکروں سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ (ترجمہ مقبول) عام مفسرین نے علیہ کی ضمیر کا مرجع ہے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو قرار دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی سکنت
 نازل فرمائی۔ لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس علیہ کی ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات کو قرار دیتے
 ہیں۔ اس کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سکنت حضرت ابوبکر پر نازل فرمائی۔ اور اس کی وجہ حسب ذیل بیان فرماتے

ہیں (۱) علیہ کی ضمیر سے پہلے لصاحبہ میں حضرت ابوبکر ہی کا ذکر ہے اس لئے ضمیر انہی کی طرف لایج ہونی چاہیے (۲) تم اور اندیشہ حضرت ابوبکر ہی کو لاحق تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکہ حضور کو تو پہلے ہی سکون قلب حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور خصوصی تسلی حضرت ابوبکر پر ہی نازل ہونی چاہئے (۳) اگر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت کا نازل ہونا مراد ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم اور پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ حالانکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر کو لاحق فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور خود مطمئن القاب تھے درنہ جو آدمی خود پریشانی میں مبتلا ہو وہ دوسرے کو کیا تسلی دے سکتا ہے اور امام رازی کے نزدیک **وَأَيُّهَا جَنَّوْا لِمَنْ تَرَوْنَهَا كَاتِلِقِ جَنَگِ بَدْرٍ** سے ہے جس کا ذکر ان آیات سے پہلے ہے۔ بہر حال امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت صدیق اکبر کے قلب پر ہی نازل کی گئی ہو۔ واللہ اعلم (ب) اور اگر آیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی سکینت کا نزول ہو تو پھر بھی حضرت ابوبکر اس سکینت سے محروم نہیں رہ سکتے کیونکہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ خاص سکینت الہی حضرت صدیق کے قلب پر ہی نازل کی گئی۔ اور حضور کے لاحق فرمائی اللہ معاف فرمائے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تسلی دے رہے ہیں اور اپنے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اسی میں حضرت ابوبکرؓ کو بھی شامل فرمایا ہے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سکینت نازل ہو وہ حضرت صدیق کو نصیب نہ ہو۔ اور وہ جو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پریشان ہو رہے ہیں ان کو اطمینان قلب نہ عطا کیا جائے۔

(ج) اور شیعوں کے شیخ طبرسی فانزل اللہ سکینتہ علیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: یعنی علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئی القی فی قلبہ ما سکن بہ وعلما انہم غیر واصلین الیہ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جس کی وجہ سے آپ کو سکون حاصل ہو گیا اور آپ نے جان لیا کہ کفار آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے) اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ طبرسی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بھی اس سے پہلے سکون حاصل نہ تھا۔ تو اب مصنف فلاح الکونین ہی بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات کی پریشانی اور بے چینی تھی جس کو نازل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت نازل فرمائی۔

حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا منکر کافر ہے

زیر بحث آیت میں لصاحبہ سے چونکہ صراحتاً حضرت ابوبکر صدیق کا صاحب رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے علمائے اہل سنت کے نزدیک جو شخص حضرت ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ اس آیت کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا فتویٰ

بریلوی علماء کے پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے مفتاح مطہرہ ہاشمی ص ۴۷ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ان انکو بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بہا لقولہ ان اللہ تعالیٰ جسم کالاجسام اذ انکو صحبۃ الصدیق (اگر ضروریات دین سے کسی چیز کا منکر ہے تو کافر ہے) مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا (رسالہ رد الرافضہ ص ۲)

(۲) مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر کی صحابیت اس آیت سے ثابت ہے حسن بن فضل نے فرمایا جو شخص حضرت صدیق اکبر کی صحابیت کا انکار کرے وہ نص قرآنی کا منکر ہو کر کافر ہے (تفسیر خزائن العرفان)

کتب شیعہ سے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت

(۱) شیخ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ان اذل من اسلم بعد خذ یحیٰ ابوبکر (حضرت خدیجہ کے بعد جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے وہ ابوبکر ہیں) (تفسیر مجمع البیان ج ۳)

حضرت ابوبکرؓ کو حضرت علیؓ نے صدیق فرمایا

(۲) حضرت علی فرماتے ہیں: وكان افضلہم فی الاسلام کما زعمت وانصحہم اللہ ورسولہ الخلیفۃ الصدیق و الخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانہما فی الاسلام عظیم وان المصاب بہما الجرح فی الاسلام شدید یرحمہما اللہ وجزاہما باحسن ما عملتا (حضرت ابوبکر ان سب سے اسلام میں افضل تھے جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ اور ان سب میں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ خیر خواہ خلیفہ (ابوبکر صدیق تھے اور ان کے خلیفہ عمر) فاروق

تھے۔ اور میری عمر کی قسم کے ان دونوں کا اسلام میں عظیم رتبہ ہے اور بے شک ان دونوں کی موت سے اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائیں اور ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں۔ (ابن میثم بحرانی شرح تفسیر تاج العبدین)

شیخ تہی اپنی تفسیر میں آیت غار کے تحت یہ لکھنے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو از روئے کشف حضرت جعفر اور ان کے

رسول اللہ نے ابوبکر کو صدیق فرمایا

ساتھیوں کی کشتی کو دکھلایا۔ لکھتے ہیں: فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم انت الصديق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: آپ صدیق ہیں (تفسیر تہی سورہ التوبہ مطبوعہ ایران ص ۵۷۱) اسی طرح کشف الغم میں لکھا ہے کہ امام باقر نے حضرت ابوبکر کو تین بار صدیق فرمایا۔ (مطبوعہ ایران ص ۲۲۲) ہم نے سب سے طوالت صرف یہی سوجاات اہل تشیع کی کتب معتبرہ سے حضرت ابوبکر کے صدیق اور افضل ہونے میں نقل کر دیے ہیں درزاور بھی بہت سی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کاش کہ فلاح الکونین کے مامی مصنف از روئے تہی ہی حضرت صدیق کی کچھ فضیلت مان لیتے۔

گرد میند بردز پشہرہ چشم - چشمہ آفتاب را چو گاہ

علامہ اقبال آیت لائحون کے تحت فرماتے ہیں :-

اے کہ در زندان غم باشی امیر - از نبی عظیم لائحون بگیسر
ایں سبق صدیق را صدیق کردو - سرخوش از بیمانہ تحقیق کردو

(روزیے خودی)

ہم نے لکھا تھا کہ، اللہ تعالیٰ نے امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت بتلاتے ہوئے مومنوں کو تسلی دی ہے۔ لکیلا تا سوا علی ما فاتکم ولا تصنوا بما اتاکم سورة الحدید رکوع ۱۹)۔ تاکہ غم نہ کھاؤ اور پراس چیز کے جو تم سے فوت ہو گئی ہے اور نہ اتراؤ اور پراس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے، یعنی خوشی اور نعمت پر فخر نہیں کرنا چاہیے اور تکلیف اور مصیبت پر غم نہیں کھانا چاہیے۔ (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۹)

اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں: عربی میں ماغیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور "من" ذوی العقول کے لئے چنانچہ آیت میں ماغیر ذوی العقول کی اسجہ سے بھی عدم واقفیت

کی دلیل ہے۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا کا مال و منال حاصل ہو جائے تو اس پر اترا نا نہیں چاہیے اور اگر کچھ مال و دولت صنائع ہو جائے تو اس پر حزن و ملال نہ کرنا چاہیے۔ آیت غیر ذوی العقول کے لئے ہے ہم ماتم ذوی العقول کا کرتے ہیں۔ لہذا ہمارے ماتم سے اس آیت کا کیا ربط اور کیا تعلق۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ (فلاح الکونین ص ۵۷)

الجواب (۱) آپ اپنے ادب و دسوس کو علم سمجھنے لگ جاتے ہیں مامی مصنف کی ایک اور جہالت آپ نے یہاں عربی قاعدہ سے اپنی واقفیت کے متعلق لاف لانی

تو کر دی اور خوشی میں پھولے نہ سماتے ہوئے مجھ پر طعن بھی کر دیا لیکن آپ کو خوشی نصیب ہی کیا ہو سکتی ہے جبکہ ماتم ہی آپ کا اڑھنا بچھونا ہے آخر پھر آپ کو مغرم و مظلوم بنا پڑتا ہے۔ کاش کہ آپ کس عربیت سے واقف شیعہ عالم سے ہی دریافت کر لیتے تو یوں آپ کی جہالت نمایاں نہ ہوتی۔ آپ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ ماغیر ذوی العقول کے لئے اور من ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر ہے کیونکہ بعض دفعہ ماغیر ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے۔

چنانچہ علم خود کی مشہور کتاب شرح جامی میں ہے: وما بمعنی الذی فیما لا یعقل غالباً نحو عرفت ما عرفتہ وجاء فیما یعقل نحو السماء وما بنہا یعنی ما جو الذی کے معنی میں آتا ہے وہ غالباً یعنی اکثر تو ان ہی چیزوں کے لئے آتا ہے جن میں عقل نہیں ہے (یعنی غیر ذوی العقول کے لئے) مثلاً عرفت ما عرفتہ۔ اور ان چیزوں کے لئے بھی آتا ہے جو عقل رکھتی ہیں مثلاً السماء وما بنہا۔ مطلب یہ ہے کہ آیت والسماء وما بنہا میں جو ما آیا ہے یہ غیر ذوی العقول کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے چنانچہ (۱) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں: قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے بنایا۔ (ترجمہ مقبول) (ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا (سورہ الشمس) فرماتے ہیں جس ذات نے آسمان بنایا اس کے لئے ما قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور اگر آپ کا قاعدہ مانا جائے کہ ماغیر ذوی العقول ہی کے لئے آتا ہے تو کیا آپ کے نزدیک اس آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ جس نے آسمان کو بنایا ہے وہ غیر ذوی العقول میں سے ہے۔ کیا آپ کا خدا ایسا ہی ہے؟ خدا جانے آپ کی یہ جہالت

آپ کو کس مقام پر پہنچائے گی؟ تو بیکر وہ موت ہے سر پر کھڑی ہوئی

یہ تو قرآن مجید کی اس آیت میں ما موصلہ کا استعمال ہے جو شرح جامی میں بطور مثال پیش کی گئی ہے۔ (۲) قرآن مجید میں فرمایا: فانکحوا ما طاب لکم من النساء منی وثلث وربع (۳) سورہ النساء ۱) مولانا اشرف علی

صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم تیمم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرو۔ دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے (ب) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے۔ اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تیمم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تم کو پسند آجائیں دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرو اس آیت میں ما طاب لم من النساء میں مآ سے مراد عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنے کا حکم ہے۔ لہذا قرآن مجید سے مآ ذوی العقول کے لیے ثابت ہو گیا۔ فریضے کیا آپ کے نزدیک عورتیں غیر ذوی العقول میں شامل ہیں۔ انسان نہیں ہیں بلکہ ریت اور پتھر ہیں جن سے اہل ایمان کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ع عقل بڑی یا بھینس

یہ ہے آپ کا مبلغ علم جس کے بھروسہ پر آپ نے ایک دینی علمی موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ انجمن حیدری چکوال نے آل پاکستان شیعہ علماء میں سے مصنف فلاح الکونین کا بھی خوب انتخاب کیا ہے۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے۔ فَاثَابَكُمْ غَمًّا بِخَيْرٍ لِّكَيْلًا تَحْتَقُّ نَوَاعِلُ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ (سورۃ آل عمران رکوع ۱۶) مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے تم کو یاد دہانی میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مفہوم نہ ہو اور نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے (ب) مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ ترجمہ لکھا ہے: پھر خدا نے تم کو رنج پر رنج پہنچایا تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس پر جو مصیبتیں تم پر پڑی ہیں ان پر انہوں نے نہ کرو (ج) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں: پھر خدا نے تمہیں رنج پر رنج پہنچایا تاکہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہی اور جو مصیبت تم پر پڑی اس پر غم نہ کرو اس کی تفسیر میں کاظمی صاحب لکھتے ہیں: غمًا بِخَيْرٍ تفسیر صافی ص ۹۱ پر بحوالہ تفسیر قمی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلا غم تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان میں سے بعض قتل ہو گئے اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے ہزار سواروں سے ان کو پیچھے سے گھیر لیا (تفسیر المتقین) (د) آپ کے قدیم ترین مفسر شیخ قمی (جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: لِّكَيْلًا تَحْتَقُّ نَوَاعِلُ مَا فَاتَكُمْ مِنْ الْغَنِيْمَةِ (وَلَا مَا أَصَابَكُمْ) یعنی قتل انہما (تفسیر قمی جلد اول مطبوعہ نجف اشرف)

اس آیت میں دو جگہ مآ آیا ہے۔ شیخ قمی نے پہلے مآ سے مراد مال غنیمت لیا ہے۔ اور دوسرے مآ سے جگ

احد میں مومنین کا قتل ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی مآ اصابکم سے مراد شہدائے احد کا قتل ہے۔ تو جب قرآن مجید میں یہ فرما دیا کہ جنگ احد میں تم کو اپنے مومن بھائیوں کے قتل و شہادت کی جو مصیبت پہنچی ہے تم اس پر غم اور افسوس مت کرو۔ تو کیا آپ یہاں بھی یہ فرمائیں گے کہ مآ اصابکم سے مراد غیر ذوی العقول کی مصیبت ہے۔ کیا جنگ احد کے شہداء آپ کے نزدیک غیر ذوی العقول ہیں جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین یہی مطلب زیر بحث سورۃ الحدید کی آیت کا ہے جس میں فرمایا گیا کہ لِّكَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَحْزَنُوْا بِمَا آتَاكُمْ اس آیت کا ترجمہ (د) مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے: تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اس پر غم افسوس نہ کرو اور جو کچھ اس نے تم کو عطا کیا ہے اس پر آپ سے باہر نہ ہو جاؤ اور اللہ پر چھوڑے شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا۔

(ب) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر صافی ص ۹۱ پر بحوالہ نہج البلاغۃ منقول ہے کہ تمام زہد قرآن مجید کے ان دو کلموں میں آ گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِّكَيْلًا تَأْسُوْا . . . بَمَا آتَاكُمْ . پس جو شخص گذشتہ کا افسوس کرے اور جو کچھ ہونے والا ہے اس پر فخر نہ کرے تو گویا زہد کے دو نو پہلو اس کے ہاتھ آ گئے (تفسیر المتقین)

(۴) اگر آپ اس آیت کے ابتدائی الفاظ قرآنی دیکھ لیتے تو اپنی باطل تاویل کی وجہ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي النَّفْسِ الَّتِي فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَ هَٰؤُلَاءِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيْرٌ ۗ لِّكَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَحْزَنُوْا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْيَحْسِبِيْنَ ۗ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے۔ کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک خاص کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (یہ بات بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی ہے

لہ نہج البلاغۃ کی عبارت یہ ہے: قَالَ الزَّهْدُ كَلِمَةٌ بَيْنَ كَلِمَتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَكَ لِكَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَحْزَنُوْا بِمَا آتَاكُمْ وَمَنْ لَمْ يَأْسُ عَلَى الْمَاضِي وَلَمْ يَفْرَحْ بِالْآتِي فَقَدْ أَخَذَ الزَّهْدَ بِطَرَفِيْهِ (ص ۳ مطبوعہ چکوال)

تم اس پر رنج (انا) نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اترنا نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترنے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (پ ۲۷ - الحدید ص ۳)

اس آیت میں ما اصابکم من مصیبتہ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو آگاہ کر دیا ہے کہ جو مصیبت بھی تم پر آئے وہ مقدر ہے تمہاری پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے نوح محفوظ میں بھی اس کو لکھ دیا ہے اس لئے وہ مصیبت ضرور آکر رہے گی۔ اس طرح جو نعمت بھی ہمارے لئے مقدر ہے وہ ضرور تمہیں ملے گی۔ لہذا اگر مصیبت آئے تو اس پر افسوس نہ کرو اور اگر کوئی نعمت ملے تو اس پر شیشی نہ بگھاؤ۔ اور جو الہی نجات ثابت ہو کہ اس آیت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زہد کے دو پہلو بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گذشتہ پرافسوس نہ کرو۔ اور دوسرا یہ کہ آنیوالی پر اترنا نہیں۔ اب مصنف فلاح الکونین فرماتے ہیں کہ کیا شہادت حضرت حسین قرآن مجید کے ارشاد ما اصابکم من مصیبتہ کی مصیبتوں میں شامل نہیں۔ یہ مصیبت کیا تقدیر خداوندی کے خلاف ہے۔ اگر دوسری مصیبتوں کی طرح حضرت حسین کی یہ مصیبت بھی یقیناً مقدر ہے جس نے ضرور واقع ہونا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہی ہے کہ کسی مصیبت پر بھی افسوس نہ کرو خواہ وہ جنگ احد کے شہیدوں کی مصیبت ہو یا کہ بلا دلوں کی۔ لیکن اس آیت کے خلاف آپ کا مشن تو یہ ہے کہ شہادت حسین کا غم و افسوس قیامت تک منائیں گے اور اس سے زائد منہ اور سینہ بھی ہمیشہ پیٹنے اور کوٹنے رہیں گے بلکہ یہ ماتمی گردہ اللہ تعالیٰ نے پیٹنے کوٹنے کے لئے ہی بنایا ہے۔ تو کیا یہ قرآن دشمنی کا مظاہرہ نہیں جس کو محبت حسین کی آڑ میں آپ نہرا ہا نہرا روپیہ خرچ کر کے پاکستان میں پھیلا رہے ہیں۔ نہ قرآن و حدیث کا لحاظ۔ نہ حضرت علی المرتضیٰ کے ارشاد کا پاس۔ نہ مقام صبر و شہادت کی فضیلتوں کا احساس۔ آخر یہ مذہب کہاں سے نکلا اور کس مقصد کے تحت اس خلاف اسلام نظریہ کی تحریر و تقریر کے ذریعہ اشاعت کی جا رہی ہے۔ مانا کہ عوام جذباتی طور پر اور کم علمی کی بنا پر افعال ماتم میں شریک ہو جاتے ہیں لیکن شیعہ علماء و مجتہدین کیا اس آیت کو نہیں جانتے اور کیا نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد ان کو

لے جلا والعیون مترجم میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا، میری پیادہ پر دروگہ عالم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے میرے حبیب ہم ایک قوم پیدا کریں گے جن کے جوان تیری اہل بیت کے جوانوں کو روایا کریں گے جن کے بچے تیری اہل بیت کے بچوں کو جن کے پورے تیری اہل بیت کے پورے تیری اہل بیت کی عورتیں تیری اہل بیت کی عورتوں کو روایا کریں گی (جلد دوم ص ۱۱۱) مقدمہ از سید ظہار الحسن زیدی

معلوم نہیں ہے اور کیا تفسیر فی ان کے مطالعہ سے نہیں گذری۔ یا الکافی۔ اور من لایحضر الفقیہ کی احادیث سے وہ نا واقف ہیں۔ پھر وہ اس خلاف شریعت ماتم کی کیوں تصدیق و تائید کرتے ہیں؟ کیا اس معرکہ کا کوئی اسلامی حل ہے؟

ماتمی ٹریکٹ حصہ دوم یعنی کھلی تھپی بنام مظہر حسین مولوی چودھویں صدی میں چار لاکھ روپیہ انعام

صاحب۔ آپ کے خلاصہ جوابات میں تحریر ہے کہ اگر رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا "عقل کے ناخن لیں۔ نبی پاک نے واقعہ کربلا سے پہلے رحلت فرمائی تو واقعہ سے پہلے ہی کیسے مجلس اور ماتم کیا جاتا" اس کے جواب میں بعنوان "ملک صاحب کی بدحواسی" میں نے لکھا تھا کہ: ملک صاحب آپ نے خواب میں میری یہ تحریر پڑھی ہے یا بیداری میں۔ اگر آپ پر ثابت کر دیں کہ میں نے یہ لکھا ہے کہ: اگر رسول اکرم

امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" تو آپ کو ۲ لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ایک مہینہ تک آپ کے لئے ہدیت ہے" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۳۵) اب چاہیے تو یہ تھا کہ ملک صاحب موصوف یا فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب اپنا الزام ثابت کر کے مجھ سے دو لاکھ روپیہ انعام لیتے یا اپنے اس الزام سے توبہ کرتے لیکن بجائے اس کے ماتمی مصنف لکھتے ہیں: آپ دو لاکھ کیا دس لاکھ روپیہ بھی انعام دیں تو بھی ملک صاحب آپ کی تحریر سے ایسا فقرہ کہ "اگر رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" نہیں دکھا سکتے۔ یہ ملک صاحب کی غلط فہمی ہے۔ ہم تو آپ کی تحریر کو پڑھنے کے بغیر ہی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے قلم سے ایسا حقیقت پر مبنی فقرہ صفحہ قرطاس پر ضبط تحریر میں آنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ چاہے وہ اگر مگر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آثار و قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر رسول اکرم کربلا کے واقعہ ہاتھ کے وقت موجود بھی ہوتے حسین کا ماتم بھی کرتے اور مجلسیں بھی بپا کرتے۔ پھر بھی آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر ہرگز عمل نہ کرتے" (فلاح الکونین ص ۱۱۱)

آپ نے جواب ابجواب میں جو کچھ لکھا ہے اس میں آپ کی

ماتمی مصنف کی بوکھلاہٹ

بوکھلاہٹ کا اظہار تو ہے لیکن میرے چیلنج کا جواب نہیں۔ اور

آپ کو حق کوئی کی اتنی بھی توفیق نہیں ملی کہ یہی کہہ دیتے کہ ملک صاحب سے غلطی ہو گئی ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کے لئے اعتراف حق صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور اس کی توفیق آپ سے اس لئے سلب کر لی گئی ہے کہ آپ نے امدال بیت پر یہ افتراء باذہابے کہ ان کا دین حق کو چھپانا اور خلاف حق کا ظاہر کرنا تھا۔

شیعہ مذہب کے اہل مکرو فریب نے ظاہر کیا ہے | چنانچہ شیعہ مذہب کی حدیث ہے کہ، عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال لی ما زال

سرنا مکتوماحتی صار فی یدی ولد کیسان فتحد ثوابہ فی الطریق وقوی السواد را اصول کافی کتاب الایمان و الکفر اس کا ترجمہ آپ کے ادیب اعظم لکھتے ہیں: فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ ہمارا معاملہ ہمیشہ پوشیدگی کے ساتھ رہا ہے لیکن اہل مکرو فریب نے شیعیت کو لیا تو گی کوچوں میں اور گاڈل گڈن اعلان کر دیا۔ (ولد کیسان سے مراد بعض نے اولاد مختار علیہ الرحمۃ لی ہے) جنہوں نے شیعیت کا اعلان باہل کیا "شانی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۲۲) اور دین چھپانا ہی یہی وہ افضل عبادت ہے جس کا نام مذہب شیعہ میں تقیہ ہے۔ اب غور فرمائیں کہ امام جعفر صادق کے فرمان کے تحت آپ کس شمار میں ہیں۔

آپ ہی اپنے ذرا طرز عمل کو دیکھیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

رسول خدا پر افتراء | آپ نے لکھا ہے کہ: اگر رسول اکرم کے واقعہ ہانہ کے وقت موجود ہوتے تو حسین کا ماتم بھی کرتے الخ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا افتراء ہے کیونکہ جزع فرغ کرنا ہی صبر کے خلاف ہے جیسا کہ لغت۔ قرآن اور حدیث شیعہ کی بنا پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر اور جزع آپس میں ضدیں ہیں۔ صبر کرنے والا جزع فرغ نہیں کرتا جو آپ کے ماتم کی ایک جزو ہے اور جو جزع کرے وہ صابر نہیں ہوتا۔ اور مذکورہ زیر بحث آیت لکیلا تا سوا علی ما فا تشکد کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد بھی بیخ بسلاغیہ سے نقل کر چکا ہوں کہ گذشتہ مصیبت پر افسوس نہ کرنا زہد کی ایک صفت ہے۔ تو پھر امام الصابریں۔ سید الزاہدین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین کی شہادت پر خلاف قرآن ایسی مجالس ماتم کیوں قائم فرماتے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد کے ان شہدائیں

شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور حضرت حمزہ کے شہید ہونے کے بعد ہند نے آپ کا سینہ چیرا اور کچھ نکال کر دانٹوں میں چبا یا۔ اور آپ کے ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دیتے گئے تھے حتیٰ کہ آپ کی لاش بچانی نہیں جاتی تھی۔ کیا یہ واقعہ ہانہ نہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ المناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے چچا حضرت حمزہ کو سید الشہداء کا لقب بھی عطا فرمایا لیکن نہ منہ پٹیا نہ سینہ کو بی۔ اور نہ زنجیر زنی ہوئی نہ سیاہ کپڑے پہنے گئے غرضیکہ یہ مجلس ماتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی ایک دفعہ بھی قائم نہیں کی چہ جائیکہ مجالس ماتم کا سلسلہ قائم کیا جاتا۔ اور سیرت النبی کے جس حوالہ سے آپ نے ڈوستے کو تنکے کا سہارا کے طور پر مجلس غم کا استدلال کیا تھا۔ اس میں بھی خود شریک نہیں ہوئے بلکہ عورتوں کو آئندہ کے لئے نوحہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور مدارج النبوة کے حوالہ سے اس کا ثبوت پہلے پیش کر دیا گیا ہے۔ تو فرمائیے اپنی اتنی حیثیت کی بنا پر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان تراشی کرنا کیا محبت نبوی پر مبنی ہے یا سنت مطہرہ کی تقیص و توہین پر ہے ہاں ایک راستہ تقیہ کا آپ کے لئے کھلا ہوا ہے جس کو ہم کیوں کر بند کر سکتے ہیں۔

یارب نہ وہ سبھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ماتم میں جان دینا | آپ نے فخر سے لکھا ہے کہ: ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اور اب پھر آپ کی یاد دہانی کے لئے اپنی اس بات کو دہراتے ہیں کہ پاکستان میں ہر سال ماتم کرتے

ہوئے کئی ماتمی جان سے گذر جاتے ہیں۔ دور کیوں جائیں کچھ سال ہی کی بات ہے آپ نے بھی یقیناً سنا ہوگا کہ ڈھڈیال تحصیل چکوال میں ایک ماتمی مظلوم کربلا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کرتے ہوئے جان بحق ہو گیا تھا ایمان سے کہیں اتنی بناوٹ بھی کبھی ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے کہ انسان بناوٹ بناتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

(فلاح الکونین ص ۱۳)

الجواب (۱) ڈھوڈیال میں ہو یا کسی اور جگہ۔ اگر کوئی ماتمی مجتہدین شیعہ کے نزدیک زنجیر زنی ناجائز ہے | زنجیر زنی کرتے ہوئے یا اپنے بدن پر چھریاں مارتے

ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے تو یہ سب گناہ آپ جیسے ماتمی علماء و ذاکرین پر ہے جو عوام شیعہ کو اس قسم

کے ماتم کرنے کا عظیم ثواب بتلاتے ہیں۔ حالانکہ منہ پینٹنا اور سینہ کوٹنا ہی جب امام جعفر صادق کے فتویٰ کے مطابق حرام اور سلاط ایمان ہے تو زنجیر زنی وغیرہ کیونکہ جائز ہوگی چنانچہ اخبار در نجف سیالکوٹ کے ایڈیٹر سید عنایت علی شاہ صاحب فتویٰ بخاری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں (سوال) ایام حشر و محرم پر جو جہان ال عبا کشر زنجیر زنی وغیرہ تھے ہیں اس پر عام اعتراض ہے از روئے شریعت اس کی وضاحت کریں شکور ہونگا؟

(الجواب) زنجیر زنی سے مجتہدین منع فرماتے ہیں۔ باقی سینہ زنی۔ پینٹنا۔ کوٹنا۔ نوٹہ کھنا۔ داویلا کرنا۔ کپڑے پھاڑنا۔ پیرا بن چاک کرنا۔ بال نچا۔ خاک اڑانا وغیرہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ افعال مردہ کے لئے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں ان سے ہر مسلمان کو اجتناب لازم ہے کیونکہ یہ جملہ امور دنیا کی غرض و مطلب اور مفاد کے مفعول ہونے پر ظاہر کے جلتے ہیں۔ لیکن شعائر اللہ کے نقصان پر کسی نبی کی وفات یا قتل پر۔ بیت اللہ کے انہدام پر۔ کتاب خدا کی توہین پر ہے۔ مساجد اللہ کی بربادی پر ہتک و تباہی اسلام پر انقطاع وحی پر۔ قتل امام پر وغیرہ وغیرہ کہ جن کی فرقت و حزن کا مظاہرہ محض روحانیت سے متعلق ہو اور اس میں کوئی دینی غرض اور نیک نیت نقص دنیا نہ ہو سب کچھ جائز بلکہ ثواب عظیم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کے توختے مرتبے۔ ان کی تباہ حالی۔ کپڑوں کا پھاڑنا۔ بالوں کا نوجنا۔ خاک اڑانا۔ بعض کا گنگ ہو جانا۔ بعض کا جنوں ہونا دنیائے اسلام کا داویلا۔ یہ سب کچھ شعائر اللہ کی محبت میں اور نقصان روحانیت روحی کا مظاہرہ تھا جو جائز ہے۔

(مخبر مینہ المسائل جلد اول صفحہ ۱۲)

(۲) زنجیر زنی سے جب مجتہدین شیعہ منع کرتے ہیں تو یہ اس بنا پر ہوگا کہ شرعاً یہ حرام ہے۔ اور ممکن ہے کہ جو مجتہدین ہاتھوں سے منہ اور سینہ کوٹنے کو جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں انہوں نے زنجیر زنی اس لئے ناجائز قرار دی ہو کہ اس میں کوئی ایسا زخم لگ جاتے جو جان لیوا ثابت ہو اور یہ خودکشی کے حکم میں آجاتے۔ اور بعض جذباتی جو اس طرح کی موت کو شہادت کی موت سمجھتے ہیں وہ اپنے شیعہ مجتہدین کے اس فتویٰ سے عبرت حاصل کریں کہ زنجیر زنی منع ہے جب زنجیر کا مارنا منع ہے تو پھر یاں مارنا کیونکہ جائز ہوگا۔ تو اگر کوئی ماتمی زنجیر یا پھری سے ماتم کرتے ہوئے مر گیا تو یہ گناہ کی موت ہوگی کیونکہ اس نے ناجائز طریقے سے ماتم کیا ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے شہید کے متعلق فرمایا، لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل اخیاء

ولکن لا تشعرون ۵ (پ ۲۲ ع ۳) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے۔ اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم نہیں سمجھتے۔ (ترجمہ مقبول) اس میں فی سبیل اللہ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جس کام میں وہ مارا گیا ہے وہ شریعت کے مطابق اور اللہ کے لئے ہو۔ اور قتل رقتل کیا جاتے ہے معلوم ہوا کہ اس کو کوئی دوسرا آدمی قتل کرے۔ کیونکہ وہ تو مقتول ہے اس کا قاتل کوئی اور ہے۔ لیکن ماتم میں مرنے والا خود ہی قاتل ہے اور خود ہی مقتول ہے۔ اس لئے یہ شہید کے حکم میں نہیں آتا بلکہ خودکشی کرنے والے کے حکم میں شمار ہوتا ہے

مشرکے جاہلیت کے کام کیوں کا ثواب ہیں

در نجف کے ایڈیٹر صاحب موصوف نے ماتم حسین کے کار ثواب ہونے میں بھی عجیب علمی جوہر دکھایا ہے پہلے تو فرما رہے ہیں کہ:۔ سینہ زنی۔ پینٹنا۔ کوٹنا۔ نوٹہ کھنا۔ داویلا کرنا۔ کپڑے پھاڑنا۔ پیرا بن چاک کرنا۔ بال نچا۔ خاک اڑانا وغیرہ افعال مردہ کے لئے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں اور پھر انہی ناجائز اور حرام افعال کو جو کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں۔ شعائر اللہ اور انبیاء و اولیاء کی موت و شہادت وغیرہ کے لئے نہ صرف جائز بلکہ ثواب عظیم کا باعث بتلا رہے ہیں۔ یہ بھی عجیب عقیدہ ہے۔ جب یہ افعال ماتم کفر و شرک کی رسموں میں سے ہیں تو انبیاء و اولیاء کے لئے یہ جائز کیسے ہو جائیں گے۔ حرام اور کار ثواب؟ اگر اس کے جواب میں یہ فرمائیں کہ خنزیر اور مردار حرام ہے لیکن قرآن میں اس کو بھی اضطرابی موت میں جائز قرار دیا ہے تو جواب یہ ہے کہ حرام کھانے کا جواز تو اس شخص کے لئے ہے جس کو حلال چیز نہیں مل سکی تو حرام چیز صرف اتنی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ سکے کیا اس اضطرابی حدیث سے کوئی ماتمی یہ دلیل قائم کر سکتا ہے کہ حرام خوری کی مجالس بھی جایز کی جائیں اور جو بس بھی نکالے جائیں۔

(ب) اگر آپ نے ان افعال ماتم کا حرام ہونا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قصوں سے ثابت کیا ہے تو کیا قرآن و حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ عام مردوں کے لئے تو یہ ناجائز ہیں لیکن انبیاء و اولیاء اور شہداء وغیرہ کے لئے عبادت ہیں۔

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کی جو حالتیں آپ نے لکھی ہیں ان میں گنگ ہونا یا مجنون ہونا تو اس عظیم صدرہ کے اثر سے ہے نہ کہ ماتم کی وجہ سے۔ کیا اصحاب و اہل بیت نے مردہ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی ایسی مجلس ماتم بھی باپ کی تھی جس میں منہ پٹینا اور سینہ کو ٹٹنا ہو۔
 (د) اگر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ کفر و شرک کے افعال جائز ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 حضرت فاطمہ کو ان سے کیوں منع فرماتے (ملاحظہ ہو۔ فروع کافی اور جلاء العیون وغیرہ)
 (ر) ہنج البلاغت میں حضرت علی کا یہ ارشاد ہے۔ کہ اگر آپ نے ہمیں صبر کا نہ حکم دیا ہوتا اور جنزح سے
 نہ منع کیا ہوتا تو ہم رور و کر آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے۔ اور اگر حضور کے لئے یہ ماتم جائز ہوتا تو حضرت علی ایسا
 کیوں فرماتے بلکہ آپ کے فتویٰ کے مطابق تو حضرت علیؑ بھی کپڑے پھاڑتے سینہ کو ٹٹتے۔ خاک اڑاتے وغیرہ۔
 کیا ان افعال میں سے کوئی ایک فعل بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
 پر صادر ہوا۔ اگر یہ ثواب عظیم ہوتا تو حضرت علیؑ اس سے کیوں محروم رہتے۔

ماتمی علماء و مجتہدین سے ایک سوال
 اس حقیقت سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مروجہ افعال ماتم
 یعنی منہ پٹینا۔ اور سینہ کو ٹٹنا وغیرہ اسلام سے پہلے کفار و مشرکین
 کی رسمیں تھیں اور کسی کی موت و قتل پر وہ ان افعال کا مظاہرہ کرتے تھے۔ تو آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کفر و شرک کے تمام عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائی۔ شرک کی جگہ توحید اور کفر کی
 جگہ ایمان کو اسلام کی بنیاد قرار دیا۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاشیات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی۔ جنگ و قتال۔ سیاست
 ملکی وغیرہ انسانی زندگی کے تمام اہم شعبوں کی شریعت اسلامیہ نے بذریعہ وحی اصلاح فرمائی اور اسلام قیامت
 تک انسان کے لئے مکمل دین اور جامع ضابطہ حیات قرار دیا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کفر و جاہلیت
 کے مذکورہ افعال منہ پٹینے اور سینہ کو ٹٹنے کی اپنے قول اور عمل سے کیا اصلاح فرمائی۔ تاکہ مسلمان کتاب و سنت
 کی ان خصوص کی روشنی میں اپنے کسی عزیز کی موت و قتل یا کسی دوسرے بزرگ و ولی کی موت و شہادت کے موقع
 پر کوئی ایسا عمل پیش کر سکیں جو قرآن کریم کے ارشاد **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ**
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (ب ۲۔ ۳۴) سے ایمان والوں۔ صبر اور صلوة کے ذریعہ سے مدد مانگو بیشک
 اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (ترجمہ مقبول) کے خلاف نہ ہو گا تو **إِنْ هَذَا تَكْذُوبٌ كُنْتُمْ هَادِينَ**

ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ

"ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ" بہت عرصہ ہوا کہ مصر
ماتم حسین میں سینہ کو بی بھی حرام ہے کے ایک شیعہ اخبار "چہرہ نما" مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ
 مطابق ۱۹۱۹ء اپریل میں ایک شیعہ مجتہد شیخ محمد تقی اصفہانی کا ایک فتویٰ روماتم مروجہ میں شائع ہوا تھا جس کو دائرۃ
 الاصلاح لاہور نے تقسیم کیا تھا۔ اس کے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے مجتہد کو صرف تہید کے بعد ایک
 سائل کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب اپنے سوالات کا جواب سنئے سینہ کو بی اور بدن کو زنجیروں قفلوں۔ آہنی سلاخوں
 سے زنجی کرنا اور سر کو تلوار سے مجروح کرنا یہ سب وحشیانہ حرکات خلاف شریعت اسلام و خلاف قرآن و حدیث
 عرف عام ہیں۔ حسین ابن علی نے صرف اعلا رکلمتہ اللہ کے لئے بڑ بڑکی بیعت نہ کی اور خود شہید ہو گئے۔ بھلا ایسی وحشیانہ
 حرکات پر کب راضی ہوتے ہیں۔ جس کا نام عزاداری رکھ لیا گیا ہے (فارسی اصل عبارت یہ ہے) چگونہ راضی است
 برای نوع وحشت گری کہ نام اور اعزاز داری گذاشتہ اند اگر ہم قرآن کی درق گردانی کریں تو ہمیں اس سے سینہ کو بی ٹٹنے
 کی بھی اجازت نہیں مل سکتی چہ جائیکہ زنجیر۔ قفل۔ تلوار سے بدن کو زخمی کرنا جائز ثابت ہو۔ خدا کا فرمان ہے۔ اپنے
 کو ہلاکت میں نہ ڈالو (وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) اخبار و احادیث میں وارد ہے کہ عزیز ترین
 خویش و اقربا کی وفات پر بھی ایسی حرکات نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر ایسی حرکات سے بدن پر تھوڑی سی خراش
 بھی آجاتے تو انسان گناہگار اور خلاف شرع جرم کا مرتکب ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ کپڑا چاک کرنے کی بھی اجازت نہیں
 ہے۔ خود حضرت سید الشہداء نے آخری دم جب اہل بیت کو اوداع کیا اپنی ہمشیرہ حضرت زینب سے مخاطب
 ہو کر فرمایا۔ ہمشیرہ جان۔ زمین و آسمان اور ما فیہا سب فنا ہو جائیں۔ سوائے خدائے حی و قیوم کوئی باقی نہ رہیگا
 ایسا نہ ہو کہ میری وفات کے بعد تو اپنے منہ پر ٹاپچے مارے یا چہرہ کو زخمی کرے" ملاحظہ کیجئے ایسی ہدایت اہم
 کے باوجود ایسے وحشیانہ افعال کب روا ہو سکتے ہیں۔ حضرت امام کا حکم سن چکے پھر جو شخص اس کے خلاف کرے
 وہ گناہگار اور جواب دہ ہے۔ یہ لوگ ایسی حرکات کے مرتکب ہو کر دین اسلام میں رخنہ ڈالتے ہیں جہاں کی
 ان حرکات کے عکس لکھ کر یورپ والے سینما میں پیش کرتے اور دین اسلام کا مسخر اڑاتے ہیں۔ سب سے

اول علماء کا فرض ہے کہ ان افعال کے عدم جواز کا فتویٰ صادر کر بن اور ممبروں پر بیٹھ کر عوام کو سنائیں پھر حکومت سے ان وحشیانہ حرکات کے انسداد کا تقاضا کریں۔ افسوس علماء چاہتے ہیں کہ یہ لوگ گدھے بنے رہیں اور سوارانہ دیتے رہیں۔ نذر و نیاز ملتی رہے ان حرکات شنیعہ کا موجب صرف علماء ہیں جو اپنی دکانداری کے لئے ان کے سدراہ نہیں ہوتے۔ حرام چیز قیامت تک حرام ہے اور حلال چیز قیامت تک حلال۔

(ب) دوسرے ممالک میں ایسی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جو حیوانات کی ایذا دہی کو روکتی ہیں ان کو کوئی زخمی نہیں کر سکتا۔ مگر ایران میں دوپائے حیوان موجود ہیں جو زنجیر ہزار شانہ لے کر اپنی پیٹھ اور سینہ کو زخمی کرتے ہیں مگر محافظان شریعت نہیں بتلاتے کہ جہانی زنجیر تو گدھے کو مارنا بھی منع ہے پھر بنی آدم کے لیے یہ کب زیبا ہے کہ گدھے کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو زنجیر سے پٹا جائے۔ آخر اسلام کا کہاں حکم ہے کہ زنجیر اور۔ تلوار مارو۔

چاقو مارو۔ خدا کی قسم بے عقل عقلمند ہو گئے ہیں اور ہم زیادہ بے عقل (ذرت) ہو رہے ہیں۔ نوگو تم خود ہی سوچو یہ خود غرض علماء بہشت و جہنم کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں ان کے کہنے پر مت چلو۔ چلم کے موقع پر لوگوں سے چندے بڑھ کر لوگوں کو عورتوں کا لباس پہنانا۔ دلدل۔ نیزہ۔ خیمہ۔ تنور۔ ٹشٹ۔ زنجیر وغیرہ کی نمائش کر کے واقعات کو بلا کی نقلیں اتارنا اور اس طرح غریب لوگوں کے کاروبار بند رکھنا اور ٹکے بڑھانا بالکل خلاف شریعت ہے۔ زیارت کو جانا اور

مرثیہ خوانی کرنا بھی واجب نہیں ہے۔ روضہ خوانی صرف اس حد تک جائز ہے کہ فلسفہ شہادت بیان کیا جائے کہ زور و ظلم اور باطل کے آگے جھکنا نہیں چاہیے اور بس۔ نذیر کہ ہر ایک مرثیہ خوان منبر پر بیٹھ کر بیہودہ گوئی کر کے اخلاق عامہ کو خراب کرے اور گرمیوں کی گرم بازاروں کے لئے ایسی موضوع حدیثوں سے کام لے کہ جو روئے یار دلالتے یارونی صورت بنائے وہ قطعی جنتی ہے یعنی خواہ کتنے ہی گناہ کر دے۔ دو ایک قطرہ آنسو ہانے سے سب کچھ بخشتا جائیگا اور یہ شخص جنت کا ٹھیکیدار بن جائے گا۔ دیکھئے ایسے خرافات کس قدر اخلاق عامہ کو خراب کرنے والے ہیں حتیٰ سبحانہ فرماتا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکتا ہے (من ذا الذی یشفع عندنا الا باذنہ) سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

اگر خدا نے بنا شکر مندہ اش خوشنورہ شفاعت ہم پر غیر ان مدار و نمود

(اگر خدا نے اپنے بابرہ سے راضی نہ ہو تو تمام پیغمبروں کی شفاعت کیا فلاح پہنچا سکتی ہے، ان اپنی دکان رزق

دینے والا مرثیہ خوان ایک قطرہ آنسو پر انسانی اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ (ج) خدا ہمارے متقدیم مصنفین اور مرثیہ خوانوں پر رحم فرمائے کہ انہوں نے جو کچھ کہیں سے سن لیا۔ کتابوں میں لکھ دیا۔ ایسی احادیث و اخبار و دراز عقل کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے راوی ایسا غیر انتھو خیرا وضعی (بناؤنی) لکھ لئے جاتے ہیں اور ان کو قوم کا تمنا تصور کیا جاتا ہے اور مبالغہ سے کام لے کر ان کو آسمان پر چڑھا یا جاتا ہے حالانکہ ان فرضی رہنماؤں کو خود منزل مقصود کا کچھ پتہ نہیں ایسے ہی اشخاص کے حق میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے شیعوں کے حق میں لشکرِ یزید سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اگر حکومت کا دخل بھی نہ ہو تو معلوم نہیں کیا کچھ ناسخ بد رونما ہوں بالآخر نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ہر ایک انقلاب سے آدمی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ہم (شیعہ) سال میں تین ماہ انقلاب دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ (منقول از رسائل ثلاثہ مصنفہ حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مصنف آفتاب ہدایت)

اصفا مانی شیعہ مجتہد کا یہ فتویٰ تمام مامی علماء و مجتہدین کے لئے ایک عبرت کا ناز یا نہ ہے مصنف فلاح الکونین کے سارے استدالات اور ان کے اختراعی مامی فلسفہ کا مکمل رد اس میں موجود ہے۔ اور اگر مذہب شیعہ کا تعلیم یافتہ صحت و عصب سے بالاتر ہو کر اس کو سمجھے تو اتم مروجہ کی حرمت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ واللہ العادی۔

ملک صاحب کے چینج کا جواب
ملک غلام عباس صاحب نے مامی جوش کے غلبہ میں یہ چینج دیا تھا کہ: اگر تم قرآن مجید میں الحمد سے والناس تک ایک آیت بھی ماتم حسین یا کسی شہید کے ماتم کا حرام ہونا یا ناجائز ہونا ثابت کر دو تو تمہیں ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ: اگر ملک صاحب کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ماتم حرام کے الفاظ دکھائے جائیں تو یہ لغو سوال ہے کیونکہ اس طرح تو آپ قرآن مجید میں کتا حرام ہونے کا بھی ثبوت پیش نہیں کر سکتے حالانکہ آپ کے نزدیک بھی کتا حرام ہی ہوگا۔ اور اگر یہ مطالبہ ہے کہ قرآنی اصول کے تحت مروجہ ماتم کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کیا جائے تو اس کا ثبوت میں اپنے رسالہ میں دے چکا ہوں جس کا جواب آپ نہیں دے سکے۔ اور اب پھر پیش خدمت کتابوں (رسالہ) ہم ماتم کیوں نہیں کرتے (ص ۳۵) اس کے جواب الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں، ملک صاحب کا سوال بقول آپ کے لغو ہوگا مگر جواب دینے میں آپ نے بھی کمال کر دیا چنانچہ ملک صاحب کا سوال ہے

اس حسینؑ کے ماتم کا جو کہ بنص آیت تطہیر انما یرید اللہ لیسذہب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً (پ ۲۲ - سورہ الاحزاب - آیت ۳۳) تفصیل کے لئے تفسیر درمنثور کی پانچویں جلد ملاحظہ کریں) الخ

اجواب (۱) آپ کا یہ الزام آپ کی کج فہمی پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنی شخصیت واجب الاحترام ہے۔ اور میں نے یہاں جواب میں حضرت حسینؑ کی ذات کے متعلق کچھ نہیں لکھا بلکہ میں نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ آپ کا فعل ماتم ہے۔ نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ اور پھر میں نے آپ کے اس فعل حرام کو بھی کتے سے تشبیہ نہیں دی۔ بلکہ میں نے تو آپ سے ایک سوال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے اگر ان الفاظ کا ثبوت مطلوب ہے کہ ماتم حرام ہے تو یہ الفاظ تو نہیں ملیں گے۔ لیکن ان الفاظ پر ماتم حرام ہونا موقوف نہیں۔ ورنہ آپ قرآن مجید سے یہ الفاظ نہیں دکھلا سکتے کہ کتا حرام ہے تو کیا پھر کتا آپ کے نزدیک حرام نہیں رہ جائیگا۔ تو کتے کا حرام ہونا ہی جس طرح ہم قرآن کے اصول سے ثابت کریں گے اسی طرح ماتم کا حرام ہونا بھی

آپ نے لکھا ہے کہ: ممکن ہے ملک صاحب کا یہ خیال درست ہو کہ **حق تصنیف کا معاملہ** قاضی صاحب کے جوابی رسالہ کی اشاعت کا اصل مقصد روپیہ کمانا ہے مگر ہمارے خیال میں جوابی کاروائی کی غرض دغایت صرف دھن دھن دلت کمانا نہیں۔ بلکہ اصل مطلب مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور خاص کر بریلوی حضرات کو شیعوں سے برگشتہ کرنا ہے۔ (فلاح الکونین ص ۱۱)

اجواب (۱) میں نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" یا مودودی مذہب وغیرہ جو کتا میں تصنیف کی ہیں وہ جماعت کی طرف سے چھپوائی جاتی ہیں۔ اور میں نے ان میں ایک پیسہ تک بھی بطور حق تصنیف نہیں لیا جتنی کہ کتاب آفتاب ہدایت جو میرے والد ماجد حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی لاجواب تصنیف ہے اس کے دو ایڈیشن میری اجازت سے مکتبہ رشیدیہ چکوال نے چھپوائے ہیں لیکن ان سے بھی میں نے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ بلکہ ان سے خود بھی قیمتاً آفتاب ہدایت لیتا ہوں۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ کیا کوئی کتاب آپ نے بلا معاوضہ لکھی ہے؟ (۲) میری دوسری غرض آپ نے کچھ سمجھ لی ہے کیونکہ میرا مقصد اس جوابی رسالہ کی اشاعت سے وہی تھا کہ دیوبندی ہوں یا بریلوی اہل سنت عوام آپ کے ماتم کا حرام ہونا سمجھ لیں۔ اور الحمد للہ میں اس میں کامیاب رہا ہوں

اور آپ کی پریشانی بھی اسی وجہ سے ہے۔

میں نے لکھا تھا کہ:۔ ملک صاحب اگر قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت کر دیں کہ مصیبت اور قتل و شہادت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے منہ پیٹنے اور سینہ کو ٹٹنے **دولاکھ کا دوسرا انعام**

کا حکم دیا ہے تو ان کو دولاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۳۵) اس کے جواب اجواب میں ثانی مصنف لکھتے ہیں:۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ قاضی صاحب کی دولت کا کوئی شمار نہیں اس لئے ان کی طرف سے دو اور دو چار لاکھ روپیہ کے انعاموں کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ ہم آپ کے چیلنج کو قبول کرتے ہیں اور قرآن حکیم سے اس کا جواب پیش کرتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یحِبُّ اللّٰهُ الْجھلھر بالسوء من القول الا من ظلم (فلاح الکونین ص ۱۱)

اجواب (۱) یہ دو دو لاکھ روپیہ کے انعام کا اعلان تو اپنے دعویٰ کی صداقت کی بنا پر کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے لئے اس چیلنج کا جواب ناممکن ہے (۲) جو آیت آپ نے اپنے ماتم کے ثبوت میں پیش کی ہے اس کا مفصل و ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ثابت کریں گے۔ اور پیش کردہ آیات سے اسی طرح ثابت کیا جا چکا ہے۔ گذشتہ مفصل بحث کو دوبارہ پڑھ لیں۔ کیا آپ کے پاس ان کا کوئی علمی صحیح جواب ہے۔ ہرگز نہیں۔

یہاں آپ کی خواہش کے مطابق میں صرف ایک ہی آیت **حرمت ماتم پر ایک ہی آیت کافی ہے** پیش کرتا ہوں:۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا

تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰٓئِقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ (سورۃ النحل - ع ۱۶ - پارہ ۱۴ آخری رکوع) آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اس آیت کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں:۔ اور (لے رسول) صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہوگا مگر اللہ ہی کی مدد سے اور ان (شہدائے احد) کے متعلق رنج نہ کرو اور دکافر جو چال چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو ترجمہ مقبول) فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کے ستر شہیدوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیا اور رنج کرنے سے منع فرمایا۔ لہذا ارشاد خداوندی اس آیت سے شہیدوں کے متعلق صبر کا واجب ہونا اور رنج رکھنے کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس سے رنج کرنا صبر کے خلاف بھی ثابت ہو گیا۔ (صبر کرو اور رنج نہ کرو) یہ آیت ماتم کے مسئلہ میں مذہب اہل سنت

کے حق میں نص قطعی ہے۔ اور اگر مائیموں کا مذہب ماتم کے مسئلے میں صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے۔ "صبر کرو اور ہمیشہ جزع فزع اور سینہ کو بی کرتے رہو" العیاذ باللہ کیا اس ارشاد خداوندی کے بعد بھی آپ محبت اہل بیت کی آڑ میں ماتم کو سنت اور عبادت قرار دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ البتہ ایک راستہ خلاصی کا آپ کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ یہ کہ اصلی قرآن میں تو آیت کے الفاظ یہ نہ تھے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیئے۔ اور اب تفسیر کی بنا پر شیعہ علماء بھی اس قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھ رہے ہیں۔

اگر غفلت سے باز آیا جھانکی ۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بہر حال ملک صاحب کے مطالبہ کے تحت ہم نے مذکورہ آیت سے ماتم اور جزع فزع کا حرام ہونا ثابت کر دیا ہے اور علم و دیانت کی روشنی میں شیعہ علماء ہمارے استدلال کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے حسب اعلان ایک لاکھ روپیہ کی ذمہ داری اب ملک صاحب پر عائد ہوتی ہے۔

مکمل جواب دلائل ماتم نمبر ۲۰ میں دے چکا ہوں۔ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر بالرائے کا مطلب

میں نے لکھا تھا کہ ملک صاحب نے مجھ پر تفسیر بالرائے کرنے کا الزام لگایا ہے حالانکہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت امام جعفر صادق کی بیان فرمودہ صبر کی تعریف پیش کی تھی ملک صاحب بیچارے کیا جانیں تفسیر بالرائے کیا ہوتی ہے انج (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۳۳) اس کے جواب اجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: آپ نے ملک صاحب کے عائد کردہ الزام کو تو لکھ دیا ہے مگر ملک صاحب کے جواب میں تفسیر بالرائے کا مطلب بیان نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائے کے مطلب کو آپ بھی نہیں جانتے اسی لئے آپ نے صرف اتنا لکھ کر کہ ملک صاحب بیچارے کیا جانیں کہ تفسیر بالرائے کیا ہوتی ہے" جواب کو گول کر دیا۔ لیجئے ہم آپ کو تفسیر بالرائے کا مطلب بتاتے ہیں غور سے پڑھیں اور خوب ذہن نشین کر لیں تاکہ بوقت ضرورت کا آئے (تفسیر بالرائے کا مطلب) انسان کس مطلب پر دو طرح سے استدلال کرتا ہے ایک یہ کہ دلیل کی روشنی میں پہلے منزل کو تلاش کرتا ہے اور آخر کار کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس کلام سے دلیل قائم کی جاتی ہے اس کے متکلم کی رائے کو معلوم کرنا لازمی ہے ورنہ نتیجہ اخذ کرنے والا اپنی منزل کو آخری اور یقینی منزل قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرا پہلے مطلب

قائم کیا جائے پھر تلاش کرے اور آیات کا رخ ادھر پھیرے مطلب یہ کہ بجائے دلیل سے نتیجہ نکالنے کے پہلے ہی نتیجہ قائم کیا جائے اور پھر دلیل تلاش کی جائے۔ یہیں پہنچ کر محسوس کو تفسیر بالرائے کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ مطلب فوت نہ ہو جائے۔ اب آپ دوسرے طریقہ استدلال کو پیش نظر رکھ کر ان آیات پر غور کریں جو آپ نے ماتم حسین کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنائی ہیں۔ آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی تفسیر بالرائے ہے پھر بھی اگر آپ نہ سمجھیں تو ہم سے رجوع کریں ہم آپ کو بالتفصیل سمجھا دیں گے" (فلاح المومنین ص ۱۱۱)

اجواب (۱) تفسیر بالرائے کا مطلب بیان کرنے میں بھی آپ نے اپنی روایتی جہالت سے کام لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "لیکن نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس کلام سے دلیل قائم کی جاتی ہے اس کے متکلم کی رائے کو معلوم کرنا لازمی ہے" اس میں تو بحث ہی نہیں کہ متکلم کی رائے یعنی مراد معلوم کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ متکلم کی مراد کیسے معلوم کی جائے۔ یعنی قرآن مجید کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ لیکن آپ نے خود بھی تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ پیش نہیں کیا تاکہ جو اس کے خلاف ہو اس کو تفسیر بالرائے پر محمول کیا جائے۔ اگر آپ تفسیر بالرائے کا مطلب خود سمجھتے تھے تو ایسی لائینی عبارت نہ پیش کرتے۔ اب سمجھئے جو کہ قرآن مجید عربی لغت اور محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "إنا أنزلناه قرآنا۔ عذریا لعلکم تعقلون" (سورۃ یوسف ع ۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: "ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی (زبان کا) تاکہ تم سمجھو اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے: "بیشک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو" اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "الحاصل میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عربی سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس میں اللہ نے اپنی مخلوق سے باتیں کی ہیں" (ترجمہ مقبول) اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب عربی لغت اور محاورہ کے مطابق معلوم کیا جائے (ب) اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام الہی کی مراد کو بذریعہ وحی صحیح طور پر سمجھنے والے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث

لہ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ "وانزلنا الیک الذکر لتبیین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتقون" (سورۃ النحل ع ۶) اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کریں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں (ترجمہ مولانا تھانوی) اور تمہاری طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسے تم لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دو کہ وہ غور و فکر کریں" (ترجمہ مقبول)

سے قرآن مجید کا مطلب حاصل کیا جائے گا۔ اگر لغوی معانی مختلف ہوں تو صحیح حدیث کے مطابق جو معنی ہوگا اس کو ترجیح دی جائے گی۔ لہذا تفسیر بالرائے وہ ہوگی جو عربی قواعد کے خلاف ہو یا ان ضروریات دین کے خلاف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ حدیث قطعی طور پر ثابت ہیں۔ اس بنا پر اگر دلائل کا موازنہ کیا جائے تو میں نے حرمت ماتم پر جن آیات سے استدلال کیا ہے۔ وہ تفسیر بالرائے نہیں بلکہ لغوی معنی کے مطابق ہے اور احادیث صحیح کے مضامین کے موافق ہے۔ میں نے جو آیات صبر پیش کی ہیں۔ ان سے ماتم کا ناجائز ہونا ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ لغت اور قرآن سے پہلے تفصیلاً یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جزع کا معنی بے صبری ہے اور جزع اور صبر دو حالتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں قرآن کا لفظ صبری آپ کے ماتم اور جزع فزع کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث اہل سنت اور احادیث شیعہ دونوں سے جزع کا صبر کے خلاف ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ پھر آپ اس کو تفسیر بالرائے کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ آپ نے ماتم کے لئے جن آیات سے استدلال کیا ہے وہ

یقیناً آپ کی تفسیر بالرائے ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی جن آیات میں حزن اور بکا کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے لغوی معنی کے خلاف ان سے پتہ چلا دیا ہے۔ اور احادیث مرویہ اہل بیت بھی آپ کی اس تفسیر کے خلاف ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ الزام مجھ پر لگا رہے ہیں۔ ع۔ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

آپ اپنے علماء کی تفسیر میں پڑھیں جو تفسیر بالرائے سے بھری پڑی ہیں۔

تفسیر بالرائے اور مفسرین شیعہ

(۱) سورۃ فاتحہ کی آیت اهدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں آپ کے شیخ قمی (جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ اور شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے بھی الکافی میں ان سے روایات نقل کی ہیں) کہتے ہیں۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ الصراط المستقیم قال هو امیر المؤمنین و معارفہ (امام جعفر صادق سے روایت ہے۔ کہ صراط مستقیم سے مراد حضرت علی اور ان کی معرفت ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔ والدلیل علی انہ امیر المؤمنین قولہ و انہ فی ام الکتاب لَدَیْنَا لَعَلَّیٰ حَکِیْمٌ۔ اور اس بات کی دلیل کہ صراط سے مراد حضرت علی ہیں یہ آیت ہے وَاِنَّہٗ فِیْ اٰمْرِ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلَّیٰ حَکِیْمٌ۔ (تفسیر قمی) یہ ہے تفسیر بالرائے۔ کہ صراط سے علی مراد

لیلیا۔ حالانکہ صراط مستقیم کا معنی نے سیدھا راستہ۔ اور حضرت علی خود صراط مستقیم نہیں بلکہ صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں چنانچہ اس کے بعد فرمایا۔ صراط الذین انعمت علیہم ان تو ان کے راستے کی ہدایت کر جن پر تو نے انعام کیا ہے) تو سورہ فاتحہ کی آیت سے ہی معلوم ہو گیا کہ صراط مستقیم اور بچے اور اس پر چلنے والے اور ہیں۔ (ب) اور اس پر جو سورہ الزخرف کی آیت سے دلیل قائم کی ہے وہ بھی بالکل غلط ہے چنانچہ آیات حسب ذیل ہیں۔

حَمْرٌ ۝ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّہٗ فِیْ اٰمْرِ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلَّیٰ حَکِیْمٌ ۝ (پ ۲۵۔ سورۃ الزخرف ع ۱) مولانا خاں زوی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔ حم۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اسے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو۔ اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے (ب) مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ حم۔ قسم ہے واضح کتاب کی۔ بیشک ہم نے اس کو عربی قرآن مقرر کیا تاکہ تم سمجھو۔ اور بیشک وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں ضرور عالی شان (اور) حکمت والا ہے (ب) اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

معانی الأخبار میں جناب امام جعفر صادق سے نیز تفسیر قمی میں منقول ہے کہ جس کا ذکر ام الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ میں ہے وہ جناب امیر المؤمنین ہیں کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کا یہ قول درج ہے اهدنا الصراط المستقیم اور الصراط المستقیم سے خود جناب امیر المؤمنین اور ان کی معرفت مراد ہے (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی شیخ قمی کی پیروی میں لعلی حکیم سے مراد علی بن ابی طالب ہی بتایا۔ حالانکہ ان آیات میں حضرت علی کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی یہاں صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ شروع میں وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ فرمایا کہ کتاب مبین یعنی قرآن مجید کی قسم۔ اور اس کا ترجمہ مولوی مقبول صاحب نے بھی یہی کہا ہے۔ قسم ہے واضح کتاب کی اور اس کے بعد کی ساری صفیہیں اسی کتاب کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ اور لعلی حکیم بھی کتاب اللہ کی صفتیں ہیں یعنی بڑے رتبہ والی اور حکمت والی کتاب ہے۔ لہذا لعلی حکیم سے حضرت علی مراد لینا تفسیر بالرائے اور تحریف معنوی ہے۔

وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ (۲) سورۃ البقرہ کی پہلی آیت ہے۔ اَلَمْ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبِ لَدَیْبِ فِیہ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب یہ

وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ (۲) سورۃ البقرہ کی پہلی آیت ہے۔ اَلَمْ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبِ لَدَیْبِ فِیہ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب یہ

کہتے ہیں۔ الم۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں (ترجمہ مقبول)

الشجرة سے مراد محمد و آل محمد کا درخت ہے

(۳) قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو فرمایا: وَلَا تَقْفُزَا بِهَذِهِ الشَّجَرَةِ۔ اس کا ترجمہ تو مولوی مقبول احمد صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں: مگر اس درخت کے پاس نہ جانا لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: الشجرة۔ محمد و آل محمد کے علم کا درخت مراد ہے جو انہی حضرت کے لئے مخصوص تھا اور یتیم و مسکین و امیر کو کھانا کھلانے کے بعد محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے لئے خدا نے اس درخت سے تحفہ بھیجا تھا یہ درخت جنت کے اور درختوں سے اس بات میں ممتاز تھا کہ اس میں گہیوں۔ انگور۔ انجیر۔ عنب اور ہر قسم کے طعام۔ میوے اور پھل گتے تھے۔ اسی وجہ سے جب درخت کا ذکر کیا ہے تو کسی نے گہیوں مراد لی ہے۔ کسی نے انجیر۔ کسی نے انگور اور کسی نے عنب فرماتے کیا عجیب تفسیر ہے۔ پہلے تو کہتے ہیں کہ اس درخت سے مراد محمد و آل محمد کے علم کا درخت ہے اور پھر اسی کو گہیوں اور انجیر وغیرہ والا درخت بنا لیا۔ جس درخت پر یہ گونا گوں پھل گتے ہوں کیا اس کو علم کا درخت بھی کہہ سکتے ہیں کیا گہیوں۔ انجیر کسی علم کے نام ہیں یہ ہے نمونہ شیعہ تفاسیر کا۔ اس کو ہم تفسیر بالرائے کا نام دیں یا کوئی اور۔ بہر حال عجیب مضحکہ خیز تفاسیر ہیں کیا اہل بیت کے فضائل قرآن حکیم کی معنوی تحریف کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے؟

غزوہ حنین اور حضرات صحابہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلقہ مامی مصنف نے آیت لا تحزن کے تحت جو طعنہ زنی کی تھی اس کا مفصل جواب گزر چکا ہے مامی ٹریکیٹ کے مصنف ملک غلام عباس صاحب کے ایک طعن کے جواب میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ: ملک صاحب یہ تو بتائیں کہ اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھاگ جائے والے ہوتے تو آپ کے عقیدہ کے مطابق کیا ان بھاگنے والوں نے ہی نعوز باللہ شیر خدا حضرت علی کی خلافت چھین لی تھی اور ان کی موجودگی میں خاندان رسالت پر ظلم کیا تھا اور حضرت علی نے باوجود اس کے صبر کیا تھا اور کیا یہی وہ بھاگنے والے اصحاب تھے جنہوں نے قبضہ و کسریٰ کے تحت پر قبضہ کر لیا تھا۔ (ہم مامی کیوں نہیں کرتے ص ۱۳۳) اس کے جواب

الجواب میں مامی مصنف لکھتے ہیں۔ صحابہ کے میدان جنگ سے فرار کے تاریخی شواہد تو ہم دلیل نمبر ۱۲ کے جواب الجواب میں بیان کر چکے ہیں یہاں فرار کریم کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں صحابہ کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا بیان کیا گیا ہے۔ اذ تصعدون ولا تلذون علی احد والرسول یدعوکم فی احوالکم (پ ۳۔ سورہ آل عمران آیت ۱۵) وہ دقت یا دروجب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو ٹوڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے (جنگ۔ احمد) احمد کے بعد حنین کا نظارہ کیجئے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتَكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّصَافَتْ عَلِيْكُمْ الْاَرْضَ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَاَيْتَتْكُمْ مَدْيَنَ بِرِيْنٍ ۝ (پ ۱۰۔ سورہ توبہ۔ آیت ۲۵) تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی) کے بہت موقعوں میں کفار پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے فتح کی کثرت پر غرور ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر آخر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

اب ان بھاگنے والوں کے نام اور فاصلہ حینی دور تک بھاگ کر گئے تفاسیر و تواریخ میں غور پڑھ لیں۔ ہم نام اس لئے نہیں بتاتے کہ اگر ہم نے نام بنا کے تو جس طرح مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبی جلد اول میں جنگ خیبر کے دوران حضرت عمر کا علم پھینک کر بھاگنا لکھ کر دیا کہ اس روایت کا راوی شیبان نامی ایک شیعہ ہے۔ لہذا کسی شیعہ کی زبان سے حضرت عمر کے فرار کا بیان اچھا معلوم نہیں ہوتا یا وہی آپ کو بھی کہنا پڑے۔ اُحُد اور حنین سے صحابہ کے فرار کا بیان اچھا معلوم نہیں ہوتا اس سے مابعد کے سوال کا جواب دے کر ہم ایک اور بحث کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتے۔ یہ وہی سوال ہے جس کا جواب ہمارے علمائے کرام سیکڑوں مرتبے سے لکھے ہیں لیکن ایک آپ ہیں کہ ایسے دلائل اور مسکت جواب پا کر بھی وہی مرے کی ایک ٹانگ کی رٹ لگائے جابھے ہیں۔ الجواب (۱) جنگ احد کے سلسلہ میں آپ کے طعن کا مفصل جواب دلیل نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ کر لیں (فلاح الکونین ص ۱۳۳) (۲) جنگ حنین کے متعلق آپ نے فرم وَاَيْتَتْكُمْ مَدْيَنَ بِرِيْنٍ ۝ سے بعد کی حسب ذیل آیات چھوڑ دی ہیں جن میں آپ کے طعن کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتًا عَلٰی رَسُوْلِهِ وَّ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جَنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَابًا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاذَلِكَ جَزَاءُ

الکافرين ثم يتوب الله من بعد ذلك على من يشاء والله غفورٌ رحيم (الترجمہ ص ۴۲)

ان آیات کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ لکھا ہے :- اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسے شکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی سزا ہے پھر خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے رحمت کرنے والے ہیں؛ اور آپ کے شیخ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب یہ ترجمہ لکھتے ہیں :- پھر اللہ نے اپنی تسلی اپنے رسول اور مومنین پر نازل کی اور ایسے شکر اتارے جن کو تم نے کبھی نہ دیکھا تھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا (جہی) یہی ہے۔ پھر اس کے بعد اور جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے؛ (ترجمہ مقبول) ان آیات سے ثابت ہوا کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت فرمائی تھی (لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرتہ و دیوم حنین) فرمائی اللہ تعالیٰ کی نصرت مومنین کو ہوتی ہے یا کافرن اور منافقین کو۔ (ب) قرآن مجید میں بھاگنے والوں کا نام نہیں لیکن یہ فرمایا کہ ان پر اللہ نے اپنی تسلی نازل فرمائی جس کے بعد ان کے قدم جم گئے یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہے۔ (ج) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی فرشتوں کے لشکروں سے مدد فرمائی۔ کیا کفار اور منافقین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فرشتوں کے ذریعہ مدد فرماتی جاتی ہے؟ (د) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے مقابلہ میں رٹنے والے کافروں کو سزا دی کہ ان میں سے کسی قتل ہوئے اور کسی گرفتار کر لئے گئے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اللہ تعالیٰ کی مقبول اور پسندیدہ تھی اگر ان میں سے وقتی طور پر کسی سے غلطی بھی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرمادی۔ اس کے بعد بھی اگر آپ اس جماعت صحابہ سے بڑھیں اور اب تک ان کو طعن کرنا آپ کا مذہب ہی مشن ہے تو پھر آپ کو اس قرآن مقدس کے کلام الہی ہونے میں شبہ ہے اور آپ کا موجودہ قرآن پر ہرگز ایمان نہیں ہے۔ یہی وہ مقدس جماعت صحابہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کفار کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمایا۔ اور قرآنی پیشگوئیوں کے تحت ان کے ذریعہ اسلام و شریعت کا نور اطراف عالم میں پھیل گیا۔

جنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ مولانا شبلی نعمانی سیرت الجنی میں لکھتے ہیں کہ :- شوال ۳۱ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۲ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس سڑک سے جنین پر بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل

گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔ (ص ۳۳) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئے اس لیے مسلمانوں کی فوج کو شکست سے بدل دیا گیا۔ اور یہ ان کی اصلاح کے لئے تھا۔ لیکن اسباب کے تحت مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :- شکست کے مختلف اسباب تھے۔ مقدمتہ الجیش میں جو حضرت خالد کی افسری میں تھا زیادہ تر فوج مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلام جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے (بخاری باب الجہاد) فوج میں دو ہزار مطلقاً یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے جو ان تیر اندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی شمالی نہیں جاتا تھا۔ کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی کھائیوں، کھدوں اور دروں میں جا بجا جمادے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھا تھا کہ سانسے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ ادھر کینٹنوں سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مقدمتہ الجیش اتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکٹھے گئے۔ صحیح البخاری میں ہے فادبروا عنہ حتی یبقی وحده۔ یعنی سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ (سیرت النبی ص ۵۲۸) مولانا سید سلیمان صاحب ندوی حاشیہ میں اس روایت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- اسناد احمد ج ۱ ص ۲۵۷ و حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳) یہ بتی نے حارث بن نعمان سے روایت کی ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے (زر قانی ج ۳ ص ۲۲) ابو نعیم نے دلائل میں سنو کی تفصیل بتلائی ہے کہ تیس سے کچھ زائد ہاجرین تھے بقیہ انصار تھے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین، انصار اور اہل بیت، میں سے حسب ذیل صحابہ موجود تھے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیان بن الحارث، حضرت جعفر بن ابی سفیان بن حارث، حضرت فضل بن عباس، حضرت ربیع بن حارث، حضرت اسامہ بن زید، حضرت امین بن ام امین۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس کے الفاظ یعنی دھڑا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے تھے) اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہ

کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضور آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ نہ تھی دوسری روایات میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۲۲) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضور کے پاس پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ خاصی جماعت حضور کے گرد جمع ہو گئی۔ اس وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے چاشیرت النبی جلد اول ص ۲۸) اور تاریخ ابن خلدون میں غزوہ حنین کے سلسلے میں لکھتے ہیں: "و ثبت معه ابو بکر و عمر و علی و العباس و ابو سفیان بن الحارث و ابنہ جعفر و الفضل و قسرا بن العباس و جماعة سوا هذا" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت رہنے والے حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت علی حضرت عباس حضرت ابوسفیان اور جعفر بن ابی سفیان اور حضرت عباس کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کے علاوہ اور جماعت بھی تھی اور طبقات ابن سعد جلد اول میں لکھا ہے کہ: "اس روز آپ کے ہمراہ عباس بن عبدالمطلب - علی بن ابی طالب - فضل بن عباس - ابوسفیان بن الحارث ابن عبدالمطلب - رسیہ بن الحارث بن عبدالمطلب - ابو بکر و عمر اور اسامہ بن زید اپنے چند گھر والوں اور ساتھیوں کے ہمراہ ثابت قدم رہے" (ص ۴۱) فرمائیے ثابت قدم رہنے والوں میں جب حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت علی کے ناموں کی تصریح پائی جاتی ہے پھر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ پھر اس موقع پر جس نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا ہے اس لئے صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون کون ساتھ تھے اور کون کون نہ تھے۔ علاوہ ازیں جس طرح کفار کے تیر اندازوں نے سخت حملہ کیا تھا اور مومنین نشیب میں بھی تھے اور مقدمہ الجیش میں نو مسلم جو شیلے نوجوان تھے جن کے پاؤں پہلے اکھڑے اور ان کی وجہ سے سارے لشکر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ ایسا جھگانہ تھا کہ بالکل ہی میدان چھوڑ کر کہیں دور نکل گئے ہوں۔ اسی لئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عباس نے پکارا تو سب لشکر جمع ہو گیا۔ چنانچہ علامہ شبلی مرحوم لکھتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا محشر الانصار۔ آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا "اب بھی وہی آواز آئی" آپ سواری سے اتر پڑے اور جلالت نبوت

کے لہجے میں فرمایا۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں" (صحیح بخاری جلد دوم) بخاری کی دوسری روایت میں ہے انالنبی لا کذب - انا بن عبدالمطلب۔ (میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ ہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا۔ یا محشر الانصار۔ یا اصحاب الشجرہ (اور گروہ انصار۔ او اصحاب الشجرہ) بیعت رضوان والے اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھسان کی وجہ سے مڑنے لگے انہوں نے زبر میں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں الخ (سیرت النبی ص ۲۹) تو جب حسب ارشاد ربانی تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت اور تسلی نازل ہوئی اور پھر ان کی مدد کے لئے ملائکہ بھی نازل ہوئے تو جن کے قدم اکھڑ چکے تھے وہ بھی جم گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کفار سے میدان خالی ہو گیا۔ اور صحابہ کرام کو فتح کا بل نصیب ہو گئی تو پھر طعن کی کیا گنجائش ہے۔ دراصل دکھ تو آپ کو صحابہ کرام کی ان فتوحات کا ہے جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھیں۔ لیکن ان غازیان اسلام سے بدظن کرنے سے اگر کوئی لفظ ایسا ملتا ہے جس سے ناواقف لوگوں کو شبہ ڈالا جاسکے تو اسی کو لے کر اس مقدس جماعت کے خلاف زبان درازی شروع کر دیتے ہیں۔ مگر از روئے ایمان و انصاف اگر دیکھا جائے تو یہی آیات صحابہ کرام کی مقبولیت پر دلالت کرتی ہیں۔

”تمام علمائے اہل سنت کے نزدیک ماتم مروجہ حرام ہے“

میں نے ماتمی ٹریکٹ کے مصنف ملک غلام عباس صاحب کے جواب میں لکھا تھا کہ :- ملک صاحب آپ نے سولے اپنے فرقہ کے باقی تمام مسلم فرقوں کے خلاف یہ ٹریکٹ لکھا تھا کیونکہ سولے آپ کے قبیل فرقہ کے اور کوئی فرقہ آپ کے مروجہ ماتم کو عبادت نہیں سمجھتا حتیٰ کہ مسلمانان اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر خواہ حنفی ہوں یا شافعی۔ دیوبندی ہوں یا بریلوی) اس مروجہ ماتم کو شرعاً ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں چنانچہ بریلوی علماء کے امام مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ ”جلس مرتبہ خوانی اہل شیعہ میں اہل سنت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں“ لکھا ہے کہ :- حرام ہے۔۔۔۔۔ کچھ نہ ہو تو روایات موضوعہ و کلمات تشبیہ و ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں گے سنیں گے اور منع نہ کر سکیں گے۔ ایسی جگہ جانا حرام ہے در سالہ تعزیرہ داری اور ملک صاحب یہ خوب جانتے ہیں کہ پاکستان، ہندوستان۔ افعال ستان اور تمام دنیا اسلام میں مسلمانان اہل سنت والجماعت کی اکثریت کے نزدیک یہ ماتم ناجائز ہے۔ باقی رہا ملک صاحب کا یہ لکھنا کہ ”ہند میں ہندو بھی امام حسین کا ماتم کرتے ہیں۔ تو کیا ملک صاحب کے نزدیک ہندوؤں کا فعل اسلامی عبادت میں شمار ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا ہندو اسلام اور قرآن کو بھی مانتے ہیں کہ امام حسین کے ساتھ ان کو مذہبی عقیدت ہو۔ کیا ہندوستان کے ہندو وہی تو نہیں جنہوں نے اسلام دشمنی میں مشرق پاکستان پر قبضہ کر لیا ہے؟ ملک صاحب کی پریشانی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اتحاد کے پردے میں انہوں نے جو کوشش اہل سنت کو ماتمی بنانے میں شروع کر رکھی تھی اس پر ملک صاحب متناہم کریں وہ معذور ہیں“ درم ماتم کیوں نہیں کرتے (ص ۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- یہ بات بھی قابل تسلیم نہیں کہ یہ ٹریکٹ تمام اسلامی فرقوں کے خلاف ہے کیونکہ ہزاروں اہل سنت والجماعت بریلوی، مجالس ہائے حسین میں شریک ہوتے ہیں اور مصائب حسین کو سن کر اپنی آنکھوں سے قطرات اشک بہاتے اور اس عظیم محسن اسلام کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ علم اور تعزیر پر نذرین چڑھاتے ہیں بلکہ کئی مقام کے اہل سنت حضرات بانی مجالس اور تعزیرہ دار بھی ہیں۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے علاقے میں ایسی مثالیں موجود ملے ہائے علاقے سے اور اگر کچھ علاقے تو ہمارے علم میں یہاں کہیں بھی ایسے اہل سنت نہیں جو تعزیرہ داروں کی لاش کہ مصنف اس کی مثال پیش کر رہے ہیں۔ اگر تعزیرہ داروں پر ہمارے علاقے کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ تو اصل مصنف جس علاقے کے ہیں ممکن ہے وہاں ایسے اہل سنت موجود ہوں۔ واللہ اعلم۔

میں۔ ملتان میں تو اہل سنت تعزیرہ داروں کی اکثریت ہے۔ اگر آپ اہل سنت کو ماتم (زنجیر زنی) کرتے دیکھنا چاہیں تو ایام محرم الحرام میں پیشوا در تشریف لے جائیں اور پچھتم خود ملاحظہ کر کے یقین کریں۔ کیا واقعی ماتم کرنے اور مجالس سننے والوں میں اکثریت اہل سنت والجماعت کی ہے یا نہیں الخ (فلاح الکونین ص ۱۲)

الجواب (۱) تعجب ہے کہ میرے رسالہ ”ماتم کیوں نہیں کرتے“ میں بریلوی مسلک کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کے درج شدہ حرمت ماتم کے فتویٰ کے بعد بھی آپ بریلوی عوام کے ماتمی مجالس میں شریک ہونے کو جواز ماتم کی تائید میں پیش کر رہے ہیں کیا عوام کا یہ فعل شرعی حجت سے (رب) کیا سنی عوام سینماؤں تجھیڑوں اور خلاف شرع میلوں میں شریک نہیں ہوتے تو کیا ان کی وجہ سے برخلاف شرع امور مذہب اہل سنت میں جائز ہو جائیں گے۔ رج عموماً سنی عوام اپنے مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر ماتم میں شریک ہوتے ہیں اور ان کو سمجھانے کے لئے ہی تو حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے مذکورہ فتویٰ میں یہ لکھا ہے کہ :- شیعوں کی مجلس مرتبہ خوانی میں اہل سنت کا جانا حرام ہے۔ تو پشاور کے سنی مسلمان ہوں یا ملتان کے ان کی نادانی اور جہالت کی وجہ سے آپ کے ماتم حرام کو حلال کی سید تو نہیں مل سکتی (د) آپ ماتم میں زنجیر زنی کے تماشا کو بطور فخر بیان کر رہے ہیں حالانکہ دُرُجھ کے ایڈیٹر صاحب کی کتاب خزینۃ المسائل کا حوالہ یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ شیعہ مجتہدین کے نزدیک زنجیر زنی منع ہے۔ اور شیخ محمد تقی اعصہانی کا فتویٰ بھی درج کیا گیا ہے کہ زنجیر زنی تو کجا سینہ کون بھی خلاف شریعت ہے۔ اور فرعون کا فی تفسیر تہی من لایحضرہ الفقیہ کی احادیث سے بھی ماتم مروجہ کے افعال کا حرام ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے۔ تو اس کے باوجود بھی آپ جیسے شیعہ علماء جب ماتم حرام کے عبادت ہونے پر کتابیں شائع کرتے ہیں تو اگر سنی عوام اپنی کم علمی کی وجہ سے ماتمی مجالس میں شریک ہو جائیں تو کیا عمل تعجب ہے؟ (د) سنی عوام ماتم کو عبادت سمجھ کر بھی شریک نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک ماتمی تماشا دیکھنے اور ذکرین کی مرتبہ خوانی سننے کے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی تو دیکھیں کہ رسالہ ”ماتم کیوں نہیں کرتے“ کی وجہ سے کئی سنی عوام ماتمی مجالس سے توبہ بھی کر گئے ہیں۔ خصوصاً تلنگ کے اہل سنت کیلئے تو یہ رسالہ ایک ایسا رہنما ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے ماتمی مجالس کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ماتمی چند سے بند کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے تلنگ کی ماتمی مجالس اور وہاں کے ماتمی جلیوس بے رونق ہو گئے ہیں اور ماتمی مجالس کے مقابلہ میں اب وہاں کے سنی مسلمان دیوبندی ہوں یا بریلوی) متحدہ طور پر عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کرتے ہیں۔ اور چکوال اور اس

کے نواحی علاقوں میں بھی یہی حال ہے۔ خدام اہل سنت کی جدوجہد نتیجہ میں دیہات کے سنی عوام اب بیدار ہو چکے ہیں۔ اور مذہب اہل سنت کا پرچم بلند ہو رہا ہے۔ حق چار یار کا نغلقہ بلند ہے اور بریلوی علماء بھی اپنے جلسوں کے اشتہاراًت کو ”حق چار یار“ سے مزین کر رہے ہیں۔ بلکہ اب تو پاکستان بھر میں خلفائے راشدین کی صداقت و حقانیت کا اعلان اور مذہب اہل سنت کا امتیازی نشان پھیل رہا ہے ماتم کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں اور سنت رسول اور حیات رسول یعنی صحابہ کرام اور اہل بیت عظیم کے صبر و استقامت کے انوار پھیل رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ مذہب اہل سنت کا پرچم بلند ہو گا۔ اور ان شاء اللہ خدام اہل سنت کی سرگرمیوں کا اعتراف کرنے پر آپ بھی ان الفاظ میں مجبور ہو گئے ہیں کہ: اگر بقول قاضی صاحب یتیم بھی کر لیا جائے کہ ٹریکٹ مذکورہ فرستہ شیعہ کے باقی تمام مسلم مکاتب فکر کے خلاف نہیں ہے تو قاضی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی یتیمی کافر نہیں۔ تبلیغی جلسے اور ان میں ہونے والی وصال و حار تقریریں۔ آپ کے کتبوں میں شائع ہونے والی کتابیں۔ رسالے۔ پمفلٹ اور اشتہار وغیرہم کیا دوسرے اسلامی فرقوں کے خلاف نہیں؟ (فلاح الکونین ص ۱۱۱) الجواب۔ ہمارے یتیمی جلسے اور سنی کافر نہیں۔ کتابیں اور پمفلٹ بلکہ سنی کیلنڈر مذہب اہل سنت کی حقانیت کی تبلیغ و تحفظ کے لئے ہیں جو ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ ہم خلافت راشدہ۔ حق چار یار اصحاب رسول کے معیار حق ہوتے۔ ازواج مطہرات کے جنتی ہونے اور اہل بیت کے اہل سنت ہونے وغیرہ عقائد و مسائل کی تقریراً و تحریراً تبلیغ کرتے ہیں اور اس کی زد اگر پڑتی ہے تو اس فرقہ پر جو سنت رسول یا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا مخالفت ہے۔ ہم ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ کا بھی تحفظ کرتے ہیں جس کی زد مرزائی پارٹی پر پڑتی ہے لیکن مرزائیوں کو ہم مسلم فرقوں میں شمار نہیں کرتے۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

پیشاؤ کے سنی مسلمانوں کی خدمت میں

صوبہ سرحد میں سنی حنفی مسلمانوں کی عظیم اکثریت پائی جاتی ہے اور علمائے اہل سنت کے بڑے بڑے دینی ملازم بھی پڑے ہیں جن سے ہر سال سینکڑوں علماء۔ صحفا اور قراء فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور حضرات علمائے کرام میں دارالعلوم دیوبند کے فضلا و بکثرت ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر وہ حضرات ہیں جن کو شیخ العرب والجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے شرف تلمذ اور شرف بیعت حاصل ہے لیکن افسوس ہے کہ عوام اہل سنت میں اہل سنت کے نام و عنوان سے تبلیغ کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی اور سنی مسلمانوں کی ناواقفیت اور غفلت کی وجہ شیعیت

کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ چنانچہ پیشاور شہر میں ماہ محرم میں مندر ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں اگر سنی عوام ماتم کی قباحت محبت سمجھتے تو آج ماتمی مصنف کی طرف سے پیشاؤ کے سنی عوام کے ماتمی مجالس میں شریک ہونے کا یوں طعنہ نہ دیا جاتا۔ ہر حال اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر محاذ پر سنی مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین۔

۱۔ خدانے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا ہے۔ اسی سلسلے میں انتہائی پریشانی کے عالم میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: بقول آپ کے پاکستان۔ ہندوستان اور افغانستان بلکہ دنیائے اسلام میں مسلمانان اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے نزدیک یہ ماتم حرام ہے، لیکن ملک صاحب کیا جانیں۔ انہوں نے پاکستان سے باہر زمامیوں کو ماتم کرتے دیکھا اور نہ کسی اہل سنت کو نواسرہ رسول کی عزاداری اور ماتم کو ناجائز اور حرام کہتے سنا۔ انہوں نے تو صرف آپ کو ہی عزاداری کی مخالفت کرتے دیکھا اور آپ کو ہی ماتم کو ناجائز اور حرام کہتے سنا۔ کیونکہ آپ ہی ایک ایسے سنی مسلمان ہیں جن کا رسالہ ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں“ کو دیکھ کر غصہ کا پارہ چڑھ گیا اور اس کے جواب میں ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ لکھ لیا۔ اسی بنا پر جو تمام مسلمانان اہل سنت والجماعت سے صرف آپ کو ہی عزاداری کا دشمن سمجھے پر مجبور ہیں۔ لیکن اتنا یاد رکھیں کہ اگر عیسائیت۔ یہودیت اور ہندویت کی عظیم اکثریت باوجود ہزار ہا کوششوں کے اسلام کو ختم نہ کر سکی تو جس اکثریت کا ڈھول آپ پیٹ رہے ہیں وہ ماتم حسین کو ان شاء اللہ عزیز کبھی ختم نہیں کر سکتی“ (فلاح الکونین ص ۱۱۱) الجواب (۱) ہمارے چھوٹے سے رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ سے آپ نے کھلا گئے ہیں توجہ بشارت الدارین بالعبیر علی شہادت الحسین“ شائع ہوگی تو خدا جلنے آپ کا کیا حال ہو گا۔ ماتم حسین ختم ہو یا نہ ہو۔ ہم نے تو اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنا ہے اور حیثیت کا صاف و شفاف چہرہ دکھانا ہے جن پر ماتم اور بعض صحابہ کے تہ برتر پڑے پڑے ہوئے ہیں۔

۲۔ اگرچہ بہت میں جماعت کی استیغاب میں ہمیں ہے علم اذال لا الہ الا اللہ اور اب آپ کا یہ حربہ کام نہیں دے سکتا کہ صرف دیوبندی علماء ماتم کے خلاف ہیں اور بریلوی علماء اس کو ناجائز نہیں کہتے کیونکہ صرف سنی عوام کی غفلت کی وجہ سے آپ اس پروپیگنڈے سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور دیوبندی ہوں یا بریلوی۔ حنفی ہوں یا شافعی اہل سنت کے تمام علماء کے نزدیک آپ کا مروجہ ماتم حرام ہے۔

سنی مطالبات کی تحریک | تحریک خدام اہل سنت کی جدوجہد سے ہزار ہا کی تعداد میں ملک کے مختلف طبقوں

میں دو سنی مطالبات، کی اشاعت نے شیعہ پروپیگنڈا کی خوب فلاحی کھول دی ہے۔ کیونکہ ان مطالبات پر دیوبندی علماء کے علاوہ بریلوی مسلک کے ممتاز علماء کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اور مسلکی اختلاف کے باوجود علماء اہل حدیث نے بھی ان مطالبات پر دستخط کر دیئے ہیں۔ بلکہ قومی اسمبلی کے ساتھ علماء اراکان کے بھی ان سنی مطالبات پر دستخط دستخط موجود ہیں جن میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا عبدالرحمن صاحب شیخ الحدیث، اور مولانا صدر الشہید صاحب بنوی مولانا عبدالکبیر صاحب (راولپنڈی)، مولانا نعمت اللہ صاحب کوٹلی، مولانا عبدالرحمن صاحب، بلوچستان دیوبندی مسلک کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور مولانا شاہ احمد صاحب نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان بریلوی مسلک کے رہنما ہیں علاوہ ازیں مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں سے تنظیم اہل سنت، جمعیت علماء اسلام راولپنڈی، جمعیت علماء پاکستان، مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، انجمن تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان، سنی پارٹی، مرکز جمیع صحابہ پاکستان، سنی کانفرنس اور تحفظ ناموس صحابہ کے علماء و علماء کے بھی دستخط ہیں۔ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان چاروں صوبوں کے علماء نے اس سنی دستاویز پر دستخط کر کے بیانات کر دیئے کہ سونے ایک قید بلکہ اقل فرقہ شیعہ کے باقی تمام مسلم فرقوں اور جماعتوں کے نزدیک روجہ ماتم حرام ہے۔ اور نامی جلسوں پر پابندی لازمی ہے۔

دیوبندی بریلوی اختلاف اہلسنت کا داخلی معاملہ ہے

حرمات نامہ کے دلائل کی کتاب نذرا کرتی مصنف صاحب دیوبندی بریلوی اختلاف کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ :- اپنے بریلوی علماء کے امام حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا جو فتویٰ مجلس مرثیہ خوان اہل شیعہ کے متعلق نقل کیا ہے ہم اس فتویٰ کے جواب میں قلم اٹھانے کو اسلئے تیار نہیں کہ فتویٰ دینے والے مفتی کا آپ کے فرقہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں کیونکہ یہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی وہی ہیں جنہوں نے آپ کے اکابرین سلف پر علماء حرمین شریفین سے کفر کے فتوے جاری کرائے اور ان فتاویٰ کو جمع کر کے ”حسام الحرمین“ کے نام سے شائع کیا۔ ان سے چند ایک فرقے پیش خدمت ہیں انہیں دلائل الکونین ص ۱۱۱) اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں :- اسبم آپ سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ عزا داری حضرت امام حسین علیہ السلام کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے آپ کے ضمیر نے ایسے مفتی کے فتوے کو نقل کرنے کی کیسے اجازت دی جس نے آپ کے مسلک کو فرقہ واپار کو زہر کہا ”ص ۱۱۱

الجواب - ۱۱) میں نے بریلوی علماء کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ روماتم میں اس دعویٰ کی تائید میں پیش کیا تھا کہ سب اہل سنت ماتم روجہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (ب) اس فتویٰ کو نقل کرنے سے آپ کے اس پروپیگنڈے کو باطل کیا گیا کہ شیعہ اور بریلوی تو ایک ہی ہیں ان میں کوئی خاص اختلاف نہیں۔ اور اس فتویٰ کی اشاعت کے بعد آپ کا وہ جال تار تار ہو گیا جس سے آپ ناواقف بریلوی عوام کو شکار کیا کرتے تھے۔ اور الحمد للہ بہت سے بریلوی سنی پہلی بار اس حقیقت سے واقف ہوئے کہ ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی شیعہ مجالس اور ماتم کے اتنے سخت مخالف ہیں اور آپ کی اس ساری بوکھاہٹ کی وجہ بھی یہی امر ہے۔ چنانچہ آپ نے بے اختیار ہو کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ :- ممکن ہے ملک صاحب کا یہ خیال درست ہو کہ قاضی صاحب کے جوابی رسالہ کی اشاعت کا اصلی مقصد روپیہ کمانا ہو مگر ہمارے خیال میں جوابی کارروائی کی غرض وغایت صرف دھن دولت کمانا نہیں بلکہ اصل مطلب مسلمانوں میں چھوٹ ڈالنا اور خاص کر بریلوی حضرات کو شیعوں سے برگشتہ کرنا ہے۔ ”دلائل الکونین ص ۱۱۱) میرے جوابی رسالہ کی پہلی وجہ جو ملک صاحب نے بیان کی ہے وہ تو بے بنیاد ہے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میری تصانیف جماعتی ہیں اور ان پر میں کچھ معاوضہ نہیں لیتا۔ اور دوسری وجہ آپ نے کچھ سمجھی ہے کیونکہ اس رسالہ کی بنا پر بریلوی عوام و خواص میں ایک خاص احساس پیدا ہو گیا ہے اور مخالفین اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منکرین خلافت راشدہ کو انہوں نے تار لیا ہے۔ اور آپ کی نگاہ میں میرا یہ قصور ہے تو مجھے اس پر ناز ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور میری توبہ گاہ خداوندی میں یہ دعا ہے۔

رسول پاک کی عظمت و محبت اور اطاعت کی	توسب خدام کو توفیق دے اپنی عیب و تکی
تیری راہ میں ہر اک سنی مسلمان وقف ہو جائے	ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے
ہمیشہ دین حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم	تیری توفیق سے ہم اہل سنت کے رہیں حتام
تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری رضوان	نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہر ناداں

(۲) دیوبندی ہوں یا بریلوی علماء شیعہ فرقہ کے تقابل میں حسب ذیل امور پر متفق ہیں۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ماانا علیہ واصحابی کے تحت امت کے ۳ فرقوں میں سے ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے۔ (۲) کتاب اللہ کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرعاً حجت ہے (۳) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مجاہدین اور جنتی ہیں (۱۲) چاروں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم میں سے اور برترتیب خلافت ان کو باہمی نصیحت حاصل ہے (۵) افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق ہیں (۶) انسانوں میں سوائے انبیائے علیہم السلام کے اور کوئی معصوم نہیں ہے (۷) مقام نبوت سب سے بڑا مقام ہے۔ امامت و خلافت کا درجہ نبوت سے نیچے ہے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جو امامت ملی وہ نبوت کی امامت تھی نہ کہ غیر نبوت کی (۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ قطعی کا فر ہے مثلاً مسیلمہ کذاب، اور مرزا غلام احمد قادیانی۔ اور اس کو نبی یا مجرمانہ دے لے بھی قطعی کا فر ہیں (۹) انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی خلیفہ اور امام نبیائے کرام علیہم السلام سے افضل نہیں ہو سکتا۔ (۱۰) رسول اکرم رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ وغیرہ تھیں قطعی جنتی ہیں اور حسب ارشاد قرآنی و ادراجہ اہماتہم تمام مومنین مومنات امت کی مائیں ہیں (۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار ہیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ الزہراء اور سب جنتی ہیں۔ البتہ ان سب میں بڑا درجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔ سیدۃ النساء اہل الجنۃ فاطمہ بنت محمد (جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ ہوں گی) (۱۲) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم بچپن میں ہی وفات پا گئے یہ سب پیارے اور جنتی ہیں (۱۳) انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما اور حسب ارشاد نبوی جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ سیدنا شباب اہل الجنة الحسن والحسین، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، گو غلط فہمی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلح کے بعد بالاتفاق خلیفہ اسلام اور قطعی جنتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد رضا خان صاحب

مولانا بریلوی کے نزدیک امیر معاویہ پر طعن کرنے والا دوزخ کا کتا ہے

بریلوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ پر مخالفین کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ

شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد شہاہ کو جھٹلا تا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کا ذہب ہیں ارشاد الہی کے مقابلے پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند کر دیا ہے کہ دو فروع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔ واولئک یاتعلمون خبیثاً۔ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔ باہیں ہمہ میں تم سے بھلائی کا وعدہ فرمایا چکا۔ اس کے بعد جو کوئی کچھ وہ اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الزین مخرج شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔ ومن یکن یطعن فی معاویۃ فخذ لک من کلاب السداویۃ۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول ص ۵۵)

ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:-

مولانا بریلوی کے نزدیک صدیق و فاروق کا گستاخ کافر ہے

جو حضرت شعیب، صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم خواہ ان میں سے ایک کی شان میں گستاخی کرے اگر صرف اس قدر کہ امام و خلیفہ تھے تو مانے۔ کتب معتبرہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ترجمہ و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے (رد المحتار ص ۵۷)

(ب) اسی رسالہ میں مولانا بریلوی لکھتے ہیں:- رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کوسب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل جانتے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔ (ص ۱۰) اسی طرح خلافت فاروق اعظم کا منکر بھی صحیح تر قول میں وہ کافر ہے (ص ۱۰) جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے (ص ۱۰) اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے باجماع مسلمان کافر ہے (ص ۱۰) اس رافضیوں تبرائیوں کے منہ لکھتے ہیں کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں۔ ان کے ہاتھ بیکوڑ سے۔۔۔ ان کے مرد و عورت عالم جاہل کسی سے میل جول سلام کلام سب سخت کیرہ۔ اشد حرام جو ان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر بھی انہیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر ہے دین ہے اور اس کے لئے بھی سب احکام ہیں جو ان کے لئے مذکور ہوئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتویٰ کا گوش ہوش سنبھالیں اور اس پر عمل کر کے سچے کچے سنی بنیں

رد المحتار ص ۲۳۲-۲۳۳ مطبوعہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب (لاہور) مولانا بریلوی مرحوم کے ان فتاویٰ

پر آپ ضرور ماتم کریں گے اور اپنی مظلومیت کے لئے چیخ و پکار کریں گے۔ لیکن آپ اپنی مذہبی کتابیں دیکھیں کہ حضرات خلفائے کرام کے خلاف کیا کچھ لکھا ہے۔ اور آپ نے خود بھی فلاح الکونین میں خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں کچھ کمی نہیں کی اور صاف طور پر لکھ دیا کہ: حقیقت میں یہی لوگ نارک صبر ہوئے سچائی سے دُور ہوئے۔ جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، (فلاح الکونین ص ۱۵) تو علمائے اہل سنت جو حضرات صحابہ اور خلفائے راشدین کو مومن کامل اور قطعی حجتی مانتے ہیں کیا وہ ان پر طعن کرنے والوں پر پھول برسائیں گے؟ مزید بحث مستند تو ماتم مروجہ کا تھا لیکن آپ نے اس کی آڑ میں اصحاب و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت طعن بنایا اسلئے عجیب بھی آپ کے الزامات کا جواب دینا پڑا۔ کیا آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار کی فہرست میں شمار نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: حق سے باطل کی ٹکر و ستیزہ کاری کوئی نئی چیز نہیں۔ ابتدائے آفرینش کائنات سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور آفتاب قیامت کے طلوع کرنے پر جاری رہے گا۔ (دلائل ان غشقیین، آدم و ابلیس۔ بائبل و تائیل فوج و سرکشان قوم۔ ابراہیم و نردور موسیٰ و فرعون۔ محمد مصطفیٰ و ابوجہل۔ علی مرتضیٰ و معاویہ۔ حسین و زید و ائمہ اطہر) اسی ناقابل رد حقیقت کے عملی مظاہرے نہیں ہیں، (تقریظ فلاح الکونین از مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ المعروف ڈاکٹر صاحب ص ۱) علامہ محمد حسین صاحب ڈھکونے اپنے قبلی تقاضے سے عبور ہو کر معرکہ حق و باطل اور ایمان و کفر کی یہ فہرست درج کر دی ہے حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مومن مانتے ہیں اور اپنے اور ان کے ایمان کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بیچ البلاغۃ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے اہل حقیقین سے اپنی جنگ کے متعلق شہروں میں یہ چھیٹی ارسال کی تھی۔ وکان بدءاً مؤمناتنا المتقینا والنوم من اهل الشام والظاهر وان ربنا واحد وبنینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحد لا نستؤید ہم فی الایمان بالقرآن والحدیث لیرجولہ ولا یستؤیدوننا والاصو واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان وخنزیرہ ویداعہ (صلیہ مطبوعہ طہران) :- اور ہمارے اس معاملہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہماری اور شما والوں کی لڑائی ہوئی اور ظاہر ہے کہ رب ہمارا ایک ہے اور اسلام کی دعوت بھی ہماری ایک ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں ہم ان سے زیادہ نہیں چاہتے اور نہ ہی وہ ہم سے اس میں زیادتی کے طلبگار ہیں اور امر و بن ہمارا ایک ہی ہے۔ مگر ہمارا اختلاف صرف حضرت عثمان کے قصاص کے بارے میں ہے حالانکہ ہم

اس سے برتری ہیں، اس سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا حضرت معاویہ اور اہل شام سے دین و ایمان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ صرف جھگڑا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص لینے کی بنیاد پر ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت امام حسینؑ نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کر کے ان کی بیعت کر لی جیسا کہ رجال کئی کا حوالہ گزر چکا ہے۔ لیکن آپ اگر اپنی کتاب سے بھی حضرت علی کا ارشاد نہ سیکھیں اور نہ ہی اہل سنت کی کتاب کو مانیں اور نہ ہی قرآن حکیم کا فرمان تسلیم کریں تو اس کا کیا علاج ہے؟ بہر حال علمائے دیوبند اور علمائے بریلوی جن طرح خلفائے اصحاب۔ ازواج مطہرات۔ بنات پاک اور اہل بیت کے متعلق ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں اسی طرح دونوں کے نزدیک فروعی اور اجنبی دی مسائل میں بغیر مجتہدین کی کسی مجتہد کی تقلید لازمی ہے اور ہر دو مساک کے علماء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل چار ایسے مجتہدین ہیں جن کے فقہی مذاہب مدون و مرتب ہیں۔ اور یہ دونوں گروہ فقہیہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متقلد ہیں۔ چنانچہ عقائد اکابر علمائے دیوبند کی متفقہ دستاویز المہند علی المہند میں ہے کہ:- اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے کہ جو کچھ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ائمہ کی تقلید چھوڑنے اور اپنے نفس و ہوا کے اتباع کرنے کا انجام احوال و زندگی کے گڑھے میں جا کر ناسے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ اور باقی وجہ ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول و فروع میں امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متقلد ہیں۔ خدا کرے اس پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو۔ اور اس بحث میں ہمارے مشائخ کی بہترین تصانیف و بیانی مشہور شائع ہو چکی ہیں“ (ص ۳)

اسی طرح دونوں فریق اولیاء اللہ کے سلسلہ بیعت و ارشاد کو

اولیاء اللہ کے چاروں روحانی سلسلے تسلیم کرتے ہیں اور چار مشہور سلسلہ طریقت حضرت محبوب بھگاتی

غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی۔ سید الاولیاء حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی۔ شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور قدوة الصلوٰۃ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور ہمارے اکابر دیوبند بھی ان روحانی سلسلوں سے فیضیاب ہیں۔ ہمارے پیر و مرشد شیخ العرب العجم حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جن کو اللہ تعالیٰ نے ۴۱ سال مسیحی نبوی میں روضہ قدس کے سامنے بیٹھ کر دوسری قرآن و حدیث کی توفیق عطا فرمائی، نے سلسلہ طیبہ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں چاروں

اسلام ترقیت کے شجرے اردو فارسی نظم اور نثر میں موجود ہیں۔

حضرت پیر مہربان شاہ صاحب کو غلطی ہوئی
پیر صاحب کو غلطی نے حضرت گنگوہی کو مقتدائے زمان لکھا ہے اور مولانا عبدالغنی صاحب متناہی مرحوم ماسٹر

طاعون بن نخریزی مباحثہ ہوا تھا جس میں حضرت پیر صاحب اپنے موقف کی تائید میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی تحقیق پیش کیے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ: لہذا ہم نے سائلین عن الصورة المسطورة کو اجتناب از تعقیب المکتبہ متعذدہ دارا و تہذیبیہ جواز خروج از مقام الطاعون کا فتوئے دیا ہے جیسا کہ مقتدائے زمان حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم و مولانا شیخ محمد عبدالغفار صاحب نے دوبارہ جواز خروج فتویٰ دیا ہے جس کی نقل ذیل میں موجود ہے: والحمد للہ تعالیٰ علیم وعلیمہ اتم العبد الملتجی الی اللہ المدعو بھو علی شہادہ عند ربہ بقلہ خود (سالارِ اہل حق)

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
مولانا اسماعیل شہید پر انکار شفاعت کا بہتان

تقریرتہ الامیان کی جس عبارت پر آپ نے دلیل نمبر ۱۰ کی بحث میں اعتراض کیا - وہی عبارت اب بھی آپ نے پیش کی ہے حالانکہ اس کا مفصل جواب وہاں دیا جا چکا ہے و دوبارہ ملاحظہ کریں۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ: آپ جب انکار پر آتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع المذنبین اور شافع عشر ہونے کا بھی انکار کر دیتے ہیں چنانچہ آپ کے ایک بزرگ عالم ربانی ماجد جلیل حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید تقریرتہ الامیان کے ص ۱۰ پر شفاعت کی حقیقت کے عنان کے تحت شفاعت (سفارش) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور جو کوئی نبی و ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے تو وہ اصل مشرک اور بڑبلا بل ہے۔۔۔ اس سے بڑھ کر شفاعت کا اور کیسے انکار کیا جائے۔ بہر حال جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کر دے اس کے لئے چودھویں صدی کے علمائے سوء کے وجود سے انکار کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں،، (فلاح الکونین ص ۹۹)، الجواب ۱۰، آپ نے ماتم کے گنبد میں بیٹھ کر مولانا شاہ اسماعیل شہید اور ہمارے اکابر علماء پر انکار شفاعت کا اتنا عظیم بہتان لگایا ہے کہ اسی سے آپ کے صدق یا کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ گو آپ کے نزدیک یہ سفید جھوٹ تقریب میں شمار ہو کر اجر عظیم کا سبب بن جائے گا (۲) مندرجہ عبارت کے یہ الفاظ کہ: اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھنا اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت مولانا شہید شفاعت

کی کسی خاص صورت کو مشرک قرار دے رہے ہیں نہ کہ ہر قسم کی شفاعت کو۔ (۳) اسی تقویت ایمان میں مولانا شہید نے ائج طور پر شفاعت بالاذن کا اقرار کیا ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے (سفارش) کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے بادشاہ اور مجرم (مثلاً چور) کی مثال کے تحت لکھتے ہیں کہ: جو کوئی امیر و وزیر اس کی (یعنی بادشاہ کی) مرتبہ یا کراس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر ہیں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے۔ سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لئے نہیں کی کہ اس کا قریبی یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر۔ کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا گھانگی۔ جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہوجاتا ہے۔ اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروا لگی سے ہوتی ہے۔ سولہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں الخ (تقویت الامیان ص ۱۰) فرمائیے۔ یہاں قرآن و حدیث میں مذکور نبی و ولی کی شفاعت کو مولانا اسماعیل شہید نے صراحتاً تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ کیا یہ عبارت آپ کو نظر نہیں آئی تھی؟ اور جس شفاعت کو مولانا شہید نے مشرک کہا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔ سو جاننا چاہیے کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے ہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کو پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے امین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے۔ فرمائیے اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی العیاذ باللہ کسی نبی و ولی سے دب کر مجرم کی سفارش مان لے گا تو کیا آپ کے نزدیک یہ اعتقاد کفر و مشرک نہیں ہوگا۔

۴۔ آپ کے علامہ محمد حسین صاحب دھکونے بھی (جو آپ کی کتاب پر تقریظ لکھنے والے ہیں) اسلام کا عقیدہ یہی شفاعت بالاذن ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کچھ ذات مقدسہ ایسی ہیں جناب سول خدا دائرہ نبی اور کالمین مومنین باصفا۔ ملائک علیہم جو بروز قیامت صحیح العقیدہ گناہگاروں کی شفاعت و سفارش کریں گے مگر یہ شفاعت خداوند عالم کے اذن سے ہوگی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: مَن ذَا الَّذِیْ یُشْفِعُ عِنْدَہٗ اِلاَّ بِاِذْنِہٖ جہاں تک مسئلہ شفاعت کے اثبات کا تعلق ہے یہ مسئلہ تمام مکاتیب فکر کے مسلمانوں کے درمیان اتفاقاً ہے کسی

فرقہ نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ آیات قرآنیہ و احادیث متواترہ اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، ”واحسن العبادۃ“ (۲۸۱) توجہ قرآن مجید میں الآبائہ کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ کی اجازت کے کوئی بھی سفارش نہیں کر سکیگا اور مولانا اسماعیل شہید نے بھی یہی لکھا ہے اور آپ کے علامہ محمد حسین بھی یہی لکھ رہے ہیں تو اپنے ان اکابر پر جھوٹ باندھ کر کیا چل گیا؟ اور یہاں علامہ محمد حسین صاحب ڈھکوسے بھی ہمارا سوال ہے کہ جب آپ تمام مکاتیب فکر و شفاعت کے مسئلہ پر متفق مان رہے ہیں اور مولانا اسماعیل شہید کے مطابق ہی آپ نے بھی لکھا ہے تو پھر فلاح الکوثرین کی آپ نے تقریظ و تصدیق کیوں تحریر فرمائی ہے جس میں مسئلہ شفاعت کے سلسلہ میں حضرت مولانا شہید وغیرہ اکابر پر بہتان تراشی کی گئی ہے۔ کیا علم و دیانت کا یہی تقاضا ہے یا آپ بھی تقیہ کا ثواب لوٹ رہے ہیں؟ (ب) جبکہ فلاح الکوثرین کے مصنف جیسے علماء موجود ہیں تو میں چودھویں صدی کے علماء کو سوچا کیسے انکار کر سکتا ہوں، ہاں یہ جدا امر ہے کہ کسی حدیث میں چودھویں صدی اور اس کے علماء کا تذکرہ نہیں ہے۔ جس کا وہی زبان میں آپ نے بھی اقرار کر لیا ہے۔ اسی لئے تو میرے جواب میں کوئی حدیث نہیں پیش کر سکے۔

(۵) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زیارت روضہ مقدسہ کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:- اب جان لے کہ زیارت روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضل المستحبات ہے بلکہ بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری قبر کی زیارت کرے اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی“ (زبدۃ المناسک ص ۸۶) نیز فرماتے ہیں: پھر رخصت ہوا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کر اور شفاعت چاہے اور بہت پکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے برز می عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے، ”۶۹، المہند علی المہند میں بھی متعدد مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ شیخ المنذہبی لکھا ہوا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ تمام اکابر و پویند حضور رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر مثل جہود اہل سنت کے ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی مامی مصنف انکار شفاعت کا الزام ان پر لگائیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

دیوبندی اور بریلوی دونوں مسلک کے علماء اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت پر متفق ہیں

مسئلہ ختم نبوت
مرزا غلام احمد قادیانی اور لکھنوی یا مجدد مانتے والوں کو قادیانیوں یا لاہوری، قطعی کافر

ہیں۔ چنانچہ المسلمین میں ہے:- ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ ہے کہ ہمارے سرور و آقا اور پیغمبر شیخ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ فلا یکن رسول اللہ وذا تہم النبیین (ولیکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اور یہی ثابت ہے کثرت حدیثوں سے جو معنا حد تو از تک پہنچ گئی ہیں اور نیز اجماع امت ہے۔ سو حاشا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے۔ کیونکہ جو ان کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اس لئے کہ منکر ہے نص صریح قطعی کا۔ ہمارے شیخ و مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وقت نظر سے عجیب دقیق مضمون بیان فرما کر آپ کی خاتمیت کو کامل و تمام ظاہر فرمایا ہے (ص ۳۷) (ب) مرزا قادیانی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:- جب اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا اور عیسیٰ مسیح کے آسمان پر اٹھانے جانے کا منکر ہوا۔ اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندقہ ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولانا گنگوہی کا فتویٰ تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے، (المہند ص ۵۷)

محبوب سجالی قطب ربانی حضرت بعد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فضائل
روافض کے خلاف پیران پیر کا فتویٰ
اصحاب کی بحث میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب کے گالی نہ دو پس جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اور حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خداوند کریم نے مجھ کو چن لیا ہے اور پسند کیا ہے اور میرے واسطے میرے بار بھی چن لئے ہیں اور پسند کر لئے ہیں ان کو میرا مددگار بنایا ہے اور ان کو میرے سسر اور رشتہ دار بنایا ہے اور اخیر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا کہ وہ اصحابوں کے رتہ کو کم کر لگا۔ خیر دار تم نے ان کے ساتھ ہرگز کھانا پینا نہیں۔ ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرنا نہیں ان کے ساتھ نماز بھی نہ پڑھنی اور ان پر لعنت کرنی حلال ہے، (غنیۃ المطالبین مترجم ص ۱۳)

حضرت غوث الاعظم پر بہتان
مولانا اسماعیل شہید تو اس حدیث کے بزرگ ہیں۔ لیکن پیران پیر حضرت مولانا درجیلانی جو دیوبندی اور بریلوی دونوں کے نزدیک غوث الاعظم

ہیں اور مولانا اسماعیل شہید نے بھی آپ کو صراحتاً بہتان غوث الاعظم لکھا ہے، مامی علماء تو ان پر بھی بہتان لگانے سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ ایک شیخ مصنف محمد حذیف بن ساس نے اپنی کتاب خلاصۃ المصائب میں لکھا ہے کہ:- و لے ہے

ان لعینوں پر جو روز قتل فرزند رسول کو روز بکرت جانتے ہیں اور سرور و شاد ہی کرتے ہیں اور خدا اور رسول خدا کو غضبناک کرتے ہیں۔ فقط اطاعت عبد القادر جیلانی سے۔ چنانچہ عید عاشورا اہل مکہ نے شہادت امام حسین سے موقوف کی تھی جب زمانہ عبد القادر جیلانی لیکن کا ہوا جسے اہل باطل و شر پیر و دستگیر کہتے ہیں تو اس نے کہا وفات ابو بکر بانی ظلم و مکہ سے عید و شبہ موقوف نہ ہوئی پھر قتل امام حسین سے عید عاشورا کیوں موقوف ہوئی اور لکھا ہے غنیۃ الطالبین میں حسینؑ کیوں خروج کیا خلیفہ وقت و امام عصر پر۔ فقتل الحسین بسیف جدہ پس قتل ہوئے امام مظلوم معاذ اللہ شمشیر رسول خدا یعنی ان کے گمان باطل میں یزید خلیفہ رسول تھا۔ حسین بن علی خلیفہ رسول کے ہاتھ سے مارے گئے۔ پس پھر دشمنان آل رسول نے عید کرنا شروع کی۔ (اصحاح ۲۲۲) (الجواب - ۱) خلاصۃ المسائل کے رافضی مصنف نے ایک تو حضرت غوث الاعظم کو لعین اور حضرت ابو بکر صدیق کو بانی ظلم و مکہ لکھ کر اپنی سیاہ باطنی کابوت دیا ہے اور دوسرا حضرت پیران پر یہ جھوٹا باندھا ہے کہ اپنے غنیۃ الطالبین میں حسین و یزید کے بارے میں مندرجہ الفاظ لکھے ہیں۔ حالانکہ غنیۃ الطالبین میں یہ الفاظ بالکل نہیں ہیں کہ۔ حسین نے کیوں خروج کیا خلیفہ وقت و امام عصر پر، بلکہ حضرت غوث الاعظم نے تو امام حسینؑ کو شہید تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: خداوند تعالیٰ نے حضرت امام حسینؑ کو عاشورا کے روزوں میں جو بزرگ دن تھے شہادت پانے کے واسطے منتخب کیا ہے کہ اگر ایسے بزرگ دنوں میں شہید ہوں گے تو اس سے آپ کی شہادت کا درجہ اور بھی بلند ہوگا اور ان کی کرامت اور بزرگی میں اضافہ کیا جائے گا۔ اور وہ شہید شدہ خلفائے راشدین کے مقام پر پہنچیں گے۔

غنیۃ الطالبین ص ۲۵۴ فرمائیے خلاصۃ المسائل کے مصنف نے حضرت جیلانی قدس سرہ پر کتنا عظیم بہتان لٹا ہے۔ (۲) دراصل ان کو حضرت غوث الاعظم سے اس لئے بغض و عناد ہے کہ آپ اہل سنت کے عظیم روحانی پیشوا ہیں اور چاروں خلفائے راشدین اور تمام صحابہ و اہل بیت کو برحق اور قطعی جنتی مانتے ہیں۔ اپنے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بالاتفاق تمام مملکت اسلامیہ کے خلیفہ تھے۔ علاوہ ازیں حضرت پیران پر نے شہادت امام حسینؑ کے نام کو بھی ناجائز لکھا ہے اور اپنی کتاب میں شیعوں کے متعدد فرقوں کے نام اور ان کے عقائد باطلہ درج کئے ہیں۔ اس بنا پر اہل تشیع حضرت غوث الاعظم کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حسنی اور حسینی سید ہیں لیکن اہل تشیع حضرت پیران پیر سید ہیں آپ کے بارے میں یہی پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ آپ سید نہیں تھے چنانچہ ایک شیعہ عالم مولیٰ

نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب "چودہ ستارے" میں لکھا ہے کہ:- برادران اہل سنت کے عوام کا خیال ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی اور بروایت ابن جگ دوست سید تھے اور ان کا نسب جناب حسن مثنیٰ بن حسن بن علی عظیم السلام تک پہنچتا ہے لیکن ان کے علماء اس سے انکار کرتے ہیں، (چودہ ستارے ص ۱۳۷ مؤلفہ ۱۹۵۹ء مطبوعہ شیعہ حوزہ کبک بھنسی لاہور) لیکن کراروی صاحب نے یہ غلط لکھا ہے کیونکہ عموماً سنی علماء اور مشائخ حضرت غوث الاعظم کو قبائلیہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام غنیۃ الدین عبد اللہ بن اسعد یا نعنی مثنیٰ نے "روضۃ الریاحین" کے تتمہ میں حضرت غوث الاعظم کا شجرہ نسب یہ لکھا ہے: السید محی الدین ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح موسیٰ بن سید عبد اللہ بن سید محیٰ زاہد بن السید محمد بن السید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبد اللہ بن سید موسیٰ الجون بن سید عبد اللہ بن سید امام حسن مثنیٰ بن سید امام حسن بن الامام الصام امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب - (۲) اور مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے "نجات الانس میں تحریر فرماتے ہیں کہ:- حضرت سید عبد القادر جیلانی ثابت النسب سید ہیں فانہ علوی حسنی من جانب الاب، نقلہ العلاء القادری - (۳) حضرت غوث الاعظم کا مادری نسب نامہ یہ ہے:- عبد القادر ابن فاطمہ بنت عبد اللہ صغریٰ بن ابی جہال بن محمد بن محمود بن طاہر بن ابی عطایہ بن عبد اللہ بن ابی کمال بن عیسیٰ بن ابی علاؤ الدین بن محمد بن علی بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب - اور حضرت غوث الاعظم کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق - حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین سے بھی ملتا ہے چنانچہ آپ کے والد صاحب کی والدہ کا نام ام سلمہ تھا جو امام محمد کی صاحبزادی تھیں اور امام محمد کا شجرہ یہ ہے:- امام محمد بن امام طلحہ بن امام عبد اللہ بن عبد الرحمن بن حضرت ابی بکر صدیق - اور آپ کے جد امجد حضرت عبد اللہ بن عثمان کی والدہ نے حضرت عبد اللہ بن مظفر سے نکاح ثانی کر لیا تھا جن کا نسب نامہ یہ ہے:- عبد اللہ بن مظفر بن عمر بن حضرت عثمان - اور حضرت عبد اللہ بن مظفر کی والدہ کا نام حفصہ تھا جو حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان نسبتوں سے حضرت غوث الاعظم صدیقی۔ فاروقی اور عثمانی بھی ہیں۔ (۴) اور شیعہ مذہب کی کتاب کنز الانساب میں بھی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں حضرت سید عبد القادر جیلانی کا نام آتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی منسوب است بہ عبد اللہ بن محی بن ثور الوری بن داؤد امیر محمد بن موسیٰ ثانی (۵) اور امام عبد الوہاب شمرانی نے بھی آپ کا یہ نسب نامہ لکھا ہے:- عبد القادر بن موسیٰ بن عبد اللہ بن محی زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجون بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (الطبقات، المکتبۃ)

ایک شبہ کا ازالہ چونکہ عموماً حضرت پیران پیر کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ آتا ہے یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ اس کے مخالفین عام طور پر یہ مخالفت دیتے ہیں کہ آپ سید نہیں تھے شیخ تھے۔ اور شیخ نو مسلم کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ لفظ شیخ عربی میں بزرگ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور خود شیعہ مشاہیر علماء کے نام کے ساتھ بھی شیخ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اصول و فروع کافی کے مولف کو شیخ محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان کے مصنف کو شیخ طبری اور تفسیر قمی کے مصنف کو شیخ ابن ابراہیم قمی لکھتے ہیں جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ (ب) اور سادات کے شجرہ نسب یعنی کنز الانساب میں جیلانی سادات کو شیخ کہنے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ بعض بادشاہوں کے خوف سے سادات کے بعض خاندانوں کو ان کے اپنے لوگوں نے ہی بجائے سید کے شیخ کہا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ قتل سے بچ جائیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: مردمان ولایت رستاق نزد اہل طعون آمدند و مستم باو کردند کہ انہا نیکہ در وہ رستاق می باشند شیخ اندو سید نیستند چون اس منافقین این سخنان بشیخند دست از کشتن سادات باز داشتند و از آن زمان القاب ایشان بشیخ مذکور است سادات ایشان معنی بماند" (کنز الانساب فارسی ص ۱۱۱)۔ جب سادات کو داروگیر ہوئی تو رستاق کے باشندوں نے اس سون بادشاہ کے پاس آکر کہا کہ یہ لوگ جو موضع رستاق میں بستے ہیں سید نہیں ہیں بلکہ شیخ ہیں اس ان منافقین نے ان کو قتل نہ کیا۔ اور شیعہ مجتہد حسین بخش صاحب جہاڑا نے بھی سادات کے تعلق کے تحت لکھا ہے کہ: خوف کا یہ عالم تھا کہ سادات انہا اپنے خورد سال بچوں کو گھر سے باہر قدم رکھنے سے روکتی تھیں اور بالفرض بچہ باہر جانے پر مصر ہو جاتا تو ماٹیں بار بار سمجھایا کرتیں کہ دیکھو بیٹا اگر کوئی تم سے اپنا نسب پوچھے تو یہ نہ کہنا کہ میں سید ہوں اور سادات نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سادات اپنے نسب کو چھپانے میں اس قدر محتاط و رو بہ اختیار کرتے تھے کہ اپنی بیوی تک کے سامنے اپنا سید ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے جن کی وجہ سے اولاد کو بھی اپنے سید ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن زید لڑکی کی حطت کے بعد یہی درد نکیر دنیا سے گئے کہ تائے میری لڑکی کو تے دم تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میں سید زادی ہوں اور علی و فاطمہؑ کی اولاد سے ہوں، (مقدمہ تفسیر انوار لہجف ص ۱۱۱)

امام شہداء اللہ مجتہد صاحب نے اولاد حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت اور بے خونگی کا بھی کیا خوب مقام عبت

نقشہ پیش کیا ہے اگر تفسیر کی رسم تسلیم کر لی جائے کہ سادات اپنی بیویوں کو بھی اپنا سید ہونا

نہیں بتاتے تھے اور اپنی صاحبزادیوں کو بھی تو پھر دین حق انہوں نے کس کو بتایا ہوگا۔ اور شیعہ فرقہ جو اس پر زور دیتا ہے کہ قرآن اور عزت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ایک ساتھ رہیں گے۔ یہ سنی سادات کے متعلق تو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شیعہ سادات کا قرآن کے ساتھ کیونکر تبلیغ و اتباع کا تعلق باقی رہ سکتا ہے جو اپنا سید ہونا اپنی بیوی اور اپنی اولاد پر بھی ظاہر نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شیعہ سادات کی جو آج کل کثرت ہے یہ سب فرضی ہے کیونکہ جب سادات خود اپنی بیویوں پر بھی سید ہونا ظاہر نہیں کر سکتے تھے تو بعد میں کسی کے سید ہونے کی تحقیق کس طرح کی جاسکتی ہے۔ (قاعتہ بووا یا اولی الالبصار)

ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں صرف ایک حوالہ ماتم و تعزیر کے خلاف مولانا بریلوی کا فتویٰ بریلوی مسلک کے امام مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا حرمت ماتم کے سلسلہ میں پیش کیا تھا جس کی وجہ سے فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب نے بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے علماء کے نزدیک ماتم مرد حرام ہے۔ دیوبندی علماء کے متعلق تو خود بھی ماتمی مصنف نے تسلیم کرتے ہیں البتہ بریلوی علماء کے متعلق عموماً یہ مخالفت دیا جاتا ہے کہ وہ ماتم کے خلاف نہیں۔ اس لئے یہاں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی مزید عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے صراحتاً ماتم و تعزیر کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) (مسئلہ) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ (الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناجی اور مکررات سے مملو ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت ص ۱۱۱) (۲) (مسئلہ) کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں افضیلت کی مجلس میں مسلمانوں کا جانا اور مرثیہ سننا۔ ان کی نیازی کی چیز لینا۔ خصوصاً اٹھویں محرم کو جبکہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے۔ کانا جائز ہے یا نہیں؟ (مترجم میں بعض مسلمان ہر رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیاہ کپڑوں کی بابت کیا حکم ہے؟ بیٹو تو جفا۔ (الجواب) جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے۔ ان کی نیازی کی چیز نہ لی جائے ان کی نیازی نہیں اور وہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی کم از کم ان کے ناپاک قلبتین کا پانی ضروری ہے اور وہ حاضری سخت ملعون ہے۔ اور اس میں شرکت موجب لعنت۔ محرم میں سیاہ اور بربر کپڑے علامت سولہ روزہ کو ہے خصوصاً سیاہ کہ شعائر را نصیان نام ہے واللہ اعلم (احکام شریعت حصہ اول ص ۱۱۱) (۳) (مسئلہ) بعض اہل سنت و جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے

اور نہ بھارت دیتے ہیں کہتے ہیں بعد دفن تعزیر روٹی پکائی جائے گی (۲) ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے (۳) ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے (۴) ان ایام میں سولے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز و فاتحہ نہیں دلاتے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ (الجواب) پہلی تینوں باتیں سوگ میں۔ اور سوگ حرام ہے اور پڑھتی بات جہالت ہے۔ ہر جہینے میں ہر تاریخ ہر دن کی نیاز اور مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالحکم شریعت حصہ اول ص ۱۷ (۴) دس) رافضیوں کے یہاں محرم میں ذکر شہادت و مصائب شہدائے کربلا و سوز خوانی و مراثیہ مصنفہ انیس و دہر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (الجواب) حرام ہے۔ ع۔ کذہم جنس باہم جنس پر واز۔ حدیث میں ارشاد ہوا لَا تَجِاسُوهُمْ۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ من کثر سواد قوم فہو منہم۔ جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہی میں سے ہے۔ (الحکم شریعت حصہ دوم ص ۱۱ اور مجموعہ سیرہ ص ۸۷) (۵) تعزیر آتادیکو کرا عراض و روگردانی کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیے۔ (عرفان شریعت حصہ اول ص ۱۷)

(۶) تعزیر بنانا اور اس پر نذر نیا کرنا۔ عراض با مید حاجت بر آرمی لگانا اور بنیت بدعت حسنا اس کو داخل حسنا جاننا۔ گنگنا گنا ہے۔ (الجواب) افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت و ممنوع و ناجائز ہیں۔ انہیں داخل ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہب اہل سنت ماننا اس سے سخت تر و خطائے عقیدہ جہل اشد ہے۔ (رسالہ تعزیر داری ص ۱۷) شہادت نامے نذر جوں یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایات باطلہ و بے سرو پائے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں ایسے بیان کا پڑھنا سنا خواہ کہیں ہو۔ مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متفق ہوجن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہونے پر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ ایسے وجوہ پر نظر فرما کر امام غزالیؒ وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا ہے کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے مقصود و غم پروری و تصنع حزن ہو یہ نیت بھی شرعاً نامحمود۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حسنی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ غم معدوم کو بہ تکلف و زور لانا۔ نہ کہ بہ تصنع بنانا۔ نہ کہ اسے باعث قرینت و ثواب ٹھیرانا۔ یہ سب بدعات شنیعہ و روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم مجلس خوان اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ و بوجہ صحیح پڑھیں تاہم جو ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جاننا ہے کہ ذکر شہادت پڑھنے سے ان کا مطلب بھی بہ تصنع و بنا بہ تکلف رولانا اور اس رونے رولانے سے رنگ جانا ہے

اس کی شاعت درباری، میں کیا شبہ ہے ذکر فرائض شریف مقصود ہوتا تو کیا ان عبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی۔ بے شمار مناقب عظیم اللہ عزوجل نے انہیں فرمائے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز و نوحہ نما و حزن انگیز و غم افزا بیان کو وسعتیں دینا۔ انہی مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے۔ غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہ سالم آنا دشوار ہے۔ (رسالہ تعزیر داری ص ۱۷) ماتمی مصنف نے فلاح الکوئین میں جن موضوع روایات کا سہارا لے کر غم حسین کی مجالس کو عبادت قرار دیا ہے اور تعزیر و ماتم مروجہ کے اثبات کیلئے اپنا ماتمی فلسفہ بار بار پیش کیا ہے اور ان کتابوں سے استدلال کیا ہے جو بعض علمائے اہل سنت کی طرف منسوب ہیں یا ان شیعہ علمائے لکھی ہیں جو تفتیک کی بنا پر سنی و حنفی بنے رہے۔ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی مراثیہ خوانی اور نوحہ و ماتم کو بھی بعض روایات سے ثابت کرنے کی ماتمی مصنف نے کوشش کی تھی اور مروجہ ماتم و نوحہ کو نہ صرف سنت و عبادت قرار دیا تھا۔ ان سب استدلال کا بریلوی علماء کے پیشوا و امام مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی مرحوم نے اپنے مذکورہ فتاویٰ میں ہر پہلو سے پورا پورا رد و ابطال کر دیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کی کسی قابل اعتماد عالم کے نزدیک ماتم و تعزیر وغیرہ رسوم محرم جائز نہیں ہو سکتے۔ کیا اس کے بعد بھی آپ کی اس بات میں کوئی صداقت کا نشانہ رہ جاتا ہے کہ:- اسی بنا پر ہم تمام مسلمانان اہل سنت و الجماعت سے صرف آپ کو ہی عزاداری کا ثواب سمجھنے پر مجبور ہیں، (فلاح الکوئین ص ۱۷)

جس طرح ماتمی مصنف نے صرف علمائے حرمت ماتم و تعزیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دیوندر کو حرمت ماتم کی بحث میں ہدف طعن بنا کر بریلوی علماء کو اس سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کی ہے اس طرح انہوں نے کتاب سرائے شہادتین اور فتاویٰ عزیزیہ کی عبارتیں نقل کر کے مغالطہ دینے کی لا حاصل کوشش کی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی مروجہ ماتم اور مراثیہ خوانی کو جائز سمجھتے تھے بلکہ آپ خود مجلس غم منایا کرتے تھے سرائے شہادتین کے متعلق تو پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس کتاب میں ایسی روایات مذکور ہیں جو حافظ ابن کثیر محدث کے نزدیک ماتمیوں کا کذب و افتراء ہیں اور حضرت شاہ صاحب جیسے سنی محقق ان روایات کو کیونکہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ اور فتاویٰ عزیزیہ کے متعلق دو عدالت صحابہ کی بحث میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

ہتہم دارالعلوم کراچی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:- اسی طرح کا ایک مضمون ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دیوبندی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کس طرح سمجھ میں نہیں آتی اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں لکن عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدبیر اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کیلئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دیا ہے اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز نامی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔ واللہ اعلم۔ (مقام صحابہ ص ۶۸)

ماتمی مصنف نے فتاویٰ عزیزی سے یہ عبارت پیش کی ہے:

شاہ عبد العزیز صاحب کی طرف منسوب عبارت فقیر عبدالعزیز کی طرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رائے۔

عالی ہو کہ جناب کا گرامی نامہ دہری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔ اس کے بارے میں فقیر کا جو معمول ہے اُسے لکھا جاتا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ایک ذکر وفات شریف کی مجلس دوسرے شہادت حسین کے ذکر کی مجلس جو عاشورا کے دن یا اس سے ایک دو دن پہلے ہوتی ہے۔ اس میں چار سو اور کبھی پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھا ہے اور جلسہ کے وہ فضائل جو حدیث میں مذکور ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ ان بزرگواروں کا شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بد انجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و اسامیت میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گزرتے ہیں اور وہ مرثیہ بھی ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جتوں اور پرپوں سے سنا۔ اس کے بعد تم قرآن اور پنجسورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت میں اگر کوئی شخص ایسا شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر آل محمد کی دوستی رخص ہے تو دونوں جہاں گواہ ہیں کہ میں رافضی ہوں فقط شاہ صاحب کا یہ مکتوب گرامی ان کی فقہ کی مشہور و معروف کتاب دو فتاویٰ

عزیزی مطبوعہ مطبع جنبانی دہلی کے ص ۱۲ پر مندرج ہے۔ (فلاح الکونین ص ۱۳) (الجواب) ۱، ہمارے پاس جو فتاویٰ عزیزی مترجم ہے وہ سید کمپنی کراچی کا مطبوعہ ہے۔ اس میں اور آپ کے مندرجہ ترجمہ کے الفاظ میں کچھ فرق ہے۔ کراچی کے مطبوعہ نسخہ میں آخری خط کشیدہ الفاظ یہ ہیں:- تو اکثر حصار مجلس اور اس فقیر کو بھی حالت رقت اور گریہ کی لاسخ ہو جاتی ہے۔ اس قدر عمل میں آتا ہے۔ اگر یہ سب فقیر کے نزدیک اس طریقہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے جائز نہ ہوتا تو ہرگز فقیران چیزوں پر اقدام نہ کرتا (۱ ص ۱۶) (۲) جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب موصوف نے فرمایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی کتاب نہیں بلکہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مکتوب و فتاویٰ کا مجموعہ شائع کیا گیا ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ خط بھی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ (۳) اس خط سے بھی آپ کا نام مرتب اور تعویذ یا مرثیہ خوانی ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں تو صرف یہ ہے کہ شہادت حسین کے صحیح حالات پڑھے جاتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کو بھی رقت اور گریہ لاسخ ہو جاتا تھا۔ لیکن نہ پٹینے کا ذکر ہے اور نہ جوع فرغ کرنے کا۔ نہ ہائے ہائے اور نہ وادبلا۔ پھر آپ کے موقف ماتم کو اس مکتوب سے کیا تا نید حاصل ہوئی جو زیر بحث ہے۔ کیونکہ جس مجلس کا ذکر حضرت شاہ صاحب کے مندرجہ خط میں ہے وہ رونے اور رولانے کے لئے تو نہیں قائم کی جاتی تھی۔ وہ تو صرف حالات و واقعات شہادت بیان کرنے کے لئے تھی (۴) اسی فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دیوبندی کے دوسرے مکتوب میں آپ کے ماتم و تعزیہ کی واضح تردید موجود ہے۔ چنانچہ سوال و جواب کے تحت لکھتے ہیں سوال کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ دوبارہ تعزیہ داری عشرہ محرم اور بنانے مزاج و صورت قبور و علم وغیرہ کے شرعاً کیا حکم ہے؟ (الجواب) تعزیہ داری جو عشرہ محرم میں معمول ہے اور بنانا مزاج و صورت قبور وغیرہ کا درست نہیں اس واسطے کہ تعزیہ داری سے مراد یہ ہے کہ ترک لذت اور ترک زینت کرے اور اپنی صورت محزون و غمگین کی صورت کے مانند بنے۔ یعنی صورت سوگ کرنے والی کی مانند بیٹھے۔ حالانکہ مرو کے لئے یہ کسی حالت میں شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔ . . . اور تعزیہ داری بدعت ہے اور ایسا ہی بنانا مزاج اور صورت قبور اور علم وغیرہ کا ہے یعنی یہ سب بھی بدعت ہے۔ اور نہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ نہیں کہ جس میں موافقہ نہیں ہوتا بلکہ بدعت سیئہ ہے اور حال بدعت سیئہ کا یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے۔ شر الامور وحد قاتلها وحکل بدعتہ صلاۃ وواہ مسدود یعنی بدترین امور وہ امور ہیں جو شرع میں جدید بنائے جائیں اور سب بدعت گمراہی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔ اور حال

بدعتی کا کہ اس طرح کی بدعتیں اختیار کرنا ہے کہ وہ بدعتی بدعت کی وجہ سے خدا کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے اور فرما لئن
 ونوافل اس کے درگاہ الہی میں قبول نہیں ہوتے الخ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۷ مطبوعہ کراچی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
 محدث موصوف ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:۔ جب مزاح وغیرہ زبانے جائیں بلکہ کسی مکان میں تبرک
 سمجھ وہاں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ مجلس گریہ زاری کی ترتیب دی جائے تو یہ بھی ناجائز ہے اس دلیل سے کہ یہ
 سب بدعت ستیہ ہے۔ البتہ اس میں منافیہ نہیں کہ احادیث صحیحہ کا ذکر ہو جو شہادت میں وارد ہے اور اس میں بھی منافیہ
 نہیں کہ ختم کلام اللہ اور فاتحہ وغیرہ کیا جائے۔ اور تبرک صحیح مثلاً موٹے مبارک اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی اس بنا پر
 عوام کالا نام کے وہم پر ہے۔ جب تک کوئی تبرک صحیح طور پر ثابت نہ ہو جائے اس کی صحت کا اعتقاد نہ کرنا چاہیے اور
 جب تبرک کی اصلیت ثابت نہیں تو باقی رہا یہ امر کہ صرف مجلس گریہ زاری کی منعقد کرنا کیا ہے تو ایسی مجلس بھی گریہ زاری
 کے لئے منعقد کرنا سلف سے ثابت نہیں۔ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ تبرک صحیح مثل موٹے مبارک اس مجلس میں ہے یا
 کسی دوسری جگہ ہو تو اس کی زیارت کے لئے جانے میں کچھ منافیہ نہیں، (فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۷) (۵) سوال: کیا
 حکم ہے اس شخص کے بارے میں جو مرثیہ و کتاب پڑھتا ہے۔ اور نوحہ خوانی کرتا ہے خواہ کچھ اجرت لینا ہے یا نہیں؟
 جواب:۔ مرثیہ و کتاب پڑھنا جس میں احوال واقعی نہ ہوں ناجائز ہے اور ایسا ہی نوحہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور
 احادیث میں اس بارہ میں وعید وارد ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے لعن رسول صلی اللہ علیہ وسلم المنافق
 والمستمع۔ رواہ ابوداؤد و کذا فی مشکوٰۃ۔ یعنی لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے
 والی پر اور اس عورت پر جو نوحہ سنے، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے۔ ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ اور
 اجرت لینا مرثیہ خوانی اور نوحہ وغیرہ پر حرام ہے اس واسطے کہ اصول شرع سے ہے کہ معصیت پر اجرت لینا درست
 نہیں چنانچہ مزامیر وغنا پر اجرت لینا حرام ہے ایسا ہی ان چیزوں پر بھی اجرت لینا حرام ہے، (۱) ایضاً ص ۱۲۷

(۶) فرماتے ہیں:۔ اس مجلس میں برنیت زیارت و گریہ زاری کے بھی حاضر ہونا ناجائز ہے اس واسطے کہ اس جگہ
 کوئی زیارت نہیں کہ زیارت کے واسطے جائے اور وہاں چند لکڑی جو تعزیرہ دار کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں وہ قابل زیارت
 نہیں بلکہ مٹانے کے قابل ہے، (ص ۱۲۷) اور فاتحہ و درود پڑھنا فی نفسہ درست ہے لیکن ایسی جگہ یعنی مجلس
 تعزیرہ داری میں پڑھنے سے ایک طرح کی بے ادبی ہوتی ہے اس واسطے کہ ایسی مجلس اسس قابل ہے کہ مٹا دی جائے اور

ایسی مجلس میں نجاست معنوی ہوتی ہے اور فاتحہ و درود اس جگہ پڑھنا چاہیے جو نجاست ظاہری و باطنی سے پاک ہو
 پس جو شخص یا خانہ میں تلاوت قرآن شریف کی کرے اور درود پڑھے و مستوجب ملامت و طعن ہوگا۔ اس واسطے کہ
 بے محل وہ پڑھنا ہوگا، (ص ۱۲۷)

فرمائیے:۔ کیا آپ نے فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی یہ عبارتیں نہیں پڑھی تھیں
 پھر آپ نے وہ مکتوب اپنی تائید میں کیسے پیش کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے تو مذکورہ جوابات میں گریہ زاری کی مجلس
 کو بھی ناجائز قرار دیا۔ اور ان میں درود و فاتحہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ اس قسم کی نامی مجالس میں معنوی پلیدی
 ہوتی ہے اس لئے وہاں قرآن شریف اور درود شریف پڑھنا بے ادبی ہے۔

علاوہ ازیں روشنی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث

تحفہ اثنا عشریہ میں حرمت نام کی تصریح

دہلوی کی جولا جواب کتاب تحفہ اثنا عشریہ ہے۔ جس میں سنی و شیعہ

کے اختلافی مباحث پر تحقیق بحث کی گئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:۔ اکثر شیعہ ان خیالات کی عادتوں میں ڈوبے ہوئے
 ہیں مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے۔ ہر سال اس کو روز شہادت حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا گمان کرتے
 ہیں اور احکام نام اور نوحہ اور شبون اور گریہ زاری اور فغان شبے قرار می شروع کرتے ہیں۔ عورتوں کی طرح ہر سال اپنی
 میت پر رید عمل کرتے ہیں حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا بغیر قار ہے یعنی قرار نہ پکڑنے والا ہے کوئی جزو اس کا ثابت
 و قائم نہیں رہتا اور اس زمانے کا ٹھکانا بھی محال اور شہادت حضرت امام کی جس دن ہوئی اس دن سے اس دن تک فاصلہ
 گیارہ سو پچاس برس کا ہوا۔ پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہو گیا اور کونسی مناسبت ہو گئی۔ عید الفطر اور عید قربان کو اس
 پر قیاس نہ کرنا چاہیے کہ اس میں خوشی اور شاد ہی سال در سال نئی ہے یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا
 بجالانا کہ شکرًا للنعمة المتجددة۔ یعنی شکر ہے نئی نعمت کا سال در سال فرحت و سرور نیا پیدا ہوتے
 اس واسطے عیدین بشریہ کی اس وہم فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں۔ . . . ایسے ہی کسی نبی کے تولد اور وفات
 کے دن کو عید نہ ٹھہرایا اور روز عاشورا کا کہ اول سال یہودی کی موافقت سے آنحضرت نے رکھا تھا کیوں منسوخ ہوا۔ ان سب
 باتوں میں یہی عید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقیہ کے فرحت اور سرور کا ہونا یا نام اور نام کرنا مثلاً
 اس عقل کے ہے جو امیزش وہم سے خالص ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۲۶) مطبوعہ مطبع مصطفائی لکھنؤ

(۲) فرماتے ہیں:۔ کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اس کا حکم دینا اس وہم نے بت پرستوں کی راہ بہت مادی ہے اور گمراہی میں ڈالنا ہے اور نیچے کم عمر بھی اس وہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور ہتھیار اور چیزوں کو جو لکڑی مٹی کی بنی ہوئی ہیں کیسے ان سے خوش ہوتے ہیں گویا سچ مچ کی پاکٹے۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گھوڑیوں کی شادی نکاح کرتی ہیں اور کیسی خوش ہوتی ہیں اور شیعوں میں یہ وہم بہت غلبہ کئے ہوئے ہے۔ حضرات امامین اور حضرت امیر اور حضرت زہرا کی قبروں کی صورت بناتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں مجمع السوران بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں بلکہ مسجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام و درود پڑھتے ہیں۔ اور اچھے اچھے چوزہ اور مور پھیل منقش نیکر اس پاس ان کے کھڑے ہوتے ہیں۔ مجاوروں کی طرح اور حق شرک کا ادا کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک بچوں کی حرکت ان پر نابالغوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے، (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۲۷) قارئین حضرات غور فرمائیں۔ فتاویٰ عزیزی اور تحفہ اثنا عشریہ کی جو عبارتیں یہاں درج کی گئی ہیں کیا ان کو پڑھنے کے بعد بھی کوئی صاحب علم و فہم مسلمان یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس نوحہ و ماتم کے قائل تھے جو فلاح الکونین کے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے فتاویٰ عزیزی کا ایک مکتوب اپنی تائید میں پیش کر دیا تاکہ تاقیہ مسلمان فریب میں آجائیں اسی پر ان کی دھڑی عبارتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے جو انہوں نے بعض اکابر علمائے سنت کی طرف منسوب کر کے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہیں۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب اہل سنت کے اصول کے تحت یہ مروجہ مجالس نم اور تعزیر اور جلوس ماتم بالکل حرام ہیں اور کوئی سنی محقق عالم ان کے جواز کا بھی قائل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان امور محرّمہ کے سنت اور عبادت ہونے کا قائل ہو اگر کسی کتاب میں کسی اہل سنت کے بزرگ عالم کی طرف ایسی بات منسوب کی گئی ہے تو یا تو اس کی تاویل کی جائیگی یا اس کو بالکل رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

تہ گنگ سے شائع کردہ ماقہ ٹریکٹ مستفاد ملک غلام عباس صاحب بی بی کے دعویٰ کی بنیاد پر مصنف فلاح الکونین پر لازم تھا کہ وہ ماتم و وجہ یعنی منہ پینٹے۔ سیدہ کوئی کرنے وغیرہ کو شرعی دلائل سے سنت و عبادت ثابت کرتے لیکن اپنی ساری کادشوں کے باوجود وہ ایک بھی صحیح دلیل پیش نہیں کر سکے۔ انہوں نے قرآن مجید اور حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکورہ الفاظ نہ ملے۔ جہاں عاموں ماہر اہل علم ہے۔ حالانکہ حزن قلبی غم کو

کو کہتے ہیں اور جہاں آنکھوں سے آنسو بہنے کو جس کو رونا کہا جاتا ہے۔ اور بہ کسی مصیبت اور صدمہ کے لاحق ہونے پر انسان کے غیر انتہائی طبعی تاثرات ہیں جن کو بیٹنا اور سینہ کوئی نہیں کہا جاتا جو ماتم کے مروجہ افعال ہیں۔ اور خوشی اور مسرت کے موقع پر انسان کا مسکنا اور ہنسنا بھی ایک طبعی تاثر ہے لیکن جب خوشی میں اگر آدمی ناچنے اور کونے لگ جائے تو یہ انسانی وقار اور فطرت کی سلامتی کے خلاف سمجھا جاتا ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حزن و بگاڑ کی حدود سے تجاوز کر کے منہ پینٹے۔ سینہ کوٹنے اور اپنے بدن کو اہولہان کرنے لگ جائے تو اس کا یہ فعل بھی انسانی فطرت کی صحیح حدود کے خلاف ہوگا۔ اسی بنا پر شریعت مقدسہ نے غم و اندوہ کے اس مظاہرہ کو حرام قرار دیا ہے۔ (۲) سنت وہ عمل ہے جو نبی کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے یا اس کا حکم دیا ہے یا کسی کو کوئی عمل کرتے دیکھ کر پسند فرمایا ہے یا منع نہیں فرمایا۔ لیکن مانیوں کے ان افعال مروجہ میں سے نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصیبت کے وقت اپنا منہ پینٹا ہے نہ ہی سینہ کوئی کی ہے۔ نہ ان امور کا حکم دیا ہے۔ اور نہ ہی پسند فرمایا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام اور اہل بیت عظام نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان افعال کا ارتکاب کیا ہے۔ بلکہ اہل سنت اور اہل تشیع و دونوں کتب تقاضیہ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرما دیا ہے۔ خصوصاً فتح مکہ کے موقع پر پڑھنے والے صحابہ کی آلاء یخصیبتک فی ہجرہ و وف کے تحت عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت و کفر کے ان مروجہ افعال ماتم سے ممانعت فرمادی ہے چنانچہ تفسیر قمی اور فروع کافی کی احادیث تفصیلی بحث میں نقل کر دی گئی ہیں۔ اور سورۃ الممتحنہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر اتنی مستند ہے کہ دور حاضر کے ایک مشہور متعصب شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔ کافی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا نے مکہ فتح کیا تو مردوں نے بیعت کی۔ پھر عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا نے یہ پوری آیت نازل فرمائی یا ایہا النبی الخ اس وقت ہند نے تویر کہا کہ ہم نے اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور امام الحکم بنت حار بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھیں عرس کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر مٹانے نہ مارو اور اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے اپنے بال دکھو اپنے گریبان چاک نہ کرو۔ اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہاتھ دسے کر کے نہ روؤ۔ پس انحضرت

نے انہی باتوں پر جو آیت وحدیث میں مذکور ہیں بیعت لینی چاہی۔ (ترجمہ مفید)۔ استقلال پر پس لاہور بابینج
تعداد ایک ہزار (نوٹ)

(نوٹ) ترجمہ کی بعد کی طلبہ میں مندرجہ عبارت نکال دی گئی ہے۔ لیکن سابقہ نسخوں سے تو یہ ثابت ہے۔ علاوہ
انہی تفسیر قلمی اور فروع کافی میں تو موجود ہے جس کے حوالہ سے مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ حاشیہ لکھا تھا۔
بہر حال فتح مکہ کے اس تاریخی اہم موقع پر جب قرآنی آیت کے تحت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو
اسلام میں داخل کرتے ہوئے ان افعال ماتم سے واضح طور پر منع فرما دیا تھا تو اب کسی مومن کی کیا مجال ہے کہ اس
ارشاد نبوی کے خلاف ان افعال ماتم کو سنت اور عبادت قرار دے۔ اور اگر فتح مکہ سے پہلے کسی روایت سے ان افعال
ماتم کا صدور مذکور بھی ہو تو وہ اس آیت کے تحت منسوخ ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی روایت اس قسم
کی پائی جائے جس میں کسی صحابی مرد یا صحابیہ عورت کی طرف یہ افعال منسوب ہوں تو وہ حجت نہیں ہوگی۔ اس میں یا تاویل
کی حاجت کی یا قرآن وحدیث کی نصوص کے مقابلہ میں اس کو رد کر دیا جائیگا۔ اور مذہب شیعہ کے اصول میں بھی یہی
ہے کہ:- فرمایا صادق آل محمد نے جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ جھوٹ ہے، (دب) حضرت رسول خدا نے
خطبہ میں فرمایا جو حدیث میری تمہارے سامنے آئے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہو تو میری ہے اور اگر مخالف کتاب
خدا ہے تو میری نہیں، (رج) میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا اختلاف حدیث کے بارہ میں کہ
جن کو ایسے لوگ بیان کرتے ہیں جن پر آپ کا اعتماد ہے تو اس صورت میں کیا ہو۔ فرمایا اگر حدیث کی تصدیق کتاب خدا
یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے تو اسے لے لو ورنہ اس کو رد کرو، (شافی ترجمہ) اصول کافی جلد اول
ص ۷۷، حرمت ماتم پر کتاب وسنت کے دلائل قاطعہ کے سامنے جب مانی علماء عابز آگے تو عقیدہ فقہ کی طرح ایک
یہ نظریہ ایجا کیا جو ماتمی مصنف صاحب نے بھی فلاح الکوئین میں پیش کیا ہے کہ ادوں کا ماتم تو جائز نہیں لیکن حضرت
حسینؑ کی مصیبت شہادت کا ماتم جائز ہے۔ لیکن یہ نظریہ تاریک و مشکوک سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ کیونکہ جو بات کن اللہ
اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر حرام ہے وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ کیا شہادت حسین کا مقصد یہ تھا کہ
حرام امور حلال اور عبادت بن جائیں۔ العیاذ باللہ یہ نظریہ تو توہین مقام حسین پر مبنی ہے نہ کہ عظمت حسین پر۔
جنوں کا نام خرد رکھ لیا حسرت و کاہنوں جو جی میں لے تہہ اسے حلال بن جائے

(۳) قرآن مجید میں قریباً ستر بار صبر کا لفظ مذکور ہے اور صبر کے لغوی اور شرعی معنی کی تفصیل گذشتہ مباحث میں بیان
ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر سکون و قرار کو کہتے ہیں اور جزع کرنا اس کی ضد ہے کیونکہ جزع بے قراری کے اظہار
کو کہتے ہیں۔ لہذا صبر اور جزع دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر کا حکم دیا ہے۔ اور صبر کے
فضائل بیان فرمائے ہیں اِنَّ اللّٰهَ فَصَّحَّ الصّٰبِرِیْنَ (یشیک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) لہذا یہ نہیں
ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ جزع و ماتم کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو۔ بلکہ مذکورہ آیت سے لازم آتا ہے کہ جزع و ماتم کرنے والے
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں۔

(۴) گو غیر اختیاری طور پر کسی مصیبت و مصدمہ کے موقع پر دل میں غم لاحق ہو جائے یا آنکھوں سے آنسو آجائیں تو یہ
صبر کے خلاف نہیں لیکن اس غم کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے لا تحزنوا۔ لا
تحزون وغیرہ آیات میں غم کو دل سے نکلنے کا حکم فرما دیا ہے۔ جس سے مصنف فلاح الکوئین کے بیان کردہ فلسفہ ماتم
کی بنیاد بالکل منہدم ہو جاتی ہے۔

(۵) جنگ احد سے لے کر جنگ موتہ تک اور موتہ سے لے کر غزوہ حنین تک حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار وغیرہ
سیکڑوں اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دُور مبارک میں شہید ہوئے لیکن اس ماتم مردہ کا وہاں کوئی ثبوت نہیں
ملا۔ سیرت النبی کی عبارات سے ماتمی مصنف نے جو استدلال کیا تھا اس کا سابقہ مباحث میں پوری طرح ابطال
کر دیا گیا ہے۔

(۶) احادیث شیعہ کی رو سے بھی امام الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت
ہے۔ لیکن اس موقع پر بھی حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت حسن اور حضرت حسین نے منہ نہ پٹیا اور سینہ کو بی نہ کی۔ گریبان
چاک نہ کئے اور سیاہ کپڑے نہیں پہنے۔ بلکہ نہج البلاغہ کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ قول نقل کیا جا چکا ہے کہ:-
لَوْلَا اَنْتَ اَمْرٌ بَالِصَّبْرِ وَنَهْيٌ عَنِ الْجُوعِ لَا نَقْدُ نَاعِلِيَاكَ صَاءَ الشَّوْبِ :- لے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم۔ اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم رور و کر آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے۔
اس ارشاد مرتضوی کے بعد بھی کیا کسی شیعہ عالم کے لئے ماتم مردہ کے سنت و عبادت ہونے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے
اس سے پر بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ یا حضرت فاطمہ الزہراء کے متعلق اگر کسی روایت سے جواز ماتم کا شہید ہوتا

تو اس کی تاویل کی جائے گی یا اس روایت کو دوسری نصوص کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

(۷) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے۔ لیکن امام حسینؑ اور امام حسینؑ نے کوئی مجلس ماتم بیان نہیں کی۔ نہ کوئی ماتمی مجلس کا مظاہرہ کیا نہ ہی پھر سہ ماہ شہادت علی المرتضیٰ کے سلسلہ میں ماتمی مجالس منعقد کی گئیں۔ اور اگر ماتمی مجلس یا ماتمی مجلس یا ماتمی مجلس کی شرفاً کوئی اہمیت ہوتی تو شیر خدا خلیفہ چہارم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے عظیم سانحہ پر جنت کے جوانوں کے سردار حضرت حسن اور حضرت حسین کیوں نہ اس قسم کی مجالس کا اہتمام کرتے؟ تو جب دور رسالت میں عہد خلفائے ثلاثہ۔ عہد خلافت مرتضوی اور دور حضرات حسینین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس قسم کی عبادت یعنی مجالس ماتم کا ثبوت نہیں ملتا حالانکہ ہزار ہا غازیان اسلام اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ حب حسین اور حب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے یہ ماتمی تحریک دراصل عدائے اسلام کی جاری کردہ ہے جس سے جذباتی قسم کے سطح بن مسلمان متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ ماتم کو حصول جنت کا ذریعہ سمجھ کر ان خلاف شریعت افعال ماتم کے مرتکب ہوتے ہیں ورنہ صبر و شہادت کے مخصوص شرعی فضائل کے پیش نظر دین الہی اور شرع محمدی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اصل اشیا میں اباحت ہے یا توقف

ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ:- اصولاً یہ ثبوت پیش کرنا بھی فریضہ حرمت کے قائلوں کا ہے کیونکہ جب تک کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے تب تک شرعی قواعد کی رو سے اُسے جائز اور مباح سمجھا جاتا ہے جبکہ علم اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کل شیئی مطلقاً حتیٰ یرد فیہ نہی۔ یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس چیز کو مباح سمجھنا چاہیے (دفاع الکوہین ص ۱۰۱) الجواب: آپ کا دعویٰ ماتم کے سنت و عبادت ہونے کا ہے مگر صرف اباحت و جواز کا۔ اور یہ آپ پر لازم ہے کہ اپنے دینی کو شرعی دلائل سے ثابت کریں (۲۰) ہم نے شرعی دلائل سے اور آپ کے نائب کی انا دینت سے ماتم مزید کا حرم بنانا ثابت کر دیا ہے۔ ہذا آپ کا یہ پیش کرنا شرعی مطلقاً یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس پر مباح سمجھنا چاہیے "مفید نہ رہا۔ (۳) یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یا توقف یا حرمت۔ اور چھوڑا (اہل سنت کے نزدیک اصل اشیا میں توقف ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔ الصحیح من مذهب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیا التوقف والاباحت رافعی

المحتذولة۔ اور اہل السنۃ والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیا میں توقف ہے اور اباحت کا قواعیزہ کی لئے ہے۔

”ماتمی تحریک پر ایک اجمالی نظر“

مسئلہ ماتم مرویہ پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیۃ میں اس ماتم کے جواز کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ اس کو سنت و عبادت قرار دیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ علم ذاکرین بلکہ شیعہ علماء و مجتہدین بھی ماتم حسین پر زور دیتے اور اس کو محبت امام حسین کا ایک نشان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس ماتمی تحریک کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ تحریک شروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ امت مسلمہ قتال فی سبیل اللہ کو کوئی اہمیت نہ دے۔ مجاہدین حق کے مقام صبر و استقامت اور شہداء فی سبیل اللہ کے فضائل و درجات شہادت سے اس کی توجہ ہٹ جائے کہ فرعون و ظالم کے ابتدائی تاریخی عظیم معرکوں بدر و احد اور فتح مکہ اور غزوہ موتہ کے نفوس مٹ جائیں اور مسلم قوم سانحہ کربلا کی ہمسایہ پر ساری عمر رٹنے و دوڑنے۔ منہ پیٹنے۔ سینہ کو پی کرنے۔ ہائے داویلا اور دلدل و تفریق کے ہنگاموں میں اپنی قیمتی اور امتحانی زندگی کے لمحات ضائع کرے۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاد و شہادت کے احکام اور ان کی نگین اور شرعی حکمتوں کی جو معجزانہ تفصیل ملتی ہیں ان کی روشنی میں پھر سے مسلم قوم علیہ اسلام کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

نزول مصیبت مفید ہے

اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان چونکہ اپنے بندوں کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنا مطلقاً من مصیبتہ فی الارض ولا فی انفسہم کما لا فی کتٰب من قبلہ اذ انبواھا ان ذلک علی اللہ یسیر (پ ۲۷ - سورۃ الحدید ص ۳) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں کہ:- جو مصیبت بھی زمین پر اور تمہاری ذات پر گذرتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پہلا کریں وہ ہمارے پاس ایک نوشتہ میں رکھی ہوئی موجود ہے۔ بیشک یہ امر اللہ کے لئے آسان ہے، (رب) اس کے ساتھ ہی اس مصیبت مقدسہ کی اطلاع دینے کی یہ حکمت فرمائی ہے کہ مصیبت آنے پر اللہ کے بندے صبر کریں اور رنج و غم کا سلسلہ جاری نہ رکھیں۔ لکھنا

تَأْسُوا عَلَىٰ مَا قَاغَطَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ، تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اس پر تم افسوس کرو اور جو کچھ اُس نے تم کو عطا کیا ہے اُس پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ، (ترجمہ مقبول)

جو مصیبتیں تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں ان کے ذریعہ مصیبتوں کے ذریعہ مومنین کا امتحان مقصود ہے | اہل ایمان کا امتحان مقصود ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِبَشِيرٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (پ ۲-۳ ع ۱۲) اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے، (ترجمہ مولانا مغانوی)

(ب) اور ہم ضرور تم کو تھوڑے سے خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے، (ترجمہ مقبول)

چونکہ مصیبتوں کا نزول مومنین کے امتحان کے لئے ہوگا اس لئے ان میں کامیاب ہونے والوں کو بشارت

دی گئی ہے اور انعامات خداوندی سے ان کو نوازا گیا ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مِّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا لِيَوْمِهِ رَاغِبُونَ - أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُسْتَهْدُونَ (اور ا)۔ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملک میں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسانی ہوگی، (ترجمہ مولانا مغانوی) (ب) اور اے پیغمبر! ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری پہنچا دو جو مصیبت پڑنے کے وقت یہ کہتے ہیں کہ اے بیشک ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں یہی وہ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی جانب سے صاف اور رحمت ہے، اور ہدایت یافتہ ہیں، (ترجمہ مقبول) ان امتحان مصائب میں صبر کرنے والوں کو کامیاب قرار دیتے ہوئے ان کو اس دنیوی زندگی میں اپنی رحمتوں سے مشرف کرنے اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند عطا فرمائی ہے اور چونکہ مصائب کے طبعی حد کے بعد صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے اس منہموم کی ابتداء میں مومنین کو صبر کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو اپنی خصوصی معیت کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (پ ۲ ع ۳) اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں، (ترجمہ مولانا مغانوی) اہل ایمان والو صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے، اور مانگو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، (ترجمہ مقبول)

ان امتحانی تکالیف و مصائب میں سب بڑی مصیبت قتل و قتال ہے شہداءِ زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو | اس لئے ان مومنین کے فضائل بھی بیان فرماوے جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں تاکہ ان کے احباب و اقارب کا رنج و الم دور ہو جائے وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَاكن لا تشعرون (پ ۲ ع ۳) (ب) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں محض کہو کہ وہ مرے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم انہیں نہیں کہتے (ترجمہ مولانا مغانوی)

(ب) اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں و لیکن تم نہیں سمجھتے۔ (ترجمہ مقبول) وَلَا تَسبُّوا الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْزُقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَبِشْرُونَ

شہدائے کرام کے مخصوص انعامات بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَذْخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ه لِيَسْتَبشِرُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِ ذَاتِ اللَّهِ لَا يَضِيعُ أَجْرُ الْمُحْسِنِينَ (پ ۲-۴ آل عمران ع ۱۴) (ب) اور اے مخاطب! جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے پروردگار کے مقرب میں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے۔ وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا، (ترجمہ مولانا مغانوی) (ب) اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کئے گئے ہیں ان کو ہرگز ہرگز مردہ نہ مان کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان سے نہیں ملے ہیں ان کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کس طرح کا خون نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے۔ خدا کی نعمت اور فضل کی خوشخبری پاتے ہیں اور اس کی کہ اللہ مومنین کی اجر کو ضائع نہیں کرتا، (ترجمہ مقبول)

مومنین کو شہداء کا نم نہ کھانے کا حکم
 لا تَهْتَدُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَإِنَّمَا الِاعْتَابُ لِمَنْ كَفَرَ مِنكُمْ ۝
 رب ۴۔ آل عمران ع ۱۱۴) تم بہت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب
 تم ہی رہو گے اگر تم پرے مومن رہے، (ترجمہ مولانا مختار نوری) (رب) اور بہت نہ ہارو اور رنجیہ نہ ہو حالانکہ اگر مومن ہوتو
 تم ہی غالب آؤ گے، (ترجمہ مقبول)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چونکہ اپنی خصوصی شفقت و رحمت کی بنا پر
 سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء نے اُحد کا طبعی غم لاحق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ
 نے حضور کو بھی ان کے متعلق رنج نہ کرنے کا حکم فرمایا۔ وَلَا تَحْزَنُوا عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيهِمْ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۝
 رب ۱۴۔ سورۃ النحل ع ۱۱۶) مولوی مقبول احمد صاحب اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:-
 اور ان شہداء نے اُحد کے متعلق رنج نہ کرو اور کافر جو چاہے چلتے ہیں، اس سے دل تنگ نہ ہو

جنگ اُحد کی مصیبت کی حکمتیں
 چونکہ غزوہ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے ستر اصحاب
 کو ام شہید ہوئے تھے جن میں حضرت ذی النبی اللہ تعالیٰ اعزہ بھی تھے جن کے ناک کان
 کاٹ دیئے گئے تھے اور ہندہ نے جوش انقام میں آپ کا سینہ چیر کر کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا تھا۔ اور جو اصحاب
 زندہ رہے ان میں بھی اکثر زخموں سے چور چور تھے۔ خود رسول کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک
 شہید ہوئے اور پیشانی مبارک شدید زخمی ہوئی۔ ان حالات کی بنا پر مسلمانوں کو شدید صدمہ لاحق تھا۔ اور کفار و
 منافقین خوشیاں منا رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مصیبت اور عارضی ظاہری شکست کی حکمتیں حسبِ اہلِ
 میں بیان فرما کر اہل ایمان کو تسلی و دیدی تاکہ وہ اس شدید رنج و اندوہ کو اپنے دلوں سے نکال دیں۔ اِنْ يَكْسِبُكُمْ
 قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ اَيَّامٌ نُّدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شٰهَدًا ۚ وَ اللّٰهُ لَا يَمِيْتُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيَمْحِصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيُخَيِّقَ
 الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَاَنْ
 يَعْلَمَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران ع ۱۱۴) دل، اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ جائے
 تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے (یعنی جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے، اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے

درمیان اولے بدلتے رہا کرتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان بیویں اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنا نہ تھا۔ اور
 اللہ تعالیٰ غم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے اور تاکہ میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو اور مٹا دیرے کفر کو
 ہاں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم
 میں سے جہاد کیا ہوا اور نہ ان کو دیکھا ہے جو ثبات قدم رہنے والے ہوں، (ترجمہ مولانا مختار نوری) (رب) اگر تم کو زخم لگا
 تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ تو اتفاقات زمانہ ہیں جو ہم آدمیوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اور
 اس لئے کہ خدا جان لے کہ ایمان والے کون ہیں اور تم ہی میں سے بعض کو گواہ بنا لے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا
 اور اس لئے بھی، کہ خدا ایمان والوں کو خالص کر لے اور کافروں کو مٹا لے کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ تم بہشت میں
 پہلے جاؤ گے حالانکہ اس وقت تک اللہ نے ربذریجہ امتحان) ان لوگوں کو جا مانھا جنہوں نے تم سے جہاد کیا اور نہ ان
 لوگوں کو جو ثبات قدم رہے، (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب نے بیتخذ منكم شہداء اء کا معنی گواہ
 ہونا لکھا ہے اور مولانا مختار نوری رحمۃ اللہ علیہ نے شہید ہونا۔ اور یہی اس مضمون کے مناسب ہے۔ چنانچہ مولوی نوان علی
 صاحب شیبی مفسر نے بھی اس سے شہادت پانا ہی مراد لیا ہے۔ اور تم سے بعض کو درجہ شہادت پر فائز کرے، (ترجمہ
 مولوی فرمان علی)

ایمان کی حقیقت سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-
 اللہ نے مومنین کے جان و مال خرید لیے ہیں
 اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰ مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
 بِالْاِيمَانِ بِالْحَيٰةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعَدَا۟ عَلَيْهِمْ حَقًّا فِى التَّوْبَةِ
 وَالْاٰمِنِىۡلِ وَالْمُرْتَدِّىۡلِ وَمَنْ اَوْفٰ بِعَهْدِہٖۤ اِنَّ اللّٰهَ فَاَسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعَتِكُمْ الّٰهَ بِاَيْعَتِكُمْ
 بِهٖۤ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پہ ۱۱ سورۃ التوبہ ع ۱۱۴) (۹) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی
 جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملیگی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں (جس میں) قتل
 کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ (کیا گیا) ہے توراہ میں (رہی) اور انجیل میں (رہی) اور قرآن میں
 (رہی) اور (پرستہ ہے) کہ اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے۔ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جن کا تم نے اس
 سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھیرا ہے۔ خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے، (ترجمہ مولانا مختار نوری) اب پیشک

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے معاوضہ میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے وہ راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ پس وہ قتل کریں گے بھی اور قتل کئے جائیں گے بھی۔ اس پر سچا وعدہ تو رات میں اور انجیل میں اور قرآن میں موجود ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہوگا۔ پس یہ سوچنا جو تم نے کیا ہے اس سے خوش ہو جاؤ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، تفسیر قمی میں منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ معصومین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو ان کے غیر میں جائز نہیں، (ترجمہ مقبول)

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ (۲) مصیبتوں کے ذریعہ مومنین کا امتحان مقصود ہے۔ (۳) اس امتحان میں کامیاب ہونے والے وہ ہیں جو صبر کرنے والے ہیں۔ (۴) اس جہان میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں صابریں پر نازل ہوتی ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں (۵) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۶) اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت سمجھو۔ (۷) شہداء زندہ ہیں (۸) اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھنا ہے کہ اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں (۹) شہداء کو اللہ کے ہاں رزق ملتا ہے۔ (۱۰) وہ جنت میں اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے بہت خوش ہیں (یہاں یہ ملحوظ ہے کہ وفات کے بعد جنت میں شہداء کی ارواح جاتی ہیں۔ اور ان کے ابدان اپنی جگہ پر مدفون ہوتے ہیں البتہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام سے فی الجملہ باقی رہتا ہے) (۱۱) شہداء کو اس بات سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ ان کے بعد زندہ رہنے والے مسلمان اللہ کی راہ میں شہید ہوں اور وہ بھی یہ بلند درجات حاصل کریں۔ (۱۲) شہداء کے اُمد کا غم کھانے سے مومنین کو منع فرما دیا ہے۔ (۱۳) رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شہداء کے احکام کا غم نہ کھائیں۔ (۱۴) قتل و شہادت کی مصیبتوں میں مبتلا کر کے مومن و منافق میں تمیز کرنا مقصود ہے۔ (۱۵) ان سب کے ذریعہ مومنین کے قلوب کو مزید پاک کرنا ہے۔ (۱۶) ان میں سے بعض کو شہادت کے درجات عطا کرنے میں (۱۷) اللہ تعالیٰ مومنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (۱۸) مومنین کی جانیں اور ان کے مال اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں اور اس کے بدلے میں ان کو جنت ملتی ہے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ آیات سمجھتے اور ماننے کے بعد بھی کیا کوئی مومن تسلیم کر سکتا ہے کہ عہد رسالت کے شہداء ہوں یا دور خلافت کے کہ ہر بلا کے شہید ہوں یا مابعد کے ان کی یادگار میں نامی مجلس بپا کرنا۔ منہ سیٹھنا۔ سید کوٹھا۔ دیوار سے

لکھیں مارنا۔ سر پر خاک ڈالنا۔ بدن پر زنجیریں اور پھریاں مارنا۔ وغیرہ افعال ماتم جائز ہیں یا کار ثواب ہیں اور سنت عبادت ہیں۔ ہرگز نہیں

ماتمی تحریک کی ابتداء انتہا

چونکہ جہاں و شہادت کے متعلق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں رسول خدا نے ولادت حسین کو ناپسند کیا

باشعور مسلمان مروجہ ماتم کو نیکی نہیں قرار دے سکتا تھا۔ اس لئے ماتم حسین کا فلسفہ تجویز کیا گیا اور اس کی تائید و تصدیق کے لئے ہزار ہا سن گھڑت روایتیں مشہور کی گئیں اور حضرت حسین کی ولادت کے ساتھ ہی ماتم حسین کا رابطہ قائم کر دیا گیا۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث جس کو کم از کم امام غائب حضرت مہدی کی رضائے سکوئی حاصل ہے۔ اس میں حسب ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان جبرئیل نزل علی محمد فقتل کذبا محمدان اللہ یبشرک، بلوود یولد من فاطمة تقتله امتک من بعدک، فقال یا جبرئیل علی ربی السلاہے لاجہاجہ لى فی مولود تقتله امتی من بعدی فعرج جبرئیل الی السماء شہب فقال یا محمد ان ربک یبشرک السلاہے وایبشرک بانہ جاعل فی ذریئہ الامامة والولایة والوصیة فقال قد رهنیتہ را رسول الکافی کتاب الحجۃ۔ باب مولد الحسین شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر وہی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ جبرئیل حضرت رسول خدا پر نازل ہوئے اور فرمایا اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے ایک مولود کی جو بطن فاطمہ سے ہوگا آپ کے بعد اسکو آپ کی امت قتل کریں گے فرمایا جبرئیل میرے رب کو میرا سلام پہنچا دو اور کہو مجھے بطن فاطمہ سے ایسے مولود کی ضرورت نہیں جس کو میرے بعد میری امت قتل کرے۔ جبرئیل نے پرواز کی اس کے بعد پھر آئے اور ایسا ہی کہا۔ فرمایا۔ لے جبرئیل میرے رب سے میرا سلام کہو اور کہنا مجھے ایسے مولود کی ضرورت نہیں۔ جبرئیل گئے اور واپس آکر کہا۔ خدا کا آپ پر سلام ہو۔ وہ آپ کے بشارت دیتا ہے کہ آپ کی ذریت میں وہ امامت و ولایت و وصایت کو قرار دے گا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا۔ میں راضی ہوں“ (شہانی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۵۴) اس روایت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے

حضرت حسین کی پیدائش کی بشارت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ قبول نہیں کیا۔ کیا اس میں رسالت محمدیہ کی توہین نہیں پائی جاتی ہے حالانکہ اللہ کے رسول تو وہ ہوتے ہیں جو اس کے پیغام حق کو قبول کریں نہ یہ کہ رو کر دیں بلکہ ایسا وہ (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین کے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو ناپسند فرمایا۔ حالانکہ شہادت ایک بلند مقام ہے جو شرفاً مقصود و مطلوب ہے۔ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن۔ (اقبال)

(ب) سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لا یصلوا الی الجنۃ۔ سے ثابت ہے کہ اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کے عوض جنت ملتی ہے لیکن العیاذ باللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے کی جان بہ نسبت حکم خداوندی کے زیادہ پیاری تھی۔ تو کیا اللہ کی راہ میں قربان ہونا صرف دوسرے مومنین کے لئے فضیلت ہے (ج) اللہ کے ساتھ مال و جان دینے کے اس سوشے پر مومنین کو خوشی منانے کا حکم دیا۔ فاستبشروا بیعکم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب نواسے حضرت حسین کے لئے یہ سودا ناپسند تھا۔ دو مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے تو ان آیات کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ:۔ تفسیر قمی میں منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ معصومین کی شان میں نازل ہوئی ہے اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو ان کے غیر میں جائز نہیں، لیکن اصول کافی کی مندرجہ حدیث تو ظاہر کرتی ہے کہ معصومین کے لئے راہ خلا میں جان دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔ (د) اگر یہ آیت اور اس کی صفات صرف ائمہ معصومین کے لئے ہیں تو پھر یہ حضرات ائمہ مذہب شیعہ کی رو سے بجائے جان دینے کے ساری عمر تقیہ کیوں کرتے رہے؟ حتیٰ کہ امام حسین نے بھی سانحہ کربلا سے پہلے ساری عمر تقیہ میں گزار دی۔

حضرت فاطمہ نے بھی پیدائش حسین کو پسند نہیں کیا

اسی اصول کافی میں روایت ہے۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حملت فاطمة علیہا السلام بالحسین جاء جبرئیل الی رسول اللہ فقال ان فاطمة علیہا السلام ستکملن عذرا ما تقتله امتک من بعدک فہما حملت فاطمة بالحسین کوہت حملہ وحین وضعته کوہت وضعته ثم قال ابو عبد اللہ لم توفی الدنیا ام تلد عذرا ما تکرہہہ ولكنہا کوہتہ لما حملت اند سیتقتل قال ونبیہ نزلت ہذہ الایۃ ووحینا الانسانہ بوالدیہ حسنا حملتہ امہ کوہا ووضعتہ کوہا وحملہ وفضلہ ثلاثون شہرا۔

ترجمہ: فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب امام حسین کا حمل قرار پایا تو جبرئیل رسول خدا کے پاس

آئے اور کہا عنقریب فاطمہ ایک لڑکے کو پیدا کریں گی۔ جس کو آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر دیگی۔ جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو رنجیدہ ہوئیں اور جب امام حسین پیدا ہوئے۔ تب رنجیدہ رہیں حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا کوئی ماں سوئے فاطمہ کے اپنے لڑکے کے پیدا ہونے پر رنجیدہ نہیں ہوئی ہوگی۔ ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا یہ بیٹا قتل کر دیا جائے گا امام حسین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ہم نے انسان کو وصیت کی اپنے والدین سے احسان کے بارے میں اس کی ماں بجات حمل بھی رنجیدہ رہی اور وضع حمل کے وقت بھی اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس مہینے تھی۔ ترجمہ اصول کافی ص ۵۵۵) اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ نے بھی تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ نے بھی شہادت حسین کی وجہ سے آپ کی پیدائش پر ناگواری کا اظہار کیا۔ (ب) شہادت حسین کو باعث ناپسندیدگی ثابت کرنے کے لئے سورۃ الاحقاف کی مندرجہ آیت حملتہ امہ کوہا کے ساتھ اس روایت کا جوڑ ملا لیا کہ آیت سے حضرت حسین کا حمل مراد ہے جس کو حضرت فاطمہ نے ناپسند قرار دیا تھا۔ اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی۔ مولوی فرمان علی صاحب اور مولوی امجد حسین صاحب کاظمی نے بھی اپنے نزاہم میں اس آیت سے حضرت حسین کی پیدائش مراد لی ہے اور تائید میں اصول کافی کی مذکورہ حدیث درج کی ہے۔ حالانکہ اس آیت کا حضرت حسین کی ولادت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس میں حملتہ امہ کوہا کا مطلب تو وہ تکلیف و مشقت ہے جو ماں کو بچے کے حمل میں ہوتی ہے۔ چنانچہ مولوی مقبول احمد صاحب موصوف خود اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے اس کو جنا اور مولانا مخدوم کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:۔ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا۔

شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: ابن بابویہ نے بسند معتبر جناب صادق سے روایت کی ہے کہ جبرئیل خدمت رسول میں قبل ولادت حسین آئے اور کہا آپ کے ہاں ایک فرزند متولد ہو گا کہ آپ کی امت اُسے شہید کرے گی۔ حضرت نے فرمایا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں۔ جب تین مرتبہ یہی خطاب ہوا۔ اوتیسویں مرتبہ کہا کہ اس فرزند اور اس کی ذریت اور اولاد میں امامت و وراثت و آثار پیغمبران ہونگے اور خازن علم اولین و آخرین ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول خدا نے فرمایا۔ جناب امیر کو بلاؤ اور کہا جبرئیل نے خدا کی جانب سے تجھے یہ خبر دی ہے۔ ایک فرزند

ازمایش ضرور ہے اور ہم نے اس کا فدیہ ایک بڑی قربانی مقرر کی ہے ان آیات سے صراحتاً ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم کے تحت اپنے نعت بگرا اسمعیل کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھ سے بخوشی ذبح کیا۔ (ب) حضرت اسمعیل نے باوجود بچہ ہونے کے محض اللہ کے حکم کے تحت اپنے باپ کی چھری سے بخوشی ذبح ہوا قبول کیا لیکن اس کے برعکس شیعہ احادیث وراثت کرتی ہیں کہ بخوشی ذبح ہونا یا ذبح کرنا تو کجا۔ صورت اس اطلاع خداوندی کی بنا پر کہ حسین کو قتل کروایا جائیگا حضرت علی المرتضیٰ - حضرت فاطمہ الزہراء بلکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ جواب دیدیا کہ ہمیں ایسے فرزند کی حاجت نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر کی وجہ سے روتے رہے اور حضرت فاطمہ نے تو گریاں بھی چاک کر دیا۔ تو اس بنا پر امام الصابریں سید الانبیاء والمرسلین - شیعہ خدا اور خاتون جنت کے میری حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمعیل ذبیح اللہ کے مقابل میں کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ یہ ہیں تفاوت راد انہ کجاست تا کجا۔ (ج) یہ بھی ملحوظ رہے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کی مصیبت بہ نسبت اس کے بہت کم ہے جو باپ اپنے ہاتھ سے اپنے پیارے اکلوتے بچے کو ذبح کرے۔ اور بچہ بھی وہ جو رشتے الہی کے سامنے تسلیم خم کرے۔

چونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح حضرت ابراہیم نے بھی شہادت حسین کا ما کا کیا

فرزند کے تذکرہ سے آپ کا اطاعت خداوندی میں کامل ہونا اور رشتے الہی کے تخت انتہائی صبر و ضبط والا ہونا ثابت ہوتا ہے جس سے فلسفہ ماتم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اسلئے مامی تحریک نے حضرت خلیل اللہ کی عظمت نشان کو گھٹانے اور ان کو بھی مامی ثابت کرنے کے لئے یہ روایت بھی وضع کر لی کہ انہوں نے اپنے فرزند اسمعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا تو برداشت کر لیا لیکن حضرت حسین کی شہر شہادت کو وہ بھی برداشت نہ کر کے چنانچہ مولوی امجد حسین صاحب کاظمی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر تفسیر صفحہ ۲۶۹ کے حوالہ سے ایک طویل روایت امام رشتا سے نقل کرتے ہیں جس کا آخری حصہ یہ ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ لے ابراہیم کیا تمہیں محمد مصطفیٰ زیادہ محبوب ہیں یا اپنی ذات - عرض کی - وہ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ پھر وحی ہوئی کہ کیا تمہیں اپنی اولاد زیادہ پیاری ہے یا ان کی - عرض کی ان کی اولاد - پھر ارشاد ہوا کہ کیا محمد مصطفیٰ کے بیٹے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے ظلم و ستم سے قتل ہونا تمہارا دل زیادہ دکھائے گا یا تمہارے اپنے بیٹے کا تمہارے اپنے ہاتھ سے ہماری اطاعت میں ذبح ہونا - عرض کی باز الہام ان کے بیٹے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے ظلم و ستم سے قتل ہونا ضرور

میرا دل زیادہ دکھائے گا اس وقت فرمایا: اے ابراہیم - ایک گروہ ایسا بھی ہوگا جو اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ کی امت سے سمجھے گا اور ان کے بعد ان کے فرزند حسین کو ظلم و زیادتی سے اس طرح قتل کر ڈالے گا جیسے کہ مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے اور وہ اس طرح میرے سخت عذاب کا مستوجب ہوگا۔ ابراہیم یہ سن کر سخت پریشان ہوئے۔ ان کے دل میں ایک درد اٹھا اور وہ واڑھیں مار مار کر رونے لگے، "العیاذ باللہ یہ ہے مامی ذہنیت کی افترا پر وازی کہ قرآن میں مذکور ذبح اسمعیل کے لئے نظر و اتعزیر و اطاعت کے باوجود بھی ہزار ہا سال بعد میں ہونے والی ایک مصیبت کے تصور میں حضرت خلیل اللہ علیہ وسلم کو واڑھیں مار مار کر رونے والا ثابت کر دیا" اور صرف یہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مامی ثابت کیا بلکہ ماتم حسین کے لئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کر بلا میں پہنچا دیا۔

علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: - روایت ہے کہ جب حضرت آدم زمین پر گئے حضرت کر بلا میں حضرت آدم کا نام

حوار اطراف زمین میں تلاش کر رہے تھے یہاں تک کہ صحرائے کر بلا میں گذر ہوا اور جب اس صحرا میں پہنچے۔ انواج حزن و اندوہ نے گھیر لیا اور جب مقتل امام حسین میں پہنچے ایک پتھر کی ٹھوک کھائی اور قدمہائے مبارک سے خون جاری ہوا۔ حضرت آدم نے آسمان کی طرف منہ بلند کیا اور عرض کی - پروردگار! میں تمام زمین میں پھرا مگر جو اندوہ و غم مجھے اس زمین پر پہنچا اور کس زمین پر نہ پہنچا۔ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو وحی فرمائی کہ اس زمین پر میرا برگزیدہ بندہ حسین بن علی قتل ہوگا میں نے جہاں کہ حسین کے اندوہ و غم میں تم کو بھی شریک کر ڈاں اور تمہارا خون بھی اس زمین پر جاری ہو جس طرح حسین کا خون اس زمین میں بہ گا۔ جلاء العیون جلد دوم ص ۱۹۱) اس من گھڑت روایت سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ماتم حسین تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اور مامی لوگ جو آج کل انگریزوں اور پھر یوں سے اپنا بدن اہولہام کرتے ہیں یہ بھی حضرت آدم کی سنت ہے۔ لاجول ولا قوۃ الا باللہ

اب آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی سن لیں: - جب نوح علیہ السلام حضرت نوح صحرائے کر بلا میں کشتی میں سوار ہوئے اور جب کشتی زمین کر بلا پر پہنچی ایک موج ایسی آئی کہ تریب تھا کہ کشتی تریق ہو جائے اور نوح پر ترس و بیم و الم عظیم طاری ہوا۔ کہا پروردگار! کسی زمین پر یہ واقعہ نہیں گذرا جو اس زمین پر گذرا۔ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ نوح یہ وہ جگہ ہے جہاں فرزند زادہ قائم الانبیاء و فرزند بہترین اعیانہ شہید ہوگا نوح نے کہا پروردگار! ان کا قاتل کون ہوگا۔ حکم بجا ان کا قاتل تیرا ہے۔ (ایضاً ص ۱۹۱)

از روئے قرآن جو کشتی نوح معجزانہ طور پر امن و سلامتی کا نشان تھی اس کو بھی ماتیوں نے کربلا کی موجوں میں غرق ہونے کے قریب پہنچا دیا۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی ماتی انسانہ حضرت ابراہیم کو بلا میں گھوڑے سے گر پڑے سن لیجئے :- ایک روز حضرت ابراہیم گھوڑے پر سوار ہو کر صحرائے کربلا میں پہنچے۔ ناگاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھالی۔ حضرت ابراہیم گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور سر مبارک ایک پتھر پر لگا اور خون جاری ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے استغفار شروع کی اور کہا خداوند مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا کہ اس عقوبت کا مستحق ہوں۔ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے ابراہیم آپ سے کونسا گناہ سرزد نہیں ہوا لیکن یہ وہ جگہ ہے جہاں نور دیدہ محمد مصطفیٰ و فرزند پسندیدہ علی مرتضیٰ بجز وجفا شہید ہوگا۔ اور خدا نے چاہا کہ آپ بھی ان کی مصیبت میں موافقت کریں (ص ۱۰۰) گویا کہ بدن سے خون بہانا حضرت ابراہیم کی بھی سنت ثابت ہوا۔

ایسا روایت ہے ایک روز گو سفندان اسمعیل کو زنت کربلا میں حضرت اسمعیل کی بھیڑوں کا سوگ کے کنارے چرا ہے تھے ناگاہ چرا ہے نے اگر کہا کئی روز

سے گو سفند یعنی بھیڑوں، وہاں نہیں چرتے۔ ہر چند میں ان کو دریا کے کنارے لے جاتا ہوں مگر پانی نہیں پیتے یہ سن کر حضرت اسمعیل نے خدا سے اس حال کا سوال کیا۔ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے اسمعیل تم اپنے گو سفندوں سے خود یہ کیفیت دریافت کرو۔ جب حضرت اسمعیل نے ان گو سفندوں سے سوال کیا۔ ان جانوروں نے بزبان فصیح کہا ہم کو خبر پہنچی ہے کہ آپ کا فرزند حسین جگر گوشہ پیغمبر آخر الزمان اس زمین پر پیا ساشہ ہبید ہوگا۔ لہذا ہم نے اس حزن و اندوہ کے سبب پانی نہ پیا اور چاہا پیا س میں ان کی موافقت کریں (ص ۱۰۰) بجائے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے بھیڑوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے شہادت حسین کی اطلاع دیدی۔ اور جب بھیڑیں غم حسین منافی میں تو ان کی پیروی میں ماتی کیوں نہ ہمیشہ سوگواری رہیں - ۱۰ - بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چربو البھی است -

” ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر سوار تھے اور حضرت سلیمان کا تخت کربلا میں گر پڑا تخت اڑا جا رہا تھا جب وہ تخت مقابل محلے کربلا پہنچا۔ اس وقت

ہوا کے جھونکے سے تین مرتبہ تخت کو تزلزل ہوا۔ حضرت سلیمان خائف و ترساں ہوئے کہ کہیں تخت ہوا سے نیچے نہ

گر پڑے۔ پھر ہوا ختم گئی اور تخت زمین پر آگرا۔ حضرت سلیمان نے ہوا پر غصہ و عتاب کیا کہ تو کیوں ختم گئی اور تیرا سبب نظر کیا تھا۔ ہوانے کہا اس کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ نور دیدہ محمد مختار و فرزند گرامی حیدر کرار شہید ہوگا۔ سلیمان نے کہا ان کا قاتل کون ہے۔ ہوانے کہا ان کا قاتل یزید پلیدی ہوگا کہ ساکنان آسمان و زمین اس پر لعنت کرتے ہیں یہ سن کر حضرت سلیمان نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور قاتلان حسین پر بہت لعنت و نفرین کی اور جن دانش مرغان ہوا جو ان کے ہمراہ تھے سب نے آمین کہی۔ پھر اس لعنت کی برکت سے ہوا پل اور اس تخت کو اس صحرا سے باہر لے گئی اور ایسا جلا العیون (ص ۱۰۰) سبحانک هذا بہتان عظیم۔ ماتیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے معجزانہ تخت کو بھی معاف نہ کیا۔ اور جو ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے مسخر کر دی تھی۔ ماتم حسین کی برکت سے وہ حضرت سلیمان پر غاب آگئی اور اس نے آپ کو تخت سمیت زمین پر گرا دیا۔ اور خدا کی پناہ۔ ماتیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عبادت لغت میں شریک بنا دیا۔ حتیٰ کہ لعنت کی برکت سے پھر ہوا چلنے لگی۔ سبحان اللہ لعنت اور برکت کیا خوب جوڑ ملا ہے۔ کیا تو ہیں انبیاء معصومین میں کچھ کی رہ گئی ہے؟

سورۃ مریم کی ابتدا میں حروف مقطعات کھینچیں مذکور حضرت زکریا اور کربلا کے بعض کی ماتی تفسیر ہیں۔ ان کی عجیب و غریب ماتی تفسیر بھی سن لیجئے۔ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :- شیخ طبرسی وغیرہ نے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ کہا میں خدمت امام حسن عسکری میں گیا اور حضرت سے میں نے چند مسائل دریافت کئے۔ حضرت امام حسن عسکری نے فرمایا۔ اپنے مولا صاحب العصر سے دریافت کرو۔ اس وقت حضرت صاحب العصر یعنی امام غائب حضرت مہدی (خروج سال تھے۔ اور امام حسن عسکری کے سامنے کھیل رہے تھے۔ حضرت صاحب العصر کے کھیس کی تفسیر پوچھی۔ حضرت نے فرمایا یہ حروف اخبار غیب سے ہیں کہ خدا نے حضرت زکریا کو خبر دی اور بعد ازاں جناب رسول خدا کو وحی فرمائی اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زکریا نے خدا سے طلب کیا کہ اسمائے مقدسہ آل عبا ان کو تعلیم کرے کہ شکر اُتد و مصائب میں ان کی برکت سے خدا سے پناہ چاہیں۔ جبرئیل آئے اور اسماء آل عبا ان کو تعلیم فرمائے۔ جب حضرت زکریا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم و علی و فاطمہ و حسین علیہم السلام یاد کرتے تھے تم و الم ان سے دُور ہو جاتا تھا اور خوشحال ہوتے تھے اور جب نام مبارک امام حسین یاد کرتے تھے انہیں شدت گریہ ہوتی تھی۔ ایک روز مناجات کی۔ خداونداجب میں ان چار بزرگوں کا نام لیتا ہوں میرا تم و الم بر طرف ہو جاتا ہے

اور مجھے سرور حاصل ہوتا ہے اور جب نام بزرگوار امام حسین یا ذکر ناموں میں پڑھتا ہوں تو مجھے پشیم عالم طاری ہوتا ہے اور اگر مجھے بجمال کر دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قصہ شہادت و مظلومیت امام حسین - ذکر یا کو وحی کیا اور کبھی میں کات اشارہ کر بلا سے ہے اور ہمارے ہلاکت عزت طاہرہ ہے۔ اور یا بیزید پلید ہے کہ ان کا قاتل تھا۔ اور عین عطش و تشنگی امام حسین اور ان کے عزت و اصحاب سے مراد ہے جو اس صحرا میں گزے اور حق صبر آنحضرت سے مطلب ہے کہ مسائب پر صبر کیا۔ جب حضرت زکریا نے یہ قصہ درود ناک سنا۔ تین روز تک مسجد سے نکلے اور کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا اور مشغول گریہ و زاری و نالہ و سہہ فراری رہے اور مرتبہ مصیبت امام حسین پر پڑھتے تھے، رجلا العیون جلد دوم صنف فرمائیے۔ وہ حضرت زکریا علیہ السلام جو اسے سے چہرے گئے لیکن اُف تک نہ کی۔ ان کو محض شہادت حسین کے تصور سے تاملی تحریک کا ایک رکن قرار دید گیا۔

حضرت عیسیٰ کا کر بلا میں شیر نے گھیرا کر لیا

اب داستان کر بلا میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا تذکرہ بھی سن لیجئے فرماتے ہیں ۱۰، ایک روز حضرت عیسیٰ مع حواریوں کے سیر و سیاحت کر رہے تھے ناگاہ صحرائے کر بلا میں گزرے۔ اور جب اس صحرا میں داخل ہوئے چاہا باہر نکل جائیں۔ ناگاہ ایک شیر ان کے سامنے اکھڑا ہوا۔ حضرت عیسیٰ نے بنا اسے شیر تو نے میرا استہکیوں روکا۔ شیر حکم خدا گویا ہوا اور بزبان فصیح کہا میں آپ کو اس صحرا سے باہر نہ جانے دوں گا۔ جب تک حسین بن علی کے قابل پر لعنت نہ کیجئے گا۔ عیسیٰ نے کہا حسین کون ہے۔ شیر نے کہا حسین فرزند زواہ نبی امی فرزند علی ولی ہے۔ عیسیٰ نے کہا ان کا قاتل کون ہے شیر نے کہا قاتل حسین کا یزید پلید ہے الخ (منک)

لیجئے :- صاحب معجزات حضرت عیسیٰ کلمتہ اللہ علیہ السلام کا کر بلا میں ایک شیر نے گھیرا کر لیا اور نعوذ باللہ جب تک لعنت جیسی تاملی عبادت میں شریک نہ بنایا ان کو جانے نہ دیا۔

کر بلا کی یہ داستانیں اور ماتم کے یہ افسانے کیا اسی لئے نہیں گھڑے گئے کہ انبیائے معصومین کی عظمتیں مجروح کی جائیں۔ کمالات نبوت سے اعتنا و اٹھایا جائے۔ اور ان مقبولان بارگاہ بزدی کو بطور تاملی گروہ کے قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور یہ سب کچھ شہادت حسین کی بنیاد پر کیا گیا۔ تاکہ عبدیت و اطاعت - صبر و استقامت اور تسلیم و رضا جیسے کمالات کو انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ سے خارج

کر دیا جائے۔ اور باقی صرف ماتم ہی ماتم رہ جائے۔ وہ ماتم جس کے ناپاک خباہت سے انبیاء اولیاء کا دامن پاک ہے۔ یہ ہے وہ تاملی تحریک جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے دکھائی گئی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکروں میں سانچہ کر بلا کو اس طرح سے افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس نے الف ایلیٰ بیسی فرضی داستانوں کو مات کر لیا ہے۔ اور جب شہادت حسین سے ہزار ہا سال پہلے کی تاملی داستانوں کو انتہائی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے تو کلمہ کر بلا کے بعد کے جو تاملی افسانے تراشے گئے ہوں گے ان کا کیا رنگ ڈھنگ ہوگا۔ حج قیاس کن زگلستان من بہار را۔ حضرت امام حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں :- کمالات ایمانی میں آپ کو قیامت تک نام ہی نام بلند مقام حاصل ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر حضرت عثمان ذوالنورین

کی خلافت راشدہ تک ۲۴ سال ان خلفائے عظام کی بیعت و اطاعت میں گزار دئے اور کسی قسم کا اختلاف و نزاع نہیں کیا۔ بعد ازاں حضرت علی المرتضیٰ کے قریباً چھ سالہ دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ سے دم عثمان کی بنیاد پر نزاع رہا حتیٰ کہ جنگ و قتال تک نوبت پہنچی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ خلافت پر فائز رہ کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تو جنت کے جوانوں کے ان دونوں سرداروں حضرت حسن - حضرت حسین انے حضرت معاویہ کی بیعت کر لی۔ حتیٰ کہ حضرت حسین نے قریباً ۲۰ سال خلافت معاویہ میں گزارے لیکن ان سے کسی طرح کی کوئی مخالفت نہ کی اور بیت المال سے وظیفہ لیتے رہے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے۔ اور جب یزید نے مملکت اسلامیہ کا اقتدار سنبھالا تو حضرت حسین نے اختلاف کیا اور آخر دم تک اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور اپنے اس موقف حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے ۱۰ محرم ۶۰ھ کی جنگ کر بلا میں اپنے اعزہ و اقارب سمیت شہید ہو گئے۔

ان اللہم وانا لیسر و اجمعون

اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہر شہید مقتول ہوتا ہے۔ اس کا بدن زخمی ہوتا ہے۔ خون بہتا ہے۔ اس کی بیوی بیوہ ہوتی ہے اس کے بچے یتیم ہوتے ہیں لہذا ننگان کو اس کی مصیبت کا عظیم حدمہ ہوتا ہے۔ غزوہ بدر میں ۱۴ اصحاب شہید ہوئے تو جنگ احد میں ستر اصحاب نے جام شہادت نوش فرمایا۔ بیڑوں سے سب کے بدن زخمی ہوئے پھر چور ہوئے۔ بعد از حضرت حمزہ کے اعضاء کاٹ دیئے گئے۔ سینہ چیر کر گلجہ چنایا گیا۔ بعد ازاں جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار

اور دوسرے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے۔ اس عظیم معرکہ میں حضرت خالد ولید کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں جس کی بنا پر دو بار رسالت سے آپ کو سبقت اللہ کا لقب عطا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علیا بیوی سے یرموک اور اربابینوں سے فادسیہ جیسی عظیم تاریخی جنگیں غازیان اسلام نے لڑیں۔ ہزار ہا مسلمان شہید ہوئے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدین اسلام نے خلفائے ثلاثہ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین کے پرچم خلافت کے سایہ میں کلمہ اسلام بلند کیا۔ دین حق غالب ہوا۔ شیطانی اور طاغوتی لشکر مغلوب ہو گئے۔ حقیقت اسلام کے انوار اطراف عالم میں پھیل گئے۔ لیکن نہ ماتمی مجالس قائم کی گئیں۔ نہ ماتمی جلوس نکالے گئے۔ نہ ہائے داویلا کا شور ہوا۔ نہ زنجیر زنی اور سینہ کوبی کے تماشے دکھائے گئے۔ کفار سے جنگ و قتال کرنے والا مسلمان زندہ رہتا تھا تو غازی کہلاتا تھا اور قتل ہو جاتا تھا تو شہید قرار دیا جاتا تھا۔ رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پچاس سال حضرت حسین زندہ رہے۔ ان کی منقہس زندگی میں اس ماتمی تحریک کا سراغ نہیں ملتا۔ لیکن جب کہ بلا میں ہی امام حسین شہید ہوتے ہیں۔ آپ کا بدن زخموں سے چور چور ہوتا ہے۔ اعزہ کی لاشیں میدان جنگ میں تڑپتی ہیں اور عقیدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ قربانی اصول اسلام کی سر بلندی کے لئے تھی۔ مگر سلامی نظریات کے بالکل برعکس ماتمی تحریک کے تحت مجبان اہل بیت میں صفت ماتم بچھ جاتی ہے۔ صبر و نماز کی بجائے سینہ کوبی شروع ہو جاتی ہے۔ کلمہ حق اور جہاد فی سبیل اللہ کو تفسیر کی جا رہا ہے۔ صبر و استقامت کے حسین روشن چہرہ پر ظلمات ماتم کے پرے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ماتمی فلسفہ ایجاد ہوتا ہے۔ اس ماتم حسین کی کہیاں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر مقدس انبیائے کرام کے ساتھ ملائی جاتی ہیں۔ اور پھر اس قسم کی روایات وضع کی جاتی ہیں۔ کہ نوری ملائکہ بھی ماتم کرتے دکھائی دیتے ہیں جن و انس اور زمین و آسمان۔ شجر و حجر وغیرہ ساری کائنات، ماتم حسین میں مبتلا ہے۔ اور اس ماتم کے تحفظ و بقا کے لئے قیامت تک ایک ماتمی گروہ کی پیدائش کی خبریں دی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جن یزید پر سابقہ انبیائے کرام کی مبارک زبانوں سے بھی نصحت کرنے کی روایتیں پیش کی جاتی ہیں اس یزید کی بیوی کا بھی ماتمی

ماتمی مژدہ خوان بہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین کی لاش کو گھوڑوں سے پانمال کر دیا گیا لیکن ان کے علامہ باقر علی نے بجوانی کا نظیر روایت لکھی ہے کہ دشمنوں نے یہ ارادہ کیا تو ایک شیر نو دار ہوا جس کے خوف دشمن اس ارادہ سے باز آ گئے۔ (ج ۲ جلد ۱۱ العیون ص ۲۱۹)

ہونا ثابت کیا جاتا ہے اہل کوذ جو قاتلان حسین ہیں وہ بھی مجالس ماتم بپا کرتے ہیں۔ اور خود یزید مارنا اس تحریک میں دکھایا جاتا ہے حتیٰ کہ یزید کی اجازت سے مخدرات اہل بیت اس کے شاہی روزنک کالے کپڑے پہنے ہوئے ماتم حسین میں مشغول رہتی ہیں۔ گویا اپنے بھی ماتم کر رہے ہیں اور پرلے ہیں۔ پس ساری کائنات میں ماتم ہی ماتم ہے۔ ماتم بس باقی ہو س۔

نور ذوالنورین انبیائے کرام علیہم السلام کو ماتمی تحریک کے سلسلہ میں مستلک کہ جہنم کا ماتم کی کیا مجال تھی کہ غم حسین کا ماتم نہ کرے۔ چنانچہ ماتمی قلوب میں یہ وحی نازل کی گئی کہ امام حسین کو شہید کیا۔ جہنم نے ایک ایسا نعرہ مارا کہ قریب تھا کہ زمین کو شگافہ کر دے اور جب ابن زیاد و یزید بن معاویہ و عمرو بن سعد و شمران کے بدنہائے نحس سے نکل گئیں۔ جہنم جوش و خروش خدا خیزہ داران جہنم کو حکم نہ کرنا کہ اُسے خوب اچھی طرح سے بند رکھیں پس جو کوئی زمین پر تھا اس سے جل جاتا اور اگر اُسے اجازت دیتے جو کوئی زمین پر تھا اُسے وہ نکل جاتا لیکن اپنے خدا کے خنزیرہ داران جہنم کو زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں اور چند مرتبہ خنزیرہ داران پر جہنم نے زیادتی کی نہ لاسکے تا آنکہ جبرئیل آئے اور اپنے بازو سے اس کے شعلہ کو دھبھا کر کے اُسے ساکن کر دیا مصائب امام حسین پر کرتا ہے۔ اور ان کے قاتلوں پر جوش و خروش کرتا ہے۔ اور اگر بجائے خدا زمین کو سرنگوں کر دیتا، (جلاء العیون جلد دوم ص ۸۷ مطبوعہ لاہور) پر جہنم کی روایت تمام ماتمی روایا کیونکہ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ، گو جہنم خدا کے حکم پر مامور ہے پھر بھی حکم الہی کے خلاف سرکشی کرتے ہیں۔ جہنم بھی اس سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔

(ب) اگر جہنم کے محافظ فرشتے اس کو زنجیروں سے نہ جکڑے ہوں تو وہ زمین اور اہل زمین بھو بھی جلا (ج) جہنم مصائب امام حسین پر گریہ و نوحہ کرتا ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ پاکستان میں بعض ماتمی ٹولیاں آگ پر بھی ماتم کرتی ہیں۔ اور شیعہ، اخباریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اگر ان خبروں میں کچھ صداقت ہے تو پھر آگ کے ماتمیوں کو کوئی اس سلسلہ میں جہنم سے فیض پہنچتا ہے۔ اور جہنم کے خوف سے زمین کی آگ

جب جہنم ماتم کرتا ہے تو اس کے اندر رہنے والی مخلوق بھی تو اس ماتم میں شریک ہوتی ہوگی۔ اور ماتمی کمال بھی انہی کو حاصل ہے کہ اوپر بھی آگ ہے اور نیچے بھی۔ دائیں بھی آگ اور بائیں بھی آگ بھی اور نیچے بھی۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہے لیکن وہ نہایت جوش و خروش سے اپنے ماتم میں محو ہیں۔ اور یہی ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

شیعیت کی رفتار

ماتمی مصنف لکھتے ہیں: ہم قاضی صاحب کا جواب الجواب اس لئے نہیں لکھ رہے کہ ہمیں بھی ان کی طرح اپنے عوام کے غلط فہمی میں مبتلا ہوجانے کا خدشہ ہے عاشرہ و کلام۔ ہمیں ایسا ہرگز کوئی خوف لاحق نہیں کہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ ایسے بے بنیاد اور کمزور استدلال کے حامل رسالہ سے متاثر ہو کر کوئی شیعہ اپنا مسلک ترک کر دے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے والد بزرگوار انجہانی مولوی کرم دین صاحب کی کتاب ”آفتاب ہدایت“ سے رجوع تقریباً نصف صدی پہلے لکھی گئی اور اس عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اب تک سینکڑوں شیعہ اپنا مذہب چھوڑ چکے ہوتے۔ اگرچہ برعکس اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد صرف تحصیل جیکوال میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شیعہ ہوئے لاکھوں بستیاں جہاں شیعہ مذہب کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا آج وہاں مساجد اور امام کوٹ موجود ہیں۔ تعزیراری اور مجالس ہو رہی ہیں۔ عوام کا ذکر ہی کیا آپ کے بے شمار علماء اپنے آبائی مذہب سے من موٹ کر مذہب حقہ شیعہ اختیار کر چکے ہیں۔ جن سے مشہور و معروف علماء کی ایک مختصر فہرست پیش خدمت ہے۔ مولانا حکیم سید احمد شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقام۔ مولانا حافظ مقبول احمد صاحب دہلوی اعلیٰ اللہ مقام۔ مولانا ملک فیض محمد شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقام۔ مولانا ڈاکٹر نور حسین صابر جھنگ سیال مصنف ثبوت خلافت۔ مولانا حکیم امیر الدین صاحب مصنف فلک النجاة۔ مولانا امیر محمد صاحب تونسوی۔ مولانا غلام محمد صاحب محمودی تونسوی۔ مولانا غلام حسین میاوی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب۔ مولانا تاج الدین حیدری۔ مولانا حافظ سیف اللہ صاحب جعفری۔ مولانا سعید الرحمن علوی۔ مولانا عسکرم حسین ساہیوال۔ مولانا عبدالحمید اداکڑہ۔ مولانا محمد مظہر الحق صاحب۔ مولانا قاری جان محمد صاحب۔ مولانا حکیم سید محمود صاحب گیلانی معراج کے سابق ایڈیٹر اخبار الہمدیث آپ کے خاص اعزہ سے قاضی رشید عسکری بیڑھیال (جنہوں نے اس رسالہ کے لکھنے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا،

اور حال ہی میں آپ کے خلفاء سے مولانا اللہ بخش صاحب جعفری نے سابقہ مسلک کو ترک کر کے مذہب حقہ شیعہ اختیار کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروائے (فلاح الکونین ص ۹۳)

الجواب (۱) آپ تو لکھتے ہیں کہ رسالہ وہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ” سے شیعہ عوام کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہیں۔ لیکن آپ کے علامہ مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو لکھتے ہیں کہ: ”اگرچہ رسالہ اپنے دلائل کی ناچنگی اور طرز تحریر کی ناشائستگی کی وجہ سے محتاج جواب نہ تھا مگر چونکہ بعض ناچختہ اذہان کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے ابھی مقررہ کی آواز فضاٹے محیط میں گونج ہی رہی تھی کہ ایک غیور سید اپنی غیرت تومی و ملی کے نشتر سے سرشار ہو کر اور دلائل قاطعہ سے مسلح ہو کر عرصہ پیکار میں کود پڑا“ (تقریظ فلاح الکونین ص ۱۱) فرمائیے آپ دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے۔ مصنف کی یا مقررہ کی (۲) آپ نے علماء کی جو فہرست پیش کی ہے کہ وہ مذہب امت ترک کر کے شیعہ بنے ہیں ان میں سے بعض کی تصانیف مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور بعض سے پہلے تعارف نہیں ہے۔ لیکن آخری دو حضرات کا جو آپ نے فہرست میں نام پیش کیا ہے۔ اگر باقی بھی ایسے ہی علماء ہیں پھر تو مذہب شیعہ کا خدا حافظ۔ (۱) ماسٹر رشید عسکری ساکن بیڑھیال جے ڈی کی سند رکھتے ہیں اور پرائمری سکول امیر پور سنگھ میں ٹیچر ہیں قبل ازیں چند سال پرائمری سکول چٹال میں ٹیچر رہ چکے ہیں۔ غالباً قرآن ناظرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے البتہ ذاکر مرثیہ خوان ضرور بنے ہوتے ہیں (۲) ان کے ساتھ میری کوئی قرابت داری نہیں۔ اور میں تو عسکری صاحب کے شکل بھی نہیں پہچانتا۔ لیکن جب انہوں نے شیعہ مذہب کا اعلان کیا ہے تو توفیقہ کا ثواب بھی تو حاصل کرنا ہے۔

(۲) ماشاء اللہ مولوی اللہ بخش جعفری بھی شیعوں کو ایک تحفہ مل گیا ہے۔ یہ شخص نہ میرا شاگرد ہے نہ مرید۔ نہ وہ حافظ ہے نہ قاری۔ نہ ہی وہ عالم ہے۔ وہ توفیقہ کی کتاب مینزہ المصلیٰ بھی پڑھا ہوا نہیں ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ وہ سروپوں میں اچانک میرے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں آپ کے عقیدہ کا ہوں۔ اپنا سارا خاندان بھی مخالف ہے صنح مظفر ٹھٹھ میں لائے بلکہ کارتنہ والا ہوں۔ اب صنح گوجرانوالہ کے ایک چک میں امام مسجد تھا وہاں بھی لوگ میرے مخالف ہو گئے ہیں کوٹھے امامت کی جگہ مل جائے تو یہ دن گذاروں پھر کوئی اور جگہ بنا لوں گا۔ مجھے اُس کی حالت پر رحم آ گیا۔ اپنے گاؤں میں ہیں بلکہ خالی تھی وہاں عارضی طور پر بھیجے دیا تاکہ نماز پڑھاتا رہے اور بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا رہے۔ بعد ازاں وہ جوب بھی جھوٹے چکوال ملنے آیا خواہ کہ ہونے کی شکایت کرتا رہا۔ میں اس سے مطمئن نہ رہا۔ یہی ارادہ تھا کہ اس کو نخست

کر دیں گے۔ اس طرح ۱۳ ماہ گزر گئے۔ اور اچانک بے اطلاع ملی کہ اس نے ڈھوڈیال کے شیعوں کی مجلس چلیم ہیں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس نے نہ کبھی مذہب اہل سنت کے متعلق مجھ سے کوئی استفسار کیا اور نہ ہی اور کسی اپنے منہات کا اظہار کیا رہا، جب اُس نے شیعہ ہونے کا اعلان کیا اس وقت اس کے ذمہ ہیں کے دکانداروں کا سات اٹھ گروپیہ قرض تھا۔ جن میں سے غالباً ایک سو روپیہ ایک دکاندار کو دیا ہے اور باقی رقم اس کے ذمہ ہے۔ (رج) اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ خدام اہل سنت کے کسی تبلیغی جلسہ یا تبلیغی دورہ میں اس کا نام کبھی بھی شائع نہیں کیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پہلے سے شیعہ تھا کسی سازش کے تحت تقیہ کر کے وہ ہمیں رہا ہے اور بعض کا قیاس ہے کہ وہ محض لاپرواہی بنا پر شیعہ بنا ہے اور پہلے مرزائی وغیرہ بھی رہ چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ جو شیعہ نمونہ ازخروائے نامی مصنف نے پیش کیا ہے اس کے دو دانے تو عسکری اور جعفری مذکورہ ہیں اور باقی افراد سے بھی اکثر غالباً اسی نمونہ کے مولانا ہوں گے۔ قیاس کن زگلستان من ہمارا۔ چنانچہ ان میں سے ایک مولوی غلام حسین میداوی کا نام لکھا ہے۔ جو موضع میال علاقہ سواں ضلع کیلپور کار بننے والا تھا۔ وہ گو شیعوں کا مقرر تھا لیکن مستند عالم تھے بعد میں اس نے اپنے سنی ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور آزاد کشمیر کے ایک نقشبندی پیر صاحب کا مرید ہو گیا تھا جن کی اس علاقہ میں آمدورفت تھی۔ ان کے ہمراہ وہ سنی مذہب کی حقانیت پر تقریریں بھی کرتا رہا۔ لیکن آخر اس نے پھر شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا جس کے بعد جلد ہی ہی مر گیا۔ کیا اس قسم کے افراد شیعہ مذہب کے لئے قابل فخر ہیں۔

(۳) آفتاب ہدایت رورفض و بدعت میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ جو آج سے قریباً پچاس سال پہلے برطانوی حکومت میں لکھی گئی تھی۔ اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس تصنیف سے شیعہ علماء اتنے پریشان ہوئے تھے کہ لکھنؤ کے شیعہ رسالہ اخبارات میں اس کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا تھا اور اس کی منبطلی کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کو درخواستیں دی گئی تھیں۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ فرمایاے اگر آفتاب ہدایت سے شیعہ مذہب کو کوئی خطرہ نہیں لاحق ہوا تھا تو اس کی منبطلی کے لئے شیعوں نے کیوں کوششیں کیں۔ الحمد للہ یہ کتاب عوام و خواص میں مقبول ہوئی ہے اور اس کے مطالعہ سے ہزاروں سنی مسلمانوں نے مذہب اہل سنت کی حقانیت کو سمجھا ہے اس کتاب کے سنی علماء و مناظرین نے بھی بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے نہ صرف یہ کہ رافضیت کو بے نقاب کیا اور خلفائے راشدین اور اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی بلند

مقام کا تحفظ کیا بلکہ آپ نے فتنہ مرزائیت کا بھی انتہائی عزم و استقامت سے مقابلہ کیا۔ جنی کہ خود مرزا غلام احمد خاں دیوانی سے آپ کا دو سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ جس میں آپ نے خداداد علم و ذکاوت کی بنا پر مرزا خاں دیوانی کو بھی کمرہ عدالت میں الجواب کیا۔ مرزائی علماء کو اپنی علمی جرح سے بدحواس کر دیا۔ چنانچہ آخر میں گورداسپور کے مجسٹریٹ لالہ اتارا م نے مرزا انجمن کو اس مقدمہ میں چھ ماہ قید محض یا پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی جس سے بمشکل ایک انگریز وکیل کے ذریعہ پیل میں رہائی حاصل کی۔ اس مقدمہ کی مفصل روڈنڈا سرکاری ریکارڈ کے ساتھ جناب والد مرحوم کی کتاب ”تازیانہ عبرت“ میں اس کا جواب ہے جس کا آج تک مرزائی جواب نہیں دے سکے شیعوں کے ایک اشتہار سے معلوم ہوا کہ کوئی شیعہ مجتہد آفتاب ہدایت کا جواب ”تجلیات صداقت“ کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ اگر یہ کتاب شائع ہوئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ حسب ضرورت اس کا جواب الجواب بھی شائع کر دیا جائے گا۔ بہر حال قارئین حضرات اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر آفتاب ہدایت اپنے موضوع پر کوئی مؤثر کتاب نہ ہوتی تو نصف صدی کے بعد آج شیعہ علماء کو اس کا جواب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچ

آفتاب آمد و دلیل آفتاب - گردولیت باید از گئے روفناپ

اب ہم شیعوں کے وجود ان کی ترقی کا جائزہ لینے ہیں جس سے نامی مصنف کے ذوق کی حقیقت دور رسالت میں شیعہ معلوم ہو جائیگی۔ رسول کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال تبلیغ رسالت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس دور رسالت میں قرآن مجید نازل ہوتا رہا۔ آخر کار شیعہ میں کہ شریعت نفع ہوا۔ کفار و مشرکین مغلوب ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کی جماعت ان پر غالب آئی۔ لیکن اس ۲۳ سالہ دور نبوت میں نہ کوئی شیعہ تھا اور نہ ہی شیعہ مذہب کا کوئی وجود تھا۔ اگر کوئی ایک فرد مسلم بھی شیعہ مذہب رکھتا تھا تو کسی آیت یا حدیث صحیح سے اس امر کا ثبوت دیں کہ کسی مسلمان نے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ یا لفظ شیعہ بحیثیت مذہب کسی نے استعمال کیا ہو۔ اگر یہ مذہب حضرت علی المرتضیٰ کا ہے تو ثابت کریں کہ شیعہ خدا نے کہیں اپنے شیعہ ہونے کا اظہار و اعلان کیا ہے۔ یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شیعہ ہونے کا کہیں ذکر ہی فرمایا ہے ہا تو ابراہان کفران کنتہم صدقین۔

اہل سنت و الجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور رسالت کے بعد صرف تین چار شیعہ تھے

دیوار کرنے والے مومنین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد

تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہ سب یقین ہیں۔ جن میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ کا درجہ بڑی ترتیب خلافت باقی صحابہ کرام سے بڑا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی ساری عمر لفظ شیعہ کا بحیثیت مذہب ذکر نہیں فرمایا۔ اور شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے صرف حضرت علی المرتضیٰ افضل خلیفہ برحق ہیں۔ بالفرض ان عقیدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے اور حسب دعویٰ شیعہ حضرت علی کو مذہب شیعہ کا پیر و تسلیم کیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صرف چار پانچ افراد شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ (۱) فروغ کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص ۱۵۱ میں ہے: عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اهل ردة بعد النبی صلی علیہ والہ الا ثلثۃ فقلت ومن الثلثۃ فقال مقداد بن الاسود والوفد الغفادی وسلمان الفارسی رحمتہ اللہ علیہم و بواکھم، (توجہ) امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے تین کے باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ پس میں نے کہا وہ تین کون ہیں تو امام موصوف نے فرمایا۔ مقداد۔ ابوذر غفاری اور سلمان فارسی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ جن حسینؓ کے علاوہ صرف تین مومن تھے۔

(۲) ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امر و عبوی اصول کافی کی ایک روایت کا ترجمہ لکھتے ہیں: میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے کیا ہماری جماعت کس قدر قلیل ہے کہ اگر دسترخوان پر ایک بکری کھانے بیٹھیں تو اسے تمام نہ کر سکیں فرمایا میں تم کو اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں۔ آنحضرت کے بعد مہاجرین و انصار ایمان سے پھر گئے اور پھر ان تین انگلیوں سے اشارہ کیا حمران کہتا ہے میں نے کہا تمہارا کیا حال رہا۔ فرمایا اللہ ان پر رحم کرے ان کی کنیت ابوالبقاعان ہے۔ انہوں نے امیر المؤمنین کی بیعت کی اور جنگ صفین میں شہید ہوئے، دشانی ترجمہ اصول کافی جلد دوم کتاب الایمان والکفر ص ۲۶۸، اس روایت سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ تین کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر بھی مومن تھے۔ اور تین انگلیوں سے مراد وہی تین صحابی ہیں یعنی سلمان۔ مقداد۔ ابوذر۔ (اصنافی شرح اصول الکافی ص ۱۵۱ جلد دوم)

(۳) شیعوں کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر مہاجرین و انصار نے وصیت احمد مختار اور بیعت حید کو ترک کر کے خدا سے شرم نہ کی اور ابوبکر سے بیعت کر لی اور جب سید اولیاء و فن سرور انبیاء سے فارغ ہوئے اور بے وفائی اصحاب اور کفر و نفاق ان لوگوں کا مشاہدہ کیا مگر انہوں نے۔ جب رات ہوئی۔ جناب امیر حسین کو ہمراہ لے کر ایک ایک گھر میں مہاجر و انصار کے تشریف لائے

اور ان کو عقوبات الہی سے ڈرایا اور وصیت رسول خدا کو جو بقائم غلیظ مائی تھی پڑھ کر سنایا اور ان سے نصرت و یاری چاہی۔ مگر سوائے چوبیس آدمیوں کے اس گروہ بے شرم سے کسی نے قبول نہ کیا اور جب صبح ہوئی چار آدمیوں سے زیادہ بیعت جناب امیر برقیان نہ تھے۔ اسی طرح تین رات تک ہر شب جناب امیر ان لوگوں کو دعوت بیعت فرماتے اور ان سے طلب یاری کرتے تھے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت دیگر تین آدمیوں کے سوا اور کسی نے بیعت قبول نہ کی۔ (جلد العیون جلد اول مطبوعہ مکتبہ ص ۱۲۹)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل حضرت علی المرتضیٰ کو ماننے والے صرف تین چار گنتی کے مومن تھے یعنی شیعوں کی اصطلاح میں صرف تین چار شیعہ تھے۔

خلفائے ثلاثہ کے ۲۲ سالہ دور خلافت راشدہ کے بعد جب حضرت علی المرتضیٰ کے دور خلافت کے شیعہ خود حضرت علی المرتضیٰ کو اقتدار خلافت نصیب ہوا۔ اس

وقت بھی حقیقی شیعہ برائے نام تھے چنانچہ حضرت علی نے خود فرمایا کہ: قد عملت الولاۃ قبل اعمال الخلفاء فیہا رسول اللہ متعمدین لخلایفہ فاقصین لعلہذا مغیرین لسننہ ولو حملت الناس علی ترکھا و حوتھا ای مواضعھا وانی ما کانت فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ لتفرق عنی جنودی حتی البقی و عہدی اذ قلیل من شیعتی الذین عرفوا فضلی و فرض امامتی من کتاب اللہ عز ذکرة و سنتہ نبیہ صلی اللہ علیہ والہ، (فروغ کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبہ)؛ بیشک مجھ سے پہلے والیوں (یعنی خلفاء) نے ایسے کام کئے ہیں جن میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بوجھ کر مخالفت کی ہے اور آپ کے عہد کو توڑا ہے۔ آپ کی سنت کو تبدیل کرنے والے ہوئے ہیں۔ اور اگر میں لوگوں کو ان (مخلاف شرع) کاموں کے چھوڑنے پر آمادہ کر دوں اور ان کو اپنی اپنی جگہوں پر لے آؤں جس طرح کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ اعمال تھے تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔ حتیٰ کہ میں تنہا باقی رہ جاؤں یا تنہا سے میرے شیعہ میرے ساتھ باقی رہ جائیں۔ جنہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری فضیلت اور میری امامت کی فرضیت پہنچی ہے۔ فرمائیے:۔ خلافت حیدر کرار کے زمانہ میں بھی شیعوں کا یہ حال تھا کہ اگر آپ صحیح احکام شریعت نافذ فرماتے تو وہ سب چھوڑ جاتے اور آپ تنہا یا چند منصف شیعہ آپ کے پاس

باقی رہ جاتے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے بیچ المباحثہ کے مندرجہ خطبوں میں اپنے ان شیعوں کو ملامت کی ہے۔ اور ان سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ بخوف طوالت ہم نے وہ عبارتیں یہاں درج نہیں کرتے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریباً سترہ سالہ دور خلافت کے بعد جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانشین بنے تو آپ نے اپنے شیعوں کی بے وفائی اور بزدلی سے تنگ آکر اپنی خلافت کو ہی چھوڑ دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: ایضا روایت ہے کہ جب امام حسن پر مدائن میں خیر مارا۔ زید بن وہب جہنی امام حسن کی خدمت میں آیا اس وقت حضرت کو دردِ اہم تھا۔ زید نے کہا یا ابن رسول اللہ کی مصلحت سے بڑیکہ لوگ اس کام میں متحیر ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ بخدا سو گند اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سو گند اگر معاویہ سے میں عہدوں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل و عیال میں امین ہو جاؤں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میرے اہل و عیال و عزیز و قریب ضائع ہو جائیں۔ بخدا سو گند اگر میں معاویہ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ کو دیدیں جلا، العیون اردو جلد اول ص ۲۶۶) یہ ہیں امام حسن کے دور کے شیعہ جن سے آپ جان چھڑا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر رہے ہیں اور حضرت معاویہ کو ان سے بہتر فرما رہے ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ توجواں گروہ نے کیا وہ اظہر من الشمس ہے کہ وہ میں امام مسلم کو شہید کرایا اور فریب سے حضرت حسین کو کونہ میں بلایا۔ اور دستہ میں میدان کو بلا میں پھر آپ کے مقابلہ میں آئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اہل کوفہ کے ان واقعات کے متعلق گذشتہ مباحث میں عبارتیں درج کی جا چکی ہیں۔ جن کے مکرر درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں: از حضرت زین العابدین روایت کردہ اندک سے فرمایند کہ تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شدند الا پنج کس۔ ابو خالد یحییٰ بن ام الطویل۔ و پیر بن مطعم و جابر بن عبد اللہ انصاری و شبکہ حرم محرم حضرت

امام حسین بود رجاس المؤمنین مجلس پنجم ص ۱۳۵

ترجمہ مکہ :- اور امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام سب مرتد ہو گئے لیکن پانچ آدمی۔ ابو خالد کابی اودیحی بن ام الطویل اور جبر بن مطعم اور جابر بن عبد اللہ انصاری اور شبکہ کہ جو حرم محرم امام حسین علیہ السلام تھے، رجاس المؤمنین مترجم ص ۱۳۵ مطبوعہ شمس مشین پریس اگرہ ہندوستان) فرمایا ہے جب امام حسین کی عظیم قربانی کے باوجود بھی صرف پانچ شیعہ باقی رہ گئے تو آپ کی شہادت سے امت کو کیا فائدہ پہنچا اور اسلام کیسے زندہ ہو گیا۔ ع۔ نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے تم یہ داستان کب تک

فرمایا ابو عبد اللہ ربی امام جعفر صادق (نے ابو بصیر خدا امام جعفر صادق کے زمانہ میں تین بھی خالص شیعہ تھے

کی تم اگر میں تم میں ہیں شیعہ امامیہ پالیتی جواز راہ تقیہ ہماری بات کو بصیرت راز لکھتے تو میرے لئے اپنی بات کو ان سے چھپانا جائز ہوتا، رشتائی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۲۶۶) امام زین العابدین کے زمانہ میں پانچ تو تھے لیکن بعد میں امام جعفر صادق کے زمانہ میں آپ کو صرف تین راز دار شیعہ بھی نمل سکے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت رب، سدیر صیرنی کی ایک طویل روایت کے آخری حصہ میں ہے کہ امام جعفر صادق نے: ایک لڑکے کو کبریاں چراتے دیکھا، فرمایا۔ لے سدیر اگر میرے شیعہ بقدر ان کبریوں کے ہوتے نہیں خروج کرتا یعنی حکومت سے جنگ کرتا۔ ہم وہاں سے اترے اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے ان کبریوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ تھی، ایضا شانی ترجمہ اصول کافی ص ۲۶۶، توجب ۱۷ شیعہ بھی آپ کے پاس نہیں تونقیہ کیوں نہ فرماتے۔

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں: دشمنی نے امام امام موسیٰ کاظم کو صرف ایک مخلص شیعہ نصیب ہوا

فرماتے تھے عبد اللہ بن ابی یعفر رضو ابنین امام محمد باقر دام جعفر صادق علیہم السلام میں سے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میری وصیت قبول کرے اور میرے امر کی اطاعت کرے سوائے عبد اللہ بن ابی یعفر کے اور جب انہوں نے وفات کی تو حضرت نے ان کے لئے وعظ و رحمت کی، رجاس المؤمنین مترجم ص ۱۳۹، د ب، اور کتاب کشتی میں مذکور ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میرے امر کو اختیار کرے اور میرے پد بزرگوار کے اصحاب کے قدم بقدم چلے سوائے دو شخصوں کے کہ خدا ان پر اپنی رحمت فرمائے۔

ایک عبداللہ بن ابی یغفور۔ دوسرے حمرا بن امین لیکن یہ دونوں ہمارے شیعوں میں مومنین خالصین میں سے ہیں الخ
 (ایضاً ص ۲۹) ایسے امام موسیٰ کاظم کے مخلص شیعہ کی تعداد ۲۰ تک پہنچ گئی۔

(ج) اور جو بڑے نام محب بنے ہوئے تھے ان کی حقیقت امام موسیٰ کاظم خود یہ فرماتے ہیں :- لوصیوت شیعہ علی
 ما وجدتمہ الا واصفۃ ولوا متحنتہم لہما وجدتمہ الا مرتدین ذرورۃ کانی جلد ۲ کتاب الرد منہ ص ۱۸
 دینی اگر میں شیعوں میں امتیاز کروں، تو نہ پاؤں ان کو مگر صرف زبانی تعریفیں کرنے والے۔ اور اگر میں ان کا امتحان لوں تو
 ان سب کو مرتد پاؤں۔ یہ ہیں امام کاظم کے دور کے شیعہ حضرات۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ غضبناک ہوا ہمارے شیعوں
 پر در سبب ترک تقیہ، پس اختیار دیا مجھے اپنے اور ان کے قتل ہونے کے درمیان
 پس میں نے اپنی جان فیکر کر لیا دشمنی ترجمہ اصول کافی جلد اول۔ کتاب الحجۃ ص ۲۹)۔ یہ ہے امام کاظم کے دور
 میں شیعوں کا حال کہ مغضوب علیہم ٹھہرائے گئے۔ اور بعد کے ادوار میں بھی شیعوں کا یہی حال رہا۔ اس لئے امام کاظم
 تقیہ جیسی عبادت میں ہی زندگیاں گزارتے رہے اور حتیٰ گوئی اور جہادنی سبیل اللہ کا فریضہ مبرا انجام دیا۔

اور امام حسن عسکری کے بعد از روئے عقیدہ شیعہ آخری امام حضرت مہدی پیدا ہو کر بچپن
 ہی میں ۲۳ رمضان ۲۵۹ھ سے غائب ہو گئے ہیں کہ غیبت صغریٰ کے زمانے میں تو سفراء کے
 از رویہ ان کے حالات شیعوں کو کچھ معلوم ہو جاتے تھے لیکن جب سے غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا ہے صدی پہ صدی
 گذر رہی ہے کہ امام غائب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شیعہ علماء و مجتہدین آپ کے جلدی ظہور کے لئے دعائیں بھی بہت
 مانگتے رہتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتیں۔

بقول شیعہ حضرت امام مہدی اس وقت ظاہر ہوں گے
 ۳۱۳ شیعہ پورے ہوں گے تو امام غائب ظاہر ہوں گے (جب آپ کے مخلص شیعوں کی تعداد تین سو تیرہ پوری
 ہو جائے گی۔ پیناچہ علامہ خلیل قزوینی صافی شرح اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ:- منقول است کہ اگر عدد ایشان بسی عدد
 سیزده کس با پشت اجتماعی رسد امام ظاہری شود کتاب الحجۃ ص ۳۶) منقول ہے کہ اگر اجتماعی حیثیت سے آپ کے
 تابعداروں کی تعداد تین سو تیرہ کو پہنچ جائے تو امام غائب ظاہر جائیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواہ شیعیت کے مدعی نامی صاحبان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں سے بھی متجاوز ہو جائے
 حقیقتاً شیعہ نہیں ہیں۔ ورنہ حضرت مہدی ضرور ظاہر ہو جاتے۔ یہ صرف تماشائی شیعہ ہیں۔ جو نامی ہنگاموں کی پیداوار ہیں۔
 پھر نامی مصنف صاحب شیعوں کی تعداد میں اضافہ ہونے پر کس وجہ سے نازاں ہیں۔ خدا جانتے وہ خود بھی حضرت امام غائب
 کے رجسٹریں درج شدہ شیعہ حضرات میں شامل ہیں یا نہیں۔

(۲) آپ کے علامہ محمد حسین صاحب امر کی احادیث کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:- امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیعہ
 ناس وہی ہیں جو ہماری متابعت کرتے ہیں اور مخالفت نہیں کرتے اور جب ہم خوف زدہ ہوں تو وہ بھی مخالف ہوتے ہیں اور
 جب ہم امن و اطمینان سے ہوں تو وہ بھی امن سے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں ہمارے شیعوں (احسن الفوائد ص ۲۸۸)

مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں:-
 بے نماز اور مخالف شریعت شیعوں کا نام خارج کر دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص عمداً احکام شریعہ
 کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اور واجبات کی بجائے اوری اور محرمات کے ارتکاب کی کوئی پروا نہیں کرتا تو اس کا نام شیعان
 علی علیہ السلام کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے ان کی شفاعت کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ
 جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ لا تنال شفاعتنا من استخف بجماعتہ جو شخص نماز کو خفیت
 و سبک سمجھ لگا، اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ایسا ہی جناب سرور کائنات سے مروی ہے و رسائل النبیعہ
 وغیرہ (احسن الفوائد ص ۲۸۸)۔ یعنی شیعیت کی اس کسوٹی پر مائیموں کو پرکھ لیجئے کہ کن کن کا نام شیعان علی کی فہرست میں
 باقی رہ سکتا ہے۔ اور لکھتے وہ ہیں جن کے نام اس فہرست سے خارج ہو چکے ہوں گے۔ تو پھر مائیموں کو سیدہ کوئی اور نیرازی
 بلکہ آگ میں ماتم سے کیا فائدہ، کیونکہ عموماً یہ لوگ بے نماز ہوتے ہیں۔ اور سنت و شریعت کے ساتھ ان کی زندگی کا کوئی رابطہ
 نہیں ہوتا۔ وہ بیچارے تو اس خوشی میں ماتم کرتے ہیں اور اپنے بدن کو ابوابان کرتے ہیں کہ نماز و روزہ وغیرہ فرائض اسلامیہ
 کی بجا آوری نہ ہو۔ جب غم حسین میں ایک قطرہ آنسو بہانے سے جنت مل جاتی ہے۔ تو ہمارے اس پڑ پڑ خونیں ماتم سے تو
 ہمارے درجات جنت میں اور زیادہ بلند ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کرایہ کے ماتمی بھی درآمد کئے جاتے ہیں جن کو باضابطہ
 فنی طور پر ماتم کی ٹریننگ دی جاتی ہے وہ دُور دُور تک مجالس حسین میں اپنے فن ماتم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ
 اپنا مال خرچ کر کے ایسے مائیموں کو مہیا کرتے ہیں وہ خود تو بڑے نام سینہ پر آہستہ آہستہ ماتم مالتے ہیں اور ذکرین و علما

اور مجتہدین حضرات تو منہ اور سینہ کوٹنے کی کوئی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ محض ایک رسم کے ہاؤ پوری کر لیتے ہیں۔ اور ان سب مائمی حضرات کو خواہ وہ ماتم کرنے والے ہوں یا ماتم کرانے والے ہوں یا ماتم مروجہ کے سنت و عبادت ہونے پر دھواں دھاڑ لگا کر کرنے والے ہوں یہی امید ہوتی ہے کہ ہماری آخرت میں بخشش ہو جائے گی اور حضرت علی المرتضیٰ کے دست مبارک سے ہم سب کو جنت کا ٹکٹ نصیب ہوگا۔ لیکن لے لسا آرزو کہ خاک شدہ۔ شیعہ علامہ مولوی محمد حسین صاحب نے احادیث ائمہ پیش کر کے ان سب مائمیوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کیا اس کے بعد بھی خلافت شرع اور بے نماز مائمیوں کو ماتم سے کوئی مذہبی آخری فائدہ پہنچ سکتا ہے اور سنی مذہب کے ترک جو کہ عموماً شیعہ بننے ہیں وہ تو شریعت کی بندشوں سے آزادی کے طالب ہوتے ہیں یا تماشہ بیٹی میں مبتلا ہو کر شیعہ بن جاتے ہیں وہ بھی اپنا انجام سوچ لیں کہ سنی مذہب چھوڑ کر شیعہ بن جانے کا ان کو کیا فائدہ ہوا ہے۔

۷ نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم

زادھر کے رہے زادھر کے لہے

ہامی مصنف انصاف فرمائیں کہ جب چوری۔ ڈاکر زنی۔ اغوا۔ جوا۔ شراب بیویانسی۔ حرام خوردی۔ رشوت۔ جھوٹ۔ بے حیائی۔ بے پردگی۔ سینما۔ تھیٹر۔ میوں۔ تماشوں سب شرعی منکرات میں ترقی ہو رہی ہے۔ اور علمائے اسلام زعمائے ملت لیڈران قوم وغیرہ مصلحین کی مساعی کے باوجود ان میں کمی نہیں آ رہی تو اگر اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں مائمی سنگاموں میں شدت پیدا ہو جائے تو اس کی بنا پر کتب سنت کے اصول پر ماتم حرام کو اجابت و عبادت کی سند کیسے مل سکتی ہے۔ اور اس سے مذہب اہل سنت و جماعت کی حقانیت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ ماتم کی انھیال نجوم ہدایت کی روشنی کو کیونکر زائل کر سکتی ہیں۔

۸ نور خدا ہے کفر کی حرکت پر بندہ زن

پھونکوں سے یہ چپ سواغ بچھایا زجا نیگا۔

(ظفر علی خاں مرحوم)

لفظ شیعہ کی بحث

عموماً مائمی ڈاکرین و علماء اپنے عوام کو یہ سنی دیتے رہتے ہیں۔ کہ مذہب شیعہ کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے۔ اور

اہل سنت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن یہ محض طفل قستی کی باتیں ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں۔

۹ :- دل کے خوش کرنے کو غائب یہ خیال اچھا ہے۔

عربی لغت میں لفظ شیعہ کا اطلاق کسی گروہ پر کیا جاتا ہے۔ یا کسی شخص

شیعہ کا لغوی معنی اور مددگاروں پر۔

چنانچہ دل (المجید میں ہے۔ الشیعۃ امتیاع الرجل والنصاراء۔ ج شیعہ و ائمہ مروکے پیروں اور مددگاروں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع شیعہ اور اشباع ہے۔ (الفوقہ) شیعہ۔ فرقہ میں (ج) منہی الارب میں ہے۔ شیعۃ الابدل بالکسر پیرواں و ابلاں مرو۔ کسی مروکے شیعہ پیرو اور مددگار ہوں (رج) بیان اللسان میں ہے۔ شیعہ۔ پیچھے چلنے والا اور مددگار۔ گروہ۔ ناموس میں ہے۔ و شیعۃ الرجل بالکسر اتباعہ و انصارہ و الفرقۃ علی حدۃ۔ جمع کسی مروکے شیعہ اس کی پیروی اور مدد کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ اور شیعہ کسی علیحدہ فرقہ اور گروہ اس کی جمع اشباع اور شیعہ آتی ہے۔ کتب لغت سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ شیعہ کسی گروہ جاتا ہے یا کسی مروکے پیروں اور مددگاروں پر۔

اور لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ شیعہ قرآن مجید کا قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال میں مستعمل ہے۔

۱۰ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَدْحٰنِ وَجَعَلْ اٰهْلًا شَيْعًا ، پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص رکوع لفظ شیعہ جمع شیعہ کی ہے بمعنی گروہ۔ مولانا اشرف علی صاحب مٹھا نومی کا ترجمہ یہ ہے :- فرعون بہت چڑھ گیا مٹھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو بہت قہمیں کر رکھا مٹھا ، تفسیر میں لکھتے ہیں قہمیں کو معزز بنا رکھا مٹھا۔ اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو پست اور خوار کر رکھا مٹھا ، بیان ان مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے :- بیشک فرعون اس سرزمین میں غالب تھا اور کہ اس نے کئی گروہ بنا دیا مٹھا۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَدْعُوْنَكَ اَنْ تَكُوْنُوْا شَيْعًا لِّمَنْ هُمْ اَعْدَاؤُا ۔ پارہ ۸۔ سورۃ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ترجمہ مولانا تھانوی،
(ب) بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے۔ تم کو ان سے کسی معاملہ میں سروکار
نہیں، (ترجمہ مقبول)

(۳) وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا (دپ ۲۱ - سورۃ الروم ع ۲۱)
اور مشرک کرنے والوں میں سے مت رہو جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے، (ترجمہ مولانا تھانوی)
(ب) اور مشرکوں میں سے نہ ہونا یعنی ان میں سے جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے،
(ترجمہ مقبول)

(۴) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْخِ الْأَوَّلِينَ هَذَا وَمَا آتَيْتَهُمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ سِتْمِيزًا
پارہ ۱۲ - ع ۱۱، اور تم نے آپ کے قبل بھی (پیغمبروں کو) اگلے لوگوں کے گروہوں میں بھیجا تھا۔ اور کوئی رسول ان
کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو، (ترجمہ مولانا تھانوی)، (ب) اور بالتحقیق ہم نے تم سے
پہلے اگلے گروہوں میں بھی رسول بھیجے تھے اور ایک رسول بھی ان کے پاس ایسا نہ آتا تھا کہ وہ اس کی منسی نہ اٹھتے ہوں
(ترجمہ مقبول)

(۵) فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ لَوْ كَانُوا يَشْعُرُونَ
کل شیعۃ ابہم اشد علی الرحمن عصیاً ہ پ ۱۶ - سورۃ مریم ع ۱۵ :- سو تم ہے آپ کے رب کی تم انکو
اس وقت) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی۔ پھر ان کو دوزخ کے گردا گرد گھٹنوں کے بل گرا ہوا حاضر کریں گے پھر
ضرور ہم پر گروہوں میں سے ان کو الگ کریں گے جو خدا کے برخلاف زیادہ پکڑی کرنے والے تھے، (ترجمہ مقبول)

(۶) قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ قَوْلِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْضِكُمْ أَوْ يُبَدِّلَكُمْ أَرْضًا كَأَرْضِ آلِ
شَيْعًا وَيَذِقَ بِعَذَابِكُمْ بَأْسًا بَعْضًا (دپ ۷ - الانعام ع ۸) آپ کہیں گے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر
کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیجے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑکاوے اور تمہارے ایک کو
دوسرے کی لڑائی چکھا دے، (ترجمہ مولانا تھانوی)، (ب) کہ دو کو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر کی طرف بھیجے
یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہارے ایک گروہ کو دوسرے سے بھڑکاوے اور تم میں سے ایک کی سختی کا نرہ دوسرے کو

چکھا دے، (ترجمہ مقبول)

(۷) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَا عَمَّكُمْ فَهَلْ مِنْ مَّذَكِرَةٍ هِيَ إِلَّا هِيَ (دپ ۲۷ - سورۃ القمر ع ۳) اور ہم تمہارے ہم
طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے، (ب) اور ہم تمہارے ہمسروں کو ضرور ہلاک
کر چکے ہیں۔ پس ہے بھی کوئی نصیحت یا نبی والا (ترجمہ مقبول)

(۸) كَمَا فَعَلْنَا بِأَشْيَا عَمَّكُمْ (نہم) كَانُوا فِي شَكٍّ مَّرِيبٍ ہ (دپ ۲۲ - سورہ سبأ - آخری رکوع) :-
جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ وہی ایسی رہتاؤ، کیا جادے گا جو ان سے پہلے تھے کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے
جس نے ان کو ترو دین ڈال رکھا تھا، (مولانا تھانوی) (ب) جیسا کہ ان سے پہلے گروہوں کے بائے میں کیا گیا ہے کہ بیشک
وہ سب پریشان کر دینے والے شک میں تھے، (ترجمہ مقبول)

ان آیات میں لفظ شیعہ یا اس کی جمع شیعہ اور اشیاع ان لوگوں پر اطلاق کیا گیا ہے جو کافر۔ نامزدان اور مستحق
عذاب تھے۔ اگر شیعہ کوئی مذہبی نام ہے تو پھر ہر سارے شیعہ جتنی ہوتے ہیں۔ کیا کوئی باشعور شیعہ عالم یہ مطلب تسلیم
کر سکتا ہے۔ لیکن بعض شیعہ مذہب کے نادان و دوست ذاکر یا مولوی حسب ذیل دو آیتوں سے شیعہ مذہب کے
قرآن میں مذکور ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ آیت ۹، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا۔ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ

عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَةِ هَذَا وَهَذَا مِنْ عَدُوِّ هَذَا
فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِمِ (دپ ۲۰ - سورۃ قح

القصص ع ۲) :- اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے دو آدمی (دو گروہ) ہا شندے بے خبر
رہ گئے تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں سے تھا اور دوسرا ان کے
مخالفین میں سے تھا سو وہ جو ان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا
مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے :- اور وہ شہر میں ایسے وقت جبکہ اہل شہر غافل تھے پہنچے تو اس میں
دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک تو ان کے گروہ میں سے تھا اور ایک ان کے دشمنوں میں سے پس اس شخص نے جو ان
کے گروہ میں سے تھا اس شخص کے برخلاف جو ان کے دشمنوں سے تھا ان سے استغاثہ کیا۔ پس موسیٰ نے اس کے

ایک گھونسا مارا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر لکھتے ہیں۔ تفسیر صحیح البیان میں ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تم کو یہ نام مبارک ہو۔ کسی نے عرض کی حضور کو لٹا نام :- فرمایا شیعہ پھر بوری یہی آیت تلاوت فرمائی :-

الجواب (۱) اس آیت میں لفظ شیعہ کے تحت امام جعفر صادق کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا تم کو یہ نام مبارک ہو۔ یہ بالکل غلط ہے امام جعفر صادق کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے آیت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی معنی میں استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے اور خود مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی دونوں جگہ لفظ شیعہ کا ترجمہ گروہ کیا ہے۔ (۲) حضرت مولانا انور علی صاحب مٹھانوی نے بھی لفظ شیعہ سے مراد برادری کی مطلب یہ ہے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہی اسرائیل میں سے تھا۔ اس بنا پر بھی لفظ شیعہ کا کوئی مذہبی معنی یہاں سے ثابت نہیں ہوتا۔ (۳) اور اگر علمائے شیعہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ یہاں لفظ شیعہ مذہبی نام کے طور پر مذکور ہے تو یہ بھی ان کے خلاف ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی شیعہ کے بارے میں دوسری آیتوں میں مذکور ہے :- **فاصبح فی المدینۃ خالفاً یترقب فاذا الذی استنصرہ بالاصس لیستصرعہ قال لہ موسیٰ انک لغوی مبینہ** ہ فلما انک امر اد ان یبطش بالذی هو عدو لہما قال یوسی (تو یہ انک تعقلتی کما قتلت نفساً بالامن ان تو یہ انک تکون جباً رافی الارض وما ترید ان تکون من المصلحین ہ پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں ان سے امداد چاہی ہے وہ پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ ہے تو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دو ٹوکا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے (ترجمہ مولانا مٹھانوی) اور مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں۔ پس موسیٰ نے اس شہر میں اس حال میں صبح کی کہ خوف بھی کھاتے تھے اور اس میں بھی لگائے ہوئے تھے۔ یہ ایک دیکھتے کیا ہیں کہ جس شخص نے کل ان سے مدد مانگی تھی (آج بھی) ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب یہ ادا وہ کیا کہ اس شخص کو جوان دو ٹوکا دشمن تھا مغلوب کر دیں تو اس نے یہ کہا کہ لے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے بھی اسی طرح قتل کر دو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ پس تم یہی چیتے ہو کہ اس زمین میں بڑے سرکش بن جاؤ اور یہیں چلتے

کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ جس شیعہ کا ذکر حضرت موسیٰ میں آیات وہ سخت گمراہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو فرمایا۔ انک لغوی مبینہ۔ صاحب بھی لکھتے ہیں کہ تو صریح گمراہ ہے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ کی عبارت احسن الفتاویٰ کی پہلے نقل کی جا چکی ہے کہ جو لوگ بے نماز اور گمراہ ہیں اور ان کو شیعوں کو دیا جاتا ہے۔ (۲) اور بر اسرائیلی شیعہ جس کا ذکر زیر بحث آیت میں ہے اتنا شریر۔ گمراہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بیگناخ نہ کلام کیا کہ :- اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جو قتل کر چکے ہو۔ بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے ہو حضرت ہ قسم کے شیعہ سے سابقہ پڑتا ہے اسی قسم کے شیعوں سے حضرت امام حسن نے حضرت معاویہ سے بچائی۔ ایسے شیعوں نے تو حضرت حسن کا سامان بھی لوٹ لیا تھا۔ اور آپ کے قتل کے لئے بھی آمادہ۔ کہ بھی ایسے ہی شیعہ نصیب ہوئے تھے جیسا کہ بحوالہ کتب پہلے ثابت کر دیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ جس شخص

السلام صریح گمراہ فرماتے ہیں اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی معاف نہیں کرتا۔ شیعہ مفسرین اس کی کو مبارک مانتے ہیں اور اس کو اپنا مذہبی نام قرار دیتے ہیں چنانچہ مولوی اماد حسین صاحب کاظمی بھی یہی لکھتے ہیں :- قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے دین پر چلنے والوں کو شیعہ ہی کہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے بارے میں فرماتا ہے۔ داد لہوا حصیر دپ ۲۳، والصفانہ ع ۳، ترجمہ اور یقیناً حضرت ابراہیم بھی نوح کے شیعوں میں آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو شیعہ ہی کہا ہے اور جو نبی کا شیعہ نہ تھا اسے کہا ہے " (تفسیر المتقین)

یہ دلیل امام باڑوں میں مجالس قائم کی تقاریر میں تو مقبول ہو سکتی ہے۔ لیکن علمی معیار پر بالکل ہے۔ یہاں قرآن میں شیعوں کے جس فرد کا ذکر ہے وہ تو سخت گمراہ۔ شریر اور جھگڑاؤ تھا۔ کیا ایسے

پیر و کار اور دین پر چلنے والا کہا جاسکتا ہے۔ اگر شیعہ کا مفہوم ہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہے تو آپ کو مبارک ہو۔

(۵) یہ شیعہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایسا پیر و کار اور محب ثابت ہوا کہ اسی کی باتوں سے آپ کے مخالف قبطی (فرعونی) شخص کو معلوم ہوا کہ کل جو شخص مارا گیا ہے اس کو بھی حضرت موسیٰ نے ہی قتل کیا تھا چنانچہ اس نے یہ خبر جا کر فرعون کے پاس پہنچا دی۔ اور امام موسیٰ کاظم نے بھی ایسے ہی شیعوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے ہمارا زمانہ امت فاش کر دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آگئے ہیں۔ (۶) مندرجہ آیات میں حضرت مولانا مختار نوئی نے قال یومئذ اتوید ان تقتلنی۔ کا قائل اس اسرائیلی شخص کو قرار دیا ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت گمراہ فرمایا ہے۔ یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ آپ نے تو فرعون ہی میں قبطی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے یہ جواب تو قبطی کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ اسرائیلی شیعہ کی طرف سے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گوارا دہ تو قبطی کو کھڑے لایا لیکن اسرائیلی شیعہ پر چونکہ آپ پہلے غضبناک ہو چکے تھے اس لئے اس نے یہ گمان کیا کہ شاید مجھ کو ہی پکڑنے والے ہیں اس لئے اسی نے یہ مخالفانہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں۔ دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے کہ قبطی کو تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ کل جو شخص قتل ہوا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا اسی لئے فرعون لوگ قاتل کی تحقیق کر رہے تھے۔ توجہ فرعونوں کو ابھی تک یہ علم بھی نہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے ان کے آدمی کو قتل کیا تو وہ فرعون ہی کیسے کہہ سکتا ہے کہ کل بھی آپ نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ یہ قول تو اس اسرائیلی شیعہ ہی کا ہو سکتا ہے جس کی مدد کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو گزشتہ روز ایک گھونسا مارا تھا۔ جس کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا۔

(ب) مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی بھی لکھتے ہیں: اسرائیلی غلطی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے خفا ہیں مجھے پکڑنا چاہتے ہیں یہ سمجھ کر وہ بولا اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا۔ فرعون نے یہ بات سنی اور جا کر فرعون کو اطلاع دی کہ کل کے فرعون مقتول کے قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا حکم دیا، اور تفسیر نازن، تفسیر مظہری اور تفسیر حنفی وغیرہ میں قال یومئذ اتوید کا قائل اسی اسرائیلی کو قرار دیا گیا ہے جو نامی علماء کے نزدیک شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس اسرائیلی شیعہ نے جوازام دیا کیا اس کے بعد میں وہ مومن رہ گیا تھا۔ (ج) اور مولوی مقبول احمد صاحب

شیعہ مفسر بھی اس اسرائیلی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ العیون میں جناب امام رضا سے منقول ہے کہ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ کل تو ایک شخص سے بڑا تھا اور آج اس سے بڑا ہے (تو پکا مقصد ہے) میں تیری ضرور خبر لوں گا یہ فرما کر اس کے پیٹنے کا لٹہ۔ لیکن مولوی مقبول احمد صاحب نے جس حسب ارشاد امام رضا اس اسرائیلی شیعہ کو پکا مقصد ہونے کی سند عطا کر دی۔ کیا یہی وہ ماہر شیعہ ہے جس کے متعلق مولوی امداد حسین صاحب کاظمی نے لکھا ہے کہ:۔ اس آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیر و کاروں کو شیعہ ہی کہا ہے اور جو نبی کا شیعہ نہ تھا اسے عدوہ (اس کا دشمن) کہا ہے، (تفسیر المنتقین)

مولوی امداد حسین صاحب کاظمی مندرجہ آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔
کاظمی صاحب کا ایک اور علمی نکتہ
 قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہ لفظ شیعاً بھی آتا ہے۔ اگرچہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے اور اس کے معنی پیر و کار۔ مددگار۔ پیچھے چلنے والے گروہ۔ پارہ۔ وغیرہ۔ اب بین ایک ناقص اور مبصر پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء نبیہم السلام سے پیر و کاروں اور ان کے امین پر چلنے والوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کو شیعہ کہا گیا ہے۔ لیکن جہاں دشمنان خدا اور کفار وغیرہ کے پیر و کاروں کا ذکر آیا ہے وہاں انہیں شیعاً کہا گیا ہے۔ پس فرق ظاہر ہے۔ دین خدا پر چلنے والے اور نبیوں کے پیر و کار شیعہ ہیں اور کافروں کے پیچھے چلنے والے شیعاً ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں، (تفسیر المنتقین)

الجواب :- (۱) کاظمی صاحب نے یہ کوئی علمی نکتہ نہیں بیان کیا بلکہ یہ ان کا ایک غرابیہ ہے جو شیعہ عوام کو خوش کرنے کے لئے تراشا گیا ہے۔ کیا کاظمی صاحب نے لفظ شیعہ کی تحقیق کے لئے کتب لغت کی درج کردہ انہی کی۔ اور کیا کاظمی صاحب واحد اور جمع کا بھی فرق نہیں سمجھتے۔ لفظ شیعہ کی بحث کے شروع میں کتب لغت المنجی شیعہ الارباب اور قاموس کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ لفظ شیعاً اور اشیاع دونوں لفظ شیعہ کی جمع ہیں۔ شیعہ بمعنی ایک گروہ اور اشیاع اور شیعاً کا معنی بہت سے گروہ ہیں۔ فرق صرف واحد اور جمع کا ہے۔ معنوی طور پر کوئی ان میں فرق نہیں ہے کہ لفظ شیعہ مومنین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور لفظ شیعہ کافروں کے لئے۔ کیا کاظمی صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ لفظ واحد کا معنی جمع میں محفوظ رہتا ہے۔ مثلاً عالم کی جمع علماء ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لفظ عالم توحید معنی میں مستعمل ہوا اور اس کی جمع علماء برے معنی میں۔ البتہ اصناف کی وجہ سے ان الفاظ کے مطلب میں فرق پڑ سکتا

سے۔ وہ بھی مضاف الیہ کی وجہ سے نہ کہ واحد اور جمع کے فرق کی بنا پر۔

۲ - اور یہ بھی آپ کا لکھنا بالکل غلط ہے:۔ قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے پیر و کاروں اور ان کے دین پر چلنے والوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کو شیعہ کہا گیا ہے ۱۔ کیونکہ قرآن مجید میں کفار کے لئے بھی حسب ذیل آیات میں لفظ شیعہ مذکور ہے:۔ **فَوَرَبُّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّ لَهُمْ جُلُودًا جَدِيدًا ۚ إِنَّهُمْ فِي عَذَابٍ مُّشْتَرِكٍ ۚ لَنُنزِّلَنَّ مِنْ سَمَوَاتٍ مَّوْجًا مَّوْجًا يَلْبَسُونَ ۚ إِنَّهُمْ فِي عَذَابٍ مُّشْتَرِكٍ ۚ** (سورۃ مریم ع ۵) سابقہ آیات کے نمبر ۱ کے تحت مولانا تھانوی اور مولوی مقبول احمد صاحب کے تراجم پہلے پیش کر دئے گئے ہیں۔ اب آپ اپنا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔ پس تمہارے پروردگار کی قسم ہم ضرور ان کو اور شیطانوں کو دو قیامت کے دن اکٹھا کریں گے۔ پھر ضرور ہم دوزخ کے گرد انوکے بل (دائے) گرے ہوئے حاضر کریں گے۔ پھر ہم ضرور ہر گروہ میں سے ان کو الگ کر دیں گے جو (خدا کے) رحمن کے برخلاف سب سے زیادہ سرکش رہا ہوگا“ (تفسیر المتقین) فرمائیے۔ اس آیت میں لفظ شیعہ سے مراد کفار کا گروہ ہے۔ یا نہیں اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے:۔ تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے۔ پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے جو ان میں رحمن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا“ اور مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی نے تفسیر میں ہر گروہ سے کفار کا گروہ مراد دیا ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ:۔ بعض روایات میں ہے کہ کفار سب کے سب جہنم کے گرد زنجیروں میں جکڑے طوق ڈالے ہوئے حاضر کئے جائیں گے پھر جو کفر و سرکشی میں اشد ہونگے وہ پہلے جہنم میں داخل کئے جائیں گے (تفسیر خزائن العرفان) اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔ یعنی منکرین کے فرقہ میں جو زیادہ بامعاش، سرکش اور اڑکڑ باز تھے انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ مزاکے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں بھونکا جائے گا، تو جب قرآن کی آیت مذکورہ سے ہی یہ ثابت ہو گیا کہ لفظ شیعہ کافروں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو یہ دعویٰ آپ کا باطل ہو گیا کہ کفار کے لئے قرآن مجید میں لفظ شیعہ آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے پیر و کاروں کے لئے لفظ شیعہ۔ اور یہ کہ ”دین خدا پر چلنے والے اور نبیوں کے پیر و کار شیعہ ہیں اور کافروں کے چیلے چانے شیعہ ہیں۔“

آیت:۔ **وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِمْ لَبُرَّهَيْمَ** کی بحث:۔ (۱۰) آیت نمبر ۱۱ جس میں شیعہ کا لفظ آیا ہے

سَلَّاهُ عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۚ إِنَّكَ لَكُنْتَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۚ

اغرقنا الآخرين ۚ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِمْ لَبُرَّهَيْمَ ۚ أَذْجَارٌ دُونَ بَقْلٍ سَلِيمٍ ۚ

الصفحة ۳۰):۔ (۱۰) نوح پر سلام ہو عالموں میں۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا اور نوح کے طریقہ ابراہیم بھی تھے جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے“ (مولانا تھانوی) (ب) حضرت محدث دہلوی آیت زیر بحث کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔ اور اُس کی راہ والوں میں سے ابراہیم“ (ج) مولانا بریلوی لکھتے ہیں:۔ اور بیشک اُس کے گروہ سے ابراہیم ہے جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلام (د) مولانا امداد حسین صاحب کاغلی کا ترجمہ یہ ہے:۔ اور یقیناً ابراہیم ضرور اس کے شیعوں (پیر و کاروں) میں (۱) مولانا مفتی علی صاحب لکھتے ہیں۔ یقیناً ان کے طریقہ پر چلنے والوں میں ابراہیم بھی ضرور تھے“۔ صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔ اور یقیناً ابراہیم بھی ان ہی کے پیر و کاروں میں سے تھے“

مولانا امداد حسین صاحب کاغلی اس آیت کی تفسیر میں بھی لکھتے ہیں۔ تفسیر پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہو۔ عرض کیا گیا۔ کونسا؟ آپ نے فرمایا۔ شیعہ۔ عرض کیا گیا کہ لوگ تو اس نام سے ہمیں عیب لگاتے ہیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا۔ **إِنَّ مِنْ شِيعَتِهِمْ لَبُرَّهَيْمَ**۔ نیز اس کا قول۔ **هَذَا مِنْ هَذَا مِنْ عَدُوِّكَ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّكَ** (تفسیر المتقین) ۴ دو آیتوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ شیعہ ایک مذہبی نام ہے اور پہلے انبیاء اور ان کے پیر و کار بھی شیعوں انہوں نے امام محمد باقر کی طرف بھی یہ قول منسوب کر دیا ہے۔

الجواب (۱) دوسری آیت یعنی **هَذَا مِنْ شِيعَتِهِمْ** کا جواب تو سابقہ نمبر میں عرض کر دیا گیا ہے۔ یہ آیت کا مطلب بیان کیا جاتا ہے تاکہ شبہی استدلال کی کاکت واضح ہو جائے۔ اس آیت کے چھ تر کر دیئے ہیں جن میں سے تین سنی مفسرین کے ہیں ان تراجم ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شیعہ لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو کسی مذہبی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جیسا کہ کنتہ

سے پہلے یہ پیش کیا گیا ہے۔ شیعہ کا معنی گروہ اور فرقہ کے ہیں۔ یا کسی کے پیروکار اور مددگار ہونے کے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ گروہ اور پارٹی اہل حق کی ہو یا اہل باطل کی۔ مومنین کی ہو یا کافرین کی۔ اور قرآن مجید کی دوسری مذکورہ آیات میں لفظ شیعہ شیعاً اور شیاع سے مراد کفار کے گروہ ہی ہیں۔ لہذا اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے اس زیر بحث آیت کا یہی مطلب ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے سلسلہ میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے ہی تھے اور ان ہی کے طریقہ اور راہ پر چلنے والے تھے۔ اور یہ اس لئے فرمایا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے یعنی اسلام اور وہ اصول طور پر اسلام ہی کی دعوت تھی جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحیدِ خالص سے جو بذریعہ رسالت اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔ ہاں اپنے اپنے دور اور امتوں کے مزاج و حال کے اختلاف کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرق و اختلاف ہوتا ہے۔ جس کو دینی اور اصولی اختلاف نہیں کہہ سکتے۔ جب شیعہ کا لغوی معنی ہی گروہ یا پیروکار آتا ہے اور شیعہ مفسرین نے بھی آیت کے ترجمہ میں یہی لکھا ہے تو پھر اس سے مذہبی اصطلاحی معنی کیونکر مراد لیا جاسکتا ہے جو اہل تشیع کے ہاں رائج ہے اور کس علمی بنیاد پر اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب یا شیعہ ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر شیعہ کوئی مذہبی اصطلاح ہوتی تو دو گے انبیائے کرام کے متعلق بھی اس کا ذکر آتا۔ حتیٰ کہ نبی کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی لفظ شیعہ کی اصطلاح بیان فرماتے اور قرآن مجید میں بھی لفظ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہوتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو شیعہ فرمادیا۔ لیکن امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شیعہ نہ کہا جن کی امت میں حسب زعم رافضی لفظ شیعہ اہل حق کیلئے قیامت تک استعمال ہونا تھا۔ اور بغیر شیعہ ہونے کے کوئی امتی نجات نہیں پاسکتا تھا۔ (۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے آپ کو شیعہ نہ کہا۔ اور نہ ہی حضرت حسن اور حضرت حسین کو اور نہ ہی حضرت فاطمہ الزہراء کو شیعہ کہا گیا۔ حالانکہ حسب اعتقاد شیعہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے تو پھر ان سب حضرات معصومین کو بھی شیعہ ہونا چاہیے تھا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ بھی شیعہ ہونے کا اعلان کرتی ہیں اور دوسری ازواجِ مطہرات بھی۔ اور جن جن اصحاب کو شیعہ مومن مانتے ہیں وہ سب اپنے آپ کو شیعہ کہتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں یہ مبارک نام مذکور تھا۔ جیسا کہ کاظمی صاحب نے تفسیر سانی اور تفسیر قمی کے حوالے سے بیان کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کوئی مذہبی نام نہیں ہے۔ نہ ہی کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مذہبی نام کا ثبوت ملتا ہے نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں کوئی مسلمان اپنے آپ کو شیعہ کہتا تھا۔ اور نہ ہی شیعان رسول کی کوئی اصطلاح رائج ہوئی ہے۔ اس لئے علم و انصاف کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شیعہ کوئی مذہبی نام ہی نہیں ہے۔ شیعہ علماء و مجتہدین محض عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر لفظ شیعہ کا مبارک ہونا بیان کرتے رہتے ہیں۔

(۱) خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب دوم لفظ شیعہ کا استعمال عثمان کے مطالبہ کی بنا پر مسلمانوں میں دو فریق بن گئے۔ اور گویہ اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا لیکن اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت علیؑ کے موقف کی تائید کرنے والوں کو شیعیان علیؑ اور حضرت عثمانؑ کے نفع کا مطالبہ کرنے والوں کو شیعیان عثمان کہا جانے لگا۔ اور یہاں بھی لفظ شیعہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہونا تھا یعنی حضرت علی یا حضرت عثمان کا گروہ۔

چنانچہ فردوس کافی جلد ۳ کتاب الروضۃ ص ۹۹ میں ہے: - بنادی مناد الا ان فلان بن فلان و شیعته
ہم الفاتون اول الشہار و بنادی آخر الشہار الا ان عثمان و شیعته ہم الفاتون
ایک پکارتے والوں کے پہلے حصہ میں پکارتا ہے کہ فلان بن فلان اور اس کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں اور ان کی آخری حصہ میں پکارتا ہے کہ عثمان اور ان کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں

اس روایت میں بھی شیعہ عثمان سے مراد حضرت عثمان کا گروہ ہے اور فردوس کافی کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عثمان اور ان کے پیروکار کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ اور مسلک کے اتحاد کے باوجود اگر سیاسی طور پر باہمی اختلاف ہو جائے تو فرق و امتیاز کے لیے اپنی اپنی جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ نام رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف و نزاع کے موقع پر ہوا، اور آخر کار جب حضرت معاویہ اور حضرت امام حسنؑ کی صلح ہو گئی اور تمام امت مسلمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئی اور حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی حضرت معاویہ کے بیت المال سے اپنے اور اہل و عیال کے لیے وظیفہ لینا قبول فرمایا۔ تو چونکہ دین میں تو پیسے ہی کوئی اختلاف نہ تھا۔ (جیسا کہ انج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے خطبہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے) اس لیے ان امتیازی ناموں کی بھی ضرورت نہ رہی۔ لیکن وہ لوگ جو مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف تھے اور انہی کی سازشوں کی بنا پر باہمی اختلافات

کی خلیج وسیع ہوئی تھی، انہوں نے شیعیان علیؑ کی دینی اصطلاح کو باقی رکھا۔ ان کا مقصد حضرت علیؑ کو مقرر اللہ وجہ کی بیوی نہ تھی۔ بلکہ اُمتِ مسلمہ میں حضرت علیؑ اور اہل بیت کے نام سے پھوٹ ڈالنا ان کا مشن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے مابعد کے اہل بیت بھی بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں جیسا کہ سابقہ مباحث میں خود اہل تشیع کی کتابوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ (۲)

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی دجال کو ماننے والے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور انہوں نے یہ امتیازی نام اپنے لیے مخصوص کر لیا، حالانکہ احمد نام ہے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور مرزا قادیانی کا نام غلام احمد ہے نہ کہ احمد، لیکن اس کے باوجود وہ احمدی کے لفظ سے مغالطہ دیتے ہیں کہ العیاذ باللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ احمد سے مراد وہ حقیقتاً مرزا غلام احمد ہی لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ کتاب ہے کہ قرآن مجید کی آیت وَ مَبَشِّرُوا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَيْنِهِمْ اَحْمَدٌ میں احمد سے مراد وہ خود ہے۔ اسی طرح شیعیان علیؑ کے نام کو ایک گروہ نے اپنے مخصوص عزائم کی بنا پر اپنے لیے استعمال کیا اور عرفاً ان کا یہی نام مشہور ہو گیا۔ چنانچہ عربی لغت کی کتاب "قاموس" میں ہے :- شِيعَةُ الرَّجُلِ بِالْكَسْرِ اتِّبَاعُهُ وَالْفِرْقَةُ عَلَى حَدِّهِ وَيَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ وَالْمَذْكُورِ وَالْمَوْثُوتِ وَقَدْ غَلَبَ هَذَا الْاِسْمُ عَلَى كُلِّ صَوْفٍ يَتَوَلَّى عَلَيْهِ وَاَهْلُ بَيْتِهِ حَتَّى صَارَ اسْمًا لَهُمْ خَاصًا۔ ج اشباع و شیعہ :- (اور کسی مرد کے شیعہ کا معنی اس کے پیروکار اور بدکار ہیں، اور علیؑ ہر فرقہ ہونا اور لفظ شیعہ واحد، تشبیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب پر بولا جاتا ہے اور یہ نام ہر اس شخص کے لیے از روئے استعمال غالب آ گیا ہے جو حضرت علیؑ اور اہل بیت سے دوستی کا اظہار کرے حتیٰ کہ خاص کر ان کی یہ نام پڑ گیا ہے۔ اس کی جمع اشباع اور شیعہ ہے) اس سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ المرتضیٰ کے خلیفہ بننے سے پہلے لفظ شیعہ بوجہ مذہبی اعتقادی اختلاف کے مستقل نہ تھا اور بعد میں عرفاً شیعہ ان لوگوں کا نام پڑ گیا جو آپ کی دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی مذہبی نام نہیں بلکہ جماعتی نام ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں وہ فی الحقیقت آپ کے پیروکار بھی ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی دجال کے ماننے والے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک احمد کی طرف بظاہر نسبت کرنے کی وجہ سے وہ اہل حق کا مصداق نہیں بن جاتے بلکہ بوجہ انکار عقیدہ ختم نبوت کے وہ قطعی کافر ہی رہتے ہیں۔ بہر حال کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیعہ کوئی مذہبی نام ہے اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام العیاذ باللہ مذہباً شیعہ تھے۔ البتہ لامشاحتہ فی الاصطلاح کے تحت دیکھ کر اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی تنگی نہیں ہے، اگر اس فرقہ نے اپنا نام شیعہ رکھ لیا ہے اور

اسی نام سے وہ مشہور ہو گئے ہیں تو اس سے ان کا اہل حق ہونا ثابت نہیں ہو جاتا اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ بحیثیت مذہبی نام کے قرآن سے ثابت ہے اور العیاذ باللہ حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام بھی مذہباً شیعہ ہوئے ہیں۔ (۳) یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ شیعہ کا اطلاق تو افراد پر بھی ہوتا ہے اور جماعت پر بھی، اور لفظ شیعہ کسی مذہب کا نام تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے ہمارا سوال شیعہ علماء سے یہ ہے کہ ان کے مذہب کا امتیازی نام کیا ہے؟ جس کی وجہ سے اس اُمت کے دوسرے مسلم فرقوں سے ان کے مذہب کا فرق واضح ہو جائے۔

دب) شیعیان علیؑ کی اصطلاح سے بھی صرف حضرت علیؑ کی طرف اس گروہ کی نسبت ثابت ہوتی ہے پھر یہی یہ واضح نہیں ہوتا کہ بزرگمذہب شیعہ حضرت علیؑ کا مذہب کیا تھا جس کی پیروی شیعیان علیؑ کے لیے لازم ہو۔ (۴) ہمارا نام اہل سنت والجماعت ہے اور اسی نام سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہم سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہیں۔ ہمارا امتیازی مذہب سنت ہے اور اس کو ماننے کی وجہ سے ہم اہل سنت ہیں۔ اس کی تشریح و تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کی مستقل بحث میں کی جائے گی۔

ایک خطرناک مغالطہ

شیعہ علماء عموماً اپنے ترجمہ کی سچائی ثابت کرنے کے لیے سورۃ
 اَلْمَائِدَةِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ آيَاتِنَا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
 اُولٰٓئِكَ هُمُ خَيْرٌ اَلْبَرِيَّةِ ط کے تحت تفسیر درمنثور ج ۶ کی یہ روایت پیش کیا گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا: - اِنَّ هَذَا وَشِيعَتَهُ لِهَمُ الْفٰئِزِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ - (یعنی حضرت علیؑ اور
 آپ کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہوں گے)۔

الجواب

(۱) تفسیر درمنثور کی ہر روایت حجت نہیں کیونکہ اس میں ہر طرح کی روایات
 جمع کر دی گئی ہیں۔ (۲) مندرجہ روایت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاح کے طور
 پر مذکور نہیں ہے بلکہ وہ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے یعنی حضرت علیؑ کا گروہ اور ان کے تابعین، اور حضرت
 علی المرتضیٰ کے صحیح تابعین اور اصل اہل سنت والجماعت ہی ہیں جو افراط و تفریط سے ہٹ کر آپ کی اعلیٰ
 شان مانتے ہیں۔ بخلاف خوارج کے جو العیاذ باللہ آپ کی توہین و تکفیر کرتے ہیں اور دوافض آپ کو سابلتہ
 انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دے کر غلو کرتے ہیں اور اہل سنت کا اہل حق ہونا بخوالہ احتجاج طبرسی
 حضرت علیؑ کے ارشاد سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ (۳) اسی تفسیر درمنثور جلد دوم میں آیت اِنَّهُمْ تَبِيْعُوْ
 ذُوْرَجَّةٍ وَكُنُوْا لَهُمْ كَافِرِيْنَ ذُوْرَجَّةٍ (سورۃ آل عمران) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ:-
 تَبِيْعُوْا ذُوْرَجَّةٍ اَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَكُنُوْا لَهُمْ كَافِرِيْنَ ذُوْرَجَّةٍ اَهْلَ الْبِدْعَةِ وَالضَّلٰلَةِ - ”یعنی قیامت کے دن
 اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت و ضلالت کے چہرے سیاہ ہوں گے“۔

فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے

شیعوں کا اصلی نام جو حسب ارشاد امام جعفر صادق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ
 رافضی ہے۔ چنانچہ فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص ۱۱۱ پر ایک طویل
 ہے جس میں لکھا ہے کہ ابولبیر نے امام جعفر صادق سے عرض کیا تھا کہ:- فانما قد نبزنا نبزاً انكسرت له ظهرونا وناوتنا
 به اقمنا وانا استحلحت به الولاة ودماء نافي حديث رواه لهم فحقها هم قال فقال ابو عبد الله عليه السلام

الرافضة قال قلت نعم قال لا والله ما هم ستموكم بل الله سماكم - اما علمت يا ابا محمد ان سبعين
 رجلاً من بني اسرائيل رفضوا فرعون وقومه لما استبان لهم ضلالتهم فلحقوا بموسى عليه السلام لما
 استبان لهم هداية فسموا في عسكر موسى الرافضة لانهم رفضوا فرعون وقومه وكانوا اشد اهل ذلك
 العسكر عبادة واشدهم حباً لموسى وهارون وذريتهما عليهما السلام فادعى الله عز وجل الى موسى ان
 اثبت لهم هذا الاسم في التوراة فاني قد سميتهم به ونحلتهم اياه فاثبت موسى عليه السلام هذا الاسم
 لهم - ثم ذكر الله عز وجل لكم هذا الاسم الخ - (شیک ہیں بے نام سے پکارا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہماری کریں ٹوٹ
 گئی ہیں اور اس سے ہمارے دل مردہ ہو گئے ہیں اور وہیوں نے اس وجہ سے ہمارے خون حلال قرار دیئے ہیں اس حدیث کی بنا
 پر جو ان کے فقہانے بیان کی ہے۔ تو حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا، کیا وہ نام رافضہ ہے، میں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا
 نہیں اللہ کی قسم انہوں نے تمہارا یہ نام نہیں رکھا بلکہ اللہ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے اے ابو محمد
 کہ بنی اسرائیل میں سے ستر مردوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا تھا جبکہ ان کی گمراہی ان پر واقع ہو گئی تھی اور وہ حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل گئے تھے۔ جبکہ آپ کی ہدایت ان پر ظاہر ہو گئی تھی تو حضرت موسیٰ کے لشکر میں ان لوگوں کا نام رافضہ
 رکھا گیا کیونکہ انہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا تھا اور یہ لوگ اس لشکر والوں میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے اور
 حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور ان کی اولاد سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف
 وحی بھیجی کہ آپ ان کے لیے یہ نام (رافضی) تورات میں لکھ دیں۔ کیونکہ میں نے ان کا نام رافضی رکھ دیا ہے اور اسی نام کی طرف
 ان کو منسوب کیا ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا یہ نام تورات میں لکھ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نام (یعنی رافضی) تمہارے
 لیے ذکر فرمایا ہے۔)

رافضہ جمع رافضی کی ہے، اس کی جمع روافض بھی آتی ہے۔ لیجئے! اہل تشیعہ کا اصلی نام تورافضی ہے جو تورات میں بھی
 مذکور ہے، اور یہ نام ان کا خود اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ برعکس اس کے لفظ شیعہ کے متعلق تو اس طرح کی تصریح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے حضرت ابراہیم یا حضرت نوحؑ کے پیروکاروں کا نام شیعہ رکھا ہے یا اس اُمت کے شیعوں کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے ہی شیعہ
 رکھا ہے۔ اس لیے جو ذاکرین شیعہ مآثری مجالس میں یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ہمارا نام شیعہ تو قرآن میں مذکور ہے لیکن اہل سنت والجماعت
 کا نام قرآن میں نہیں ہے۔ ان سے تو یہ پوچھنا چاہیے کہ تمہارا اصلی نام تورافضی ہے جو حسب ارشاد امام جعفر صادق خود اللہ

تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اس لیے تم اپنا اصلی نام رافضی قرآن مجید سے ثابت کرو۔ **هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ لَكُمْ صِدْقَتَيْنِ** ۵

اللہ کے دین کا نام اسلام ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے جو کامل اور جامع دین قیامت تک کے لیے بذریعہ وحی عطا فرمایا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** ۶ (بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے) سورۃ المائدہ میں فرمایا: **وَدَرَسْتُمْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ مِنِّي** (میں نے اسلام کو تمہارا دین پسند کر لیا) حضرت مولانا مغانوی اس کے تحت لکھتے ہیں: "یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو مسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جاوے گا" (تفسیر بیان القرآن) اور جو شخص اللہ کے اس دین اسلام کو مان لیتا ہے اس کو مسلم کہتے ہیں اور اردو، فارسی زبان میں اس کو مسلمان کہا جاتا ہے اور اسلام کا لغوی معنی انتقاد ہے یعنی کسی کا حکم ماننا، سرحد کا نا، تابع ہونا، اسی سے لفظ مسلم ہے اور اس کی جمع مسلمین ہے اور قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم کا لقب اللہ تعالیٰ نے خود دین اسلام ماننے والوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: **مِلَّةَ آيَاتِكُمْ اِبْرَاهِيمَ هُوَ سَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ ذِي هَذَا** (پ ۱۷، سورۃ الحج ۱۰۶) (۱) اس کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے: "دین تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان (حکمر دار) پہلے سے اور اس قرآن میں" اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں: "یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم رکھا۔ جس کے معنی حکمر دار اور وفا شعار کے ہیں، یا ابراہیم نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جبکہ دعائیں کہا، **وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ** (بقرہ ۱۲۸) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہر حال تمہارا نام مسلم ہے گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی بظہیر ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہیے۔"

(ب) مولانا اشرف علی صاحب مغانوی کا ترجمہ یہ ہے: "تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر ہمیشہ قائم رہو۔ اس اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی" چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے کھلوا یا۔ **اُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ** ۷ اور شاید اور کتب مُنزَلہ میں بھی ہو اور قرآن میں تو جا بجا آیا ہے (تفسیر بیان القرآن) نیز مولانا مغانوی فرماتے ہیں کہ: "ہر چند کہ بالمعنی اللغوی دوسری اہم مومنہ بھی موصوف باسلام تھیں مگر لقب کے طور پر یہی امت موصوف ہے اور دوسروں کے القاب یہود و نصاریٰ و قوم فرج و قوم ہود و قوم صالح وغیر وہیں" (ج) مولانا احمد رضا خان نقشبندی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: "تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے" اگلی کتابوں میں اور اس قرآن

میں: " (د) شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ یہ ہے: "یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اور اس (خدا) نے پہلے ہی سے تمہارا نام مسلم (مطیع و فرمانبردار) رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (دہی نام رکھا)۔ (دہی) مولوی امداد حسین صاحب کاکھی لکھتے ہیں: "یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔ اُس نے تمہارا نام پہلے ہی سے مسلمان رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (میں) شیخ طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ای اللہ ستاکم المسلمین۔" (یعنی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے) (تفسیر مجمع البیان) سنی اور شیعہ مفسرین کی تصریح سے ثابت ہو گیا کہ اس امت میں دین اسلام کو ماننے والوں کا نام خود امت سے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے جو قرآن کے علاوہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ

بیشک اللہ تعالیٰ کے دین کا نام اسلام ہے اور اسلام پر ایمان لانے والوں کا نام بھی خود اللہ تعالیٰ نے مسلم (مسلمان) رکھا ہے۔ لیکن جب اسلام کے نام پر ہی اعدائے اسلام نے غیر اسلامی باطل عقائد و نظریات اختیار کیے اور انکی اشاعت و تبلیغ میں سرگرمیاں اختیار کیں تو سلف صالحین نے دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز کے لیے اہل حق کا نام اہل سنت والجماعت مشہور کیا، اور آج تک حق پرست مسلمانوں کا یہی امتیازی نام و لقب چلا آتا ہے، اور اہل سنت والجماعت سے مراد مسلمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آخری کامل و مکمل دین اسلام کو سنت رسول اور جماعت رسول یعنی صحابہ کرام کے واسطے سے تسلیم کرتے ہیں۔

سنت کا لغوی معنی

عربی لغت میں لفظ سنتہ کے متعدد معانی ہیں مثلاً (۱) صورت، سیرت، طبیعت اور طریقہ۔ (قاموس) (۲) المنتجد میں ہے: **السنتۃ، السیرۃ، الطریقتۃ، الطبیعتۃ، الشریعتۃ** الوجه اذ صورته۔ (۳) منتهی الامم میں ہے: **سنتۃ** بالضم رومی یا خسارہ یا دائرہ روئے یا صورتہ و پیشانی، دُخُوئے و طبیعت و روش۔ (۴) غیاث اللغات میں سنت کا معنی لکھا ہے راہ، روش، عادت۔ (۵) بیان اللسان میں ہے: **سنت** عادت، طبیعت، روش، طریقہ، پیر، صورتہ، پیشانی اور سنت کی جمع سنن آتی ہے، اور قرآن مجید میں لفظ سنت اور سنن دونوں مذکور ہیں۔

لفظ سنت اور سنن کا استعمال قرآن مجید میں

سنت کی جمع سنن ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ دونوں لفظ مذکور ہیں (۱) **سنتہ من قد**

أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ط (پ ۱۰، سورۃ بنی اسرائیل ع ۷) مولانا مٹھانوی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے: ”جیسا کہ ان کے باب میں ہمارا قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے اس قاعدے میں تغیر نہ پاویں گے“ (ب) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں: ”دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اور نہ پادنے کا تو ہمارے دستور میں تغاوت“ (ج) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے: ”دستور ان کا جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور تم ہمارا قانون بدلنا نہ پاؤ گے“ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس باب کے تحت لکھتے ہیں: ”یعنی ہمارا یہی دستور رہا ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے“ (د) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: ”اس طریقہ پر جس پر ہم نے تم سے پہلے اپنے رسول بھیجے تھے اور تم ہمارے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے“ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ تفسیر صافی میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ جو امت اپنے رسول کو نکالے وہ اسی رسول کی موجودگی میں ہلاک کی جائے۔ (ترجمہ مقبول)۔ اور شیعہ مفسر مولوی امداد حسین صاحب کاظمی نے بھی یہی مطلب لکھا ہے، تو اس آیت میں سُنَّة من قَد ارسلنا، سے سُنَّة انبیا اور لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا سے سُنَّة اللہ کا ثبوت ہو گیا۔

چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں لکھتے ہیں:۔ السنة (من اللہ) اذا اطلقت في الشرع فانما يراد بها (حکمه وامرہ ونهيہ) مما امر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وندب اليه قوله وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز:۔ اور سُنَّت (اللہ کی طرف) جب شریعت میں مطلقاً استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہوتے ہیں جن کا تو لا وفعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا ان سے منع فرمایا ہے اور جن کی طرف دعوت دی ہے اور وہ قرآن عزیز میں مذکور نہیں ہیں۔

(۲) ما كان على النبي من حرج فيما فرض الله له سنة الله في الذين خلق من قبل وكان امر الله قَدَرًا مقدوراً:۔ (پ ۲۲- سورۃ الاحزاب ع ۵۶) مولانا مٹھانوی لکھتے ہیں:۔ اور ان پیغمبر کے لیے جو بات (تکویناً یا تشریحاً) خدا تعالیٰ نے مقرر کر دی تھی اس میں نبی پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کے حق میں (دہی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گذرے ہیں اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا (پہلے سے) ہوتا ہے۔ (ب) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں:۔ نبی کے لیے اس بات میں جو اللہ تعالیٰ نے واجب کر دی ہو کوئی روک نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا

قاعدہ ان لوگوں میں جو پہلے گذر گئے ایک ہی چلا آتا ہے اور خدا کا حکم ایک حد پر اندازہ کیا ہوا ہے) اس آیت میں بھی یہاں سُنَّت اللہ سے مراد وہ طریقہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق اختیار فرمایا ہے۔ (۳) فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاوْا بِاسْمَا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِكُمْ ط (پ ۲۴- سورۃ المؤمن ۹۶)۔ ”سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا۔ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے“ (ترجمہ مولانا مٹھانوی)

”مگر جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے گے تو اللہ کے اس قاعدے کے موافق جو اس کے بندوں میں جاری رہا ہے ان کا ایمان ان کو کوئی نفع نہ پہنچائے گا“ (ترجمہ مولوی مقبول احمد) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ اور دستور مراد ہے جو امتوں میں جاری رہا ہے۔ (۴) وَكُوْنَا تَمَكُّمُ الدِّينِ كَفَرُوْا لَوْ كُوْنَا اِلٰهًا دَبَّارًا شَمَّ لَا يَجِدُوْنَ وِلْيًا قَا لًا نَصِيْرًا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَاَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ط (پ ۲۶- سورۃ الفتح ۳۶)۔ ”اگر تم سے یہ کافر ٹرتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھرتے ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار۔ اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لیے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں رد و بدل نہ پاویں گے“ (ترجمہ مولانا مٹھانوی)

(ب) ”اگر وہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں تم سے ٹپڑیں گے تو ضرور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر وہ نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار۔ اللہ کے قاعدے کے موافق جو پہلے سے ہوتا چلا آیا اور تم اللہ کے قاعدے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سنت اللہ سے مراد وہ دستور خداوندی ہے جو نصرت انبیاء کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر لکھتے ہیں:۔ تفسیر صافی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو امتیں گذر چکیں ان میں خدا نے قاعدہ یہی مقرر کر دیا تھا کہ اس کے انبیاء غالب رہیں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے:۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ دِيْنًَا وَاَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ط (اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے)

(۵) مِيْرًا اللّٰهُ لِيَّبِيْنِكُمْ وِيَهْدِيْكُمْ سُنَّتِ الدِّينِ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيُوْبِعِيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ط (پ ۵- سورۃ النساء ع ۵)۔ ”اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کر دے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتائے اور تم پر توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، بڑے حکمت والے ہیں“ (ترجمہ مولانا مٹھانوی) (ب) اللہ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تمہارے لیے تم سے پہلے والوں کے قاعدے کھول کر بیان کر دے (اور قبلہ سے) اور تمہاری توجہ قبول کرے اور

اللہ جاننے والا حکمت والا ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں سنت کی صیح سنن کا لفظ استعمال ہوا جس سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جو پہلی امتوں میں نافذ رہے ہیں۔ (۶) لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُؤْمِنُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَشَرَّ بَيْتٍ بِهِمْ شُرَكَاءُ يُجَارُونَكَ فِيهَا لِأَلَّا يَحِلَّكَ - صَلَعُونَ لِيْنِ اَيْمِنَا تُقْتَلُوا اِنْ جَاؤُا وَقْتِلُوا قَتْلًا مُسْتَهْتًا لِلّٰهِ فِي الدِّينِ خَلَوْا مِنْ قَبْلِ وَاَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (پ ۲۲ - سورة الاحزاب ع ۸)۔ یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں تخرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑا کر رہتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پادیں گے وہ بھی (دہر طرف سے) پھینکا رہے ہوں گے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان مفسد لوگوں میں بھی اپنا یہ ہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گئے تھے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے رد و بدل نہ پاویں گے“ (ترجمہ مولانا مہتما نوری)

(ب) اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں رد گہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور تم کو ان کے درپے کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے ان پر لعنت ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور لیسے قتل کیے جائیں گے جیسا کہ قتل کیے جانے کا حق ہے۔ اللہ کا قاعدہ ان لوگوں میں جو پہلے گذر گئے (یہی تھا) اور تم اللہ کے قاعدہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سنت اللہ سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جس کے تحت منافقین اور شرانگیز لوگوں پر ذلت، رسوائی اور قتل کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

(۷) كَذٰلِكَ نَسْأَلُكَ فِي الْقُرْآنِ الْمُبْتَدِئِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (پ ۱۳ - سورة الحج ع ۱۶)۔ اسی طرح ہم یہ (استہزاء) ان مجرمین کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور (یہ) دستور پہلوں ہی سے ہوتا آیا ہے“ (ترجمہ مولانا مہتما نوری)

(ب) مجرموں کے دلوں میں (بہ سبب ان کی شرارتوں کے) ہم ایسا ہی ڈال دیا کرتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے، جس حال میں کہ پہلوں کی روش یہی ہو چکی ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت کے تحت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:- یعنی ہمیشہ یونہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ ممبروں میں ہلاک اور رسوا کیے جلتے رہے اور انجام کار جن کا بول بالا رہا۔ (۸) قُلْ لِلّٰهِ كُفْرُوْا اِنْ يَنْتَهُوْا يَغْفِرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَنْتَهُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ - (پ ۹،

سورة الانفال ع ۵) :- آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں گے تو ان کے سارے گناہ جو (اسلام) پہلے ہو چکے ہیں، سب معاف کر دیئے جائیں گے، اور اگر اپنی ذمہ داری (کفر کی) عادت رکھیں گے تو سنا دیجئے کہ کفار سابقین کے (حق) میں دہرا، قانون نافذ ہو چکا ہے“ (ترجمہ مولانا مہتما نوری) (ب) کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آئیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو معاف کر دیا جائے گا، اور اگر یہ ویسا ہی کریں گے تو پہلوں کا قاعدہ تو مقرر ہو ہی چکا ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی پہلوں کے طریقے سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دستور عذاب ہے جس کے تحت وہ ہلاک کئے گئے۔

(۹) وَهَاتَمَعَ النَّاسُ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْبُرْهَانُ وَاسْتَعْجِلُوْا رِجْسَهُمْ اِنْ تَابَتْهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ فُبُكُّوْا :- (پ ۱۵، سورة الکہف ع ۸) :- اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے (کفر وغیرہ کی) مغفرت مانگنے سے اور کوئی امر مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ ان کو اس کا انتظار (ہو) کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آئے یا یہ کہ عذاب (اہل) رُو دُرُؤُن کے سامنے آکھڑا ہو۔ (ترجمہ مولانا مہتما نوری) (ب) اور جب کہ لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ان کو ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگنے سے کسی اور بات نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ ان پر پہلوں کا قاعدہ جاری ہو جائے یا عذاب ان کے سامنے آکھڑا ہو“ (ترجمہ مقبول) یہاں بھی سنتہ الاولین سے مراد اللہ تعالیٰ کا طریقہ عذاب ہے جو کافر قوموں کی ہلاکت کے لیے مقرر ہوا۔

(۱۰) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَمَا تَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِيْنَ (پ ۳ - سورة آل عمران ع ۱۳۷) :- بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق گذر چکے ہیں تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ آخر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیا ہوا“ (ترجمہ مولانا مہتما نوری) (ب) تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر گئے چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں سنت سے مراد پہلی کافر قوموں کے وہ واقعات ہیں جن کی بنا پر وہ عذاب الہی میں گرفتار ہوئے ہیں۔

(۱۱) فَبَلَّ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَاَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (پ ۲۲ - سورة فاخر ع ۵) :- سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ خدا کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پاویں گے“ (ترجمہ مولانا مہتما نوری) (ب) تو کیا یہ اپنے پہلوں کے قاعدہ کے منتظر ہیں۔ پس تم خدا کے قاعدہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے، اور نہ کبھی تم خدا کے قاعدہ کو ملتا ہوا پاؤ گے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سنتہ الاولین سے

مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دستور عذاب ہے جس کے تحت پہلی کافر قومیں ہلاک ہوئیں۔ مندرجہ بالا گیارہ آیات میں سنت کا لفظ عموماً اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی طرف سے مقرر کردہ انبیائے کرام کے طریقہ زندگی اور نافرمان کافر قوموں کیلئے خدائی دستور عذاب کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور کافروں کے طریق کار پر بھی لفظ سنن کا اطلاق ہوا ہے۔

سنت کا شرعی معنی

گو لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ سنت کا اطلاق ہر قسم کے طریقہ، راستہ اور نمونہ وغیرہ پر کیا جاتا ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن شرعی امور میں سنت سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ یعنی دین کا وہ طریقہ اور عمل جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے اور سنت میں وہ تمام احکام و اعمال آجاتے ہیں جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا جن سے منع فرمایا ہے یا جن کی طرف لوگوں کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی مرحوم مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: «وَسُنَّتُهُ النَّبِيُّ طَرِيقَةً الَّتِي يَتَحَرَّاهَا» (ادب الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مراد آپ کا وہ طریقہ ہے جو آپ نے قصد و ارادہ سے اختیار فرمایا ہے)۔ اور بغیر اضافت یا صفت وغیرہ کے جب لفظ سنۃ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہوتی ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے: «وَالْاَصْلُ فِيهِ الطَّرِيقَةُ وَالسَّبِيْرَةُ وَاِذَا اُطْلِقَتْ فِي الشَّرْعِ فَاقْتَابِرَادِهَا مَا مَرَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْهَى عَنْهُ وَنَدَبَ اِلَيْهِ قَوْلًا وَفَعَلًا مِمَّا لَمْ يَنْبَغِ لَهُ الْكِتَابُ الْعَرَبِيَّةُ» (اور لغت میں سنۃ کا اصلی معنی طریقہ اور سیرت ہے لیکن جب شریعت میں مطلقاً سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قولاً وفعلاً احکام ہوتے ہیں جو قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حکم دیا ہے یا ان سے منع فرمایا ہے یا ان کی طرف دعوت دی ہے)۔ اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِالسَّنَةِ هُنَا اقْوَالُهُ وَاَفْعَالُهُ وَاَحْوَالُهُ الْمَعْبُورَةُ بِالشَّرْعِ وَالطَّرِيقَةُ وَالْحَقِيْقَةُ» (موقاة شرح مشکوٰۃ جلد اول باب الاعتصام بالکتاب والسنة) اور سنت سے یہاں مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال ہیں جن کو شریعت، طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ شرعاً سنت کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے جو دین و شریعت کے تمام مدارج کو محیط ہے۔

قرآن مجید میں اتباع سنت کی تاکید

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: «وَمَا اَتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا» (پ ۲۸)۔

(سورۃ الحشر ع ۱) :- اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لیے) سے تم کو روک دیں (اور بھوم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رُک جایا کرو (ترجمہ مولانا مفتاحی) (پ ۱) اور رسول کو کچھ تم کو دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو باز رکھیں (اس سے) باز رہو (ترجمہ مقبول) شہید مفسر علامہ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: «وَمَا اَمْرُكُمْ بِهِ فَاَفْعَلُوْا وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا عَنَّا فَانَهَ لَا يَأْمُرُوكَ بِنَهْيِ الْاَعْيَانِ اِمْرًا لِّلّٰهِ وَهٰذَا اَعْمَامٌ فِيْ كُلِّ مَا اَمْرٌ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْهَى عَنْهُ وَاِنْ نَزَلَ فِيْ اٰيَةِ الْاٰمْرِ»۔ اور جس بات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ کیونکہ آپ نہیں حکم دیتے اور نہیں منع فرماتے مگر اللہ کے حکم سے، اور یہ عام ہے ہر اس بات میں جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اگرچہ یہ حکم مال فنی کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان) اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردہی کو سنت کہتے ہیں اس لیے اس آیت سے اتباع سنت کی تاکید ثابت ہوئی۔

(۲) «وَاَنْزَلْنَا لَكَ الذِّكْرَ لَتَبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ اِلَيْهِمْ» (پ ۱۳)۔ (سورۃ النحل ع ۶۶) :- اور آپ

پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں (ترجمہ مولانا مفتاحی) (ب) اور تمہاری طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرو۔ (ترجمہ مقبول) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات کا مطلب واضح کرنا بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں شامل ہے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: «... آج تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی مقبر ہے جو ماویث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو»

(۳) «لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا»

(پ ۲۱ - سورة الاحزاب ۳۶) : تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الہی کرتا ہو، رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ (ترجمہ مولانا حفیظ نوری) (ب) اے لوگو! بیشک تمہارے لیے پیروی کرنے کو اچھے سے اچھا نمونہ خود رسول اللہ موجود ہیں۔ (یعنی) اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کی بہت سی یاد کیا کرتا ہو، (ترجمہ مقبول) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر انہی پر ہے، مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جثیش کھا جائے۔ جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں، ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ منج البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشت و برخواست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور بہمت و استقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں“

(۴) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (سورة ال عمران ۴۴)۔ ”فرا دیکھئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔“ (ترجمہ مولانا حفیظ نوری)۔ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر لکھتے ہیں: ”اے رسول! کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے“ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”دشمنانِ خدا کی موالات و محبت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں یعنی اگر دنیا میں کج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کس کر دیکھئے، سب کھرا کھونا معلوم ہو جائے گا جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعلِ راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا اتنا ہی حضور کی پیروی میں مضبوط و مستعد یا باطلے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حقی تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ کی محبت اور حضور کے اتباع کی برکت سے سچا گناہ بٹا ہو جائے گا اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں میزدل ہوں گی۔ گویا توحید وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبرِ آخر الزمان کی اطاعت کی دعوت دی گئی“

(۵) مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله وَمَنْ تولى فَمَا ارسلناك عليهم حفيظا (پ ۵ - سورة النساء)

”جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جو شخص رُوگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگران کر کے نہیں بھیجا“ (ترجمہ مولانا حفیظ نوری) (ب) جو رسول کی اطاعت کرے گا یقیناً اس نے خدا کی اطاعت کی اور جو پھرتے گا تو ہم نے تم کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا“ (ترجمہ مقبول) اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ اطاعتِ خداوندی بغیر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہو نہیں سکتی۔

(۶) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَادُّوْا إِلَى الْأَمْرِ مِمَّا كُرِهٍ فَإِن تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (پ ۵ - سورة النساء ۸)۔ ”اے ایمان والو! تم اللہ کا کنا مانو اور رسول کا کنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ سب امور بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔“ (ترجمہ مولانا حفیظ نوری) (ب) مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے: ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور ایمان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی سب بہتر اور عمدہ تاویل ہے“ (ترجمہ مقبول)۔ اس آیت میں اطِيعُوا اللَّهَ کے بعد وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مومنین کے لیے مطلق مطاع ہیں، اور آیت سابقہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اطاعت ثابت ہوتی ہے۔

(ب) آیت میں وَادُّوْا إِلَى الْأَمْرِ مِمَّا كُرِهٍ سے پہلے اطِيعُوا انہیں فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ غیر رسول اگر اُدوٰی الامر ہوں تو ان کی اطاعت مستقلاً نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے تحت ہے یعنی اُدوٰی الامر (اصحابِ حکومت) اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حکم دیں گے تو ان کی اطاعت واجب ہے اور اگر ان کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو ان کی اطاعت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر ان کی اطاعت کی جائے تو یہ معصیت اور گناہ کی اطاعت ہوگی۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“ ”جہاں میں

خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو، اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (ج) شیعہ علماء اس آیت میں اُولی الْأَمْرِ منکم سے مراد ائمہ اثناعشر لیتے ہیں یعنی بارہ امام، اور اسی بنا پر ان کو انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم اور مفترض الطاعت مانتے ہیں بلکہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی سب انبیائے کرام سے ان کو افضل مانتے ہیں لیکن یہی آیت ان کے ان عقائد کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ اگر ان ائمہ کی اطاعت بھی مستقل اطاعت ہوتی، تو اُولی الْأَمْرِ منکم سے پہلے بھی اُطِيعُوا فَرَمَا جاتا۔

(د) شیعہ مفسر شیخ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- واما اصحابنا فانهم رَوَوْا عن الباقر والصادق (ع) ان اولی الامر من آل محمد ووجب الله طاعتهم بالاطلاق كما ووجب طاعته وطاعة رسوله ولا يجوز ان يوجب الله طاعة احد على الاطلاق الا من ثبتت عصمته (تفسیر مجمع البیان) :- اور ہمارے اصحاب نے امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اُولی الْأَمْرِ سے مراد آل محمد کے ائمہ ہیں کہ ان کی اطاعت اللہ نے مطلقاً واجب کی ہے۔ جس طرح کہ اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقاً واجب کی ہے، اور یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اطاعت مطلقاً واجب کرے مگر اس کے لیے کہ جس کی عصمت ثابت ہو سکی علامہ طبرسی کا یہ بیان محض تعصب پر مبنی ہے، جس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسی آیت کا یہ حکم ان کے اس نظریہ کی تردید کر رہا ہے کہ :- فَإِن تَنَزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ :- پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو (ترجمہ مقبول)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُولی الْأَمْرِ کی اطاعت علی الاطلاق واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر ان کی بھی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح واجب ہوتی تو نزاع اور جھگڑے کی صورت میں اُولی الْأَمْرِ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اِیُّ شَرِّ دَعَا إِلَى اُولی الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ لیکن بجائے ان کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ اس سے ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ بھی غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اگر وہ معصوم ہوتے تو بجا امت نزاع انہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا۔ (د) شیعہ علماء عاجز ہو کر آخر یہ تاویل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے مراد بھی ائمہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لیکن یہ تاویل بھی بالکل غلط ہے کیونکہ آیت میں الرسول کا لفظ ہے جس سے مراد صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

مقتدرہ ہے۔ کیا شیعہ علماء کے نزدیک حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ بھی رسول ہیں؟ اور حضرت علیؑ المرتضیٰ کا وہ ارشاد بھی اس تاویل کو باطل قرار دیتا ہے جو اسی آیت کے تحت ”سنہج البلاغہ“ میں منقول ہے، فرماتے ہیں :- فَوَدَّ إِلَى اللَّهِ أَنْ يَحْكُمَ بَحْكَمِهِ دَعَا إِلَى الرَّسُولِ أَنْ نَأْخُذَ لِسِنَّتِهِ :- پس اللہ کی طرف پھرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب (یعنی قرآن) سے فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کی سنت کو لیں (سنہج البلاغہ، مطبوعہ طہران ص ۱۷۱) حضرت علی المرتضیٰ نے بھی ردہ الی الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہی لی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ آیت اُولی الْأَمْرِ مِنْكُمْ سے اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنا مفترض الطاعت ہونا اور معصوم ہونا سمجھتے تو پھر آپ اپنے اور حضرت معاویہ کے باہمی نزاع کا فیصلہ فریقین کے تاثرات کے سپرد نہ کرتے بلکہ خود ہی فیصلہ فرماتے۔ کیا شیعہ علماء کے نزدیک حکمین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری (جو حضرت علیؑ کی طرف سے حکم تجویز ہوئے تھے) اور حضرت عمرو بن العاص (جو حضرت معاویہ کی طرف سے حکم تجویز ہوئے تھے) دونوں معصوم اور مفترض الطاعت تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اس نزاع باہمی کا فیصلہ ان کے سپرد کر دیا۔

آیت نبرہ :- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (پ ۵ - سورة النساء ع ۹) :- پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں۔ پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں (ترجمہ مولانا نذیر)

(ب) مولوی مقبول احمد دہلوی لکھتے ہیں :- ایسا نہیں ہے تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ (کبھی) مومن نہ ہوں گے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو ان کے مابین پڑے ہیں تم کو حاکم نہ بنالیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو اس طرح تسلیم کر لیں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے (ترجمہ مقبول) اس آیت میں ایمان کی حقیقت ہی یہ فرمائی ہے کہ ظاہر و باطن سے رسول کریم، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تسلیم کیا جائے اور اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد کوئی مسلمان دل میں اس کے متعلق ناگواری رکھتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ (۲) انوکھی تفسیر :- شیخ علی بن ابراہیم قمی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :- فلا وربك

لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُمْ (یا علیؑ رفیماً شجر بینہم) یعنی فیما تغاہدوا و تغافدوا علیہ من خلافک
 بینہم و تعصبکتم (لَا یُجِدُوا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ) علیہم یا محمدؐ علی لسانک من
 وَلَا یَتَّبِعُوهُ إِلَّا تَسْلِيمًا) (علیؑ ۴) (تفسیر فی جلد اول ص ۱۸۸ مطبع النجف) :- ترجمہ :- پس آپ کے رب
 کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کو منصف نہ بنائیں، اسے علی! (اس میں جو ان کے درمیان جھگڑا
 واقع ہوا ہے) یعنی اس میں جو آپ کے خلاف انہوں نے یاہی عمد و پیمان کیا ہے اور آپ سے خلافت غصب کرنے میں
 جھپڑ نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو آپ نے فیصلہ کیا ہے) ان کے خلاف، اے محمدؐ! آپ کی زبان علیؑ کی
 ولایت (خلافت) کے بارے میں (اور ان میں اچھی طرح جان لینا، علیؑ کے لیے) یہاں شیخ فی نے ان آیات کو حضرت
 علیؑ کی خلافت پر محمول کر دیا، حالانکہ سیاق و سباق میں حضرت علیؑ یا ان کی خلافت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس میں خطاب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی فرمایا گیا ہے، اور مولوی امجد حسین صاحب کاظمی بھی لکھتے ہیں :- تفسیر صافی ص ۱۸۸
 پر جو کہ کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ جناب امیر المؤمنین کو مخاطب کیا ہے پھر
 آپ نے یہ آیت :- وَنُوحًا إِذْ ظَلَمُوا اسْمَ لَدُنَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ تَبَا تَلَاوت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ
 فَبَيْنَمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ سے وہ معاہدہ مراد ہے جو ان منافقوں نے باہم کیا تھا کہ اگر محمدؐ کو خدا نے موت دی تو اس امر
 کو ہم بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔ پھر حضرت نے آگے تلاوت فرمائی :- ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
 اور فرمایا کہ خواہ تم ان کے قتل کا فیصلہ کر دیتے یا عفو کا۔ پھر یُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا پڑھ کر ختم کر دیا۔ (تفسیر المنصفین)
 حالانکہ خود کاظمی صاحب آیت کے ترجمہ میں یہ لکھ رہے ہیں :- پس (انہیں ہے) اے رسول! اور تمہارے پروردگار
 کی قسم! جب ترجمہ میں مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تو تفسیر میں حضور کی جگہ حضرت علیؑ کیسے مخاطب بن
 گئے؟ کیا یہ قرآن کی تفسیر ہے یا اس کی معنوی تشریح؟ سے
 خرد کا نام جُنُون رکھ دیا، جُنُون کا خبر د
 جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

سُنَّتِ وَحَدِیْثِ كِی حُجَّتِ

بطور نمونہ مندرجہ سات آیات قرآنیم پیش کی گئی ہیں جن سے ثابت
 ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حُبَّتِ و اطاعت حاصل ہونے کا ذریعہ حضور
 رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل کی مخلصانہ اطاعت ہے اور شرعاً اہل اسلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

سُنَّتِ و حدیثِ حُجَّتِ ہے۔ دین کی اصل بنیاد کتاب اللہ کے بعد سُنَّتِ رسول اللہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سُنَّتِ
 رسول کا مفہوم شرعاً ہیبت و سیع اور جامع ہے، اور قرآنی احکام پر عمل کرنے کا صحیح اور کامل ترین نمونہ نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنَّتِ مقدسہ ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک سال کے
 اس سوال (کہ حضور کے اخلاق کیا تھے) کے جواب میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے کہ :- كَانَتْ خُلُقَهُ الْقُرْآنَ
 (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا) یعنی جو کچھ قرآن کریم میں علیؑ اور اصولی طور پر احکام شریعت مذکور
 ہیں، اُن کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سُنَّتِ و سیرت میں ملتا ہے۔ اتباعِ سُنَّتِ نبویہ ہی قرب
 خداوندی کے حصول کا ایک واحد مقبول ذریعہ ہے، اور یہی حق و باطل کا علی الاطلاق معیار ہے۔ اسی حقیقت کو
 عارف باللہ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے :-

خِلاَفَتِ پِیْمْبَرِ كَسے رَاہِ گَزِیدِ _____ كے ہرگز نہ منزل نہ خواہد رسید!

چونکہ شرعی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کو سُنَّتِ کہتے ہیں (تقریر
 کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلفے کسی مسلمان نے کوئی عمل کیا ہو اور حضور نے اس پر
 گرفت نہ کی ہو بلکہ سکوت اختیار فرمایا ہو تو یہ بھی مفہوم کے اعتبار سے سُنَّتِ میں شامل ہے) اور سُنَّتِ کا معنی اور
 مطلب تو قرآن مجید کی نصوص سے ثابت ہے۔ جس کی اطاعت کی اہل ایمان کو تاکید فرمائی گئی ہے اسی لیے خود نبی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کے علاوہ اپنے ارشادات میں بھی اپنی سُنَّتِ کی اتباع کی اہمیت واضح فرمائی
 ہے تاکہ اصولی طور پر جو احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کی تشریح و تفصیل خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنَّتِ
 حدیث سے معلوم ہو سکے۔ جس کی بنا پر قرآن حکیم کے حکم کی صحیح اور کامل صورت نصیب ہو جائے اور ارشاد قرآنی پر اہل
 ایمان کے لیے عمل کرنا آسان ہو جائے، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ دین و شریعت کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 ارشادات بھی وحی الہی پر مبنی ہیں لیکن قرآن اور حدیث کی وحی میں چونکہ فرق پایا جاتا ہے، اس لیے قرآن کو وحی متلو اور
 حدیث کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی وحی میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہی ہوتے ہیں اور معانی بھی، اور حدیث کی وحی
 میں معنی اور مضمون تو اللہ کی طرف سے ہی انشاء ہوتا ہے لیکن ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں ادا
 فرماتے ہیں۔

احادیث اہل سنت سے اتباع سنت کی تاکید

کی اتباع کی تاکید بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہاں بطور نمونہ بعض احادیث حسب ذیل ہیں۔

(۱) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَكَّلْتُ فِيكُمْ أَمْرِي لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ ، رَوَاهُ الْمُوطَّأُ - (مشکوٰۃ شریف ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة) : فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ، اگر ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی تاکید فرمائی گئی ہے جو سورۃ النساء کی حسب ذیل آیت میں ہے : فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ - یعنی اگر تمہارا کسی معاملہ میں نزاع و اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرو (۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي فَهُوَ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ - (مشکوٰۃ شریف) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری امت کے فساد و بگاڑ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا تو اس کو ایک سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

اس حدیث سے اتباع سنت کا عظیم ثواب معلوم ہوا۔ (۳) مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي ، كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ - (مشکوٰۃ شریف) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری سنت سے محبت کی تو بے شک اس نے مجھ سے ہی محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا حصول سنت کی پیروی اور محبت پر توکل ہے۔ (۴) مَنْ كَيْشَ مَنْكَ فَمِيرَى اخْتِلافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ عَضُوا عَلِيًّا بِالنَّوْاجِدِ - (مشکوٰۃ شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی بعد میں زندہ رہے گا تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت مبارکہ کی پیروی کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے جس سے سنت

کا شرعاً حجت ہونا اور واجب الطاعت ہونا امر اخصاً ثابت ہوتا ہے ، اور اپنی سنت کے ساتھ اپنے خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کا جو حکم دیا ہے اس کی تشریح انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں بیان کی جائے گی۔

مذہب شیعہ کی کتب حدیث میں بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اس

احادیث شیعہ سے اتباع سنت کی تاکید

کی اتباع کی تاکید کا ثبوت ملتا ہے ، چنانچہ بعض روایات حسب ذیل ہیں۔ (۱) میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سنا ، جس نے کتاب خدا اور سنت محمد کی مخالفت کی ، اُس نے کفر کیا ، (شافی توجہ اصول کافی جلد اول صفحہ ۷۷۰ باب ۲۳) اس روایت میں امام جعفر صادق نے اس شخص کو کفر کرنے والا قرار دیا ہے جو سنت کی مخالفت کرے (۲) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، نہیں ہے قول مگر عمل کے ساتھ اور نہیں ہے قول و عمل مگر نیت کے ساتھ ، اور نہیں ہے قول و عمل و نیت مگر سنت رسول کی موافقت کے ساتھ (۳) امام محمد باقر علیہ السلام نے کسی سائل کے جواب میں فرمایا : اصل فقہ وہ ہے جو تبارک دنیا ہو ، آخرت کی طرف راغب ہو اور سنت نبی سے تمسک رکھے والا ہو۔ (صفحہ ایضاً) (۴) علامہ باقر مجلسی نے کلینی اور سید رضی سے بسند ہائے معتبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت یہ وصیت کی ہے :- ولین میری وصیت تم سے یہ ہے کہ شرک سجدا و تبرک و نہ لانا اور کسی چیز کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرنا ، اور سنت و طریقہ حضرت رسول کو ضائع نہ کرنا۔ کتاب خدا اور سنت رسول خدا کو بدستور رکھنا (۵) جلاء العیون جلد اول صفحہ ۲۰ مطبوعہ لکھنؤ) (۶) نہج البلاغہ میں حضرت المرتضیٰ کی وصیت کے یہ الفاظ ہیں :- أَمَا وَصِيَّتِي فَأَلِّهِ لَكَ نُشْرُكَوْا بِهِ شَيْئًا ، وَمَحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تُضَيِّعُوا سُنَّتَهُ أَقِيئُوا هَٰذِهِنَّ الْعُمُودَيْنِ وَأَوْقِدُوا هَٰذِهِنَّ الْمَصْبِيحَيْنِ - (لیکن میری وصیت یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم رکھو اور ان دونوں چراغوں (یعنی توحید و سنت) کو جلانے نہ رکھو) (صفحہ مطبوعہ طہران) (۷) حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے اور حضرت معاویہ کے ماہن حکمین (ثالث حضرات) مقرر کرنے پر لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں فرمایا :- وَقَدْ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ - فردہ الی اللہ ان نحکم بکتابہ و فردہ الی الرسول ان ناخذ بسنتہ۔ (نہج البلاغہ صفحہ ۱۷۱) :- بے شک اللہ سبحانہ نے فرمایا

ہے کہ اگر کسی بات میں تمہارا نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ اس نزاع کو اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کتاب اللہ پر فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بیکریں۔ مندرجہ احادیث شیعہ سے بھی صراحتاً سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اس کی اتباع کی ضرورت و تاکید ثابت ہوتی ہے۔ جس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

اہل السنۃ والجماعت کی خصوصیت

جب قرآن حکیم کی آیات محکمات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ارشادات سے (جو کتب اہل سنت اور کتب شیعہ دونوں میں مذکور ہیں) یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شرعی حجت ہے، قرآن مجید کی علمی و عملی تصویر ہے۔ محبت و قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے، رضائے الہی کا نشان ہے اور ان کے لیے سعادت کا موجب ہے۔ تو یہی لفظ سنت بعد میں اہل حق اور اہل باطل کے مابین امتیازی نشان قرار دیا گیا۔ جبکہ دین و شریعت میں اعدائے اسلام کی سازشوں کے تحت غیر اسلامی نظریات و افکار شامل کر دیے گئے اور ان پر بھی اسلام کا لیل چسپان کر دیا گیا۔ اس لیے اہل حق نے دوسرے فرق باطلہ سے امتیاز کے لیے خصوصی طور پر اپنا مذہبی نام "اہل السنۃ والجماعت" مشہور کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلام اور اس شریعت کو ماننے ہیں جو کہ سنت رسول اور جماعت رسول سے ما بعد کی امت کو حاصل ہوا ہے۔ اسی بنا پر سنت و خلف اہل حق اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعت ہی کہتے چلے آ رہے ہیں، اور یہی نام و عنوان خلاف سنت اور خلافت جماعت صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ سے امت مسلمہ کے لیے دینی تحفظ کا ذریعہ بنا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: بندہ ضعیف عبدالعزیز عفی عنہ کہتا ہے کہ فقیر کا مذہب اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور جو لوگ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہیں خواہ کفار ہوں، خواہ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں مثلاً روافض اور خوارج اور نو اصب وغیرہ جو مخالفین اہل سنت و جماعت سے ہیں۔ فقیر ان سب فرقوں کو باطل جانتا ہے اور ہزار دل سے ان سب فرقوں سے بیزار ہے۔ (فتاویٰ عزیزینہ ص ۲۳)

الجماعۃ کی شرعی حیثیت

اہل السنۃ والجماعت کی مذہبی اصطلاح میں جس طرح السنۃ سے مراد سنت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح الجماعت سے مراد جماعت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جس طرح رسول کریم رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، کتاب اللہ کے علوم و احکام کے حصول کا واحد واسطہ اور ذریعہ ہے اسی طرح جماعت رسول بھی ما بعد کی امت تک سنت کو علمی و عملی ہر حیثیت سے صحیح طور پر پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر جماعت رسول کو شریعت اور سنت کے حصول کے لیے شرعی واسطہ نہ تسلیم کیا جائے تو پھر دین کامل اور شریعت مقدسہ کے مکمل طور پر حاصل کرنے کا عالم اسباب میں اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کے الفاظ لینے والے بھی وہی لوگ ہیں اور ان کے معانی اور ان کی عملی صورتیں اخذ کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور ایمان لائے اور جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت نصیب ہوئی، جو سفر و حضر حضور کے ساتھ رہے، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں وطن چھوڑے۔ بڑے بڑے کبرائے قوم سے گزری اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم نبوی تلے قربانیاں دیتے رہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا ہے اور شرعی وحی کا دروازہ بھی بند ہو گیا ہے اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نہ ہی قیامت تک اپنی اصلی اور جامع علمی و عملی صورت میں باقی رہنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ہی آپ کے شاگردوں اور جانثاروں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جن کے ہوتے نہ کسی اور نبی کی حاجت رہے اور نہ کسی نئی وحی اور شریعت کی۔ یہی جماعت محمدی امام الانبیاء والمرسلین کے مانتا و وراثت کی من گلاں توجہ امین و ضامن بن جائے اور ایسی جماعت صحابہ کی شرعی اور دینی عظمت اور ما بعد کی امت کے لیے ان کی مقتدایت اور پیشوائیت کا تذکرہ قرآن حکیم میں جا بجا ملتا ہے۔

جماعت رسول کی عظمت قرآن مجید میں

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَهُمْ مُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(دپ ہم۔ سورہ آک عمال ع ۱۲) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں: تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور برائی باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

(ب) جو امتیں ہدایتِ مردم کے لیے پیدا کی گئیں، ان میں تم سب سے بہتر ہو، نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) یہ آیت اس امر میں لفظ قطعی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جماعت سب امتوں اور جماعتوں سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ رسول کی ان صفات کا ملکہ کامیاب ذکر فرمادیا ہے جو ان میں بالفعل موجود تھیں یعنی نیکی کا حکم دینا، براہیوں سے منع کرنا اور تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ سے یہ بتلادیا کہ اصحاب کا امر وہی کرنا صرف ظاہر اُدکھلا دے یا دنیوی اغراض کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ حقیقاً اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ (تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو) چونکہ یہ آیت مذہبِ شیعہ کے اس عقیدہ ہی کو بیخ و بن سے اٹھا کرنے والی ہے جو وہ صحابہ کرام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے شیعہ مفسرین نے اس آیت میں لفظی تحریف کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی آیت کا ترجمہ تو یہی کرتے ہیں کہ: جو امتیں ہدایتِ مردم کے لیے پیدا کی گئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو، لیکن اپنے مذہبی عقیدہ کی بنا پر حاشیہ میں اس کے خلاف یہ لکھتے ہیں کہ: تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ کسی نے ان کے سامنے پڑھا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ، تو حضرت نے فرمایا کہ آیا وہ اُمت خیر اُمت ہے جس نے جناب امیر المؤمنین و حسنین علیہما السلام کو قتل کیا۔ اس پڑھنے والے نے عرض کیا کہ میں آپ پر فدا ہوں، یہ آیت کیونکر نازل ہوئی تھی، فرمایا! اس طرح نازل ہوئی تھی: اَنْتُمْ خَيْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدح اس طرح فرماتا ہے: تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُوْمِنُونَ بِاللَّهِ (ترجمہ مقبول)

یعنی! آیت میں لفظ اُمَّة کا ہے اور شروع سے لے کر آج تک قرآن مجید کے نسخوں میں یہی لفظ لکھا ہوا ہے۔ عالم اسلام کے لاکھوں حُفَّاظِ قرآن اس آیت میں لفظ اُمَّة ہی پڑھتے ہیں، اور خود مولوی مقبول احمد صاحب موصوف نے بھی لفظ اُمَّة کا ہی ترجمہ جماعت لکھا ہے۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے اسی پر ایمان رکھا جاتا اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت صحابہ کو تمام امتوں اور جماعتوں سے بہتر اور افضل قرار دیا جاتا۔ لیکن آیت کی تفسیر میں اس کے خلاف امام جعفر صادق کی طرف ایک منسوب روایت نقل کر دی کہ یہاں بجائے اُمَّة کے اَيْمَّة کا لفظ تھا، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم تمام ائمہ سے بہتر ہو۔ (ب) اور آیت میں لفظ اُمَّة کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ پیش کر رہے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت علی، حضرت

حسن اور حضرت حسین کو قتل کیا، کیا وہ بہتر اُمت ہو سکتی ہے؟ حالانکہ معمولی علم و فہم والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سب جماعتوں سے بہتر فرمایا ہے، وہ اولین درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ فرمائیے! کیا کسی صحابی نے حضرت علی المرتضیٰ کو قتل کیا ہے اور کیا کسی صحابی کے ہاتھ سے حضرت امام حسین قتل کیے گئے۔ وہ تو بعد کے واقعات ہیں اور آیت میں مخاطبہ مومنین کا میں ہیں جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے۔ ان کے بعد دیگر مومنین بھی درجہ بدرجہ خیر اُمت میں شامل ہو سکتے ہیں اور یہ نسبت سابقہ امتوں کے بحیثیت مجموعی اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہے۔ لیکن اس اُمت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل اُمت ہیں، اور یہ ایک پوری جماعت ہے۔ جن میں چاروں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور دیگر صحابہ بھی شامل ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (۷۵) آیت سے مراد اُمتہ تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ آیت میں ان مومنین کی صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مذکور ہے حالانکہ حسب اعتقاد شیعہ اُمتہ اہل بیت تو ہمیشہ تقیہ ہی کرتے رہے اور اپنے مذہب حق کو کھلم کھلا کہیں ظاہر نہیں کیا اور ان کا یہ تقیہ بھی دین کے نوحیوں پر محیط ہے۔ بہر حال قرآن مجید کی اس آیت میں لفظ اُمَّة کو غلط قرار دینے کی بنا پر ثابت ہوا کہ دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین بھی قرآن مجید میں لفظی تحریف کے قائل ہیں۔

رسول کریم رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں بہت سی مہتم بالشان پیشگوئیاں احادیث میں مذکور ہیں وہاں یہ عظیم

۳۴ فرقوں کی عظیم پیشگوئی

پیشگوئی بھی مذکور ہے کہ سیری اُمت میں تہتر (۷۳) فرقے پیدا ہوں گے۔ جن میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، اور یہ پیشگوئی اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب حدیث میں مذکور ہے۔

احادیثِ اہل سنت

اِنَّ سَبِيَّ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلَيَّ ثَلَاثِينَ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفَرَّقَ اُمَّتِي عَلَيَّ ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْكَ وَاصْحَابِي رَوَاكَ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَابْنِ دَاوُدَ عَنْ مَعَاذِةِ شَتَّانٍ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ۔ (مشکوٰۃ شریف باب الِاغْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ)۔ "تحقیق جنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری اُمت تہتر (۷۳)،

فرتوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک فرقے کے باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا (جو جنت میں جائے گا) تو فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ تمہیں (۷۳) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ الجماعۃ ہے۔“

(۲) دوسری روایت میں ہے :- وَعَنْ ابْنِ عَسْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْعَلُ أُمَّتِي أَوْ قَالِ أُمَّةٌ مَحْمُودَةٌ عَلَى ضَلَالَةٍ وَبَيَدِ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَدَّ شَدَّ فِي النَّارِ وَكَأَنَّ الْقُرْمِذِي - (الْيَسَاءُ مَشْكُوتَةٌ شَرِيحًا) :- اور حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری اُمت یا یہ فرمایا کہ اُمت محمد گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہوگی، اور اللہ کا ہاتھ اوپر الجماعۃ کے ہے اور جو اس جماعت سے علیحدہ ہو وہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَدِّ شَدِّ فِي النَّارِ وَكَأَنَّ ابْنَ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَسْرَةَ :- (الْيَسَاءُ مَشْكُوتَةٌ شَرِيحًا) اور حضرت ابن عمر سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواد اعظم (سب سے بڑی جماعت) کی پیروی کرو۔ کیونکہ جو شخص اُن سے جدا ہوا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے حضرت انسؓ کی حدیث سے :- (مشکوٰۃ شریح) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اُمت کے تہتر (۷۳) فرقوں میں سے وہی لوگ جنتی ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے ہوں گے۔

احادیث مذہب شیعہ اہل سنت کی طرح احادیث شیعہ میں بھی اُمت کے تہتر (۷۳) فرقوں کی یہ پیشگوئی مذکور ہے۔ چنانچہ (۱) امام محمد باقر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :- تفرقت النصارى بعد عيسى عليه السلام على اثنتين وسبعين فرقة فرقة منها في الجنة واحدى وسبعون في النار وتفرقت هذه الامة بعد نبينا صلي الله عليه واله على ثلاث وسبعين فرقة فرقة اثنتان وسبعون فرقة في النار وفرقة في الجنة ومن التثنت وسبعين فرقة ثلاث عشرة فرقة تتخل ولايتنا ومودتنا اثنا عشرة فرقة منها في النار وفرقة في الجنة وستون فرقة من سائر الناس

في النار :- (د فوج کافی جلد سوم، کتاب الروضة ص ۱۱ مطبوعہ لکھنؤ) :- امام محمد باقر نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصاریٰ کے بہتر (۷۲) گروہ بنے، جن میں سے ایک فرقہ اُن کا جنت میں جائے گا اور اکثر (۷۱) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اُمت تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، جن میں سے بہتر (۷۲) فرقے جہنم میں اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ ان میں سے تیرہ (۱۳) فرقے ہماری ولایت اور ہماری نبوت کے مدعی ہوں گے۔ اُن میں سے بارہ فرقے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا اور دوسرے لوگوں میں سے ساٹھ (۶۰) فرقے دوزخ میں جائیں گے۔“

جب تیرہ (۱۳) فرقے شیعوں کے ہوں گے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو **ایک سوال** شیعہ علماء رہتائیں کہ پاکستان میں وہ ایک جنتی فرقہ ان میں سے کون ہے اور باقی بارہ (۱۲) دوزخی فرقے ان میں سے کون کون سے ہیں؟

(۲) علامہ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب ”خصال“ میں یہ روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً يَهْلِكُ أَحَدِي وَسَبْعُونَ وَيَتَخَلَّصُ فِرْقَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ تِلْكَ الْفِرْقَةِ قَالَ الْجَمَاعَةُ الْجَمَاعَةُ الْعِجَاءُ (کتاب خصال، جلد دوم ص ۱۱۱ مطبوعہ ایران) :- بیشک میری اُمت عنقریب بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہوگی، جن میں سے اکثر (۷۱) فرقے ہلاک ہوں گے اور ایک فرقہ خلاصی پائے گا۔ انہوں نے (یعنی اصحاب نے) عرض کی، وہ فرقہ کونسا ہوگا، فرمایا! الجماعۃ، الجماعۃ، الجماعۃ۔ (ب) دوسری روایت میں ہے :- وان اُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ بَعْدِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فِرْقَةٌ نَاجِيَةٌ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میری اُمت عنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے بہتر (۷۲) فرقے دوزخ میں ہوں گے اور ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔ (ایضاً خصال ص ۱۱۱)

فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟ اہل سنت کی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ناجی فرقہ (یعنی جہنم سے نجات پانے والا فرقہ) وہی ہوگا جو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي كَأَبِي دَاوُدَ هُوَ كَالْبَيْتِ الْبَيْتِ وَوَلَدَاتِهِ كَالْبَيْتِ الْبَيْتِ اور طریقہ اور سنت اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ

کو ہی جنت کا راستہ تسلیم کریں گے اور ان دو شرعی بنیادوں کا انکار کریں گے یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کریں گے تو وہ لوگ جہنم کی راہ پر چلنے والے (غیر ناجی) ہوں گے، اور دوسری احادیث میں جو انجماعت سے وابستہ رہنے کی تاکید فرمائی ہے اس سے مراد بھی اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض یافتہ جماعت مقدسہ ہے جن کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے اور بعد ان کے ہر وہ جماعت جو سنت اور صحابہ کی راہ پر چلنے والی ہو، اور مذکورہ حدیث یعنی مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي كَامُضْمُونِ قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں بھی مذکور ہے: - وَمَنْ لِيَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ لُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا اُ ۵- النساء، ۱۷۷ :- مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے: - اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی“

(ب) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے: - ”اور جو شخص بعد اس کے کہ حق اس کے لیے کھل جائے رسول کی مخالفت اختیار کرے گا اور مومنوں کے راستہ کے سوا اور کوئی راہ اختیار کرے گا ہم بھی اُسے اس راہ پر چلا دیں گے اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے“ (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور ان لوگوں کے لیے جو المؤمنین کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ اختیار کریں جہنم میں داخل کرنے کی وعید سنائی ہے اور ظاہر ہے کہ المؤمنین سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں جو براہِ راست رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت کا علم و عمل حاصل کرنے والے ہیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ و معانی سیکھنے والے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تزکیہ کے تحت قلوب و ارواح کو پاک کرنے والے ہیں، اور یہی وہ جماعت رسول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت میں کُنْتُمْ حَسْبُواُمَّةٍ كَامُمَّةٍ كَامُمَّةٍ لِقَبِّ عَطَا فَرْنَا يَابِ، تو گویا حدیث شریف میں جو مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي كَامُضْمُونِ کا مضمون تھا وہ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت کا ہی بیان ہے۔ لہذا نہ صرف حدیث نبوی بلکہ قرآنی وحی سے بھی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت کے لیے

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ حق ہیں کہ جن کی پیروی میں جنت اور جن کی نافرمانی میں جہنم ملتی ہے۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ :- اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماع اُمت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع اُمت کو ماننا فرض ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہر صحابہ مسلمانوں کی جماعت پر، جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

”فروع کافی“ کی مذکورہ حدیث
احادیث شیعہ کی بنا پر بھی اصحاب رسول معیارِ حق ہیں
 جس میں تہتر (۷۳) فرقوں کی

پیشگوئی مذکور ہے، اس میں گو حقیقی ہونے کے لیے ائمہ کی ولایت و محبت کو ماننا شرط قرار دیا گیا ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اصحاب رسول کے طریقے کو ماننا ضروری ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور، اور مستند کتاب ”احتجاج طبرسی“ میں (جس کے مُصنّف شیخ احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے :- وروی عنہ صلوات اللہ علیہ ان رسول اللہ قال ما وجدتم فی کتاب اللہ عزّو جلّ فالعمل لکم فیہ ولا عدوا لکم فی ترکہ وما لکم فی کتاب اللہ عزّو جلّ ولا کانت فیہ سنتہ متی فلا عدوا لکم فی ترکہ سنتی وما لکم فی کتاب اللہ عزّو جلّ ولا کانت فیہ سنتہ متی فلا عدوا بائھا أخذ اھتدی و بائھا افتادیل اصحابی اخذتم اھتدیتم و اختلاف اصحابی رحمۃ :- ”امیر المؤمنین! حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کتاب اللہ میں جو کچھ پاؤ تو اس پر تمہارے لیے عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور جو بات کتاب اللہ عزّو جلّ میں نہ پائی جائے، اور وہ میری سنت میں پائی جائے تو تمہارے لیے میری سنت کے ترک کرنے میں کوئی عذر نہیں، اور جس امر میں میری سنت نہ پائی جائے تو جو میرے اصحاب کہیں وہی تم کوہو۔ تحقیق تمہارے درمیان میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں، اُس میں سے جس ستارہ کو لیا جائے، اس سے ہدایت ہو جاتی ہے اور میرے اصحاب میں سے جو قول بھی تم نے لیا تمہدایت پا جاؤ گے۔ اور میرے اصحاب کا اختلاف رحمت ہے“

اسی حدیث نے تو اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کی حروف بہ حروف تائید کر دی کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب رسول ہی کا مقام ہے اور انہی کی پیروی میں جنت ملتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تمام

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے ستارے ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کی جائے، ہدایت ملتی ہے اور صحابہ کرام کا باہمی اختلاف بھی اُمت کے لیے ایک رحمت ہے، اور اہل سنت کی اس حدیث میں بھی یہی مضمون مذکور ہے کہ: «أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَقْتَدِبْتُمْ أَهْدَيْتُمْ» رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں کہ جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اُصول دین میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ فروعیات میں ہے اور وہ بھی اجتہادی اختلاف پر محمول ہے، جیسا کہ ائمائے کرام علیہم السلام کا اُصول دین میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اُن کی شریعتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور اس آخری اُمت کے لیے فروعیات دین میں سہولت کیلئے اجتہادی اختلاف کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اصحاب یا مجتہدین اُمت کا یہ اختلاف بھی کتاب و سنت کے اُصول کی روشنی میں ہوتا ہے۔

امام ربانی کا ارشاد

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فِي تَشْرِيحِ مِثْلِهِ فِي تَرْجُمَانِهِ

صادق علیہ من الصلوٰت افضلها ومن التسليمات اكملها برتیز فرقه واحده ناجیه ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنت الذین ہم ما انا علیہ واصحابی یعنی اں فرقه واحده ناجیه آند کہ ایشان بطریقے اند کہ من براں طریقہ واصحاب من براں طریقہ اند و ذکر اصحاب باوجود کفایت بذكر صاحب شریعت علیہ الصلوٰة والتمیہ دریں موطن برائے اں تو اند بود کہ تا بداند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشانست و بش چنانچہ حق سبحانہ فرمودہ «مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله» پس اطاعت رسول عین اطاعت حق آند و خلاف اطاعت او صلی اللہ علیہ وسلم عین معصیت او تعالیٰ و تقدس ہیں در مانحن فیہ دعوی اتباع اں سڑ نمودن علیہ الصلوٰة والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعوی باطل است، بلکہ اں اتباع فی الحقیقت عین معصیت رسول است علیہ الصلوٰة والسلام۔۔۔ و شک نیست کہ فرقه ملشزم اتباع اصحاب اں سرور اند علیہم الصلوٰات والتسلیات اہل سنت و جماعت اند شکر اللہ تعالیٰ سعیم فہم الفرقة الناجية چه طاعتن اصحاب پیغمبر علیہم الصلوٰات والتسلیات خود ازاں اتباع ایشانان محروم اند۔۔۔ و طعن کردن در

اصحاب فی الحقیقت طعن کردن است بر پیغمبر خدا جل شانہ۔ ما امن بالرسول من لم يؤقراً صحابة (مکتوبات مجید الف ثانی جلد اول نمبر ۳۱ ص ۱۱)۔ یعنی متعدد فرقوں میں سے ناجی فرقہ کی تمیز کے لیے جو دلیل حضور پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ الذین ہم ما انا علیہ واصحابی ہے۔ یعنی اس ناجی فرقہ کے لوگ وہ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر چلنے والے ہیں اور اس مقام میں باوجودیکہ خود صاحب شریعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کافی تھا۔ صحابہ کرام کے ذکر کی وجہ یہ ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے اصحاب کا طریقہ ہے، اور راہ نجات فقط ان کے طریقے کی پیروی سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: «مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله» جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی پیروی کر لی۔ پس اطاعت رسول بالکل اطاعت حق ہے اور اطاعت رسول نہ کرنا عین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔۔۔ پس اس سلسلہ میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کی مخالفت کرنے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ بلکہ خلاف اصحاب کسی کی اتباع درحقیقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔۔۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو فرقہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو لازم قرار دیتا ہے وہ اہل سنت و جماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کوششیں قبول فرمائے۔ پس یہی فرقہ ناجیہ ہے کیونکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والے، اصحاب کی پیروی سے محروم رہتے ہیں۔۔۔ اور اصحاب رسول پر طعن کرنا دراصل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنا ہے، اور جس نے اصحاب کی عزت نہ کی وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا۔

دب، اختلاف صحابہ کے بارے میں حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں:۔۔۔ متابعت جمیع اصحاب اُصول دین لازم است و ہرگز در اُصول اختلافی ندارد۔ اگر اختلاف است در فروع است و ایضاً مبتغان شریعت جمیع اصحاب اند کما مر، لان الصحابة کلہم عدول۔۔۔ و اختلافی کہ در میان اصحاب پیغمبر علیہم الصلوٰات والتسلیات واقع شدہ، نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفوس شریفہ ایشان تزیکیہ یافتہ بودند و ازاں مارگی باطمینان سببہ ہوائے ایشان تابع شریعت شدہ بود و اں اختلاف مبنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق۔ پس محظی ایشان نیز درجہ احد دارد عند اللہ و مصیب را خود دو درجہ است۔ پس زبان را از جفلے ایشان باز باید داشت و ہر را بر نیکی یاد باید

کرد۔ قال الشافعی رحمہ اللہ سبحانہ تلتک دماء طهر الله عنها ایدینا فلنطهر عنها اَلْسِنَتُنَا۔ (مکتوبات مجدد الفتن تالی جلد اول نمبر ۳۱) :- تمام اصحاب کی پیروی اصول دین میں ضروری ہے اور ہرگز ان کا اختلاف اصول دین میں نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہے تو فروغ میں ہے اور تمام اصحاب شریعت کے مبلغ ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔۔۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ نفسانی خواہش کی بنا پر نہ تھا۔ کیونکہ ان کے شریف نفس پاک ہو چکے تھے اور انارگی سے پاک ہو کر مطمئن بن چکے تھے۔ ان کی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں بلکہ ان کا باہمی اختلاف اجتہاد پر یعنی تمنا اور کلمہ حق کے بلند کرنے کے لیے تھا۔ پس ان میں سے جس سے اجتہاد ہی خطا ہوئی ہے اس کو بھی اللہ کے ہاں ایک درجہ ملے گا اور جس کا اجتہاد صحیح تھا اس کو خود دو درجے ملیں گے۔ پس ان پر جفا اور ظلم کا الزام لگانے سے اپنی زبان کو باز رکھنا چاہیے اور سب صحابہ کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- ”یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔“

اہل السنۃ والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہیں

جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی عظمت، شرعی حجیت، اور حق و باطل، راہِ جنت و دوزخ میں ان کا معیارِ حق ہونا واضح ہو گیا تو پھر سوائے اہل السنۃ والجماعت کے نام و عنوان کے اور کونسا بہتر اور جامع نام ہو سکتا ہے جس کی بنا پر فرقہ ناجیہ کو دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز حاصل ہو سکے، اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمۃ اللعالمین، صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے علاوہ اہل بیت کی عظیم شخصیتیں حضرت علی المرتضیٰ، خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء اور جنت کے جوانوں کے سرور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی جو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ ہونے کے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعتِ مقدسہ میں شامل ہیں۔ باوجود قربتِ نبوی ان حضرات کے عظیم فضائل کی بنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اہل انوارِ نبوت اور فیضانِ صحبت سے تزکیہٴ نفوس اور تصفیہٴ قلوب کی نعمتِ عظمیٰ حاصل کرنا ہے۔ صحابہ کرام میں مہاجرین ہوں یا انصار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء ہوں یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح قربتِ نسب پر رکھے ہوں۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ

نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا ہے اور ان کو جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ اس لیے اُمتِ محمدیہ کے متعدد داؤد مختلف فرقوں میں سے اگر کوئی فرقہ اپنے اصول و عقاید کی بنا پر مقبول اور جنتی ہو سکتا ہے تو وہی اور صرف وہی ہو سکتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پسندیدہ اور جنتی جماعت یعنی صحابہ کرام کی محبت اور پیروی کو راہِ جنت کا نشان اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا موثر واحد ذریعہ اور واسطہ ماننا ہے اور ایسا فرقہ سوائے اہل السنۃ والجماعت کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

از روئے احادیثِ شیعہ سنۃ وجماعت پر منے والا عذاب سے محفوظ رہے گا۔

(۱) شیعوں کے شیخ ابن بابوی قمی المعروف بشیخ صدوق (جو کتاب ”من لا یحضرہ الفقیہ“ کے مؤلف ہیں) اپنی کتاب ”جامع الاخبار“

میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرمایا کہ :-
 لیس علی من مات علی السنۃ والجماعۃ عذاب القبر ولا شدۃ یوم القیامۃ۔ (جامع الاخبار)
 :- جو شخص سنۃ اور جماعت پر مرے گا اس پر قبر کا عذاب نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر قیامت کی سختی ہوگی۔ چونکہ اس حدیثِ قدسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعت پر قبر اور قیامت کا عذاب نہیں ہوگا۔ اس لیے اسی کتاب ”جامع الاخبار“ کا ترجمہ شیعوں کے ادیبِ اعظم سید ظفر حسن صاحب امر وہومی نے بنام ”تحفۃ الاخبار“ مطبوعہ کراچی شائع کیا ہے۔ اس میں اس حدیث کا ترجمہ ہی غلط لکھ دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- ”اے محمد! جو شخص جماعت کی سنۃ پر قائم رہتا ہے بعد مرگ اس پر عذابِ قبر نہیں ہوتا اور نہ قیامت کی سختی اُسے پیش آتی ہے۔“ (ص ۱۳۶)۔ حدیث کے عربی الفاظ میں علی السنۃ والجماعۃ، یہاں واؤ حرفِ عطف ہے لہذا معنی یہ ہوگا :- ”سنۃ اور جماعت پر“ اور ادیبِ اعظم صاحب کا ترجمہ :- ”جماعت کی سنۃ پر“۔ تب صحیح ہوتا جبکہ حدیثِ نبویہ واؤ حرفِ عطف نہ ہوتا اور ترکیب اضافی ہوتی اور الفاظ یہ ہوتے :- ”علی سنۃ الجماعۃ“۔ اور جماعت کی سنۃ کے اس میں سنۃ مضاف اور الجماعۃ مضاف الیہ بنتا ہے۔ یہ ہے ادیبِ اعظم کے ترجمہ کا حال اور یہ وہی ادیبِ اعظم صاحب ہیں جنہوں نے ”اصول کافی“ مکتب اور فروغ کافی کی پہلی جلد کا ترجمہ کیا ہے۔ (۲) شیخ صدوق کی اسی کتاب ”جامع الاخبار“ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ”الا ومن مات علی حُبِّ

اہلِ محمد مات علی السنۃ و الجماعۃ۔ (ص ۱۱۱)۔ ”خبردار! جو شخص محبتِ آلِ محمد پر مرے گا وہ سنت اور جماعت پر مرے گا۔“ اس حدیث سے بھی چونکہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کو محبتِ آلِ محمد حاصل ہوگی اس کی موت سنت اور جماعت پر آئے گی اور یہ مطلب شیعہ مذہب کے بالکل خلاف پڑتا ہے۔ اس لیے ادیب اعظم صاحب موصوف نے اس حدیث کا حسبِ ذیل ترجمہ بھی بالکل غلط لکھ دیا ہے کہ: ”جو محبتِ آلِ محمد پر مرے گا وہ نیکو کار پر سبز گار مرے گا“ (تحفۃ الابرار ص ۱۱۱) یہاں ادیب اعظم صاحب نے حدیث کے الفاظ السنۃ والجماعۃ کا ترجمہ بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور ان کی جگہ ترجمہ میں نیکو کار اور پر سبز گار کے الفاظ لکھ دیے ہیں حالانکہ اس حدیث میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ پر سبز گار اور نیکو کار ہو۔

قارئینِ کرام! اس ترجمہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے بڑے بڑے علماء و اُدبا کو تفسیر کس کس مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ عبرت! عبرت! عبرت! بہر حال اس حدیث شیعہ سے اس پر وہ پگینڈے کی تردید ہوگئی۔۔۔۔۔ کہ اہل السنۃ والجماعۃ کو آلِ محمد سے محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ محبتِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اہل السنۃ والجماعۃ کو ہی نصیب ہوئی ہے۔ (۳) اسی حدیث مذکور کا ترجمہ جو ایک شیعہ عالم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر جھنگ سیالوی نے کیا ہے وہ یہ ہے: ”خبردار ہو! جو محبتِ آلِ محمد میں مرے گا وہ اہل السنۃ والجماعت ہو کر مرے گا“ (ثبوتِ خلافتِ حصہ اول) یہ ترجمہ صحیح ہے اور اس ترجمہ سے بھی ادیب اعظم صاحب کے ترجمہ کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔

ایک مُعتمد

ڈاکٹر مولوی نور حسین صاحب جھنگوی نے ترجمہ تو صحیح لکھا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کتاب ”ثبوتِ خلافت“ کے ٹائٹل پر ان کے نام کے ساتھ ”سابقہ سنی“ بھی لکھا ہوا اور مصنف ”فلاح الکونین“ نے بھی ان کا نام علماء کی اس فہرست میں لکھا ہے جنہوں نے مذہبِ اہل سنت والجماعت کو چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار کیا ہے۔ لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ جب شیعہ مذہب کی حدیث میں ہی یہ لکھا ہے کہ آلِ محمد سے محبت کرنے والا اہل السنۃ والجماعت ہو کر مرتا ہے، اور ڈاکٹر صاحب خود بھی اس کا یہی

عہ
ہوا وہاں تفسیر

میں 275

لے شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش نے ”انوار الخف“ کے مقدمہ میں ترجمہ یہ لکھا ہے: ”آگاہ ہو کہ جو شخص آلِ محمد کی محبت سے مرے گا وہ سنت و جماعت پر ہو کر مرتا ہے۔ (ص ۲۳)“

ترجمہ کر رہے ہیں تو کیا انہوں نے اس بنا پر مذہبِ اہل سنت کو چھوڑا ہے کہ اس میں آلِ محمد کی محبت لازم آتی تھی، اور چونکہ وہ آلِ محمد کی محبت پر مرتا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے سنتِ مذہب کو چھوڑ دیا۔ کیا کوئی شیعہ عالم اس مُعتمد کو حل کرنے کی کوشش کرے گا؟ ع۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔

احادیثِ اہل سنت اور احادیثِ شیعہ سے سنت اور جماعت کی

اہل السنۃ والجماعت کے الفاظ کا ثبوت

شرعی عظمت ثابت ہونے کے بعد گو اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ قرآن اور حدیث یا اصحاب سے اہل سنت والجماعت کے بھی الفاظ ثابت کیے جائیں۔ کیونکہ جو شخص بھی سنت اور جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے اس کو اہل السنۃ والجماعت ہی کہا جائے گا، اور اہل کا لفظ تو نسبت کے لیے آتا ہے۔ دراصل ثبوتِ سنت اور جماعت کا چاہیے جو الحمد للہ ثابت کر دیا گیا۔ لیکن بعض غالی شیعہ ذاکرین اور علماء عوام اہل سنت کو درغلانے کے لیے یہ کہتے رہتے ہیں کہ لفظ شیعہ قرآن میں موجود ہے۔ مگر اہل السنۃ والجماعت کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جہلاء ذاکرین چیلنج بھی دے دیا کرتے ہیں کہ کوئی سنتی عالم قرآن و حدیث یا اصحاب کرام سے یہ الفاظ ثابت نہیں کر سکتا۔ لہذا اس قسم کے جہلاء ذاکرین کے پروپیگنڈے کے اسناد کے لیے ہم یہاں اہل السنۃ یا اہل السنۃ والجماعت کے الفاظ کا ثبوت بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ ہر پہلو سے مذہبِ اہل السنۃ والجماعت کی حقانیت واضح ہو جائے۔

مذہبِ شیعہ کی مستند کتاب ”احتجاج طبرسی“

اہل سنت کی تعریف حضرت علیؑ کی زبان سے

میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ اهل الجماعة - اهل الفرقة - اهل البدعة اور اهل السنۃ کون لوگ ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا: - اما اهل الجماعة فاننا ومن اتبعني وان قلوا وذلك الحق عن امر الله عز وجل وعن امر رسوله - واهل الفرقة المخالفون لي ومن اتبعني وان كثروا - واما اهل السنۃ فالمتمسكون بما سكته الله ورسوله وان قلوا - واما اهل البدعة فالمخالفون لامر الله وكتابه

ولرسوله العاملون برأيهم وأهواءهم وان كثروا (ص ۸۷)۔ اہل الجماعۃ میں ہوں اور وہ لوگ جو میری اتباع کریں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں اور یہ حق ہے اللہ تعالیٰ کے امر سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے، اور اہل الفرقہ وہ ہیں جو میرے مخالف ہیں اور میری پیروی کرنے والوں کے مخالف ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں، اور اہل السنۃ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں، اور اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جو اپنی آراء اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔“

یہاں حضرت علی المرتضیٰ نے اہل السنۃ اور اہل الجماعت کی اصطلاح استعمال کی ہے اور ان کی تعریف کی ہے اور ان کے مقابلہ میں اہل بدعت اور اہل فرقہ کی مذمت فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ دونوں حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک اہل السنۃ والجماعت ہی حق پر ہیں اور خود حضرت علیؑ بھی اہل السنۃ والجماعت ہیں (ب) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سائل نے اہل سنۃ کے متعلق تو آپ سے دریافت کیا ہے لیکن شیعہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا، اور حضرت علی المرتضیٰ نے بھی جواب میں اہل سنۃ کی تعریف فرمائی ہے، شیعوں کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں شیعہ مذہب کا وجود بھی نہ تھا۔ اگر کہیں لفظ شیعہ استعمال کیا گیا ہے تو لغوی معنی میں نہ کہ مذہبی معنی میں۔ (ج) چونکہ اہل سنۃ اور شیعہ دونوں آپس میں متضاد ہیں اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت شیعہ مذہب تو تھا اور سچا بھی تھا لیکن چونکہ سائل نے شیعہ کے متعلق دریافت نہیں کیا اس لیے حضرت علی المرتضیٰ نے شیعہ کی تعریف ضروری نہیں سمجھی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیعہ مذہب کا اُس وقت وجود بھی تھا، اور شیعہ مذہب سچا بھی ہو تو ان مختلف مذاہب کے تذکرہ میں حضرت خود بھی شیعہ مذہب کی تعریف نہ کریں۔

علاوہ ازیں جب آپ نے اہل سنۃ کی تعریف فرمادی تو جو مذہب اس کے بالکل برعکس اور مخالف ہے، حضرت علیؑ اس کی تعریف کیونکر کر سکتے ہیں؟ ورنہ لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ حضرت علی المرتضیٰؑ بھی تھے اور شیعہ بھی تھے۔ البتہ علمائے شیعہ یہ آخری تاویل کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے نزدیک شیعہ مذہب ہی برحق تھا لیکن از

رُوئے تفتیہ آپ نے اس کا تو ذکر ہی نہیں فرمایا، اور اس کی جگہ اہل سنۃ کی تعریف کر دی۔ گویا کہ ماتی گروہ کے نزدیک شیخنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور اقتدار میں زبان سے بھی مجمع عام میں اعلان حق نہیں کر سکتے تھے اور آپ کی پالیسی یہ رہتی تھی کہ رع۔ باغیان بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی (د) بعض عالم جاہل ذاکر حضرت علی کے مذکورہ ارشاد میں اہل سنۃ کے لیے وان قتلوا کے الفاظ سے اور اہل بدعت کے لیے وان کثروا کے الفاظ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں اہل سنۃ انکو کہا گیا ہے جو تھوڑے ہیں اور اہل بدعت ان کو کہا گیا ہے جو زیادہ ہیں اور چونکہ اہل سنۃ ہونے کے مدعی اپنی عظیم اکثریت کی وجہ سے وان کثروا کا مصداق ہیں اس لیے یہ دراصل اہل بدعت میں سے ہیں۔ لیکن یہ استدلال محض جہالت پر مبنی ہے کیونکہ (و) وان قتلوا اور وان کثروا کے الفاظ میں ان وصلیہ ہے نہ کہ ان مَحْفَقَہ مِنَ الْمُثَقَّلَہ۔ اور مستدل نے اپنی جہالت سے یہاں ان کو مَحْفَقَہ سمجھ لیا ہے جس کا معنی ہے ”تحقیق“

(ب) ان وصلیہ میں وجود اور تحقق مقصود نہیں ہوتا بلکہ بطور بالفرض ایک بات کی جاتی ہے تو حضرت علیؑ کا ارشاد یہ ہے کہ بالفرض اہل سنۃ تھوڑے بھی ہوں تو وہ حق پر ہوں گے اور اہل بدعت اگر زیادہ بھی ہوں تو وہ باطل پر ہوں گے۔ مثلاً حضرت علی کا ارشاد ہے :- ان ولی محمد من اطاع الله وان بعدت لحنته وان عدد محمد من عصی الله وان قریت قرابتہ۔ (سنہج البلاغہ ص ۸۷)۔ بیشک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست وہی ہے جو اللہ کی اطاعت کرے۔ اگرچہ اس کی قرابت دور کی ہو اور حضور کا دشمن وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اگرچہ اس کی قرابت قریب کی ہو۔ کیا کوئی اس عبارت میں ان شرطیہ وصلیہ کے استعمال سے یہ مطلب حاصل کر سکتا ہے کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں وہ اللہ کے فرمان ہیں العیاذ باللہ۔ یہ جواب بعض جاہل ذاکرین کے اعتراض کی بنا پر دیا گیا ہے ورنہ کوئی شیعہ عالم دین انداز سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”احتجاج طبرسی“ میں حضرت علی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس فرقہ کی تعداد زیادہ ہے وہ اہل بدعت ہیں۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض جاہل معترض کے قول کے مطابق اگر اہل سنۃ بوجہ کثرت کے اہل بدعت ہیں العیاذ باللہ تو پھر یہ تو بتائیں کہ حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ میں اہل سنۃ کون لوگ ہیں؟ شیعہ تو اس کا مصداق ہو نہیں سکتے کیونکہ ان کو تو اہل سنۃ کے نام سے بھی نفرت ہے اور اگر ہم بھی اہل سنۃ

نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اہل سنت اور اہل حق کا کوئی وجود ہی نہیں؟ اور یہ بھی فرمائیں کہ حضرت امام مہدی بھی جب ظاہر ہوں گے تو وہ اہل سنت کے رہنما ہوں گے یا اہل بدعت کے؟ ... ع ! نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ داستان کب تک؟

حضرت علیؑ کی زبان سے سوادِ اعظم کی تعریف

اہل سنت و الجماعت اپنے آپ کو "سوادِ اعظم" سے تعبیر کرتے ہیں اور اہل تشیع اس کے خلاف ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سوادِ اعظم سے منسلک رہنے کا حکم دیا ہے :- "والزموا السواد الاعظم فان بيد الله على الجماعة :- سوادِ اعظم کے ساتھ گئے رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ اوپر جماعت کے ہے" (منہج البلاغہ)

حضرت ابن عباس کی زبان سے اہل سنت کی تعریف

(۱) حافظ عماد الدین ابن کثیر محدث سورۃ آل عمرانؑ کی آیت :- "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَ تَسْوَدُّ وُجُوهٌُ :-" اس روز کہ بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے " کے تحت لکھتے ہیں :- یعنی یوم القیامۃ میں تبیض و وجوہ اہل السنۃ و الجماعۃ و تسود وجوہ اہل البدعۃ و الفرقۃ قالہ ابن عباس - :- "یعنی قیامت کے دن جبکہ اہل سنت و الجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے " (۲) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انه قرأ هذه الآية - قال تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدعة - :- حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے " (تفسیر مظہری) (۳) علامہ سیوطیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت درج کی ہے :- عن ابن عباس فی هذه الآية قال تبيض وجوه اهل السنة و الجماعة و تسود وجوه اهل البدعة و الضلالة :- حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کے تحت مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل سنت و الجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و ضلالت کے چہرے

سیاہ ہوں گے " (تفسیر در منثور جلد دوم، مطبوعہ بیروت ص ۳۳)

حضرت عمرؓ کا ارشاد

حدیث کی مشہور کتاب "سننِ دارمی" میں ہے کہ :- "عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ قرآن کے شیہوں کو لے کر تم سے جھگڑا کریں گے تو ان کو حدیثوں کے ساتھ پکڑ لو۔ کیونکہ اصحابِ سنن اللہ کی کتاب کو خوب جانتے ہیں" (دارمی متوجم ص ۷۷) یہاں حضرت عمر فاروق نے اصحابِ سنن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ سنن جمع ہے سنت کی، اور اصحابِ سنن اور اہل سنت کے الفاظ ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والے ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اہل سنت کا ثبوت

(۱) تفسیر در منثور ہی میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ روایت لکھی ہے :- واخرج الخطیب فی رواۃ مالک والدیلمی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قوله تعالیٰ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ - قال تبیض وجوہ اهل السنۃ و تسود وجوہ اهل البدع :- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ و درع اور تقویٰ کے بیان میں لکھتے ہیں :- ولا یعلم تفصیل ذلك الا بالقتداء بالفرقة الناجية وهم الصحابة فانہ علیہ السلام لما قال الناجی منها واحدا قالوا یا رسول اللہ ومن ہم قال اهل السنة و الجماعة فقیل ومن اهل السنۃ و الجماعة قال ما انا علیہ واصحابی راحیاء العلوم جلد ثالث مطبوعہ مصر ص ۱۹ :- "اور اس کی تفصیل فرقہ ناجیہ کی پیروی کے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی اور وہ فرقہ ناجیہ صحابہ کرام ہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمہارے) فرقوں کی پیشگوئی میں فرمایا کہ ان میں سے نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا۔ تو صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں تو فرمایا اہل السنۃ و الجماعت۔ پھر عرض کیا گیا کہ اہل سنت و الجماعت کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہیں"

(۳) امام غزالیؒ کی عربی کتاب "طب جسمانی و طب روحانی" کے ترجمہ "مجدبات غزالیہ" کے

۳۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۳ء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: - سنتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة کلھاھا لکثرة وواحدة منها ناجية قيل يا رسول الله ومن الفرقة الناجية فقال عليه السلام اهل السنة والجماعة، قيل وما اهل السنة والجماعة قال عليه السلام وما انا عليه واصحابي۔ - میری امت کے بہتر (۴۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہوگا اور باقی سب ہلاک ہونے والے ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے۔ فرمایا! اہل السنۃ والجماعت۔ عرض کیا گیا کہ اہل السنۃ والجماعت کونسا فرقہ ہے، فرمایا! جس طریقہ پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں اُس پر چلنے والے۔“

امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں (۴۳) میدان کربلا میں حضرت

نعمانی نے مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے اپنے طویل خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا: - ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی و اخی انتما سیدا شباب اهل الجنة وقرۃ عین اهل السنۃ۔ (تاریخ کاملی ابن اثیر جلد چہارم ص ۶۱ مطبوعہ بیروت)۔ ”تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ اور میرے بھائی (حضرت حسن) سے فرمایا تھا کہ تم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہو اور اہل سنۃ کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو۔“

(۵) یہی ارشاد تاریخ ابن خلدون مترجم اردو حصہ دوم ص ۱۱۱ میں بھی مذکور ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا: ”کیا تم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ تم دونوں سردار جوانان جنت ہو اور اہل سنۃ کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو“ کتب تفسیر حدیث اور تاریخ وغیرہ کے مندرجہ جوالمجات سے ثابت ہوا کہ اہل السنۃ اور اہل السنۃ والجماعت کے لفظ نہ صرف یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے استعمال کیے ہیں۔ بلکہ رسول عربیؐ اور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی یہی الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے پیارے نواسوں حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سنۃ کی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے۔ لیکن نظم ظریفی کی انتہا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ماتمیوں کے نزدیک اہل السنۃ والجماعت کہلوانا حضرات اہل بیت کی

دشمنی کی علامت ہے اور بجائے اہل سنۃ کے شیعہ کہلوانا اہل بیت سے محبت کا نشان ہے سے جنوں کا نام خرد رکھ لیا، خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

اسلام کا عروج و زوال مسلمانانِ اہل سنۃ والجماعت کے

اہل سنۃ کا عروج و زوال

عروج و زوال سے وابستہ ہے۔ غلبہ اسلام کا ایک زمانہ

تھا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و جہاد کے نتیجے میں اسلام افریقہ اور کابل و قندھار تک پھیل گیا۔ ایران و روم جیسی صدیوں کی مستحکم سلطنتیں زیر و زبر ہو گئیں اور قرآن مجید کی عظیم پیشگوئی: - لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كَلِمَةً۔ یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اپنے دین کو سارے دینوں پر غالب کرے گا۔ دور رسالت کے بعد دورِ خلافت راشدہ اور بعد صحابہ میں تکمیل پذیر ہوئی۔ دُنیا کی کوئی طاقت اسلامی فتوحات کے سیلاب کے نہ روک سکی اور صحابہ کرام کے قدم مبارک جہاں تک پہنچے کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی ظلمتیں دُور ہوئیں، اور توحید و سنۃ اور عدل و ہدایت کے انوار پھیل گئے۔ غلبہ اسلام کی ایک جھلک علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ان اشعار میں دکھلائی ہے۔

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں خشکیوں میں کبھی ٹرتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ چھپتی تھی جہانداروں کی!

کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

مغفل کون و مکان میں سحر و شام پھرے! تے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

کوہ میں، دشت میں لیکر تیرا پیغام پھرے اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے، گھوڑے ہم نے

اسلام علمائے ربانیین اور اولیائے صالحین کی تبلیغی سرگرمیوں سے ہندوستان میں پھیلا۔ حتیٰ کہ صورت

امام الاولیاء حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی برکات سے نوے

لاکھ کافر مسلمان ہوئے تھے اور غالباً آٹھ سو سال تک ہندوستان میں اسلامی حکومت کا پرچم لہراتا رہا، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول کریم رحمۃ اللہ علیہ وسلم کے ارشاد :- مَا آتَا عَلَيْنَا وَاصْحَابِي كَيْفَ تَحْت :- (یعنی جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے) اسلام ہمیشہ مذہب اہل سنت و جماعت کی صورت میں جلوہ گر رہا۔ سلاطین و علمائے اہل سنت اپنی مجاہدانہ اور سرفروشاں طاقتوں سے دشمنان اسلام کی سرکوبی کرتے اور علمائے حق اور اولیائے امت اپنی علمی اور روحانی قوتوں سے عامۃ المسلمین کی تعلیم و تربیت فرماتے رہتے تھے۔ مجتہدین و فقہاء نے فقہ اسلامی کی حفاظت کی اور بالخصوص اہل سنت کے مجتہدین اربعہ یعنی امام اعظم امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں سے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فروغ و حدود کے تحفظ کا عظیم کارنامہ سر انجام دیا، اور اولیاء اللہ میں سے خصوصاً اقطاب اربعہ یعنی سلاطین اہل سنت حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی، امیر جمہوری، محبوب مجانبی، قطب ربانی غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی، شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور مرشد الکاملین حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی روحانی نسبتوں سے اہل ایمان کے قلوب و اذنان کو متور کیا۔ غرضیکہ شریعت کا علم ہوا یا عمل، طریقت کا حال ہونا یا مقام حقیقت کے مدارج ہوں یا منازل۔ ہر شعبہ کی اشاعت و حفاظت اہل سنت و الجماعت کے اکابر کے ذریعہ سے ہی ہوتی رہی ہے، اور علمائے اہل سنت کی جدوجہد کی بنا پر ہی ہر دور میں عامۃ المسلمین سنت رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی عظمتوں کو مانتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ میں انکار سنت یا انکار صحابہ کے فتنے کامیاب نہیں ہو سکے۔

حتیٰ کہ مجبوراً علمائے شیعہ کو تفسیر کا راستہ اختیار کرنا پڑا اور وہ ایک گہری تحفہ تحریک کے ذریعہ خلفائے راشدین صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مطعون اور ان کے شرعی مقام کو مجروح کرنی کوشش کرتے رہے۔ لیکن عوام اہل سنت کے دلوں میں عظمت صحابہ کا نقش اس طرح جما ہوا تھا کہ جاہل سے جاہل سنتی مسلمان بھی جس طرح حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر حضرات اہل بیت کی تنقیص و توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا اسی

طرح اس کے لیے حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر خلفائے راشدین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص توہین بھی ناقابل برداشت ہوتی تھی، اور اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ صحابہ کرام کے خلاف ہے تو اس کو عوام اہل سنت انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ علمائے شیعہ بظاہر سنی علماء کے رُوپ میں رہے اور خفیہ طریق سے حسب حال شیعیت کے لیے راہ ہموار کرتے رہے۔ چنانچہ شیعوں کے مایہ ناز مجتہد قاضی نور اللہ شومتری (جن کو جہانگیر بادشاہ نے قتل کرا دیا تھا اور علمائے شیعہ ان کو شہید ثالث قرار دیتے ہیں) خود اعتراف کرتے ہیں کہ :- صاحبان معرفت اور اصحاب بصیرت کے دہائے مصفا پر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امیر المؤمنین کی خلافت کے زمانے سے لے کر سلاطین صفویہ کے ظہور سلطنت تک اہل تشیع میں بلائے تفسیر کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے اصول و فروع کی ترویج ہی ممکن تھی۔ بلکہ علماء و فقہائے معتزلہ و اشاعرہ کے اصول و فروع پر ظاہر میں عمل رہا کرتا تھا اسی سبب سے مخالفین کے مختلف فرقوں نے تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں۔ لیکن علمائے شیعہ بہ سبب ساٹھ سال مظلوم اہل تشیع رہنے کے گوشہ تفسیر میں چھپے رہتے تھے اور اپنے کوششوں یا حقیقی ظاہر فرماتے تھے۔ (مجالس المؤمنین ص ۱۱)

لیکن جب اہل سنت صحابہ کرام کی شرعی عظمت غافل ہوتے گئے، اور شرف صحابیت کے اعتقاد میں کمزوری آئی گئی، تو شیعیت کو پھیلنے اور پھولنے کا موقع ملتا رہا، اور شیعہ علماء و مجتہدین نے اپنے مذہبی لٹریچر کی اشاعت شروع کر دی، اور محبت اہل بیت کے عنوان پر ناواقف اہل سنت کو صحابہ کرام سے بدظن کرنے کی کوششیں تیز ہو گئیں، اور اس طرح ان کی تحریکِ رفض کو عوام اہل سنت کو متاثر کرنے کا موقع ملتا رہا۔

لیکن اکابر علمائے اہل سنت اس فتنہ سے غافل نہیں رہے اور سنی و شیعہ نزاعی مسائل کے حل میں مدلل تصانیف شائع کر کے مذہب اہل سنت کے تحفظ کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔

مُتَأَخِّرِينَ عُلَمَاءَ اَهْلِ سُنَّتٍ

حضرت مجدد الف ثانی

متاخرین میں گیارہویں صدی کے مجددِ اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اپنے دیگر علمی و روحانی

مناغل کے خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شرعی مقام کی تبلیغ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور اعتراضات و مطاعنِ شیعہ کا بہت محققانہ جواب دیا اور اپنے تجدیدی کارنامہ سے مذہبِ اہل سنت کا تحفظ کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات تین جلدوں میں شائع ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ارشادِ نبوی مَا آتَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِہِ الْکِبْرِی الْحَادِکَ قَلْعَ قَمَحٍ فرمایا وہاں سبائی تحریک کے آگے بھی سدِ سکندری کھڑی کر دی۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سبائی تحریک کا مقابلہ کرنا اور مسلمانانِ اہل سنت کو اُس کے ہلک اثرات سے بچانا حضرت مجدد کا ایک عظیم تجدیدی کارنامہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے دفاع کا مقدس جذبہ حضرت مجدد کے قلبِ صافی میں اس طرح موجزن تھا کہ اس زمانہ میں اہل تشیع کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہوا۔ جس میں العیاذ باللہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی تکفیر کی گئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا تھا، تو حضرت بقرہ ہو گئے اور اُس کے رد میں ”رَدُّ الرَّوَاْفِیِّ“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور خود اس رسالہ کی تصنیف کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ :- ”ابن حقیقہ حیدر علی در مجالس و معارک مشافہتہ بمقدمات منقولہ و منقولہ ردِّ آہنہامی کرد و بر غلطہائے صریحہ ایشان را اطلاع میداد اما از ردِّ حقیقت اسلام و بموجب حدیثِ نبوی علی مصدرہ الصلوٰۃ والسلام کہ فرمودہ :- اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتْنَةُ اَوِ الْبِدْعُ وَ سُبَّتِ اَصْحَابِہِ فَلْيَطْرُقِ الْعَالَمَ عَلْمُهٗ وَ مَن لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَعَلِیْہِ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَ الْمَلَائِکَۃِ وَ النَّاسِ اِجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ لَہٗ صِرْفًا وَاَعْدَا۔“ باین قدر ردِّ الزام کفایت نمی کرد و سوزشِ سینہ بے کینہ تشقی نیافت و بخاطر فائز قرار یافت کہ اظہار مقاصد ایشان تا در زمانیکہ در قید کتابت نہ آید فائدہ تام و نفع عام بچشمند فشرعت مستعیناً باللہ الصمد :-۔ یہ حقیقہ حیدر اپنی مجلسوں میں اور دوسری جگہوں میں لوگوں کے سامنے نقلی اور عقلی طور

پراس رسالہ شیعہ کا رد کرتا رہتا تھا اور اس کی صریح غلطیوں کی اطلاع دیتا رہتا تھا لیکن اسلامی حقیقت کی رو سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بموجب کہ حُضُور نے فرمایا ہے کہ :- ”جَبْ نَفْتِیْ یَا بَدِیْیْنَ ظَاہِرِہٖوْنَ اِدْرِیْمِیْ اَصْحَابُہٗ کُوْکَالِیْنَ دِیْ جَابِیْنَ اِدْرِیْمِیْنَ اُوْر اُنْ کُوْبُرَا کَمَا جَاہَیْ۔“ تو اُس وقت عالم پر لازم ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے۔ (یعنی صحابہ کی طرف سے دفاع کرے) اور جو عالم ایسا نہیں کرے گا اُس پر اللہ کی فرشتوں کی در سب لوگوں کی لعنت ہوگی، اور اللہ اس کی فرضی اور نقلی عبادت قبول نہیں کرے گا۔ صرف زبانی تردید اور الزام نیا کافی سمجھتا تھا اور میر صاف دل کی سوزش کو تسکین نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ جب تک ان مقاصد کو کھمانہ جائے لوگوں کو پورا فائدہ اور عام نفع نہ ہوگا۔

پس میں نے خدائے بے نیاز سے مدد لیتے ہوئے اس رسالہ کی تصنیف شروع کر دی الخ حضرت مجدد کا یہ رسالہ ماشاء اللہ مذہبِ اہل سنت کے لیے ایک محققانہ دستاویز ہے۔ جس میں مطاعنِ شیعہ کا پورا پورا ابطال کر کے خلفاءِ اعظام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فضیلت اور حقانیت واضح کر دی گئی ہے۔ خصوصاً مشاہیرات صحابہ کرام کے باہمی جھگڑوں کے مسئلہ کو حضرت مجدد اس طرح صاف کرتے ہیں کہ کسی صاحبِ شعور اور اہل ایمان کے دل میں کسی صحابی سے کوئی بدظنی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں :- ”وَسئَلُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُبَارِکِ وَ کَفَاکَ بِہٖ جَلَالۃٌ وَعِلْمًا اِیْہِمَا اَفْضَلُ مَعَاوِیَۃِ اَوْ عَمْرِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ فَسَقَالَ الْعُبَّارِ الذِّیْ دَخَلَ الْاَفْتِ فَرَسَ مَعَاوِیَۃَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خَیْرًا مِّنْ عَمْرِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ کَذٰلِکَ اَمْرًا۔“ اشارۃ بذلت الی ان فضیلة صحبۃ ورویتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یعد لہا شیءٌ وھذا فی غیر اکابر الصحابة رضوان اللہ علیہم ممن لم یضم الہم بجزء رویتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فما بائت فی من ضم الیہا انہ قاتل معہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او فی منہ با مرآ او نقل شیئا من الشریعة الی من بعدا او انفق شیئا من مالہ بسبہ فھذا مما لا یمکن ادراک فضلہ ، و تشک نیست . کہ شیخین از اکابر صحابہ اند بلکہ افضل ایشان۔ پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشان موجب کفر و زندقہ و ضلالت باشد و فی المعیط لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز الصلوٰۃ خلف الرافضة لانہم انکروا اخلافة الصدیق وقد اجتمعت الصحابہ علی خلافته و فی الخلاصة من انکروا خلافة الصدیق فانہ کافر۔ (رَدُّ الرَّوَاْفِیِّ ص ۱۰۱) حضرت

عبداللہ بن مبارک تابعی دین کو بڑا علم و مرتبہ حاصل ہے) سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جس گھوڑے پر حضرت معاویہؓ سوار ہوئے ہیں۔ اس گھوڑے کے تھنوں کا عُبَّار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے۔ آپ نے اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، اور یہ فضیلت کا برصاحبہ کے علاوہ اُس صحابیؓ جو حاصل ہے جس کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ پس اُن صحابہ کی کتنی بلند شان ہوگی جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے یا حضور کے حکم سے حضور کے زمانہ میں جنگ کی ہے، یا حضور سے انہوں نے شریعت کی کوئی بات بعد والوں کو پہنچائی ہے یا حضور کی وجہ سے اپنے مال میں سے خرچ کیا ہے، تو اُن کی فضیلت کا ادراک ہمارے لیے ناممکن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ بلکہ اُن سب سے افضل ہیں۔ پس اُن کی تکفیر کرنا بلکہ اُن کی تنقیح کرنا کفر، زندیقیت اور کراہی کا موجب ہے۔ اور امام محمدؒ کی محیط میں ہے کہ رافضیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر ہیں، اور تحقیق آپ کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجتماع ہو چکا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہے وہ کافر ہے (اصلاً)

مقامِ عبرت

ایک وہ دور تھا کہ مجددِ اعظم مذہبِ اہل سنت کے تحفظ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے پُر جوش دفاع کرتے اور اس کو اپنی زندگی کا مقدس نصب العین سمجھتے تھے، اور ایک موجودہ دور ہے کہ اکابر علماء جو تفسیر و حدیث میں ایک علمی مقام رکھتے ہیں، سنی و شیعہ مسائل حل کرنے اور صحابہ کرام کی طرف سے تحریر و تقریر میں دفاع کرنے کو اپنے علوی مقام کے منافی سمجھتے ہیں، الا ماشاء اللہ بلکہ حُبِّ صحابہ اور بُغضِ صحابہ کے بنیادی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک متحدہ مذہبی پلیٹ فارم قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لڑکے سے دو لیتے ہیں!

حضرت مجددِ العتباتی کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو اللہ تعالیٰ نے خاندانِ ولی اللہی تجددِ دین کی نعمت عطا فرمائی، اور آپ کا سارا خاندان ہی تحفظِ مذہبِ اہل سنت

کی یادگار بن گیا۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف ”جواب استنقصاء الافحام“ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ :- جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے دورِ آخر میں ایرانیوں کے تعلقات کے سبب سے رخص کا اثر نمایاں ہوا، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ (قاضی، نور اللہ شوستر نے تفسیر کر کے جہانگیر بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے قاضی کا عہدہ پایا۔ اور بزورِ حکومت خفیہ خفیہ ایسی ناجائز کارڈیا کیا کہ اس اثر کو قوت پر قوت پہنچی گئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ فتنہ رخص مستقل طور پر ہندوستان میں قائم ہو گیا اس وقت رحمت الہی نے دہلی کے ایک مقدس خاندان کو مجملہ اور عظیم الشان خدمات دینے کے، فتنہ رخص کے مقابلہ کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ شیخ حضرت مولانا ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ”ازالة الخفا“ تصنیف فرمائی۔ جس کے متعلق علامہ لکھنوی (یعنی حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی) اپنی شرح ”موطا“ میں لکھتے ہیں :- کتاب عظیم التظہیر فی بابہ (یہ کتاب اپنے موضوع میں بے نظیر ہے) پھر انہوں نے دوسری کتاب ”قوة العینین“ بھی لکھی اور حق یہ ہے کہ انہوں نے حجۃ اللہ قائم کر دی (رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اتباعہ و موالیہ) اور ان کے بعد ان کے خلف الصدق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ”تحفہ اشاعشوع“ تصنیف کی۔ جس نے دنیائے تشیع کو زبردست کر دیا۔

۳۱۱۰، مجتہدین شیعہ کی عروں کا بہترین حصہ تقریباً ایک صدی تک اُس کے جواب میں صرف ہوتا رہا مگر اب بجاے نبردند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز کے بعد اُن کے شاگردوں کا دور آیا۔ مولانا رشید الدین خان علیہ الرحمۃ نے ”عزۃ الراشدین“ ”شوکتِ عمریہ“ اور ”ایضاح لطافة المقال“ تصنیف فرمائیں، اور مولانا امراؤ علی صاحب کالمپوی نے ”دجوم الشیاطین رد نزهت کشمیری“ لکھی اور مولانا سیف اللہ بن اسد اللہ ملتانی نے ”تنبیہ السفیہ“ مولوی دلدار علی مجتہد کی کتاب ”صوام“ کے جواب میں لکھی، اور مولانا شاہ سلامت اللہ کانپوری نے ”معرکۃ الامراء“ تصنیف فرمائی اور مولانا حیدر علی صاحب نے تو سب سے بڑھ کر کام کیا، ان کی دو مکتوبات مطبوعہ وغیر مطبوعہ کے علاوہ ”منتہی الکلام“ اور ”ازالة العینین“ میں دو کتابیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں کے قائم مقام ہیں۔ بقول مصنف ”آیاتِ بینات“ مرحوم کے مولانا حیدر علی کے نام سے شیعوں کے بدن پر لڑ رہے طاری ہو جاتا ہے۔ مولانا حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں مذکورہ بالا کتابوں میں سے ”منتہی الکلام“ نے زیادہ زلزلہ

بر پاکیا۔ ہندوستان سے لے کر ایران تک تمام مجتہدین شیعہ کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی جس کی بڑی وجہ تو اس کتاب کے دلائل و براہین کی قوت و شوکت اور مصنف کی نظر و تبحر کی وسعت ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ علامہ حکیم سبحان علی خان شیعہ رکن مصلحت اور دہ نے جن کے جواب میں ”مندیہ الکلام“ تصنیف ہوئی۔ اپنے خاص خاص دوستوں کو خطوط لکھے اور ان خطوط میں اس کتاب کی لاجوابی کا اعتراف کیا اور اپنی عاجزی اور پریشانی کا رد نام دئے ہیں۔ یہ خطوط بتائید غیبی حضرت مولانا حیدر علی صاحب کو مل گئے جن کو انہوں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں چھپوایا۔ نام اس رسالہ کا ”رسالة المکاتیب فی رویة الثعالب والغرابیب“ ہے الخ

کتاب ”آیات بیانات“

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤئی نے ”آیات بیانات“ کے مصنف کا جو ذکر فرمایا ہے تو وہ مصنف نواب حسن الملک مولانا سید محمد مہدی علی خان صاحب بہادر منیر نواز جنگ و معتمد پولشکل و فنانس ریاست حیدر آباد ہیں۔ جو پہلے شیعہ عالم تھے اور بعد میں مذہب اہل سنت اختیار کر لیا۔ رو شیعیت میں ان کی یہ کتاب لاجواب ہے جو دو جلدوں میں دارالاشاعت کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

اکابر دیوبند کی خدمات جلیلیہ

دہلی سے اکابر اہل سنت کا مرکز دیوبند میں منتقل ہو گیا اور اکابر دیوبند نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنے دور میں مذہب اہل سنت کا بہت زیادہ تحفظ کیا۔ اور درس حدیث میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو احادیث کی روشنی میں راجح ثابت کرتے رہے۔ جہاں ان حضرات اکابر نے دوسرے مذہبی و ملی فتنوں کا اسناد کیا وہاں فتنہ رافضی سے بھی غافل نہیں رہے اور اس پہلو سے مذہب اہل سنت کی حقانیت اور برتری کا لوہا منواتے رہے ہیں چنانچہ حجیر الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک شیعہ مجتہد مولوی عمار علی صاحب کے سوالات کے جواب میں ۱۲۸۳ھ میں کتاب ”ہدیت الشیعہ“ تصنیف فرمائی جس میں مسئلہ خلافت کے علاوہ مسئلہ فدک کے موضوع پر مدلل بحث کر کے اہل سنت کے موقف کی حقانیت ثابت فرمائی یہ کتاب حضرت نانوتوی کے وہی علوم کا ایک بزمین مظهر ہے۔ (۲) ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد دای بن مرزا علی صالح لکھنؤئی نے ایک مطبوعہ اشتہار میں دس سوالات شائع کر کے علمائے اہل سنت سے جواب طلب کیا تھا، تو حضرت

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ ”الاسئلة الخاملة فی الوجود الکاملة“ مؤلفہ ۱۲۸۸ھ شائع کیا۔ جس میں شیعہ مجتہد کے سوالات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ (۳) شیعہ مجتہد کے اسی اشتہار کے جواب میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گناوی قدس سرہ نے بھی ایک کتاب ”ہدایات الشیعہ“ تصنیف فرمائی۔ جس میں مسئلہ خلافت وغیرہ پر محققانہ بحث کر کے شیعہ اعتراضات کا مکمل البطل کر دیا ہے۔ (۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسئلہ خلافت پر دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ”ہدایات الرشید الخ افحام العنید“ اور ”مطرقۃ الکرامہ علی موائۃ الامامہ“ پہلے آپ نے ”ہدایات الرشید“ لکھی جو مسئلہ خلافت و امامت پر مفصل کتاب ہے، اس کے بعد ”مطرقۃ الکرامہ“ تحریر فرمائی جو کہ تقریباً اس کا خلاصہ ہے لیکن بہت جامع کتاب ہے جس میں کتاب اللہ اور کتب روافض سے خلافت خلفاء ثلاثہ کو ثابت کیا ہے۔ (۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو تو تحفظ ناموس صحابہ کا اتنا احساس تھا کہ لکھنؤ کی مدح صحابہ ایچی ٹیشن میں براہ راست حصہ لیا اور دیوبند سے ایک دستہ رضا کاروں کا لے کر گرفتاری کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، اور آپ نے ان حالات میں مدح صحابہ کے وجوب پر مدلل مضامین شائع کیے چنانچہ سیکرٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہ لکھنؤ کے نام حضرت کا مکتوب، مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم کے مکتوب نمبر ۶۱ میں شائع ہو چکا ہے۔ جس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مدح صحابہ کے وجوب کی دوسری وجہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں:-

”علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے نہ صرف بدظنی پھیلانی جاتی ہو بلکہ اَشْهَدَانَّ عَدِيَّتًا وَصِيَّ رَسُولِ اللَّهِ وَخَلِيفَتَهُ بِإِلْفَضٍ بِأَوَازِ بلند اذان میں کہا جاتا ہو۔ نیز امام باڑوں، مجلس خاصہ اور خصوصی مساجد میں ان کی طرف غلط اور جھوٹے اہانت آمیز واقعات منسوب کیے جاتے ہوں اور عوام سنیوں کا سننا اور شریک ہونا اور غلطی میں پڑنا ممکن ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظ عقائد کے لیے ایسی مجالس کا منقذ کرنا جن میں صحابہ کرام کے صحیح واقعات ذکر کئے جاتے ہوں اور ان کی ثناء و صفت کی جاتی ہو، واجب ہے۔“

(ب) نیز اسی مکتوب میں فرماتے ہیں کہ: ”احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثناء و صفت ان سے

محبت رکھنے کی تاکید، اُن کی شان میں گستاخی کی مذمت، اُن کی تابعداری کرنے کا حکم، اُن کا ذکر بالآخر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لکچر دیتے ہوئے، خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثناء و صفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے (دیکھو دُرِّ مختار، شامی، عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۷۸) اس کو شعارِ اہل سنت و جماعت بھی قرار دیا ہے۔ (ج ۱) اسی مکتوب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ: ”مسلمانوں کے لیے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرات خلفائے راشدین کے کارنامے، اُن کی تعلیمات، اُن کے حالات زندگی سرچشمہ ہدایت ہیں اور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام انسانی دنیا کے لیے اُن کے کارناموں میں کھلی ہوئی صاف اور شہسری روشنی موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبار ”ہرویجین“ میں گاندھی جی نے گانگوسی وزیر کو زوردار الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنا طرز عمل حضرات شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بنائیں اور مومنین اس کی خصوصی طور سے ہدایت کرنے ہیں اور اسی بنا پر سیرت فاروقی (رضی اللہ عنہ) کو فرانس کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں داخل نصاب کر دیا گیا ہے۔“

مشاجرات صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی جھگڑوں کے پیش نظر افضی اور خابئی مقام صحابہ نہ سمجھنے کی وجہ سے راہِ حق سے دُور ہو گئے، اور اہل سنت نے اس مسئلہ میں صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مفصل مکتوب حضرت علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی جنگ کے بارہ میں مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں مکتوب نمبر ۸۸ قابل استفادہ ہے۔ اس مکتوب میں حضرت نے مزید کے متعلق بھی بحث کی ہے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے مضامین کے اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔

صحابہ معیارِ حق ہیں

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے باطل نظریات کی تردید میں بھی حضرت نے باوجود اپنے دیگر مشاغل کثیرہ کے خصوصی توجہ فرمائی ہے، اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر اپنی زندگی کے آخری مبارک لمحات میں زیادہ زور دیا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مودودی

میں حضرت نے ایک مستقل رسالہ ”مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت“ تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں عصمتِ انبیاء اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر محققانہ بحث فرما کر مودودی ضلالت کی قلعی کھول دی ہے۔ حضرت مدنی مودودیّت کو اہل سنت کے لیے ایک خطرناک فتنہ قرار دیتے ہیں اور مودودی جماعت کو اُن بہتر (۷۲)، چھٹی فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو ”الجمہیّت“ دہلی کا شیخ الاسلام نمبر)۔

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی

اس دور میں فتنہ رنض کی تردید میں تنہا امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی

قدس سرہ نے وہ کام کیا ہے، جس کا اثر انشاء اللہ عزیز صدیوں تک رہے گا۔ بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک عظیم تھے۔ جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مذہبِ اہل سنت کی علمی و استدلالی طور پر اس دور میں برتری ظاہر فرمائی۔ اہل تشیع کے بیسیوں مذہبی رسالوں کے جواب میں امام اہل سنت کا ماہنامہ ”النجم“ سالہا سال تک ہندوستان میں نور ہدایت پھیلاتا رہا۔ حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنی و شیعہ نزاعی مسائل میں قیابہ موضوع پر محققانہ رسائل تصنیف فرمائے ہیں، اور قرآن مجید کی متعدد آیات مثلاً آیت تبلیغ، آیت تطہیر، آیت المودۃ فی القرنی، آیت مباہلہ، آیت معیت، آیت قتال مرتدین اور آیت استخلاف وغیرہ کی اس طرح مثل اور نفس شرح فرمائی ہے کہ اہل شعور و انصاف آدمی مذہبِ اہل سنت کی حقیقت تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اہل سنت متنبین و مناظرین کے لیے حضرت امام اہل سنت کے ان رسائل میں نہایت محققانہ مواد موجود ہے۔

کاش! کہ اہل سنت کا کوئی ادارہ ان رسائل کی طباعت و اشاعت کا انتظام کر کے مذہبِ اہل سنت کے تحفظ کا عظیم کارنامہ سرانجام دے دیتا! جس کا فیضان مابعد کی آنے والی نسلیوں تک جاری رہتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام اہل سنت مرحوم صرف ایک مبلغ و مناظر اور مصنف و اہل قلم ہی نہ تھے، بلکہ آپ علم و عمل اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ نے مذہبِ اہل سنت کے تحفظ اور خلفائے راشدین اور اہل بیت پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زبان و قلم سے دفاع کرنے کا جو فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اس میں آپ کی شخصیت اس دورِ آخر میں نظیر ہے۔ اس فن میں اکابر علمائے دیوبند کو امام اہل سنت پر پورا پورا اعتماد تھا اور اکابر علماء و مستأخروں کو کون ان مسائل

میں آپ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شیعوں کے اس الزام کے متعلق عرض کیا کہ: ”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت طاہر الزہراء کا گھر جلانے کا ارادہ کیا تھا۔“ البیاض باللہ! تو حضرت تھانوی نے اس کو جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ: ”اس کا جواب مجھے اچھا مولوی عبدالشکور صاحب مدرس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امر دہر ضلع مراد آباد دیں گے۔“ (”النجم“ ماہ شعبان ۱۳۴۱ھ ص ۱۰۰)۔

اس پتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا لکھنوی کا یہ ابتدائی دور تھا کیونکہ بعد میں تو آپ نے لکھنؤ کو اپنا مستقل مرکز بنا لیا تھا، اور فقہِ رُفُض کے رد میں آپ کی شخصیت بہت نمایاں ہو گئی تھی۔ ذِکْرُ فَضْلِ اللَّهِ لِيُؤْتِيَهُ مِن تَشَاءِ -

ہزاروں سال نرس اپنی بے نوری پر روتی ہے! بڑی مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ و دریدہ! پنجاب میں فقہِ مرزائیت اور فقہِ رُفُض کے استیصال میں میرے والد صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دسیر قوم اعوان ساکن جھین تحصیل چکوال ضلع جہلم، نے اپنے دور میں جس ہمت اور استقامت سے کام لیا ہے اس کی نظیر بھی نہیں مل سکتی جناب والد صاحب مرحوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص ذکاوت عطا فرمائی تھی اور حاضر جوابی کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ بڑے بڑے شیعہ مناظرین آپ کے سامنے میدان مناظرہ میں لاجواب ہوتے۔ مولانا مرحوم کی تصنیف ”آفتابِ ہدایت“ سنی و شیعہ نزاعی مسائل میں ایک یادگار کتاب ہے جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ عام فہم اردو میں ایسی جامع کتاب غالباً شائع نہیں ہوئی۔ حضرت مرحوم کی ایک اور مختصر کتاب اس موضوع پر ”رسائل ثلاثہ“ بھی ہے جو اب نایاب ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی مسلک بریلویت کے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم نے بھی ہندوستان میں فقہِ رُفُض کے انسداد میں بہت مؤثر کام کیا ہے، اور روافض کے اعتراضات کے جواب میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بحث ماتم کے دوران مولانا بریلوی کے فتاویٰ نقل کیے جا چکے ہیں۔ منکرین صحابہ کی تردید میں ”رد الزمہ“۔ ”رد تعزیرہ داری“ اور ”الادلة الطاعنة في اذات الملائكة“ وغیرہ آپ کے یادگار رسائل ہیں۔ جن میں سنی شیعہ نزاعی پہلو سے آپ نے مذہبِ اہل سنت کا مکمل تحفظ کر دیا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس فرقہ حقہ اہل سنت کی ایک

موجودہ دور اور اہل سنت کی عمومی غفلت

عظیم الشان اسلامی تاریخ ہے۔ جنہوں نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حقوق کی ہمیشہ حفاظت کی ہے، اور ارشاد نبوی مَا أَنَا عَلَيْكُمْ وَاصِحَاكِي کی روشنی میں امت کو صراطِ مستقیم پر چلایا ہے۔ آج اُس کے افراد عموماً غافل ہیں اور یہ امر اور بھی زیادہ تشویشناک ہے کہ اہل سنت کا مذہبی طبقہ بھی بحیثیت سنی ہونے کے سرگرم عمل نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج بھی کتاب و سنت کا علم و عمل سنی علماء و مشائخ کی کوشش سے باقی ہے، اور پاکستان میں بھی سینکڑوں ہزاروں دینی مدارس انہی کی مساعی سے قائم ہیں۔ جن سے ہر سال سینکڑوں علماء و حفاظ سند فراغت حاصل کرتے ہیں۔ مبلغین و مقررین اور معلمین و مدرّسین بکثرت ہیں۔ لیکن وہ دینی روح دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے اور خلوص و لٹہیت میں کمی آرہی ہے، اور علمی و دینی خدمات عموماً بحیثیت ملازمت سرانجام دی جاتی ہیں۔ سلف صالحین اور علمائے ربانیین کے طریق پر ایسے علماء و مبلغین کی کمی ہے۔ جن کی زندگی کا مقصد صرف تبلیغ و تحفظِ دین ہو خواہ اُن کی تنخواہ زیادہ ہو یا کم یا ان کو تعلیم دین پر کچھ بھی معاوضہ نہ ملے تو پھر بھی وہ اپنا دینی فریضہ سمجھ کر محض متوکلّاً علی اللہ تعلیم و تبلیغ دین میں مشغول ہیں۔

(۲) تعلیم و تبلیغ دین بھی بحیثیت اہل سنت کم کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے علماء بھی عموماً خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے دلائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور نہ ان کو وہ آیات یاد ہوتی ہیں۔ جن سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل الایمان اور جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ شیعہ معترضین کا جواب دینے کی اہلیت نہیں رکھتے اور صحاحِ سننہ پڑھنے کے باوجود ان احادیث کو حل نہیں کر

سکتے، جن پر شیعہ علماء اعتراضات وارد کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ کتب حدیث حنفی، شافعی، حنفی، مسائلی کے پیش نظر تو پڑھائی جاتی ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر کسی کئی دن بھی صرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن سنی و شیعہ نزاعی مسائل کو دورانِ درس بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی محنت نہیں کی جاتی۔ ترجمہ و تفسیر قرآن میں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے۔ اس لیے فارغ التحصیل ہو کر سنی نوجوان علماء کو اگر کسی شیعہ مناظر سے بحث کرنی پڑ جائے تو وہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اور وہ اس نزاعی پہلو سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔ الا ماشاء اللہ، اور اس کو اگر اس کمزوری کا احساس ہو جائے تو پھر اس کو اس کے لیے مستقل محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن برعکس اس کے اہل تشیع میں سے معمولی علم والے لوگ بھی شیعہ استدلالات اور مذہب اہل سنت اور خلفاء و صحابہ کرام پر اعتراضات یاد کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا پڑھنا اور پڑھانا شیعہ مذہب کی تبلیغ و تحفظ کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اُن کے علماء و مجتہدین کی تقریر و تحریر سب شیعیت کے فروغ کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک تعجب خیز امر ہے کہ علمائے اہل سنت میں سے جو حضرات علوم کتاب و سنت میں جتنا بلند مقام رکھتے ہیں وہ سنی و شیعہ نزاعی مسائل کو تقریر و تحریر کے ذریعہ حل کرنا ضروری نہیں سمجھتے، اور اپنی تعلیمی و تدریسی زندگی کو ان مباحث سے بالکل فارغ رکھتے ہیں۔ بلکہ اب تو ذہنی تنزل کا یہ حال ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ اُن کے حلقوں میں اہل سنت و الجماعت کے نام کی عظمت و اہمیت بھی نہیں بیان کی جاتی اس لیے عوام سنی مذہب کی حقانیت سے دن بدن غافل ہو رہے ہیں۔ وَرَبِّی اللّٰهُ الْمُسْتَعْتَبُ

مولانا محمد اسحاق صدیقی کا دردمندانہ پیام | پاکستان کے اکابر علمائے اہل سنت میں سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی

سندیلوی سابق مہتمم و شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پٹواری کے مدرسہ اسلامیہ نیوٹاون کراچی ۵۔ میں استاذ الحدیث ہیں۔ سنی مسلمانوں کے تنزل کا ایک خاص احساس رکھتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ کی مساعی کا محور مذہب اہل سنت ہی ہے۔ بمقام مجتہدین چکوال "خدایم اہل سنت" کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقدہ ۲۰-۲۱ محرم ۱۳۹۲ھ مطابق ۷-۸ مارچ ۱۹۷۲ء کے موقع پر آپ نے جو دردمندانہ پیغام سنی مسلمانوں کے نام تحریر کیا تھا وہ افادہ عام کیلئے

میں درج کیا جاتا ہے۔

"ایک دل شکستہ کا پیام، اپنے سنی بھائیوں کے نام"

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ وَآلِهِ وَارْوَاهُ وَذُرِّيَّتِهِ اَجْمَعِيْنَ ط
اقابلہ! سنی بھائیو! الحمد للہ کہ آپ ہم سب مسلمان ہیں، مگر مسلمان ہونے کے دعویدار کچھ اور گروہ بھی ہیں شیعہ بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں اور قادیانی بھی اور بھی اسی قسم کے تدعیان اسلام موجود ہیں۔ جو اسلام کی الگ الگ تشریح و تفسیر کرتے ہیں تو کیا آپ کے نزدیک ہر ایک گروہ کی تشریح صحیح ہے؟ اور کیا ان میں سے ہر مذہب سچا ہے؟ اگر معاذ اللہ ایسا ہے تو اہل سنت کا امتیاز ہی کیا باقی رہ جاتا ہے اور اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ متناقض باتیں بھی ایک ساتھ صحیح ہو سکتی ہیں۔ تو یا معاذ اللہ توحید بھی صحیح ہے اور شرک بھی، اس کا قائل تو کوئی باطل ہی ہو سکتا ہے۔

"سنی" ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ہم اسلام کے اسی فرقہ کی تشریح کو صحیح سمجھتے ہیں۔ جس کا نام اہل سنت و الجماعت ہے اور اس کے علاوہ جتنی تشریحات کی گئی ہیں انہیں بالکل باطل سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہی ہے کہ اسلام صرف اس دین کا نام ہے جسے نبی اکرم، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کر تشریف لائے اور جو صحابہ کرام کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا۔ ہم کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا لقب اہل سنت و الجماعت ہے، ہمارا ہی دین حق ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ ادیان و مذاہب بالکل باطل ہیں۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ اگر آپ عالم ہیں تو اپنے نفس سے سوال کیجئے اور اگر عالم نہیں ہیں تو علمائے اہل سنت سے پوچھیے کہ کیا اسلام کی حفاظت و اشاعت فرض نہیں ہے؟ اور جب صحیح معنی میں اسلام صرف مسلک اہل سنت کا نام ہے تو کیا مسلک اہل سنت کی حفاظت و اشاعت اور اس کی امتیازی خصوصیات کا اظہار و انتصار شرعاً فریضہ لازمی نہیں ہے؟

آپ حفاظتِ اسلام کے نعرے لگاتے ہیں مگر اس کی تشریح نہیں کرتے۔ بغیر تشریح کے ہم اسلام کا مفہوم کیا سمجھیں؟ شیعیت، قادیانیت، پرویزیت وغیرہ مذاہب باطلہ کی اشاعت و ترویج کلم کھلا ہو رہی ہے اور سنی مذہب کو مٹانے کی کوشش شباب پر ہے۔ مگر ہمارے سنی بھائیوں کی غفلت لائق عبرت ہے، اُن کے کان پر

جوں تک نہیں رہتی۔ عوام تو کالافعام ہیں ہی، علمائے کرام بھی نافل بلکہ بے حس ہیں۔ عوام کو علمائے پوچھنا چاہیے کہ کیا آپ سنی عالم نہیں ہیں؟ اور اگر ہیں تو کیا سنی مذہب کی تعلیم و ترویج اور نصرت و حمایت آپ پر فرض نہیں ہے؟ اور آپ کی اس غفلت کے بارے میں آپ سے قیامت کے دن باز پرس نہیں ہوگی؟ آپ ہمیں مذہب اہل سنت کی خصوصیات و امتیازات اور اُس کی حقانیت کے دلائل۔ اس کے مخالفین کے مغالطوں کے جوابات کیوں نہیں بتانے اور دشمنانِ اہل سنت کے مکائد سے کیوں نہیں آگاہ کرتے۔ اسی طرح سنی سیاسی لیڈروں سے پوچھئے! کیا آپ سنی نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا سنیوں کے حقوق کی حفاظت آپ پر فرض نہیں ہے؟ آج پورے پاکستان میں اہل سنت کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ باوجودیکہ وہ اغلب اکثریت میں ہیں مگر ہمارے سنی سیاسی لیڈر، جن میں علماء بھی ہیں سمرہ درگلو ہیں اور کسی کے گلے سے اس ظلم کے خلاف آواز نہیں نکلتی۔ **فَاَللّٰهُ الْمُسْتَكِي**۔ اگر ہمارے غفلت کا یہی عالم رہا تو اندیشہ ہے کہ خدا نخواستہ پاکستان سے اسلام رخصت ہو جائے۔ یعنی مسلک اہل سنت و الجماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ العیاذ باللہ۔ اس لیے بہت جلد ہوش میں آنا چاہیے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ فَطَّمَّ وَالسَّلَام

محمد اسحاق صدیقی عفی اللہ عنہ

اے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی موصوف نے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ کے جواب میں ایک محققانہ کتاب بنام ”اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت“ لکھی ہے۔ جو پاکستان میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی کتاب کا ایک حصہ ”تجدید سیاست“ کے نام سے ۱۹۶۵ء میں جمعیت علماء اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ مودودی صاحب نے ”خلافت و ملوکیت“ میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ پر جو مطعن وارد کیے ہیں، حضرت مولانا موصوف نے ”اظہار حقیقت“ میں علمی طور پر مکمل ابطال کر دیا ہے۔

خدایا اہل سنت میدان عمل میں

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب موصوف نے سنی علماء کی غفلت کا جو شکوہ کیا ہے یا راقم الحروف نے جو کچھ پہلے عرض کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام سنی علماء پاکستان میں غفلت شعار ہیں اور کسی نے مذہب اہل سنت کے تحفظ میں کچھ نہیں کیا۔ بلکہ یہ عوام و خواص کی عمومی غفلت کے متعلق درد مندانہ شکوہ ہے ورنہ متعدد علماء اس موضوع پر تقریری و تحریری خدمات سر انجام دیتے رہتے ہیں۔ قریباً ۳۵ سال سے ”تنظیم اہل سنت“ کے نام سے علماء کی ایک جماعت کام کر رہی ہے جن میں حضرت مولانا دوست محمد قریشی مرحوم و مغفور، حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری اور مناظر اہل سنت حضرت مولانا جانا عبد الستار صاحب تونسوی (موجودہ صدر تنظیم اہل سنت پاکستان) کی اہم تحریری و تقریری خدمات ہیں تنظیم اہل سنت میں اور بھی نوجوان مقررین کام کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالستار صاحب تونسوی قریباً سارے سال تبلیغی دورہ پر رہتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ سنی و شیعہ نزاری مسائل میں بہت کامیاب مناظر ہیں حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری (چوکیروی) مصنف ”تحقیق فدک“ نے فتنہ رافضی کے انسداد میں بڑا کام کیا ہے۔ آخر عمر میں آپ کے دل میں یہی تڑپ تھی کہ خلفاء و اصحاب بالخصوص یا راقم انام اول حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل و مناقب ہر سنی مسلمان کے سینہ میں جم جائیں۔

علامہ خالد محمود صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر ایم۔ اے۔ او کالج لاہور (جواب پی۔ ایچ ڈی ہیں اور لندن میں مقیم ہیں) نے اپنی خداداد ذکاوت اور علمی وسعت سے مذہب اہل سنت کے تحفظ کا فریضہ تحریری اور تقریری طور پر بہ طریق احسن سر انجام دیا ہے۔ دارالعلوم مکیہ شریف ضلع جھنگ میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی شخصیت اہل سنت کے لیے باعث افتخار ہے۔ جو سنی شیعہ مسائل میں اچھی دسترس رکھتے ہیں اور اب آپ ایک مفصل کتاب ”دُحْمَاءُ بَيْنَهُمْ“ لکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام علماء کی خدمات کو شرف قبولیت بخشیں۔ آمین، لیکن حضرات علماء کی ان مساعی کے باوجود اہل سنت کا جماعتی کام ترقی پذیر نہیں ہو سکا۔ لہذا ایک ایسی تحریک کی ضرورت تھی جو سنی مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے حقوق کی آواز بلند کرے، اور تحریر و تقریر اور جماعتی قوت سے تحفظ مذہب کے معنی ”اصحاب فی الکتاب“ اور ”عادلانہ و نافع“ (رد مودودی) وغیرہ

اہل سنت اور صحابہ کرام کی طرف سے مؤثر دفاع کا محاذ قائم کرے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر احباب کے مشورہ سے ”مجلس خدام اہل سنت والجماعت“ کے نام سے ایک جماعت بتاریخ ۲-ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء قائم کی گئی تھی جن کا بعد میں ”تحریک خدام اہل سنت“ نام رکھا گیا۔ خدام اہل سنت کا کام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کے خلیفہ عظیم مخدوم العلماء والشکھار حضرت مولانا سید پیر خورشید احمد شاہ صاحب ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان کی تائید و تصویب کے بعد شروع کیا گیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت کی سرپرستی قبول فرمائی تھی اور اس کے قیام پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت پیر صاحب کا گرامی نامہ

حضرت پیر خورشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطوط میں بھی ”خدام اہل سنت“ کی تحسین فرمائی ہے۔ چنانچہ حافظ عبد الوحید صاحب حنفی نائب ناظم دفتر خدام اہل سنت چکوال نے اپنے عریضہ میں تیسری سالانہ ”سٹی کانفرنس“ ہمیں کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ تو حضرت پیر صاحب نے جواب میں حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا تھا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت طرفین مطلوب۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیاب فرمائے، اور حضرت سیدی مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی اٹھائی ہوئی تحریک ”خدام اہل سنت والجماعت“ کو مقبول فرمائے، اور سنی مسلمانوں کو اس میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائے اور خلوص سے خدمت دین میں کی تمام مسلمانوں کے دل میں زندہ فرمادے۔ اللہ تعالیٰ تمامی مذاہب باطلہ مرزائیت، مودودیت، پروردیت، نیچریت جیسے فتنوں سے بچا دے اور مرزائی اور رافضیوں کے اقتدار سے جمیع مسلمانوں کو محفوظ رکھے، آمین اور قدیمی لقب ”اہل السنۃ والجماعت“ کو آپ حضرات پر چسپاں فرمادے اور سلف صالحین کے مبارک قدموں پر چلا دے اور آپ کی ”سٹی کانفرنس“ کو اللہ تعالیٰ کامیاب فرمادے اور باغ و بہاراں بنا دے۔ سجدت اقدس و الحمد

والکرم، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کو السلام علیکم عرض کریں اور خاتمہ بالایمان کی میرے لیے درخواست کریں۔ والسلام علی من اتبع الهدی - ۲-۲-۲۲

(نوٹ)۔ حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے خدام اہل سنت احقر مظہر حسین غفرلہ کے لیے، جو الفاظ لکھے ہیں یہ حضرت کی اپنی تواضع اور چھوٹوں پر شفقت کا نتیجہ ہیں ورنہ، من آنم کہ من دانم۔

تحریک خدام اہل سنت کا دورہ سنی کنونشن بتاریخ ۱۵-۱۶ شعبان ۱۳۹۲ھ

خدام اہل سنت کنونشن لاہور

مطابق ۲۳-۲۵ ستمبر ۱۹۶۷ء (لاہور) میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں باوجود ضعف و نقاہت کے حضرت پیر صاحب قدس سرہ تشریف لائے تھے، اور اپنی پُر لطف روحانی تقریریں مسلمانان اہل سنت کو ”خدام اہل سنت“ میں کام کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی تھی۔ بہر حال مذہب اہل سنت کی تبلیغ و تحفظ کے لیے تحریک ”خدام اہل سنت“ اپنا کام کر رہی ہے۔ اہل سنت کے نام سے ہی تبلیغی جلسے اور تبلیغی دورے مختلف مقامات میں رکھے جاتے ہیں، اور اضلاع کے اہم مقامات پر ”سٹی کانفرنس“ بھی منعقد کی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں سنی لٹریچر کی بڑی ضرورت ہے، جس کی طرف ”خدام اہل سنت“ خصوصی توجہ دے رہے ہیں اور رسالہ ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے بعد یہ کتاب ”بشارت الدارین“ بالقبر علی شہادت الحسینؑ، بھی اسی سلسلہ تصنیف کی ایک کڑی ہے۔

الحمد للہ! چھوٹی بڑی تصنیفات جماعت کی طرف سے ہی شائع کی جاتی ہیں جس میں شخصی نفع کا حصول مقصود نہیں ہوتا۔ ہر سال ”سٹی کینڈل“ بھی خدام کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے جو الحمد للہ بہت مقبول ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ”سٹی اکیڈمی“ بھی قائم کی جائے گی جس کے ذریعہ سنی اہم

۱۔ طویل علالت کے بعد حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰-جمادی الاولیٰ ۱۸۹۳ھ مطابق ۱۲-جون ۱۹۶۳ء انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِہٖ رَاجِعُوْنَ طحق تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان سلمہم اللہ تعالیٰ کو آپ کی دینی و روحانی خدمات سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کے جاری کردہ دینی مدرسہ ”مخود العلوم“ کو ترقیات نصیب ہوں آمین۔ بجا اللہ النبی الکریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تصانیت کی اشاعت ہوتی رہے۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مذہبِ اہل سنت کے فروغ کے لیے ہر کام جماعتی حیثیت سے کیا جائے تاکہ ہر پہلو سے جماعتی نظم و نسق برقرار رہے اور سنی مسلمان اپنی اجتماعی قوت سے مذہبِ اہل سنت کو ہر فتنے سے محفوظ کر سکیں۔

حق چاریار

خدا مِ اہل سنت نے ”حق چاریار“ کے اعلان پر خاص زور دیا ہے اور الحمد للہ اس کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس کی افادیت کو اہل سنت محسوس کر رہے ہیں۔ گو سچ اٹھتا ہے ملک میں حق چاریار: مان لے جو اُس کا ہوگا بیڑا پار! یوں تو حضور خاتم النبیین، محبوب رب العالمین کے تمام اصحاب پیارے اور حقیقی ہیں لیکن اُن میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا درجہ چونکہ سب سے بڑا ہے اور انہی کو قرآنی خلافت موعودہ عطا ہوئی ہے۔ اس لیے خصوصیت سے ان حضرات کو مکرّمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ”چاریار“ کہا جاتا ہے۔ جن میں سے امام الخلفاء، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ، اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مزایا و نواہر میں قیامت تک کے لیے محبوب خدا رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگت اور یاری کا خصوصی شرف حاصل ہے، اور یہ وہی روضہ منقذہ ہے جو اہل سنت کے عقیدہ میں عرش و کرسی بلکہ خانہ کعبہ پر بھی فضیلت رکھتا ہے اور اکابر دیوبند نے بھی اس کی تفریح فرمادی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چاریار برحق، معیارِ حق اور قطعی جہتی ہیں۔ کسی کے بغض و انکار سے اُن کے مخلو مقام میں کمی نہیں آسکتی۔ لیکن اہل سنت موجود و دور میں چونکہ ان خلفائے راشدین یعنی چاریار کی عظمت و حقانیت کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم نہیں ہیں، اور دوسری طرف مخالفین و معاندین نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باہمی دشمنی کا بے بنیاد مذہب پر دوپیکند اٹھایا ہوا ہے۔ اس لیے عظمتِ خلفاء کے تحفظ کا ایک طریق یہ ہے کہ ”حق چاریار“ کے اعلانِ حق کو ملک میں عام کیا جائے۔ تاکہ سنی مسلمانوں کے قلوب ان چاریار کی عظمت و حقانیت سے پُرور اور مخالفین کی پھیلائی ہوئی ظلمتیں کا نور ہو جائیں اور یہ ضرورت اسی طرح کی ہے جس طرح کہ چوٹی

نبوت کے قادیانی فتنے کے انسداد کے لیے ”ناج و تخت ختم نبوت زندہ باد“ اور ”ختم نبوت زندہ باد“ کے اعلان (نعرہ حق) کو ہر مقام اور ہر ایسٹج پر پھیلا دیا گیا تھا۔ جس سے قادیانی نبوت کے دروہام رز نے لگ گئے اور آخر کار ”ختم نبوت زندہ باد“ کے اعلانِ حق نے آئینی طور پر پاکستان میں قادیانی نبوت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اگر وقتی تقاضا کے پیش نظر ”حق چاریار“ کا نعرہ بھی ملک میں ہر مقام اور ہر سنی ایسٹج پر گونجنے لگے تو انشاء اللہ تعالیٰ ”چاریار“ کی دھاک بیٹھ جائے گی اور خلافتِ راشدہ کا بھولا ہوا سبق ہر مسلمان کو یاد ہو جائے گا اور مسئلہ ختم نبوت کی طرح قومی اسمبلی میں ”تحفظ ناموس صحابہ“ کا قانون پاس ہو جائے گا اور کسی شخص کو بھی اصحاب و اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کی جرأت نہیں ہو سکے گی۔

”لفظِ یار“ کا مفہوم

عوام اہل سنت کی غفلت اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مخالفین یہ پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں کہ ”یار“ کا لفظ تو عیب دار ہے، صحابہ کس معنی میں یار ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”یار“ کے معنی میں کوئی عیب نہیں ہے۔ دوست، یار، رفیق ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ ”فیروز اللغات اردو“ میں ہے۔ یاراں، یار کی جمع، کچھ دوست + یارانہ، دوستی، آشنائی + یارِ غار، غار کا دوست، پیکار دوست + یاری، دوستی، مدد + مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحوم اردو کے مشہور شاعر، صحافی اور ادیب ہیں جن کا یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔

ہیں کرتیں ایک ہی مشعل کی بوکڑ و عمر عثمان و علیؓ ہم مرتبہ ہیں یار ان نبیؐ، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں یہاں مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے خلفائے اربعہ کو یار ان نبی قرار دیا ہے اور شعر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چاروں میں فضیلت و درجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ ان سب میں بڑا مرتبہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور بعد انبیائے کرام کے حضرت صدیق اکبر افضل البشر ہیں۔ شعر میں ان چاروں میں فرق نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شرف صحابیت میں سب برابر ہیں اور ہم سب کو مانتے ہیں۔ مثلاً انبیائے کرام میں بھی باہمی فضیلت

پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: - **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ**۔ یہ سب پیغمبر ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور یہ بھی قرآن مجید میں ہے کہ: - **لَا تَفْرُقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ سُلَيْمٍ**۔ ہم اللہ کے پیغمبروں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمام انبیاء کے کرام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، اسی طرح ہم تمام صحابہ کرام کو مانتے ہیں اور کسی صحابی کا بھی انکار نہیں کرتے البتہ ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

”فیروز اللغات اردو“ میں ہے۔ صاحب، دوست، مالک + صحابہ، صحابی اور صاحب کی جمع ہے صحبت دوستی۔ ساتھ مل بیٹنا + اور ”غیاث اللغات فارسی“ میں ہے: - صاحب بمعنی وزیر و یار +

صاحب اپنے یار ہم معنی ہیں

قرآن مجید میں بھی صاحب بمعنی رفیق اور یار استعمال ہوا ہے چنانچہ آیت غار میں ہے: - **ثَانِيِ اَشْتَكِيْنَ اِذْ هُمْ فِي الْغَارِ** اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورۃ توبہ رکوع ۶) (۱) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ یہ ہے: - ”جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔“ (دب) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں: - ”جب اپنے یار سے فرما رہے تھے، غم نہ کھا۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ (ج) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے: - ”دو ہیں نئے دوسرا تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر، بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔“ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس آیت میں صاحب رسول سے مراد حضرت ابو بکر ہی ہیں اور مولانا تھانوی نے صاحب کا ترجمہ ہمراہی۔ مولانا بریلوی نے یار اور مولوی مقبول لکھنے ساتھی لکھا ہے اور قرآن مجید میں صاحب رسول یعنی یار رسول صرف حضرت ابو بکر صدیق کو ہی فرمایا گیا ہے، اور چونکہ سفر ہجرت میں حضرت صدیق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفاقت اور سنگت کا شرف حاصل ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے غار کے تذکرہ میں آپ کو صاحب رسول فرمایا ہے اس لیے آپ کا

لقب ”یار غار“ مشہور ہو گیا، اور اسی گہری دوستی کی بنا پر دو گہرے دوستوں کو ”عارفین“ میں ”یار غار“ کہا جاتا ہے۔ (۲) قرآن مجید میں لفظ ولی بھی بمعنی یار اور دوست استعمال ہوا ہے چنانچہ پارہ ۲۶ سورۃ الفتح میں ہے: - **ثُمَّ لَا يَجِدُ دُونََ لِيَا وَ لِيَا وَ لَا نَفْسٍ اِوَاهٍ** (۱) ”پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار۔“ (ترجمہ مولانا تھانوی) (دب) ”پھر نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار۔“ (ترجمہ مقبول) تو آیت سے لفظ ولی بمعنی ”یار“ ثابت ہو گیا۔ ”حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد تاسم صاحب نانوتوی دیوبندی نے بھی ان چار خلفاء کو ”چار یار“ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کی بحث میں مولوی محمد ہادی صاحب شیبہ مجتہد کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: - ”خلفائے راشدین تو ان (یعنی اہل سنت) کے نزدیک پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسن علیہم رضوان اللہ تعالیٰ۔ گران کے خلیفہ راشد ہونے اور ان کے (یعنی دوسروں کے) نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اور سب ظالم ہی تھے (الاجوبۃ دکاملہ ۳۹ مطبوعہ دہلی)“

نوٹ۔ امام حسنؓ بھی خلیفہ راشد ہیں لیکن ان کی خلافت حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تتمہ ہے اور پھر آپ نے اپنی خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی۔ اس لیے مولانا علمائے اہل سنت خلفاء راشدین سے یہی ”چار یار“ مراد لیتے ہیں۔ پہلے اہل سنت کے نزدیک ان چار یار کی اتنی اہمیت تھی کہ عموماً سنی مساجد میں یہ شعر لکھا جاتا تھا۔

چراغِ مسجد و محراب و منبر! ابو بکر و عمر، عثمان و حذیفہ!

خطبہ جمعہ کا شعار

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مدح صحابہ کے دُجوب کے سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے ایک مکتوب گرامی سے خطبہ جمعہ میں خلفائے اربعہ (چار یار) کا ذکر کرنا شعارِ اہل سنت ثابت کیا ہے۔ حضرت مجددی علیہ الرحمۃ کے وقت میں کسی سنی خطیب نے خلفاء راشدین کا نام خطبہ جمعہ میں نہیں لیا تھا۔ تو اس پر حضرت نے حاکم وقت کو اس خطیب کو سرزنش کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا، اسی سلسلہ میں آپ کا یہ مکتوب ہے: - ”ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اگرچہ از شرائط خطبہ نیست ولیکن از شعارِ اہل سنت است (شکراً اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ) ترک نہ کند بعد و ترمز آں را اگر

کے کہ دلش مریض و باطنش خبیث۔ اگر فرض نکم کہ بتعصب عناد ترک نہ کردہ باشد وعید۔ "مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"۔ راہِ جوابِ خواہد گفت۔ این قسم گلی بدبو ازا بندائے اسلام تا این وقت معلوم نیست کہ در ہندوستان شگفتہ باشد۔ نزدیک است کہ ازین معاملہ تمام شہر متہم گردند: خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت کے شعار میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ ان کی کوشش کی قدر کرے۔ کوئی اپنے ارادے اور سرکشی سے اس کو نہیں چھوڑتا مگر وہ شخص جس کا دل بیمار ہو اور اس کا باطن خبیث ہو۔ اور اگر فرض کریں کہ تعصب اور عناد سے ترک نہ کیا تو وعید۔ "مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"۔ جس نے کسی قوم کی شباهت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔" کا کیا جواب

کہا جائے گا؟ اس قسم کا بدبو دار پھول ابتداءئے اسلام سے اس وقت تک ہندوستان میں کھلنا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن نزدیک ہے کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم ص ۱۸۱) ان "چار یار" کی نہ صرف عوام اہل سنت بلکہ سنی سلاطین کے ہاں بھی اتنی اہمیت اور عظمت تھی کہ بعض اسلامی حکومتوں کے مروجہ سکہ پر درمیان میں

اسلامی سکہ

کلمہ طیبہ۔ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" اور چاروں گوشوں میں "چار یار" کے نام کندہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ہم کو دو پڑانے سکے دستیاب ہوئے ہیں جن پر درمیان میں کلمہ اسلام اور اس کے چاروں طرف حضرات چار یار کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک سکہ کی دوسری جانب "شاہمان بادشاہ غازی" لکھا ہوا ہے منلیہ دور کے اس اسلامی سکہ کا نقشہ میاں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مسلمانان اہل سنت کو اپنے شاندار ماضی کا احساں ہو اور وہ سلاطین اسلام کے ملکی سکوں سے ہی سروکار نہ رکھیں۔ ان چار یار کی عظمت کا تحفظ کرنا سیکھ لیں۔ کلمہ اسلام کے ارد گرد خلفائے ربیعہ کا نام کندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چار یار کا تحفظ بھی ان حضرات کی عظمت و ناموس کے تحفظ کا ہے۔

پرموتوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم "خدا" کو اور ہر سنی مسلمان کو "حق چار یار" کا غلغلہ بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور پرچم خلافت راشدہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں بلند سے بلند تر ہوتا جائے۔ آمین! بجاہ النبی الکریم، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

پاکستان کا ایک عظیم تاریخی فیصلہ

(قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو کافر قرار دیدیا)

۲۹- مئی ۱۹۷۴ء کو رتبہ ریلوے اسٹیشن پر جناب ایکسپریس میں سفر کرنے والے نیشنل میڈیکل کالج ملتان کے ایک سو ستر نئے طلباء پر ہزاروں مرزائی غنڈوں نے زبردست جارحانہ حملہ کیا تھا جس سے غالباً ان کا مقصد اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے مسلمانان پاکستان کو مرعوب کرنا تھا۔ کیونکہ وہ پاکستان میں اپنی مستقل حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن خداوند ذوالجلال کے ہاں کچھ اور ہی مقدر تھا مرزائیوں کو کیا معلوم تھا کہ ان کا یہی ناپاک حملہ پاکستان میں ان کی آئینی موت کا سبب بن جائے گا اور باوجود دعویٰ اسلام کے قانوناً کافر قرار دیدیتے جائیں گے۔ مرزائیوں کے اس ظالمانہ اقدام نے پاکستان کے مسلمانوں کو جگا دیا۔ ختم نبوت کے شدید ایشیائی مشتعل ہوئے، حضور رحمتہ للعالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان حرکت میں آ گیا۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت نے طریق کار کے اختلاف کے باوجود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ایمانی و فاداری کا ثبوت دیا! احتجاجی جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے، گرفتاریاں ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے سارا پاکستان ختم نبوت کی ایک تحریک بن گیا اور بلا اختلاف متفقہ طور پر حسب ذیل مطالبات انتہائی جوش و خروش سے حکومت پاکستان کے سامنے پیش کیے گئے۔ (۱) مرزائیوں کو فادائی ہوں یا لاہودی (غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے (۲) ان کو کلیدی اسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔ (۳) رتبہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ ان مطالبات کے نتیجے میں حکومت پنجاب نے رتبہ کی سماعت کے لیے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا۔ رتبہ سے مرزائی پارٹی کے قریباً پچاسی (۸۵) سرکردہ افراد گرفتار کئے گئے۔ پولیس نے رتبہ پر چھاپہ مار کر "الفضل" ۲- جون ۱۹۷۴ء کے دو ہزار پرچے ضبط کر لیے، اور ۱۳- جون کو وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب بھٹو نے نشری تقریر میں اپنے اس عقیدہ کا اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور جو شخص آپ کے بعد کسی شخص کو نبی مانے وہ مسلمان نہیں ہے، اور قوم سے یہ پُر عزم وعدہ کیا کہ مرزائیت کے اس نوے سالہ پُرانے مسئلہ کو ضرور

حل کیا جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح حل ہوگا کہ ساری قوم اس سے مطمئن ہو جائے گی۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کر دیا گیا جس میں ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے معتز ارکان پر مشتمل تھی۔ جس میں علماء بھی تھے اور سیاسی زعماء بھی۔ قادیانی بھڑ بھڑاہ مرزا ناصر کے علاوہ لاہوری پارٹی کے سربراہ مسٹر صدر الدین کو بھی اپنا اپنا موقف پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنا اپنا مطبوعہ محضر نامہ پیش کیا۔ رہبر کمیٹی میں اٹارنی جنرل کی موجودگی میں مرزا ناصر پر جرح کی گئی۔ مرزائی دونوں پارٹیوں کے محضر ناموں کے جواب میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی (ایم۔ این۔ اے) نے جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کی طرف سے ”جواب محضر نامہ“ طبع کرا کر قومی اسمبلی میں تقسیم کیا اور ”مجلس عمل، ختم نبوت“ کی طرف سے بھی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ایم۔ این۔ اے) ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء اسلام (مفتی گروپ) نے اپنا مطبوعہ جواب پیش کیا۔

قادیانی سربراہ مرزا ناصر، لاہوری پارٹی کے صدر مسٹر صدر الدین، مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اپنے اپنے مطبوعہ موقف نامے قومی اسمبلی میں پڑھ کر بھی سنائے۔ مرزا ناصر پر مدلل اور مفصل جرح کی گئی جس سے مرزا سخت پریشان اور مہبوت ہوا اور قومی اسمبلی کے جو مسلم ارکان پہلے مرزائیت کے دجل و فریب سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ ان پر بھی مرزائی نبوت کا فتنہ منکشف ہو گیا اور حضور رحمة اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حقانیت زیادہ واضح ہو گئی۔ سچ کہا ہے بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں مرحوم مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں۔

نبوت اُسے بخششی انگریز نے !! یہ پودا اُسی کا ہے خود کاشتا !!

آخر ۲۴ ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ تاریخی دن آ گیا جس کی ملت اسلامیہ منتظر تھی اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی موجودگی میں قومی اسمبلی کے مسلم ارکان نے دخواہ حزب اقتدار سے تعلق رکھتے تھے یا حزب اختلاف سے متفقہ طور پر یہ قانون منظور کر لیا کہ مرزائی (قادیانی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری سے) غیر مسلم اقلیت ہیں اور آئندہ ان کا نام دوسری غیر مسلم اقلیتوں (عیسائیوں اور بدھوں وغیرہ) کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ چنانچہ آئین میں ترمیم کے بعد جو قانونی

دفعات منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں :- (۱) یہ قانون آئین میں دوسری ترمیم کا قانون مجریہ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔ یہ قانون فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔ (۲) اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۱۰۶ کی دفعہ ۱ میں لفظ فرقے کے بعد قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو پتے آپ کو اٹھری کہتے ہیں) کے افراد کے الفاظ شامل کئے جائیں گے۔ (۳) آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۱ کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کی جائے گی (۱) جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط پر یقین نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اس قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مفاد کے تحت مسلمان نہیں ہے۔ اور تشریح پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں حسب ذیل تشریح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ :- ”جو مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے (جیسا کہ آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۹ کی دفعہ ۳ میں صراحت کر دی گئی ہے) کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے، عمل کئے یا پرچار کرے گا۔ اُسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جاسکے گی“ (زلفائے وقت اول پبڈی ۱۸ ستمبر ۱۹۷۴ء)۔

ملت اسلامیہ کو مبارکباد

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے اس تاریخی فیصلہ پر ہم ”خُدام اہل سنت“ کی طرف سے تمام ملت اسلامیہ خصوصاً سواد اعظم اہل سنت والجماعت کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور پھر پاکستان کے اُن تمام علماء و زعماء جانثار و رضا کاروں اور خواص و عوام کو بھی جنہوں نے اپنی اپنی صوابدید اور طریق عمل کے مطابق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا پرچم بلند کرنے، انگریز کے خود کاشتا پودے ”قادیانی نبوت“ کو برباد کرنے میں مخلصانہ جدوجہد کی ہے اور حالیہ تحریک ختم نبوت کے اُن فدا کاروں کو بھی ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے تحفظ ختم نبوت کے لیے جام شہادت نوش کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین (۲) ہم وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب بھٹو، قومی اسمبلی اور سینٹ کے اُن تمام مسلم ارکان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے متفقہ طور پر آئین پاکستان میں مسئلہ ختم نبوت کو آئینی تحفظ دے کر قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا قانون منظور کیا ہے۔ (۳) ہم ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے اُن جلیل القدر شہداء کو

خراج تحسین پیش کرتے ہیں جن کی قربانی اور شہادت کے نتیجے میں آج پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے اور ہم ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے قائلین و زعماء اپنے دور کے عظیم قائد، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، جلیل القدر رہنما شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، ۱۹۵۳ء کی مجلس عمل کے صدر علامہ ابوالحسنات صاحب قادری، مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق صدر مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی، فاتح مرزائیت، مناظر اسلام مولانا لال حسین صاحب اختر کی ارواح کو ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے مرزائی فتنہ کے انداد کے لیے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ (۴) ہم مجلس احرار اسلام کے بیک رہنما حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، قائد احرار چوہدری افضل حق صاحب اور شاعر ملت بابائے صحافت مولانا طفر علی خان وغیرہ ان علماء و زعماء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جنہوں نے انگریزی استبداد کے دور میں مرزائیت کو لاکھوں اور ساری عمر قادیانی فتنہ سے برسر پیکار رہے۔

(۵) ہم حضرت علامہ استاذ العلماء مولانا سید الزماں صاحب کاشمیری، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور عظیم شاعر اسلام علامہ اقبال وغیرہ اکابر ملت کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنی علمی اور استدلالی قوتوں سے قصر مرزائیت میں زلزلہ ڈال دیا تھا (۶) ہم حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب چشتی گوڑوی، رئیس المناظرین مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب بے برصفت "آفتاب ہدایت" و "تازیانہ عبرت"۔ فاضل یگانہ، ادیب لیب مولانا محمد حسن صاحب فیضی ساکن جھین تحصیل چکوال۔ (جن کے عربی بے لفظ قصیدہ کے سامنے مرزا قادیانی مبہوت ہو گیا تھا۔ یہ فیضی مرحوم میرے والد صاحب مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے اور آدبِ عربی میں بڑی مہارت رکھتے تھے) اور مشک اہل حدیث کے اکابر مولانا ابوالوفاء شاہ اللہ صاحب امرتسری اور مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مصنف "شہادت القرآن" (در مسئلہ حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ہزار ہا آفرین کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ جنہوں نے براہ راست مرزا غلام قادیانی کا تعاقب کیا اور مرزائی فتنہ کے استیصال کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

حضرت صدیق کا عظیم کارنامہ خلافت

قادیانی نبوت کا ذبح کی آئینی شکست اور مسلمانان پاکستان کا تحفظ ختم نبوت

پر یہ اجماع دراصل امام الخلفاء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عظیم کارنامہ کا ایک فیضان ہے جو آپ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسکیمہ کذاب، اسود عسی، طلحہ اسدی وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت کے مقابلہ میں سرانجام دیا اور حضرت صدیق اکبر کی قیادت میں صحابہ کرام اور مجاہدین اسلام نے بیک وقت ان تمام جھوٹی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مسکیمہ کذاب باوجود اپنی چالیس ہزار فوج جرار کے قتل ہوا۔ اسود عسی بھی غازیان اسلام کے ہاتھوں مارا گیا اور طلحہ اسدی اور سجاج (مدعیہ نبوت) کو آخر کار قوبہ کی توفیق ملی۔ مدعیان نبوت کے مرتد ہونے اور ان کے واجب القتل ہونے پر سب سے پہلا اجماع حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں ہی ہوا۔ اور تمام اُمت اسلام پر حضرت صدیق اکبر کا یہ احسان عظیم ہے جنہوں نے اپنی بیعت استقامت سے نہ صرف جھوٹی نبوتوں بلکہ منکرین زکوٰۃ اور مرتد قبائل کے فتنوں کا حق تعالیٰ کی نصرت سے بالکل ہی قلع قمع کر دیا۔ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ جَاهَدُوا بَأَمْرِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَتَقَدَّرَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَوْزٌ عَظِيمًا۔

ہدیہ درود و سلام

آخر میں ہم امام الانبیاء والمرسلین، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا عاجزانہ ہدیہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ختم نبوت آئینی طور پر محفوظ ہو گیا ہے اور حضور کی ختم نبوت کے باغیوں کے کفر پر مہر لگ گئی ہے اور حضور کے گنہگار امتین کو اللہ تعالیٰ نے مقام ختم نبوت کے تحفظ کی توفیق عطا فرمائی ہے، اور حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ پاکستان ہر قسم کے داخلی اور خارجی فتنوں سے محفوظ رہے اور ملک و ملت کو شگنائے راشدین، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت اور پیروی میں مکمل نظام شریعت نصیب ہو۔ آمین! یا اللہ العالمین!

سُنّی مُطالبات کی تحریک

گذشتہ سال پاکستان کے شیعوں نے ماتمی جلوسوں کے آزاد ہونے کے علاوہ سرکاری سکولوں اور تعلیمی اداروں میں شیعہ دینیات نافذ کرنے کی پُر زور تحریک چلائی تھی اور اس سلسلہ میں حکومت کو یہ الٹی میٹم بھی دیدیا تھا کہ: "اگر ۲۰ ستمبر تک سرکاری مدارس میں جداگانہ شیعہ دینیات نافذ نہ کی گئی تو ۲۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ملک بھر سے شیعہ عوام راہپنڈی پہنچ کر شدید احتجاج اور مظاہرہ کریں گے اور مظاہرہ کرنے کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی پر نہ ہوگی۔" چونکہ شیعہ مطالبات سوادِ اعظم اہل سنت کے حقوق کے خلاف تھے اور مشترکہ سُنّی و شیعہ دینیات جاری کرنے سے سرکاری سکولوں میں سُنّی شیعہ نزاعات بڑھنے کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ کی تائید و توفیق سے "خُدّامِ اہل سنت" نے سُنّی مطالبات کی عظیم تحریک اٹھائی اور "سوادِ اعظم کے ملکی و ملی حقوق کے تحفظ کے لیے اہم سُنّی مطالبات" حکومت کو پیش کر دیئے گئے اور "سُنّی مطالبات" کو طبع کر کے ملک میں تقسیم کیا گیا۔

اس سُنّی دستاویز پر پنجاب، سندھ، سرحد، اور بلوچستان کے چاروں صوبوں کے تقریباً ایک ہزار علماء و علمائے دستخط تھے۔ جن میں قومی اسمبلی کے حسب ذیل سات علماء ارکان بھی شامل ہیں:- مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث (اکوڑہ ننگ۔ پشاور)، مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا شاہ احمد صاحب (کراچی)، مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی)، مولانا صدر الشہید صاحب (بٹوں)، مولانا نعمت اللہ صاحب (کوہاٹ) اور مولانا عبدالحق صاحب (بلوچستان)۔ ان سُنّی مطالبات پر دیوبندی، اور بریلوی علماء کے علاوہ مسلک اہل حدیث کے علماء کے بھی دستخط تھے اور حسب ذیل جماعتوں کے علماء و زعماء نے بھی اپنے دستخطوں سے ان مطالبات کی تائید کی تھی:- تحریک خُدّامِ اہل سنت - تنظیم اہل سنت !!! پاکستان سُنّی پارٹی - مرکز مجتہدین صحابہ - پاکستان سُنّی کانفرنس - جمعیت علمائے اسلام - جمعیت علمائے پاکستان - مجلس تحفظ ختم نبوت - مجلس احرار اسلام - انجمن تحفظ حقوق اہل سنت - مجلس تحفظ ناموس صحابہ مذکورہ سُنّی مطالبات کی دستاویز ۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ تفصیل کے لیے یہ دستاویز قابل مطالعہ ہے ہم قارئین کے لیے صرف سُنّی مطالبات کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سُنّی مطالبات کا خلاصہ

(۱) سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت کا یہ اسلامی اور جمہوری حق ہے کہ نصابِ تعلیم میں صرف اُن کی دینیات نافذ کی جائے اور شیعہ اقلیتی فرقہ کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا جائے کہ "شیعہ دینیات سرکاری تعلیمی اداروں میں نافذ کی جائے" (۲) شیعہ فرقہ کے ماتمی جلوسوں کے لائسنس بالکل منسوخ کر دیئے جائیں کیونکہ یہ سُنّی شیعہ فرقہ دارانہ فسادات کا مبینی ہیں اور شیعہ فرقہ کو اُن کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے اُن کی مساجد اور امام باڑوں میں پابند کر دیا جائے۔ (۳) ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اُن نشریات پر پابندی لگادی جائے جو سوادِ اعظم اہل سنت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والی ہیں اور خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دیگر خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان و انور اور دیگر جمیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے محامد و کمالات کو بھی نشر کرنے کا انتظام کیا جائے (۴) اہل سنت کے لیے سُنّی اوقات بورڈ قائم کیا جائے جس کا انتظام بھی سُنّی حُرکات کے ماتحت ہو۔ (۵) کتاب اللہ، ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تعاملِ خلفائے راشدین اور اجماعِ اُمت کے تحت چونکہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کی اُمت مرزا سید کافر ہے۔ اس لیے پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْمُبَدَّحُ طرہ منجانب سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت پاکستان! الحمد للہ! مرزائیوں کے متعلق سوادِ اعظم کا یہ آخری پانچوں مطالبہ آئینی طور پر منظور ہو چکا ہے۔ جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں درج کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ اہل السنّت والجماعت کو اپنے باقی مطالبات میں بھی کامیابی عطا فرمائیں اور خلافت راشدہ کے نظام حق کا نمونہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں قائم ہو جائے۔ آمین! بجا کہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادمِ اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال و امیر "تحریک خُدّامِ اہل سنت" صوبہ پنجاب

سوادِ اعظم اہل سنت کے خلاف ایک غیر منصفانہ فیصلہ

سرکاری سکولوں میں شیعہ دینیات جاری کرانے کے لیے شیعہ فرقہ نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۳ء سے راولپنڈی میں ایک زبردست ایچی ٹیشن چلانے کی حکومت کو دھمکی دی تھی۔ جس کے خلاف ”مخدّم اہل سنت“ کی طرف سے ایک پمفلٹ بنام ”اہل سنت کے لیے ایک اور آئنا کش“ شائع کیا گیا تھا۔ لیکن اسی دوران میں اچانک یہ غیر ٹیڑھی کہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو لاہور کے ایک اجلاس میں شیعہ دینیات کا مطالبہ منظور کر لیا گیا ہے اور تجب یہ کہ اس اجلاس میں کسی سنی عالم کو شریک نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حکومت کے دو مرکزی نمائندے وفاق و وزیر تعلیم پیرزادہ اور وفاق و وزیر تجارت رفیع رضا اور شیعوں کے ۱۶۔ نمائندے شریک کئے گئے۔ جن میں جسٹس جمیل احمد رضوی، نواب مظفر علی قزلباش اور مسٹر مظفر علی شمسی وغیرہ شیعہ زعماء شامل تھے۔ چونکہ یہ فیصلہ بالکل یک طرفہ اور ہر پہلو سے سوادِ اعظم اہل سنت کے لیے خطرناک تھا اس لیے ”مخدّم اہل سنت“ کی طرف سے اس کے خلاف احتجاجی طور پر ایک پمفلٹ بعنوان ”ایک غیر منصفانہ فیصلہ“ ملک میں تقسیم کر دیا گیا۔ (۲) اس فیصلہ کے خلاف ماہنامہ ”الحق“ (اکتوبر و نومبر ۱۹۷۳ء) میں ایک مفصل مضمون جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ”الحق“ کا بھی شائع ہوا۔ جس کو ”مخدّم اہل سنت“ لاہور نے رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ (۳) حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی استاذ مدرّسہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (سابق شیخ الحدیث والتفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اس کے خلاف ایک مدلل مضمون تحریر فرمایا۔

نتیجہ مذہب کا کلمہ نویں اور دسویں جماعت کے طلبہ کیلئے نیا نصاب مرتب ہونے سے پہلے حکومت نے شیعہ نصاب دینیات مصنفہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی (رپی۔ ایچ۔ ڈی) منظور کیا ہے۔ جس کے حصّہ اول میں کلمہ اسلام یہ لکھا ہے:۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ عَلِيُّ ذُو الْعَرْشِ لِي اللَّهِ طَبَسْ سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کا کلمہ ہی باقی تمام مسلم فرقوں سے جدا ہے۔ ان حالات میں بھی اگر مسلمانان اہلسنت نے شیعہ دینیات کے خلاف جدوجہد کئے اسے غیر منصفانہ فیصلہ کو تسوخی نہ کرایا تو اس غیر اسلامی کلمہ کے اجراء کی ذمہ داری اُن پر عائد ہوگی۔ کیا سوادِ اعظم اسلامی کلمہ کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے؟ والسلام

خادمِ اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ

چار یارِ مصطفیٰ اہل یقین

حصّہ نظم

از قلم فیضِ دقم شیخ المشائخ امام اولیائے حشمت حضورِ حاجی امجد اللہ صاحب
مہاجرِ مکی قدس سرہ

شہسوارانِ جہان، مردانِ دین! چار یارِ مصطفیٰ، اہل یقین!
اولاً بوبکر صدیق، اہل دین! دوسرے عادل عمر و الیقین!
تیسرے عثمان باحلم و حیا! چوتھے ہیں حضرت علی شیر خدا!
اور سب اصحاب اُن کے ذمی علوم! ہیں ہدایت کے فلک پر سے نجوم!
صدق اور عدل و شجاعت درجیا! ہے انہی چاروں سے دین کا ارتقاء
ان سے راضی ہے خدائے دوسرا! اور خوش ہیں اُن سے حضرت مصطفیٰ
تو بھی جان و دل سے لے انداد! رہ فدا اُن پر سدا ہر روز و شب

جو کوئی بداعتقاد اُن سے ہوا

ہے وہ مردودِ جنابِ کبریا

منقول از خلافتِ راشدہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (رجوالہ غذائے رُوح ص ۱۱۱)

خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي (الحديث)

بعض لوگوں نے حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق ایک نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے: - خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي (یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے) اس حدیث میں خلفائے اربعہ کے نام کے آخری حروف بہ ترتیب آئے ہیں یعنی ق صدیق کا اور س امام عمر کی اور نون عثمان کا اور ح علیؓ کی اور کسی نے اس کو یوں نظم کیا ہے -

ابوبکر یسوع علیؓ ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں با صد صفائی!
الف اور باء کی طرح ان کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی!
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جبکہ بھی الف اور باء نے یہ ترتیب پائی!
وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا! یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی!

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مغانوی قدس اللہ سرہ ان اشعار کو پڑھتے اور یہ فرماتے، بھلا کوئی شعر کہے تو ایسے کہے۔ (منقول از "خلافت راشدہ" ص ۱۱۱)

فلسفہ شہادتِ امامِ عالی مقام

از مولانا ظفر علی خان مرحوم

کیوں ماتم حسینؑ میں بیور و شین ہے کیوں گریہ و بکا کیلئے ہے یہ بندوبست
خونِ نابہ با کس لئے ہے آنکھ آپ کی؟ کیوں بہت آپ کتے ہیں اسلامیوں کی پست
کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے قربان ہو گیا رہ دین میں وہ حق پرست
تم کربلا کی خاک اُڑاتے رہو! مگر ہم خوش ہیں ہی حسینؑ نے طاعوت کو شکست

آوازہ خلیلؑ زینبؑ و کعبہ نیست
مشہور شد ازان کہ با تش نیکو شست

سید محمد ازان بہارستان

حق چار یار (از محمد یونس سرور و آصفی)

اسلام پر نثار تھے حضرت کے چار یار ملت کے غمگسار تھے حضرت کے چار یار
گفاد کو ہمیشہ انہوں نے شکست دی نصرت سے ہمکنار تھے حضرت کے چار یار
حق بات ان کے منہ سے نکلتی تھی بیہر ٹک مقبول کردگار تھے! حضرت کے چار یار
زیر نگین تمام جہاں ان کے آگیا!

دنیا کے تاجدار تھے حضرت کے چار یار خلقِ محمدی کا نمونہ تھے سر بسر!
یکتائے روزگار تھے حضرت کے چار یار ملتی تھیں جہاں میں ان کی مثال اب
حضرت کے رازدار تھے حضرت کے چار یار سرکارِ دو جہاں کی وفا کے سرور سے!
کس درجہ باوقار تھے حضرت کے چار یار

(منقول از ہفت روزہ "الجمعیۃ" دہلی)

مقامِ چار یار

از ڈاکٹر منظور احمد منظور

دو جہاں میں ہے بلند آوازہ نامِ چار یار
بعد احمد سب سے بڑھ کر ہے، مقامِ چار یار
کیوں نہ ہو ورنہ زبان ہر وقت نامِ چار یار
ہم فدایانِ محمد! ہیں سلامِ چار یار

اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے!

(ماسٹر محمد یوسف صاحب ساکن ممبئی)

اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے
توحید کا ہے غنفلہ سنت کی ہے بہار
باطل کا جن کے سامنے پرچم تھا سرنگوں!
وہ شوکتِ اسلام کا تابندہ ہیں نشان!
خلفائے راشدین کا منکر ہے بد نصیب!
ہے ارضِ پاک سے جو اٹھا مردِ حق شناس
جنگل، پہاڑ، گونج اٹھے حق چار یار سے
اصحابِ مصطفیٰ پہ ہیں "حُمدِ ام" جانثار
اعلانِ حق ہمارا ہے، حق چار یار سے

اصحابِ کا لہجہ

از عزیز فیضانی

غضب سے شک ہے لوگوں کو ان کے دین ایمان میں!
وہ ان کی آنکھ میں کیوں خار بن کر کھٹکتے ہیں
معتبت سرورِ کونین کی ان کو میسر تھی!
خدا راضی ہوا ہوصات جن سے لفظِ قرآن میں!
جو گل بن کر کھلے ہوں گلبنِ حنتم رسولان میں
بیانِ اوصاف ان کے کر دیئے خالقِ قرآن میں!

وہ پایا مرتبہ اعلیٰ رفیقِ غار ہونے سے
جو شاہانِ زمانہ بھی نہ حاصل کر سکے اب تک
ہیں یوں تو مخزنِ اوصافِ لیکن نمایاں ہیں
نبی ہے چاند، اُس کے چارٹے چار یار اُس کے
گوہی صاف دیتی ہے حدیثِ کا لہجہ اس کی
بنائی دین و ملت کی عمارت جن بزرگوں نے
وہ راضی ہو گئے حق سے، خدا راضی ہوا ان سے!
عزیزانِ کا یہ رتبہ ماننا داخل ہے ایمان میں!

(منقول از "المجیدیت" راولپنڈی)

جو صابرو شاگر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے

اثرِ خامہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب ہفتائوی جامعہ شرفیہ لاہور
جو صابرو شاگر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے
یوں خالقِ کونین کو برہم نہیں کرتے
یہ نوحہ و ماتم تو شکایت ہے خدا کی
ہم شکوہِ خلاقِ دو عالم نہیں کرتے
بندوں کو ہو معبود کا، تقدیر کا شکوہ!
تقدیر میں جو ہوتا ہے، ہو جانے پہ اُس کے
حکمت ہے ہر اک کام حکیمِ ازلی کا
ہے حکم کہ مردہ نہ شہیدوں کو کہو تم!
ہے حکم شہیدوں کا کہ ہیں زندہ یہ سب لوگ
زندوں کا تو فساق بھی ماتم نہیں کرتے
یوں خالقِ کونین کو برہم نہیں کرتے
ہم شکوہِ خلاقِ دو عالم نہیں کرتے
کیوں فیصلہ قدر پہ سرخم نہیں کرتے
راضی برضا تو حہ پیہم نہیں کرتے
شکوہ کبھی اس راز کے محرم نہیں کرتے
جو مردہ نہیں کہتے وہ یوں غم نہیں کرتے
زندوں کا تو فساق بھی ماتم نہیں کرتے

اے اصحابِ کالہجہم بایہم اقتدیتُم اھتدیتُم۔ اے ایبتہ۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ و

اے اذ یقول لصاحبہ لا تخرن ان اللہا معنا (پارہ ۱۰- سورہ توبہ)

ہے حکم پیر نہ کر دسوگ بہت دن !
فرمایا جو نوحہ کریں، مٹنے کیڑوں کو نہیں
ہر سال کا یہ شور و شغب، نوحہ و ماتم !
وہ حکیم الہی کے اڑاتے ہیں پر سچے !
کرتا ہے بناوٹ وہ جو خود ہوتا ہے جھوٹا
غم ہوتا ہے کچھ اور، یہ غم کرنا ہے کچھ اور
دل رنج ہے پر صبر کا دامن نہیں چھٹنا
اسلام کہ جو صبر و شجاعت کا ہے مذہب
ہو جاتی ہے غم آنکھ مصیبت میں تو سب کی
جب حضرت داؤد کو تھا آئے سے چیرا
حسنینؑ کے والد کی شہادت بھی تھا اک ظلم
ہے سب سے بڑا رنج تو حضرتؑ کی جدائی
ہے دین اگر نوحہ دوسر کو بی و ماتم !
اللہ و نبی سے جو صحابہؓ نے لیا دین
ہنگامہ و شور و شغب، نوحہ و ماتم
اسلاف کو یوں گالیاں اور کو سننے دے کر
اس ماہ مبارک میں گناہوں کے یہ انبار
کرتے ہیں وہی نوحہ دوسر کو بی و ماتم
ہے جرم چھپانے کی عجب چال کہ سمجھیں
ہر سال میں تجدید ہے اس فتنہ گری کی !
لیل ہے ! محبت ہے یہی آسِ منجی کی

خلافت راشدہ ۷ زندہ باد

امین تحفظ ختم نبوت زندہ باد

سنی مذہب زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت عمر فاروقؓ حق چار یار حضرت عثمانؓ ذو النورین

حضرت علی المرتضیٰؓ

ماتمی مجتہد محمد حسینؒ و صکو کی کتاب تجلیات صداقت

پر

ایک کا جمالی نظر

از

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہلسنت و الجماعت

صوبہ پنجاب

ناشر: خدام اہلسنت و الجماعت چکوال ضلع جہلم

قیمت ۲/۵۰ روپے

کاتب: محمد رفیع خان لاہور

فہرست

وہیت وقت پر ایک اجمالی نظر

صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون
۵۵۸	حضرت علیؑ کی ماتمی	۵۵۸	خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ماتمی مجتہد کا نظریہ
۵۸۹	حضرت عثمانؓ کی غائبانہ بیعت	۵۶۱	ماتمی مجتہد کا ایک عظیم الشان بھوٹ
۵۹۱	حضرت عمرؓ پر شک فی النبوۃ کا بہتان	۵۶۱	تفسیر مجمع البیان کی عبارت کا انکار
۵۹۱	خدائے تو تعاف کرو یا لیکن ماتمی مجتہد	۵۶۲	عقائد و مسائل
۵۹۲	حدیث ماسبقکم البیکو... وقوفی قلبہ کے معنی ماتمی مجتہد کی بہت	۵۶۳	ایمان بالقرآن کی بحث
۵۹۵	حدیث قرطاس میں لفظ ہجر کی بحث	۵۶۵	دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین
۵۹۶	ماتمی مجتہد کی "مخال" کے مفہوم سے جہالت	۵۶۶	ماتمی مجتہد کا اپنا اقرار
۵۹۸	امام حسنؑ حضرت معاویہؓ سے گزارہ الاونس لیتے رہے	۵۶۷	بحث خلافت و امامت
۵۹۹	ماتمی مجتہد کے بعض تضادات (رسم ذوالحجہ)	۵۶۷	آیت استخلاف
۶۰۰	شیعہ مساجد کی آبادی وغیر آبادی	۵۶۸	آیت تکلیف
۶۰۱	شیعہ مساجد کی دوسری تصویر	۵۶۹	ماتمی مجتہد کی جہالت و خیانت
۶۰۲	منہج کا ثواب	۵۷۳	خلاصہ کلام
۶۰۵	امد نے بھی منہج کیا	۵۷۵	شیعہ تفاسیر و احادیث
۶۰۶	غنیۃ الطالبین کے حوالہ میں ماتمی مجتہد کا فریب	۵۷۷	حضرت ابو بکرؓ کی امامت نماز
۶۰۷	سب شیخین کا حکم	۵۷۷	حضرت علیؑ کی اقتدار
۶۰۹	اہل سنت و الجماعت کے نام میں ماتمی مجتہد کی تلبیس	۵۷۷	ماتمی مجتہد کا احقانہ چیلنج
۶۱۱	ماتمی مجتہد کے چیلنج کا جواب	۵۷۸	حضرت علیؑ کی بیعت
۶۱۳	ارشاد و رسالت سے اہل سنت کا ثبوت	۵۸۰	حضرت علیؑ کی پوزیشن
۶۱۴	مناجات فارسی (از مصنف آفتاب ہدایت)	۵۸۲	ہمارا سوال
۶۱۵	شیعوں کا جہادگانہ کلمہ اسلام	۵۸۳	ماتمی مجتہد کی مزید جہالتیں اور خیانتیں
۶۱۷	کلمہ شیعہ عالم اسلام کے لئے کھلا چیلنج ہے۔	۵۸۶	اسلام عمرؓ کے متعلق رسولؐ خدا کی مخصوص وصی
		۵۸۸	حضرت ابو بکرؓ پر زندہ انسان کو جلا دینے کا الزام

تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر

میرے والد صاحب مرحوم رئیس المناظرین ابو الفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر کی رودر نفس و بدعت میں ایک مشہور تصنیف "آفتاب ہدایت" قریباً پچاس سال سے شائع ہے۔ جس کا اب تک کسی شیعہ عالم و مجتہد نے جواب نہیں لکھا تھا مگر حال ہی میں اس کا جواب شیعہ علامہ مولوی محمد حسین صاحب دھکو نے لکھا ہے (جن کی فلاح الکونین پر تقریظ ہے) اس کتاب کا نام و تجلیات صداقت رکھا ہے جس کو انجن حیدری چکوال نے شائع کیا ہے۔ ہم کو یہ کتاب "بشارت الدارین" مکمل کرنے کے بعد دستیاب ہوئی ہے۔ اور اس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے چنانچہ کتاب کے ناشر نے آفتاب ہدایت کے جواب کی ضرورت تحت لکھا ہے کہ:- ان حالات سے مجبور ہو کر ہم نے صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام و المسلمین سرکار علامہ الحاج الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی رجو کہ سب سے زیادہ اتحاد اسلامی کے علمبردار ہیں، کی خدمت میں جواب لکھنے کی درخواست پیش کی۔ مقام شکر ہے کہ انہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود ہماری مخلصانہ استدعا پر لبیک کہتے ہوئے اس کتاب کا دندان شکن جواب باصواب لکھ کر پوری ملت جعفریہ کا سرا افتخار بلند کر دیا جس پر آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی انہ "تجلیات صداقت" دلیل و فریب اور حق و باطل کے البتاس اور کتمان حق کا ایک عجیب شاہکار ہے لیکن اس سے ناواقف اہل سنت چونکہ فریب کا شکار ہو سکتے ہیں اور شیعہ عوام بھی مجتہد صاحب موصوف کی اندھی تقلید کی وجہ سے خلفاء و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عناد کے باعث ہمیشہ کے لئے ورطہ ضلالت میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مولوی محمد حسین صاحب موصوف کے علم و دیانت کا پول کھول دیا جائے اور چونکہ کتاب "بشارت الدارین" پہلے بھی ضخیم ہو چکی ہے اور طباعت کے مراحل میں ہے اس لئے بہت اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا جائیگا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ -

خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ماتمی مجتہد کا نظریہ

بعض شیعہ چونکہ مولوی محمد حسین صاحب

ڈھلکو کو مجتہد مانتے ہیں (اور کتاب کے ناشر صاحب نے بھی دیگر القاب کے ساتھ ان کو مجتہد العصر لکھا ہے) اس لئے ہم ان کو جواب میں مامی مجتہد سے خطاب کریں گے۔ اور تعجب ہے کہ ناشر صاحب ان کو بد سب سے زیادہ اتحاد اسلامی کے علمبردار قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ مامی مجتہد نے اپنی اس کتاب میں خلفائے ثلاثہ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے خلاف جو کچھ زہرا لکھا ہے اور ان کے ایمان کا بھی صراحتاً انکار کیا ہے۔ اس سے واقف ہونے کے بعد کون غیر تمند سنی مسلمان شیعوں کے ساتھ اشتراک و اتحاد کر سکتا ہے۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جو شخص بھی شیعہ مذہب کا معتقد ہے وہ خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین اور ان کو خلفائے راشدین مانتے والوں کو مومن نہیں مان سکتا۔ اگر کوئی شیعہ صحابہ کرام اور ان خلفائے عظام کو مومن یا مسلم کہتا ہے تو وہ تفسیر کی بنا پر ایسے الفاظ کہہ دیتا ہے۔ یا وہ شیعہ مذہب سے ناواقف ہوتا ہے۔ بہر حال مامی مجتہد نے خلفائے ثلاثہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خلاف جو کچھ ویدہ دہنی کی ہے اس کا کچھ نور حریف کی (۱)۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلاثہ کے بارے میں ہے۔ اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب و امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں (تجلیات صداقت ص ۲۱)۔

(۲) مذہب شیعہ نہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان کو کافر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ ان کو مومن بھی نہیں سمجھتا (ص ۳۱۶)۔

(۳) اس میں شک و شبہ نہیں کہ شیخان حیدر کٹر ابوبکر کو سچا مسلمان اور مخلص باایمان نہیں جانتے بلکہ... جانتے

ہل حالانکہ بعض شیعہ علماء ان کو ادران کے ایک اور مجتہد مانتے یا بقول بعض ان کے استاذ و مہتمم مولوی حسین جان پریسل دارالعلوم شیعہ محمدیہ گروہا وغیرہ کو خارجی کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک ٹیکٹ نام "خارجی نفلے کا سد باب" میں ان کو ڈھلکاؤ ایڈیٹر ڈیکلین اور جٹا ایڈیٹر کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اور اس پارٹی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ:- دراصل یہ گروپ نہ شیعہ ہے نہ سنی ہے یہ خالص خارجی ہیں جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مولوی حسین جان پریسل جٹا جٹا موموت جٹا جٹا مصلح ڈبرہ مصلح خان کے رہنے والے ہیں عراق کے سند یافتہ ہیں اور وہاں سے ان کو سند اجتہاد بھی حاصل ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "امامت و ملوکیت" اور اپنی تفسیر انوار النجف میں بھی درج کر دی ہے۔ اس جٹا جٹا مجتہد نے بھی "امامت و ملوکیت" میں خلفائے ثلاثہ کے خلاف بہت زہرا لکھا ہے۔

ہیں (ص ۲۳۰)

(۴) اصحاب ثلاثہ کا جناب امیر خیر گیر سے بجائے شکر و شکر و مشیر ہونے کے ان کا دشمن ازل ہونا۔ بجائے تابع اور اوقرتا تبار رسول ہونے کے ان کا دنیا دار اور عصیان کار ہونا۔ اور بجائے مقبول بارگاہ ہونے ان کا مردود بارگاہ خدا و رسول ہونی ہونا کتب فریقین سے کچھ ایسے ناقابل انکار دلائل جاندار سے واضح و آشکارا کریں گے کہ صرف پرستان ثلاثہ کی بلکہ ثلاثہ کی روحیں بھی یوم القدر تک بے قرار ہو جائیں گی۔

جاؤ گے تم کہاں شیعوں کو پھیر گے رکھ دیں گے تیرے نزدیک بخیر اور پھر گے

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے منعلق لکھا ہے:- باقی رہا مولف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں یہ ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کیا ہے۔ مگر اس سے ان کا مومن ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہونا اور ہے اور مومن ہونا اور (ص ۲۴۸) ان عبارات کے بعد بعض لوگ حیران ہوں گے کہ العیاذ باللہ حضرات خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین اور ام المومنین زہرا رسول حضرت عائشہ صدیقہ کو غیر مومن مانتے کے باوجود پھر مامی مجتہد نے یہ کیوں لکھا ہے کہ ہم ان کو کافر نہیں کہتے۔ تو اس کی وجہ انہوں نے خود ہی بعنوان "ولفظ مسلمین کا منافی تین پر اطلاق" یہ بیان کی ہے کہ:- باقی رہا یہ کہنا کہ اس جنگ کے شامین کو مومنین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ تو ابھی اوپر آیت نمبر ۱۵ کے جواب میں بالتفصیل واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان کے ایک عمومی معنی ظاہری اقرار سانی کے بھی ہیں اور اس اعتبار سے منافقین کو بھی مسلمین و مومنین کہا جا سکتا ہے (ص ۹۲) مامی مجتہد کا مطلب یہ ہے کہ گوا اصحاب ثلاثہ اور ان کے پیروکار دوسرے اصحاب دل سے مومن نہ تھے لیکن زبان سے چونکہ وہ ایمان اور اسلام کا اقرار کرتے تھے اس لئے ان کو ظاہری اعتبار سے مومن و مسلم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان اہل السنۃ والجماعت

سے خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان کے خلاف استغدر زہرا لگنے والے اس مجتہد ڈھلکے نے حالیہ تحریک ختم نبوت کے دوران امام باقر علیہ السلام کو ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کے دوران سنی شیعہ اتحاد کی تمہین کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ خدا کرے کہ یہ سنی شیعہ اتحاد قیامت تک رہے اور یہ تقریر میں نے خود سنی تھی۔ یہ ہے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور۔ دکھنے کے اور اللہ تعالیٰ بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو فتنہ رفس کی حقیقت کی سمجھ عطا فرمائیں۔ آمین۔

کو برادران اسلامی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں تاکہ نادان سنی مسلمان ہی سمجھنے لگیں کہ شیعہ ہم کو مسلمان مانتے ہیں نہ کہ کافر۔ حالانکہ جب شیعوں کے نزدیک خلفائے ثلاثہ اور حضرت عائشہ سے سنیوں ہی نہیں ہیں تو پھر ان حضرات کو مومن کامل اور قطعی سنی مانتے والے سنی مسلمانوں کو وہ کیونکر مومن مان سکتے ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

خلفائے راشدین۔ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے ایمان کا شخص مسکرت ہو جائے اس کو دنیا میں یہ سزا ملتی ہے کہ اس کی دینی فہم سلب ہو جاتی ہے۔ اور علمی و شرعی دیانت و امانت سے وہ محروم ہو جاتا ہے چنانچہ مامی مجتہد کا بھی یہی حال ہوا ہے۔ ان کی زیر بحث کتاب غلط بیانیوں اور افزا پر وازیوں کا مجموعہ ہے چنانچہ بطور نمونہ ہم ان کا ایک ایسا جھوٹ پیش کرتے ہیں جس کی وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے۔

آفتاب ہدایت میں حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم **تفسیر مجمع البیان کی عبارت کا انکار** نے فضائل اصحاب ثلاثہ کے ثبوت میں مذہب شیعہ کی مستند کتاب کے حواجیات کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ:- علامہ طبرسی اپنی کتاب مجمع البیان میں تحریر کرتا ہے کہ آیت **وَسَيَجْعَلُهَا** **الْأُنثَىٰ الَّذِي** الخ ابو بکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ روایت یوں ہے:- **عن ابن الزبير قال ان الآية نزلت في ابى بكر لانه اشترى المماليك الذين اسلموا مثل بلال وعاصم بن خهيرة وغيرهما واعتقهم**۔

توجہ: ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت شان ابی بکرؓ میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے غلاموں کو جو اسلام لائے تھے اپنے مال سے خرید لیا جیسا کہ بلالؓ اور عاصمؓ زبیرؓ اور ان کو آزاد کیا، اب جس کی خدمات اسلام میں یہ ہوں کہ بلالؓ جیسے عاشق ذات نبویؐ کو کفار کے ہاتھ سے اپنا مال خرچ کر کے نجات دلائے اور آزاد کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کے نہ صرف منفی بلکہ اُنقی ہونے کی شہادت دے اس شخص کی شان والا میں گستاخی کرنا کتنی جھارت ہے خدا و ارفق کو ہدایت کرے، آفتاب ہدایت ص ۹۷) اس کے جواب میں مامی مجتہد و حکو صاحب لکھتے ہیں:- خداوند علم برادران اسلامی کو بھی ہدایت دے کہ وہ اپنے بزرگوں کے من گھڑت فضائل و مناقب بیان کرنے میں دین و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کریں۔ اس بات کو امین الاسلام علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ کی امانت۔ وسعت قلب اور عالی

ظرفی پر ہی محمول کرنا چاہیے کہ وہ باوجود ایک مقتدر شیعہ عالم ہونے کے اپنی تفسیر میں جہاں پہلے اپنے ائمہ طاہرینؑ کی شاندار پیش کرتے ہیں وہاں مخالفین کا نظریہ بھی بلا رد و قدح دیا ننداری سے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان کا ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ وہ مجاہد۔ فتاویٰ اور سُدی وغیرہ مفسرین اہل سنت کے اقوال سے لبریز ہے۔ اکثر تو وہ مفسر کا نام لے کر ہی تفسیر نقل کرتے ہیں اور جہاں صرف رُوی یا قیل فرمائیں وہاں ان کی مراد مخالفین کی بیان کردہ تفسیر مذکور ہے مگر بائیں ہمہ یہ عبارت جو مجمع البیان کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ دروغ بے فروغ ہے اس کا تفسیر مذکور میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ آیت **وَسَيَجْعَلُهَا الْاُنثَىٰ** سورة واللیل کی آیت ہے اور اس کی تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۶۰۵ طبع ایران قدیم پر مذکور ہے مگر وہاں نہ یہ عبارت ہے نہ ابو بکر کا نام ہے۔

ع۔ میرے کہنے پر کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے۔

جب محبان ثلاثہ کے اسلام و ایمان کی یہ حالت ہو اور اس طرح بر ملا کذب و بہتان سے کام لیں تو۔ فعلی الاسلام السلام الخ در تجلیات صداقت ص ۱۲۵

الجواب:- آفتاب ہدایت میں شیعہ مفسر علامہ طبرسی کی تفسیر مجمع البیان سے جو عبارت نقل کی گئی ہے یعنی **عن ابن الزبير عن ابي بكر** (جس میں حضرت ابو بکرؓ کا نام بھی ہے۔ لفظ بلفظ اس تفسیر میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس علامہ طبرسی موصوف کی مجمع البیان مطبوعہ بیروت موجود ہے اس کی جلد ۶ پارہ ۳۰ ص ۱۵۹ سورة واللیل کی آیت **فا من اعطى واتقى** کے تحت یہ عبارت پائی جاتی ہے۔ جس کو ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ اب قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ مامی مجتہد نے کتنا بڑا جھوٹ بول کر تفسیر مذکور کی زیر بحث عبارت کا انکار کیا ہے۔ اسی ایک حوالہ سے مامی مجتہد کے دین و ایمان کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کتاب میں اور بھی جا بجا غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے جن کی نشاندہی کے لئے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ کاش کہ مامی مجتہد اپنی کتاب کا نام ”تجلیات صداقت“ نہ رکھتے اور ائمہ طاہرین کی محبت کے پرفے میں تجلیات اور صداقت کے پر وقار الفاظ کی تزیین نہ کرتے بلکہ اس کتاب کا نام ”ظلمات ضلالت“ رکھا جاتا تو بہت مناسب تھا۔ واللہ العبادی۔

مامی مجتہد نے ص ۱ پر حنفی نماز کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا عرض ہے کہ **عقائد و مسائل** کیا حنفی علماء و صلحاء اسی طرح نماز پڑھتے ہیں یا کیا فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی طرح نماز پڑھنا

نقل از: ۱/۵۶۳
 فصل الخطاب
 ملاحظہ فرمائیں
 اللہ تعالیٰ اعلم
 علامہ مولانا
 علامہ مولانا
 علامہ مولانا

علیاً امیر المؤمنین علیہ السلام (اصول کافی ص ۲۶۱) اس کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب نے یہ لکھا ہے :- جابر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا - حضرت علی کا نام امیر المؤمنین کیوں ہوا؟ فرمایا کتاب خدا میں یوں ہی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی جب خدا نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اُس کے بعد (توضیح) کے تحت لکھتے ہیں :- قرآن میں امیر المؤمنین کا لفظ نہیں ہے پس یا تو جامع قرآن نے حذف کر دیا ہے - یا پھر مضمون حدیث قدسی سے اس سے ثابت ہوا کہ سید ظفر حسن صاحب امر وہی (جو اب تک زندہ ہیں) بھی قرآن مجید میں تخریف کے قائل ہیں ورنہ یہ توضیح کرتے کہ یا تو جامع قرآن (یعنی حضرت عثمان وغیرہ) نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ اور حدیث قدسی اس لئے نہیں بن سکتی کہ مندرجہ حدیث میں قرآنی آیات کے اندر ان علیاً امیر المؤمنین کے الفاظ پائے جاتے ہیں بلکہ اس میں و ان محمداً رسولی کے الفاظ بھی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں جگہ موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں ان الفاظ کے قرآن میں ہونے کا ترجمہ یہ ہے کہ روایت میں قال اللہ سماء کے الفاظ ہیں یعنی اللہ نے حضرت علی کا نام امیر المؤمنین رکھا ہے اور ان الفاظ کا ترجمہ ادیب اعظم نے نہیں لکھا۔ یا کتاب سے غلطی ہوئی ہے۔ اور روایت میں ہکذا انزل فی کتاب اللہ میں اسی طرح کتاب اللہ میں نازل ہوا ہے) ۲۔ تفسیر قمی کی عبارت "بشارت الدارین" میں نقل کی جا چکی ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیت جو جنگ بدر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ موجودہ قرآن میں اس کے الفاظ یہ ہیں۔ و انتم من بعدہم اولادکم لیکن امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ قرآن میں یہ الفاظ نازل ہوئے تھے۔ انتم ہنعماء اور نعماء اللہ کی جگہ صرف نعماء تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر قمی جلد اول ص ۱۲۲ شیعہ تفاسیر و احادیث کی ان واضح عبارتوں کے جواب میں عابز اکرم تاجی مجتہد علامہ ڈھلکھتے ہیں کہ :- یہ بات واضح ہے کہ اگر مولوی کرم الدین آت ہمیں امام جلال الدین سیوطی کے مقلد نہیں تو ہم بھی ثقہ الاسلام کلینی اور ان کے استاذ محترم جناب علی بن ابراہیم قمی کے مقلد نہیں ہیں۔ (تجلیات ص ۲۵۱، الجواب ۱) اس قسم کے جواب سے ڈھلکھ صاحب کی گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اصول و فروع کافی کے مؤلف شیعوں کے ثقہ الاسلام شیخ محمد بن یعقوب کلینی وہ ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں کافی لکھی ہے جبکہ بقول شیعہ امام غائب حضرت مہدی سے سفر اکی اور رفت رہتی تھی اور کلینی موصوت کا ان سفیروں سے رابطہ موجود تھا۔ اسی بنا پر خود تاجی مجتہد نے شانی ترجمہ اصول کافی کے مقدمہ میں تسلیم کیا ہے کہ اصول کافی کو امام غائب کی رضائے سکوئی حاصل ہے یعنی امام غائب نے چونکہ کافی کی احادیث پر برج نہیں کی بلکہ

نص
 الشیخ
 علیہ السلام

لکھا ہوا ہے؟ قرآن مجید میں اضطراری حالت میں مسلمان کے لئے خنزیر کا گوشت - مردار وغیرہ مباح فرمایا گیا ہے۔ تو اگر کوئی غیر مسلم ڈھکو صاحب موصوت کے اسلامی دسترخوان کا یہ نقشہ پیش کرے کہ آپ کے سامنے لحم خنزیر بھی رکھا ہے اور کسی مردار کے ٹکڑے بھی ہیں اور خون بھی اور چوری کے مرغ کا بھنا ہوا گوشت بھی۔ تو کیا مآثمی مجتہد اس کو اسلامی دسترخوان تسلیم کریں گے۔ پس اس طرز پر حنفی نماز کے مذکورہ نقشے کو قیاس کر لیا جائے یہاں گنجائش نہیں ورنہ ہم نماز شیعہ کا بھی نقشہ پیش کر دیتے۔

سے اتنی نہ بڑھا پائی دامان کی حکایت دامن کو ذرا دیکھو ذرا بند تبا دیکھو

ایمان بالقرآن کی بحث
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں تخریف یعنی تبدیلی رکھی (بیشی) کر دی ہے۔ اس کے جواب میں مآثمی مجتہد لکھتے ہیں کہ :- شیعہ خیر البریہ قرآن کریم کو خدا کی آخری کتاب الہامی اور صحیفہ ربانی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں۔ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ شیعہ اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ اس کے ادام و نواہی پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اسی کی تفسیر میں لکھتے ہیں الخ (ص ۱۶)

الجواب ۱) آپ کا یہ اقرار تفسیر پر مبنی ہے۔ کیونکہ شیعوں کی مستند کتب حدیث میں قریباً دو ہزار سے زائد متواتر اور مستفیض روایتیں ایسی ہیں جن سے قرآن کی تخریف ثابت ہوتی ہے۔ اور متقدمین شیعہ سب تخریف قرآن کے قائل تھے۔ اور جن چار علماء کے نام آپ اور دوسرے شیعہ علماء پیش کرتے ہیں کہ وہ تخریف قرآن کے منکر ہیں یعنی شریف مرقسی - شیخ صدوق - ابن بابویہ قمی اور شیخ بوعلی طبرسی صاحب مجمع البیان۔ تو صرف ان چار کا حوالہ دینے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل شیعہ مذہب یہی ہے کہ قرآن مخرف ہے۔ یعنی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں کمی و بیشی کر دی گئی ہے۔ اور آفتاب ہدایت میں شیعوں کی اصول کافی سے ۱۲ عدد روایات ایسی پیش کی ہیں جن سے لفظی تخریف قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً عن جابوعن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لیسیرستی امیر المؤمنین قال اللہ سماء۔ وھکذا انزل فی کتابہ واذ اخذ ربک من نبی آدم من ظہورہم ذویبتہم و اشہدہم علی انفسہم الست بریکم وان محمداً رسولی وان

خاموش رہے ہیں اس لئے وہ ان اسنادیث پر لاضمی تھے۔ (اصول کافی کی مستقل بحث در بشارت الدارین میں ملاحظہ فرمائیے)

اس لئے اپنے اقرار کے مطابق ماتمی مجتہد اصول کافی کی کسی حدیث پر جرح و تنقید نہیں کر سکتے۔ اور تفسیر قمی کے مصنف شیخ محمد بن ابراہیم قمی کو شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے بھی استاذ ہیں اور امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ اس لئے شیخ قمی نے اپنی تفسیر میں وہی کچھ لکھا ہوگا جو انہوں نے شیعوں کے گیارہویں امام معصوم جناب حسن عسکری سے پڑھا اور سنا ہوگا۔ لہذا ڈھکھو جاب کے لئے کلینی اور قمی کی تقلید ضروری ہوگی۔ شیعہ مذہب کی بنیاد پر قول امام حسن عسکری اور شیخ قمی کا معتبر ہوگا نہ کہ ڈھکو صاحب جیسے ماتمی مجتہدین کا۔ اور برعکس اس کے ہمارے لئے امام جلال الدین سیوطی کی تقلید لازمی نہیں ہے کیونکہ وہ فقہ میں ہمارے امام و مجتہد نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے تفسیر درمنثور میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں اور ان کی صحت کا التزام نہیں کیا۔ لہذا اس قسم کی کتب تفاسیر و احادیث کی منقولہ روایتیں ہم پر حجت نہیں ہو سکتیں اور خود امام سیوطی کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن میں کسی قسم کی کوئی کمی و بیشی نہیں ہوئی (ملاحظہ ہو تفسیر لائقان)

دور حاضر کے شیعہ مفسرین بھی قرآن میں تخریفات کے قائل ہیں چنانچہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے بحوالہ احتجاج طبرسی لکھا ہے کہ امام حسن نے مروان سے یہ فرمایا تھا کہ: اے مردان اگر منافقوں ملعونوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں جن کی تاویل میں نے تجھ سے بیان کی ان کا کتنا بڑا ضرر ہے تو وہ ان کو بھی قرآن مجید سے ایسے ہی نکال دیتے جیسے کہ اور آیتیں نکال دیں" رضیہ ترجمہ مقبول پ ۱۵ ص ۲۸ مطبوعہ افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور) یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن کی تفریط و تصدیق شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین نے تحریر کی ہے۔ مثلاً مفتی سید احمد علی مجتہد اعظم لکھنؤ۔ سید کلب حسین مجتہد لکھنؤ۔ سید ناصر حسین مجتہد لکھنؤ۔ سید علی حائری مجتہد لاہوری وغیرہ اور پاکستان کے شیعوں کے خطیب اعظم سید محمد دہلوی کی تفریط بھی اس ضمیمہ قرآن پر موجود ہے۔ اور ان میں سے بعض مجتہدین کی تقریظیں ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی میں ہیں لیکن مطبوعہ لاہور میں حذف کر دی گئی ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ دور حاضر کے شیعہ مجتہدین بھی تخریفات قرآن کے قائل ہیں اور اگر ڈھکو صاحب جیسے شیعہ علماء تخریفات قرآن کا انکار کرتے ہیں تو یہ از روئے تقیہ کرتے ہیں۔ ورنہ وہ دل میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن صحیح و محفوظ نہیں ہے اور قرآن کی ترتیب میں تبدیلی کے قائل تو آج کل کے عام شیعہ بھی ہیں۔

آفتاب ہدایت میں شیعوں سے چند سوالات کئے گئے ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ: ماتمی مجتہد کا اپنا اقرار کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن جمع کر کے اصحاب کو دکھلایا تھا انہوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے کہا کہ اب تم لوگ اس قرآن کو نافیامت نہ دیکھو گے۔ وہ قرآن اس وقت کہاں ہے۔ اگر وہ ہدایت خلق کے لئے تھا تو اس کے اتنا عرصہ کم رکھنے کی کیا وجہ ہے اور ایسے قرآن سے مسلمانان عالم کو کیا فائدہ ہے۔ اگر امام غائب علیہ السلام نے اس کو چھپا رکھا ہے تو کیا وہ کتاب ہدایت چھپا رکھنے کے مجرم نہیں ہیں" اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں :- اس سوال کا تحقیقی جواب کتاب کی ابتدا میں تخریفات قرآن والی بحث میں دیا جا چکا ہے۔ اس قرآن مجید کے انخفاء اور تاخیر ظہور کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ مؤلف کے چھپتے خلفاء تھے۔ اگر مجرم ہیں تو وہی نہ کہ امام زمانہ الخ (تجلیات ص ۱۷)

الجواب :- یہ بھی عجیب جواب ہے۔ اہل سنت تو یہ تسلیم ہی نہیں کر سکتے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی عظیم شخصیت نے صحیح قرآن مجید مرتب کر کے پھر اس کو امام غائب کے ظہور تک چھپا دیا ہے کیونکہ اس سے تو تمام امت قرآن اصلی سے محروم ہو جاتی ہے۔

وجہ حضرت علی المرتضیٰ تبلیغ قرآن میں رسول کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث ثابت نہیں ہو سکتے۔ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مخالفین و منکرین کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے سارے قرآن مجید یا کسی ایک ہی آیت کو چھپا دیا تھا؟

ج - حضرت علی کا قرآن پیش کرنا اور صحابہ کا اس کو قبول نہ کرنا یہ سب افسانہ ہے لیکن شیعہ اصول کافی کی احادیث کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہ نسبت قرآن نہ قبول کرنے والوں کے قرآن چھپانے والوں کا جرم زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّا لِلنَّاسِ فِي الْكُتُبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰهُمُ مِنَ الْبَدِيْهِمْ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰهُمُ مِنَ الْبَدِيْهِمْ (پ ۲ - رکوع ۳) مولوی مقبول احمد شیعہ عالم کا ترجمہ یہ ہے :- جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لئے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً انہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں" اس آیت کے حاشیہ پر مولوی

مقبول احمد لکھتے ہیں۔ تفسیر صافی میں ہے کہ ان چھپانے والوں سے مراد یہودیوں کے وہ علماء ہیں جو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب علی المرتضیٰ کے بارے میں شہادت دینے والی آیتوں کو چھپاتے تھے اور وہ ناصبی مراد ہیں جو فضائل جناب امیر المومنین کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ نازل ہوا ہے چھپتے ہیں، تو فرمایا یہ قول شیعہ مفسر جب یہود اور ناصبی بعض آیات کے چھپانے سے مستحق لعنت ہو گئے ہیں تو اس امام معصوم کے بارے میں کیا فتویٰ ہو گا۔ جنہوں نے سارے قرآن ہی کو غائب کر دیا۔ اور اس امام زمانہ کے بارے میں کیا کہیں گے جو صدیوں سے امت کے لئے حجت ہیں اور خلیفہ امام زمان بھی وہی ہیں لیکن سارے قرآن کو اپنے دہرے کی طرح غائب کئے ہوئے ہیں۔ کیا شیعہ مذہب میں ائمہ معصومین کا یہی مقام ہے جس کی بنا پر وہ ان کو انبیائے سابقین پر بھی فضیلت دیتے ہیں۔

عبرت، عبرت، عبرت۔

مسئلہ خلافت فی الواقع اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین ایک محرکتہ آلا راز نامی بحث خلافت و امامت مسئلہ ہے۔ اور دونوں طرف سے اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ شیعوں نے اس کو بنا دیا ہے۔ جناب والد صاحب مرحوم نے آفتاب ہدایت میں مسئلہ خلافت کے مفروضی پہلوؤں پر جامع اور مختصر بحث کر دی ہے۔ جو اہل فہم و انصاف کے لئے کافی ہے۔ لیکن باقی مجتہد کا مقصد تو تسلیم حقیقت نہیں بلکہ خلفائے راشدین سے ناواقف لوگوں کو بدظن کرنا ہے اس لئے اتھائی تلبیس و فریب سے کام لے کر آفتاب ہدایت کی بحث کا جواب دیا ہے اور خلفائے ثلاثہ کے خلاف سخت زہرا گلا ہے۔ و صافی صد و دھم اکبر دار جہان کے سینوں میں ہے وہ اس سے زیادہ ہے۔

آیت استخلاف علی بن ابی طالب کا۔ البتہ خلافت راشدہ کی پیشگوئی موجود ہے۔ چنانچہ پ ۱۸ سورۃ النور ص ۷ میں ہے۔

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا مَن كَانَ كَفِرًا بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

اس آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے یہ کیا ہے: ان سے

لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پامال کر دے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ اس وقت وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں، اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے۔ وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر گیا ان کو ملک میں جیسا بدلے کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جو دے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے۔ شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں بے کم اس آیت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے استخلاف یعنی خلفاء بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے اس کو آیت استخلاف کہتے ہیں۔

آیت تمکین (اللَّهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَبُعِثُوا فِي بِلَادٍ غَيْرِهَا وَلِيَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحْرَقَ الْكُفْرَ بِاللَّهِ عَذَابًا جَدِيدًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)۔ ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ اور بے شک اللہ ان کو مدد دینے پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو اپنے ملک سے ناخون صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر خدا آدمیوں کو ایک کے ذریعہ سے دوسرے کو دفع نہ کرتا رہتا تو عبادت قانے اور گرجا اور کینے اور مسجدیں جن میں خدا کا نام زیادہ لیا جاتا ہے سب گرا دیئے جاتے اور اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا جو خود اللہ کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں نکل دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور بدی سے مانع ہوں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ اس آیت کے حاشیہ پر مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں:۔ تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر سے منقول ہے کہ یہ پوری آیت آل محمد کی شان میں ہے اور ہدی

آخر الزمان اور ان کے اصحاب کو خدا تعالیٰ زمین کے مشرق و مغرب کا مالک کر دے گا اور ان کے دین کو غالب فرمائے گا اور ان کے اصحاب کے ذریعہ سے تمام بدعتوں کو اور باطل کو اسی طرح نیست و نابود کر دے گا جیسا کہ ان اشعقیا نے حق کو برباد کرنا چاہا مگر پھر وہ نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدیوں سے باز رکھیں گے، (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی) اور پہلی آیت اختلاف کے حاشیہ پر بھی مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں کہ:۔ تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام زین العابدین نے اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ واللہ یریم اہل بیت کے شیعہ ہیں جن کے لئے خدا تعالیٰ یہ سب کچھ ہم میں سے ایک شخص کے ہاتھوں انجام دے گا جو اس امت کا مہدی ہوگا الخ چونکہ پہلی آیت اختلاف کی مراد امام زین العابدین سے اور دوسری آیت تمکین کی مراد امام محمد باقر سے شیعہ تفسیر میں یہی منقول ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تمکین و غلبہ دین سے مراد حضرت امام مہدی کے زمانہ کا غلبہ ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ کا غلبہ۔ اس لئے شیعہ علماء ان دونوں آیتوں سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے (۲) لیکن مآثر مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو آیت اختلاف کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ یہاں خلافت سے اسلامی اصطلاحی خلافت مراد نہیں بلکہ اس کے لغوی معنی مقصود ہیں یعنی کسی فرد یا جماعت کی جانشینی۔ ان کے ملک و ملک پر تسلط۔ ان کے دیار و احوال پر غلبہ۔ چنانچہ اسلامی برادری کے مشہور مفسرین کی تفسیروں سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر جلالین میں یستخلفتم فی البلاد و فی المعنی یہ لکھتے ہیں بدلاً عن الکفار یعنی خدا مسلمانوں کو کافروں کی زمین میں وراثت بنا لے گا۔ اس تفسیر مدارک میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں ائمی ارض الکفار۔ وعدہم ان یتحصروا بلادہم علی الکفر و یورد شہر ارض یعنی خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کی وراثت بنا لے گا (۳) تفسیر ابن جریر ج ۱۸ ص ۱۲۲ طبع مصر (۴) معالم الترمذی مع ابن کثیر ج ۶ ص ۱۳۸ طبع مصر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی زمین کا جانشین بنائے گا (انجلیات ص ۱۳۳)

مآثر مجتہد ڈھکو صاحب نے اس آیت اختلاف کی تفسیر میں خوب اپنی جہالت اور خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ (۱) اس آیت میں خلافت سے مراد لغوی خلافت اور جانشینی نہیں کہ محض کفار کی زمین پر مسلمانوں کو تسلط اور غلبہ نصیب ہو جائے اور وہ وہاں صرف کھٹی باٹی کا کام کرتے رہیں۔ بلکہ اصطلاحی خلافت مراد ہے یعنی یہ غلبہ و اقتدار دینی ہوگا اور اسلام کفر پر غالب آجائے گا۔ چنانچہ خود آیت

میں اس خلافت و جانشینی کی مراد واضح فرمادی ہے کہ لیسکتن لہم دینہم الذی اذعننی لہم جس کا ترجمہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد نے بھی یہ کیا ہے کہ:۔ جو اے گمان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کی واسطے اور تمکین دین کا معنی قوت و غلبہ دین ہی ہے۔ تو کیا مآثر مجتہد انہا نہیں جانتے کہ دینی اقتدار و غلبہ کا نام ہی اسلامی اصطلاحی خلافت ہے۔ (۲) علاوہ ازیں ڈھکو صاحب نے اس آیت سے مراد لغوی خلافت لے کر امام زین العابدین کے ارشاد کی صریح مخالفت کی ہے جو تفسیر عیاشی سے مولوی مقبول احمد صاحب نے نقل کیا ہے کیونکہ امام زین العابدین نے اس سے حضرت امام مہدی کی خلافت مراد لی ہے۔ تو کیا مآثر مجتہد کے نزدیک امام مہدی کی خلافت بھی صرف لغوی اور دنیوی خلافت ہوگی اور دینی اور اصطلاحی خلافت نہ ہوگی؟ یہ ہے ڈھکو صاحب کی اپنی دیانت و صداقت کا حال جو آفتاب ہدایت کے مصنف کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف جب یہ کتاب لکھتے بیٹھے تھے تو حیا و خرم اور خوف و خجست، الہی کا ہر مہر چھوڑ کر دوڑ بھینک دیا تھا اس لئے وہ کذب سنازی اور افترا پر وازی میں ذرہ بھی جھجھک محسوس نہیں کرتے، (۳) مآثر مجتہد نے خلافت سے لغوی خلافت مراد لینے کی تائید میں جن تفسیر کے حوالے پیش کئے ہیں اس میں بھی انہوں نے قلیس و خیانت سے کام لیا ہے کیونکہ ان مفسرین کے نزدیک بھی مراد دینی اور اصطلاحی خلافت ہے۔ اور جو انہوں نے تفسیر مدارک کی عبارت پیش کی ہے کیونکہ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ جو ان کے اپنے ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی ”خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وراثت بنا لے گا“ فرمائیے اسلام کی مدد کرنے کے وعدہ خداوندی کا کیا مطلب ہے۔ صحابہ کرام کے ذریعہ دین کو طاقت ملے یا حسب اعتقاد شیعہ دور صحابہ میں دین برباد ہو جائے؟ اور عربی عبارت میں یہ الفاظ تھے:۔ وَعَدَہم اَنْ یَّتَحَصَّرُوا اِلَیْہِمْ عَلَی الْکُفْرِ، جن کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر اسلام کو نصرت و غلبہ عطا فرمائے گا۔ لیکن ڈھکو صاحب نے علی الکفر کا ترجمہ چھوڑ ہی دیا ہے۔ (۴) اور تفسیر جلالین کے حوالہ میں مآثر مجتہد نے یہ خیانت کی ہے کہ بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں خلافت لغوی نہیں بلکہ اصطلاحی یعنی اسلامی خلافت مراد ہے۔ چنانچہ ولیمکن لہم دینہم کے تحت لکھا ہے:۔ وهو الا سلاہم بان یتظہرہ علی جمیع الادیان ویوسع لہم فی البلاد دینہم کدھا۔ ردین سے مراد اسلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے گا اور

شہروں میں ان کو وسعت دے گا اور وہ ان کے مالک ہو جائیں گے، فرمائیے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ م
 (۵) اسی طرح تفسیر مدارک کی بعد والی عبارت بھی ڈھکو صاحب نے چھوڑ دی ہے جو یہ ہے:۔ فَاخْجَزَ اللَّهُ وَعَدَهُ
 وَأَظْهَرَهُمْ عَلَى جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَافْتَحُوا الْعَدْلَةَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَزَقُوا مَمْلَكَةَ لَاسْتَر
 وَمَلَكُوا خَزَائِنَهُمْ وَأَسْتَقْبَلُوا عَلَى الدُّنْيَا، تَرْجُمَهُ:۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان
 (یعنی صحابہ) کو جزیرۃ العرب پر غالب کیا اور انہوں نے مشرق و مغرب کے دور دور شہروں کو فتح کیا اور انہوں
 نے فارس کے بادشاہوں کو پامال کیا اور وہ ان کے خزانوں کے مالک بنے اور وہ دنیا پر چھانٹے نیز لکھا ہے
 کہ:۔ وَالآیةِ اَوْضَحَ دَلِيلِ عَلَى حَقِيَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ (اور یہ آیت بہت واضح دلیل ہے خلفائے
 راشدین کی خلافت کے حق ہونے پر) ۱۶۱ اور تفسیر خازن میں تو بالکل وضاحت کر دی ہے کہ:۔ فی الآیةِ دَلِيلِ
 عَلَى خِلافةِ اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ بَعْدَهُ الْخ (اور اس آیت میں دلیل ہے
 حضرت ابوبکر صدیق اور آپ کے بعد کے خلفاء راشدین کی خلافت پر) اور اسی تفسیر خازن میں فمن كفر بعد
 ذلك كمن كفر بعد الله قال اهل التفسير اقل من كفر بهذه النعمة وجد حقاها
 الذين قتلوا عثمان الخ اهل التفسير نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اس نعمت خلافت کی ناشکری کی
 اور اس کے حق کا انکار کیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا (۷) اور امام طبری کی تفسیر جامع البیان کا
 جو نامی مجتہد نے حوالہ دیا ہے تو اس میں بھی اہل سنت کی تائید پائی جاتی ہے چنانچہ ویکنتم لہم کے تحت لکھتے ہیں:۔
 وَكَيُوطَتُهُمْ دِينَهُمْ يَعْنِي صَلَاتَهُمْ الَّتِي ارْتَضَى لَهَا فَاَوْحَى بِهَا الْخ (اور ضرور اللہ تعالیٰ
 ان کے دین کو ٹھکانہ دے گا) یعنی ان کے اس مذہب و ملت کو جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے، اور جس کا ان کو حکم دیا
 ہے، اور فمن كفر بعد ذلك کے تحت لکھا ہے کہ:۔ قَالَ الْقَاسِمُ ابُو عَلِيٍّ بِقَتْلِهِمْ عَثْمَانَ
 بِنِ عَقَانَ، يَعْنِي قَاسِمٌ بُو عَلِيٍّ نَعَى كَمَا هُوَ كَمَا هُوَ نَعَى نَاشِكِرِي كِي (۸) اور تفسیر
 ابن کثیر میں ہے:۔ هَذَا وَعْدٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لِرَسُولِهِ صَلَوَاتِ اللَّهِ وَسَلَامِهِ عَلَيْهِ يَابَدًا
 سَيَجْعَلُ امْتَهُ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ اِي اُمَّةِ النَّاسِ وَالْوَلَاةَ عَلَيْهِمْ وَبِهِمْ تَصِلُحُ الْبِلَادِ وَ
 تَخْفَعُ لِهِمُ الْعِبَادُ وَلِيَدِي لَتَكْفَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا وَحَكْمًا فِيهِمْ وَقَدْ فَعَلَهُ بَتَارِكًا

(۱۲) اور تفسیر کشاف میں ہے:۔ فان قلت هل في هذه الآية دليل على امر الخلفاء الراشدين قلت اوضح
 دليل وابتداء لاد المستخلفين الذين آمنوا وعملوا الصالحات هم همهم۔ پس اگر تو کہے کہ کیا
 اس آیت میں خلفائے راشدین کی خلافت پر دلیل پائی جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں بہت واضح بہت صاف دلیل
 پائی جاتی ہے کیونکہ بن مومنین صالحین کو یہ خلافت دی گئی ہے وہ وہی خلفاء ہیں، (۱۳) امام رازی نے تو تفسیر کبیر میں اس
 آیت سے بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے خلفائے راشدین کا برحق ہونا ثابت فرمایا ہے چنانچہ
 لکھتے ہیں:۔ دلت الآية على امامة الائمة الاويعة وذلك لانه تعالى وعد الذين آمنوا وعملوا الصالحات
 من الحاضرين في زمان محمد صلى الله عليه وسلم وهو المراد بقوله لستخلفنهم في الارض
 (اور یہ آیت چاروں اماموں کی امامت پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن ایمان اور عمل صالح و انوں سے
 یہ وعدہ فرمایا ہے وہ وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد
 لستخلفنهم في الارض سے) اور اس کی دلیل آیت میں لفظ حكم ہے (تم میں سے) اور امام رازی نے ابن مخرنم
 کا مدلل رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ وعدہ تمام امت کے لوگوں سے ہے یا صرف حضرت علی یا بارہ اماموں کے بارے میں۔
 اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم امام رازی کی ساری عبارت درج کر دیتے جو اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

نامی مجتہد نے جن تفسیر اہل سنت کو اپنے حق میں پیش کیا تھا ہم نے انہی تفسیر کی ضروری عبارتیں
 یہاں نقل کر دی ہیں تاکہ قارئین ڈھکو صاحب کی علمی دیانت و امانت کی حقیقت سمجھ لیں۔ اس مجتہد
 نے تمام کتاب میں اسی طرح فریب قلبی سے کام لیا اور کتابوں کے حوالجات کا ڈھیر دکھلا کر اپنا علمی سکھ جانا چاہا ہے۔
 لیکن ہم نے ان کے اس فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ واللہ العاقل۔ بہر حال مذکورہ دونوں آیتوں یعنی سورۃ الحج کی آیت
 لیکن اور سورۃ النور کی آیت خلافت کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ تکلیف میں اللہ تعالیٰ نے بطور پست گوئی یہ واضح فرمایا تھا کہ
 جن مومنین پر اہل مکہ نے ظلم و تم کیا اور پھر ان کو گھروں سے نکلنا پڑا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے
 تو اگر ان کو ہم زمین میں تکلیف و اقتدار دیں تو وہ نماز و زکوٰۃ کا نظام جاری کریں گے اور نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے
 منع کریں گے۔ اور سورۃ النور میں پھر واضح طور پر ان مومنین صالحین سے وعدہ فرمادیا اور تم کے ساتھ فرمایا کہ ان کو ضرور
 عقیقہ بنایا جائیگا۔ اور ان کو خود اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی طاقت عطا فرمائیں گے جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔

تغالیٰ ولہ الحمد والمنة الخ ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ ہے کہ بیشک وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین پر خلیفہ بنائے گا یعنی ان کو لوگوں کا امام اور ان پر والی بنائے گا اور ان کے ذریعہ شہروں کی اصلاح ہوگی اور اللہ کے بندے ان کے تابع رہیں گے اور ضرور اللہ ان کے خوف کو امن اور حکومت سے بدل دے گا۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا ہے اور یہ اس کا شکر اور احسان ہے، لیکن مائمی مجتہد نے پہلی ساری عبارت چھوڑ دی ہے اور اس عبارت کا صرف آخری یہ ٹکڑہ لکھ دیا ہے کہ فقد فتحک رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم واختار اللہ له ماعنده من الکرامة قام جلا صریحہ خلیفتم ابوبکر الصدیق الخ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی بارگاہت کرامت و بزرگی کو پسند فرمایا تو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق نے امر وین کو قائم کر لیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کی اسلامی فتوحات کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ (۹) امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے:۔ وفي الآية دلالة على خلافة الصديق وامامة الخلفاء الراشدين (اور اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اور دوسرے خلفائے راشدین کی امامت کی دلیل پائی جاتی ہے۔) اور تفسیر درمنثور میں بھی امام سید علی نے لکھا ہے کہ:۔ فأظهر الله نبیة علی جزیرة العرب فامنا ووضعوا السلاح شران الله فیض نبیة فکانوا كذلك آمنین فی امارة ابی بکر وعمر وعثمان الخ رہیں اللہ نے جزیرہ العرب پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب فرمایا پس وہ ایمان لائے اور انہوں نے ہتھیار ڈال لئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی پس وہ لوگ اسی طرح امن والے رہے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی امارت و خلافت میں الخ (۱۱) تفسیر بیہادری میں ہے:۔ وفيه دلیل علی صححة النبوة بالاخبار عن الغیب علی ما هو به وخلافة الخلفاء الراشدين اذ لم یجتمع الموعود والموعود علیہ بغيرهم بالاجماع (اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے صحیح ہونے پر دلیل ہے کیونکہ یہ غیب کی خبر اسی طرح پوری ہوئی جیسا کہ فرمایا تھا۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے پر بھی دلیل ہے۔ کیونکہ جو وعدہ فرمایا گیا تھا وہ ان کے بغیر کسی پر پورا نہیں ہوا۔ اور اس پر اجماع ہے۔)

اور ان کے سابق حالات خوف کو اس غلبہ و اقتدار کی وجہ سے امن سے بدل دے گا۔ اور وہ خلفاء خالص میری عبادت کرنے والے ہونگے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھیرائیں گے۔ اور ان کو خلافت دینے کے بعد جو لوگ ان کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس نعمت و خلافت کی ناشکری کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوں گے، اور شیعہ عقیدہ کے تحت اگر تینوں خلفائے راشدین العیاض باللہ ظالم و فاسق قرار دیے جائیں تو پھر یہ آیت کسی طرح بھی صحیح ثابت نہیں ہو سکتی اور اس سے مراد صرف حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ وہ اپنے دور خلافت میں بھی امامت دین نہیں کر سکے اور خلفائے ثلاثہ کی بدعت نماز تراویح وغیرہ کو ختم نہیں کر سکے۔ نہ ہی منوع کو حلال قرار دے سکے۔ ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۲۶، ۳۰) اور نہ ہی شیعہ مذہب کی اذان و نماز کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ شیعوں کے شہید ثالث رجن کو جہاںگیر بادشاہ نے قتل کر دیا تھا قاضی نور اللہ شوشتری صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ:۔ والحاصل ان امور الخلافة ما وصل الیه الا بالاسم دون المعنی (استحقاق الحق):۔ اور حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو خلافت برائے نام پہنچی تھی نہ کہ از روئے معنی و حقیقت اور خود مائمی مجتہد نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ:۔ مؤلف کے بزرگوں کی وجہ سے نہ انجناب کو ثبات قدم حاصل ہوا۔ نہ وہ موعودہ اصلاحات کر سکے (ص ۲۲) اور حضرت علیؑ کے ماسوا و گیرا ماموں کے لئے یہ وعدہ اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان کو دینی قوت و اقتدار ہی نہیں ملا اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھ ماہ تک خلیفہ رہے لیکن آخر آپ نے بھی خلافت چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور بارہویں امام حضرت مہدیؑ تو صدیوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں ان کی خلافت کو کامل و غالب ہوگی لیکن اس کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اس آیت اختلاف سے امام مہدیؑ کی خلافت مرد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مومنین میں سے نہیں جن کے متعلق وعدہ ہے۔ اور سورۃ الحج کی آیت میں دور رسالت کے مہاجرین کو تکلیف و غلبہ دین عطا فرمانے کی پیشگوئی ہے اور حضرت مہدیؑ ان مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں اور یہ بھی بالکل غیر معقول نظر ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو دینی غلبہ و اقتدار اصحاب رسول کو بھی حاصل رہا۔ اور یہی آپ مسک ما بعد کی امت کو یہ نصیب ہوا ہوا اور اگر غلبہ دین نصیب ہوتا تو اصحاب امام مہدیؑ کو اس آخری زمانہ میں جب دنیا کا حاکم ہونے والا ہوا اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی کے مذکورہ حوالہ میں امام محمد باقر اور امام زین العابدین کی حرفت یہ منسوب کر دیا گیا ہے کہ آیت تکلیف اور آیت اختلاف میں جس دینی غلبہ کا ذکر ہے وہ آخری زمانہ میں اصحاب مہدیؑ کو ہونے لگا۔ لہذا اگر اصحاب مہدیؑ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت

کے مستحق ہیں لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصرت خداوندی اور غلبہ دین کے مستحق نہیں تھے حقیقت یہ ہے کہ جب تک مذہب اہل سنت و تسلیم کیا جائے مندرجہ زیر بحث آیات صحیح ہی ثابت نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔

ماتمی مجتہد اگر علمی دیانت سے کام لیتے تو ان کو شیعہ مذہب کی تفاسیر و احادیث سے ہی اس

شیعہ تفاسیر و احادیث

بات کا ثبوت بل جاتا کہ آیت استخلاف سے مراد خلفائے ثلاثہ کی برحق خلافت ہے چنانچہ (۱) جب جہاد فارس کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود جانے کا ارادہ فرمایا اور اس بار سے میں حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا: ان هذا الامر لم يَكُنْ ليكن نصرة ولا خذلاناً بكَثْرَةِ ولا قلة ولا هود دين الله الذي اظهروه و جندة الذي اعدوا و امده حتى بلغ ما بلغ و طلع حيث طلع و تمنع على موعود من الله و الله منجز و عده و فاهم جندة“ (نہج البلاغہ ص ۱۹ مطبوعہ طہران)

دیشک اس دین کی فتح و شکست کثرت اور قلت پر موقوف نہیں ہے۔ اور وہ اللہ کا دین ہے جن کو اس نے غالب کیا ہے اور یہ اللہ کا شکر ہے جس کو اللہ نے ہی تیار کیا ہے اور اس کو طاعت دی ہے، حتیٰ کہ وہ پہنچا جہاں تک پہنچا اور پھیلا جہاں تک پھیلا۔ اور ہم اللہ کی طرف سے وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے یہاں جس اللہ کے وعدے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہی وعدہ خلافت اور غلبہ دین ہے جو سورۃ النور کی آیت استخلاف میں وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات کے الفاظ میں مذکور ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ کے شیعہ شارح علامہ ابن مسیم بحرانی حضرت علیؑ کے اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں: وعدنا بموعود و هو النصر و تغلبت و الاستخلاف في الارض كما قال وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات لیستخلفنهم في الارض“ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور وہ مدد و غلبہ اور زمین کی خلافت کا وعدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات“ کیا ماتمی مجتہد ڈھکڑھکا صاحب نے نہج البلاغہ میں حضرت علی کا یہ ارشاد اور علامہ ابن مسیم بحرانی کی شرح کے یہ الفاظ نہیں پڑھے تھے، کیا اب بھی ہیں کہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں لغوی خلافت مراد ہے نہ کہ اصطلاحی حضرت علی کے اس ارشاد اور علامہ بحرانی کی اس تشریح سے اچکے یہ جاننا نہ نظر یہ بھی باطل ہو گیا کہ: ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا“ (تجلیات ص ۱۹) کیونکہ حضرت فاروقؓ کے لشکر کو حضرت علیؑ

اللہ کا لشکر قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے غلبہ اور فتوحات کو حق تعالیٰ کی خصوصی نصرت کا نتیجہ فرما رہے ہیں۔ باوجود اس کے آپ کا یہ ریمارک اس امر کی دلیل ہے کہ آپ بھی مثل یہود اور نصاریٰ اور دوسری مغلوب کافر قوموں کے اصحاب ثلاثہ کی شاندار اسلامی فتوحات کی وجہ سے غیظ و غضب میں مبتلا ہیں اور اعلان خداوندی لیغیظ بہمہم الکفار کا مصداق بن رہے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ کی اسلامی فتوحات کا جو نقشہ مولانا حالی۔ علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری نے اپنے اشعار میں کھینچا ہے وہ بشارات الدارین میں درج کر دیا ہے۔ قارئین وہاں دیکھ لیں۔ (۲) جہاد روم کے لئے جب حضرت فاروق اعظم نے حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ لیا تو آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ بھی نہج البلاغہ میں منقول ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے: قد توکل الله لا هل هذا الدين باعزاز الحوزة و سکتوا العوزة۔ (نہج البلاغہ ص ۱۸ مطبوعہ تہران) یعنی اس دین والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے ان کی جماعت کو غالب کرنے اور ان کی کمزوری کو چھپانے کی“ اس کے تحت بھی علامہ ابن مسیم بحرانی لکھتے ہیں۔ و هذا الحكم من قول تعالیٰ وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات“ یعنی حضرت علی کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ سے ماخوذ ہے جو اس آیت میں ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا الخ (۳) شیعوں کی تفسیر صافی میں ہے: وعن الباقر و لقد قال الله في كتابه لولا الاصر من بعد محمد خاصة وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات۔ (امام محمد باقر سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خاص کر ان والیان حکومت سے وعدہ فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں“ (۴) شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی نے امام باقر سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی زندگی میں قریش کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا۔ اسے گروہ قریش و لے طوائف عرب شمارا می خوانم بسوئے شہادت بوجدانیت، خدا و ایمان آوردن بر پیغمبری من و امر میکنم شمارا کہ ترک کیند بت پرستی را و اجابت نماید مردان چه شمارا باں سے خوانم تا بادشاہان عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرما نبرداران گردند و در بہشت بادشاہان باشند“ (حیات القلوب جلد دوم ص ۲۵۵) (اسے گروہ قریش اور لے قبائل عرب تم کو میں خداوند عالم کی وحدانیت اور اپنی پیغمبری پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی کو چھوڑ دو اور جس کام کی طرف میں بلاتا ہوں اس کو مان لو تاکہ تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ اور عجمی لوگ بھی تمہارے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور بہشت میں بھی تم بادشاہ ہو جاؤ“ اس روایت سے بھی صاف ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے تحت جن قریش کو عرب و عجم کی بادشاہت ملے گی یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص اتمام ہوگا اور آخرت میں بھی وہ جنت میں بادشاہ ہوں گے“

فرمائیے۔ کیا اس بیٹھ گونی کا مصداق خلفائے ثلاثہ نہیں ہیں؟ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب و عجم کی حکومت اور بادشاہت ملی۔ اور انہی کو جنت کی بادشاہت کی بھی بشارت ملی ہے۔ کیا اب بھی ڈھکو صاحب جیسے مجرم از قفل و انصاف مجتہد یہی رٹ لگانے میں گے کہ ملکی فتوحات اصحاب ثلاثہ کی حقانیت کی دلیل نہیں ہیں اور یہ کہ ان حضرات کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا ہے۔

نبی کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت میں بارشاد نبوی حضرت ابو بکر حضرت ابو بکر کی امامت نماز صیدق نے مسجد نبوی میں سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائی ہیں۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں فرمائی (ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات ابن سعد حصہ دوم۔ مترجم ۲۲۴ - تاریخ کامل ابن اثیر مترجم جلد اول ص ۵۲۵ - تاریخ طبری مترجم - تاریخ ابن خلدون مترجم - بخاری شریف - باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سند امام احمد بن حنبل ج ۶)

حضرت علی کی اقتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں حضرت علی المرتضیٰ نمازیں پڑھتے رہے چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور اور معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں ہے:- ثم قام وتقبلاً للصلوة وحضر المسجد وصلى خلف ابي بكر

جناب والد صاحب مرحوم نے خلفائے ثلاثہ کے برحق ہونے کی ایک یہ بھی دلیل دی مآتی مجتہد کا اہتمام حیلج ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں تو اس کے جواب میں مآتی مجتہد لکھتے ہیں:- اگر کسی نے یہاں شیعہ روایت سے یہ ثابت کر دیں کہ اقتداء کی نیت کی تھی تو ہم منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں۔ صرف خلف یا وراء وغیرہ سے کام نہیں چلے گا۔ اس طرح نماز تو خلف الجدار اور وراء الأسطوانہ بھی ہوتی رہتی ہے۔ کوئی ہے انعام کا خواہشمند، (تجلیات ص ۵۶)

الجواب (۱) احتجاج طبرسی کی جو روایت ہم نے لکھی ہے۔ اس میں خلف ابی بکر کے الفاظ ہیں یعنی ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہمارے لئے تو یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابو بکر کی اقتداء کی نیت بھی کی ہوگی ورنہ اگر انہوں نے اپنی نماز مولے اقتداء ابی بکر کے پڑھی ہوتی تو بجائے اس کے نماز کی صفت میں دیگر نمازیوں کی طرح حضرت ابو بکر کے پیچھے کھڑے ہوں آپ کسی دیوار یا اسطوانہ (ستون) کے پیچھے کھڑے ہو جاتے کیا حسنرت علی دیوار۔ ستون اور حضرت

ابو بکر خلیفہ وقت کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علی کی نیت قلبی کا حال تو مولے علم بذات العہد وہی جانتا ہے۔ حضرت علی جیسی عظیم شخصیت کا حضرت ابو بکر کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نیت اقتداء ہی کی ہوتی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کے متعلق فرمایا ہے یستخون فضلاً من اللہ ورضواناً (سورۃ الفتح) کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اگر حضرت علی نے حضرت ابو بکر کے پیچھے بے دلی سے مجبوراً نمازیں پڑھی ہیں جس کو شیعہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں تو آپ کی نمازیں ساری ضائع ہو گئیں۔ کیونکہ یہ نمازیں انہوں نے خدا کی رضا کے لئے حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نہیں پڑھیں بلکہ خود کی بنا پر پڑھی ہیں۔ لہذا مآتی مجتہد صاحب کا حضرت علی کی نیت قلبی کے ثبوت کے لئے حیلج کرنا ان کی انتہائی حماقت و جہالت کی دلیل ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق سے خلافت کی بیعت بھی کی ہے۔ چنانچہ فروع حضرت علی کی بیعت اکانی سبلہ ثالث کتاب الرواقہ میں ہے۔ فلذلك كتب علي عليه السلام امرؤ

وبائع مكرها خيث لم يجد اعداء (پس اسی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے امر خلافت کو چھپا یا اور آپ نے مجبور ہو کر بیعت کر لی جبکہ آپ نے مددگار نہ پائے۔ اس کے جواب میں مآتی مجتہد اپنا نیا س یہ پیش کرتے ہیں کہ اصطلاحی بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ: بیعت کرنے والا اپنا دین و ایمان اور اپنے امور دنیا و دین اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے جس کی بیعت کرتا ہے اور اس کے عوض اس سے جنت لیتا ہے لیکن جو بزرگوار بطابق فرمان رسول خود قسیم الجنت والنداء ہو۔۔۔ جو خلافت کو بلا شرکت غیر سے اپنا حق سمجھتا ہو۔۔۔ اور جو ابو بکر کو گناہگار خیانت کار۔ دروغ گو اور غدار سمجھتا ہو۔۔۔ اس کے متعلق ایک لمحہ کے لئے کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ کسی کی بھی اور بالخصوص ابو بکر و عمر جیسے اشخاص کی بیعت کرے گا (تجلیات ص ۳۷)

الجواب: (۱) حضرت مصنف آفتاب ہدایت نے تو فروع کافی میں سے یہ روایت پیش کی ہے۔ جو حضرت امام محمد باقر سے مروی ہے۔ اور اصول و فروع کافی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں مآتی مجتہد خود شافی ترجمہ کافی کے مقدمہ میں تیسیر کر چکے ہیں کہ الکانی کی روایات کو امام غائب حضرت مہدی کی رضائے سکوتی حاصل ہے:- اس لئے اگر آپ کے نزدیک

لے اور شیوخ کی مستند کتاب رجال کشی میں بھی امام باقر سے مروی ہے کہ: حتی جائنا بامر ابیہم (یعنی مکہ مکرمہ حنیف) (ص ۱۰۰) حتی کہ وہ امیر المؤمنین یعنی حضرت علی کو مجبور کر کے لائے ہیں انہوں نے بیعت کی“

حضرت علیؑ کی بیعت ابی بکر کو کوئی صحیح الدماغ آدمی تسلیم نہیں کر سکتا تو یہ اعتراض آپ کا امام محمد باقر اور امام غائب پر ہے۔ جنہوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے،

(ب) جب شیعہ علماء ہی کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہے خواہ بجز واکراہ ہی ہے تو کیا وہ شیعہ علماء آپ کے نزدیک صحیح الدماغ نہیں ہیں۔

(ج) اگر تاملی مجتہد علم و فہم اور دیانت و صداقت سے کام لیں تو فروع کا فی جیسی مذہب شیعہ صحیح الکتب میں حضرت علی کی بیعت کا ثبوت ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کو حقیقتاً خلیفہ برحق اور افضل الصحابہ ملتے تھے۔ ورنہ اگر حضرت علی جیسے امام برحق واکراہ کی وجہ سے خلفائے جور کی بیعت کر سکتے تھے تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی بڑی بیعت کر لینا کوئی مشکل نہ تھا۔

(۲) تاملی مجتہد نے مصنف آفتاب ہدایت پر اعتراض کیا ہے کہ شیعہ کا دوسرا قول یہ لکھ کر کہ حضرت علیؑ نے بخوشی بیعت کر لی، اس کی تائید میں فروع کا فی کی مندرجہ روایت پیش کر دی ہے کہ ضیاع مکرہا یعنی آپ نے مجبوری سے بیعت کر لی۔ گویا ان دونوں باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے (تجلیات ص ۳۷۲)

الجواب (۱) یہ تضاد خود فروع کا فی کی اسی روایت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس خطرہ کے تحت لوگوں کو حضرت ابوبکر کی بیعت سے نہیں روکا کہ وہ بالکل ہی اسلام کو نہ چھوڑ دیں اور پھر بتوں کی پوجا متروک کر دیں وکان الاحب الیہ ان یقتروہم علی ما صنعوا من ان یزودوا عن جمیع الاسلام یعنی حضرت علی کو یہ بات بہت پسند تھی کہ وہ لوگوں کو حضرت ابوبکر کی بیعت پر قائم رہنے دیں بہ نسبت اس بات کے کہ وہ سارے اسلام کو ہی بالکل چھوڑ دیں۔ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں فیلذک کتتم علی علیہ السلام امرہ (اسی مصلحت کے تحت حضرت علی نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت نہیں دی اور اپنے اختلاف کو چھپائے رکھا) تاکہ اگر حضرت علی ان کو اپنی بیعت کی طرف بلائیں اور وہ انکار کر دیں تو پھر اسلام سے بالکل خارج ہو جائیں گے۔ تو فرمایا جیہ جب اس مصلحت کی بنا پر آپ کو یہ زیادہ پسند تھا کہ لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرتے رہیں تو کیا اس مصلحت کے تحت اس میں آپ کی خوشی اور رضانا ثابت نہیں ہو جاتی۔ اور اسی مصلحت کے تحت آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کر لی تھی۔ اب یہ تو امام محمد باقر سے پوچھئے کہ اس مصلحت کے بیان فرمانے کے بعد یہ کیوں فرمایا کہ حضرت علی نے مجبوری سے بیعت کر لی جب کہ

انہوں نے مددگار نہیں پائے، حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب خود ہی تضادات کا مجموعہ ہے۔

(۲) مذہب شیعہ کی احادیث کا یہ حال ہے کہ ان کا سب سے بڑا راوی زرارہ ہے اور آفتاب ہدایت میں یہ لکھا ہے کہ زرارہ کو خود امام جعفر صادقؑ یہود و نصاریٰ سے زیادہ بُرا کہتے تھے (بحوالہ رجال کشی) اور اس زرارہ نے امام محمد باقرؑ کو بڑے حلیم علم کہا تھا۔ (اصول کافی ص ۵۵۷) اسی طرح دوسرے مشہور راوی بھی ہیں تو اس کے جواب میں تاملی مجتہد فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ زرارہ بڑے حلیم القدر و عظیم المرتبت بزرگوار ہیں ائمہ اطہار کی نظر اشرف میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ اگر زرارہ اور اس جیسے راویان اسیا نہ ہوتے تو آثار نبوت مسٹ جاتے (رجال کشی ص ۳۳۳) جس دور میں امام عالی مقام موجود تھے وہ ایسا نازک دور تھا کہ جو شخص آل رسول سے محبت و اخلاص میں مشہور ہو جاتا اُسے حکومت وقت کے عقاب و عقاب کا شکار ہونا پڑتا۔ اس لئے حکماء اسلام یعنی اہل بیت علیہم السلام ایسے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر عام لوگوں میں بیٹھ کر مذمت فرماتے تاکہ حکومت یہ سمجھے کہ یہ اشخاص ائمہ کے مشغول نظر نہیں ہیں۔ چنانچہ ہی جواب امام جعفر صادقؑ کی زبانی منقول ہے۔ امام علیہ السلام زرارہ کے فرزند عبداللہ سے فرماتے ہیں۔ . . . اپنے والد زرارہ کو میرا اسلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ میں جو بعض اوقات تیری عیب جوئی کرتا ہوں تو یہ سب کچھ تیرے دفاع کی خاطر ہے۔ . . . معلوم ہو کر یہ مذمت اس اہم مصلحت کے پیش نظر ہے، (تجلیات ص ۵۲)

الجواب (۱) تاملی مجتہد نے جو توجیہ کی ہے اور جس جواب کو امام جعفر صادقؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ اور اسی سے شیعہ مذہب نے نقاب ہوجاتا ہے کہ جب امام معصوم خود اس زرارہ کو یہود و نصاریٰ سے بُرا فرماتے ہیں جس کو تاملی مجتہد بڑا حلیم القدر و عظیم المرتبت وغیرہ مان رہے ہیں۔ تو پھر امام کے قول و فعل کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے۔ اس کی کیا دلیل ہوگی کہ جس کو امام معصوم اچھا کہہ رہے ہیں وہ حقیقتاً اچھا ہے اور جس کو بُرا کہہ رہے ہیں وہ حقیقتاً بُرا نہیں۔ تو پھر شیعہ کی کسی حدیث پر کوئی اعتماد ہو سکتا ہے جس کے امام اور راوی ایسے ہوں۔ اور اگر تاملی مجتہد نے ایسے معصوم اماموں کی پری کر نی ہے تو خود ان کے قول و فعل کا کیا اعتماد ہو سکتا ہے اور اس کتاب تجلیات کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے جس کی ہر بات میں یہ احتمال ہے کہ تاملی مجتہد اپنے اعتقاد کے خلاف یہ لکھ رہے ہیں۔ اور ہر قسم نے سابق ادلاق میں آپ کے کذب و فریب کا کچھ نوٹر پیش ہی کر دیا ہے۔ اور اسی طریق کار کو شیعہ مذہب میں فقہ کے عظیم نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تاملی مجتہد حضرت علی المرتضیٰ کو معصوم بھی مانتے ہیں اور شجاع و بہادر بھی اور یہ بھی ان کا دعویٰ ہے کہ غدیر خم میں رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے سامنے

حضرت علیؑ کی پوزیشن

آپ کی خلافت بلا فصل کی رسم تاجپوشی بھی ادا فرمائی تھی اور لافنی الاعلیٰ اور لامیعت الاذوالفقار تو عموماً شیعوں کے ورد و زباں رہتا ہے۔ لیکن اس عظمت مقام کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ کی کمزوری اور مغلوبیت کی تصویر پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ”پہلوئے فاطمہ پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ حسن کی شہادت واقع ہوگئی“ (تجلیات ص ۱۶۵) (۲) بیعت دہلے دن عمرؓ نے جناب فاطمہ کے بطن اقدس پر ضرب لگائی جس سے حسن شہید ہو گیا اور وہ اس دن حج بیچ کر کربلا کا تھا کہ گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ اس گھر میں مولیٰ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے اور کوئی موجود نہ تھا (تجلیات ص ۱۶۵) یہ تو شیر خدا کے سامنے خاتون جنت کا حال ہوا۔ العیاذ باللہ۔ اب خود حضرت علیؓ کا حال سینے (۳) اس طرح جناب امیر کے گلے میں کپڑا وغیرہ ڈال کر زبردستی کٹا کٹا بیعت کی طرف لے جانا الاہمۃ والسیاسة ص ۱۶۱ شرح نہج البلاغۃ حدیث ج ۲ ص ۲۵ پر مذکور ہے ” (تجلیات ص ۱۶۵) (۴) مائتہ مجتہد لکھتے ہیں۔ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت لینے کے لئے جبر و اکراہ کے ساتھ حضرت امیر کو دربار خلافت میں لانے کے واقعات اس قدر مشہور و مسلم تھے کہ معاویہ اپنے بعض خطوط میں جناب امیر کو طعن دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ تفادک ما یفاد الجمل المخشوش حتی بتایع تمہیں مرید خلافت میں یوں پکڑے ہوئے لایا جانا تھا جس طرح مست اونٹ کے ناک میں نخیل ڈال کر کھینچا جاتا ہے الخ۔

یہاں مائتہ مجتہد نے حتی بتایع کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جس سے حضرت علیؓ کا بیعت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خواہ بالجرسی ہو۔ اور مائتہ مجتہد انہیں لکھتے ہیں کہ :- اگر بالفرض حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی بھی ہے تو وہ بہت ہی جبر و اکراہ اور خوشگوار واقعات کے بعد“ (تجلیات ص ۱۶۵) لیکن یہ بالفرض کا معاملہ نہیں ہے جبکہ فروع کافی کی حدیث مذکور سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اور مائتہ مجتہد اپنے بیان کو وہ اصول کے تحت اس کی تردید نہیں کر سکتے کیونکہ الکافی کی تمام روایات کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہو چکی ہے۔ (۵) کتب شیعہ میں ہے کہ جب حضرت فاطمہ پر ظلم کیا گیا اور حضرت علی المرتضیٰ نے آپ کی کچھ مدد نہ کی تو خاتون جنت نے آپ کو ان سخت الفاظ سے خطاب کیا۔ قالت لایسیر المؤمنین علیہ السلام ما ابن ابی طالب اشتملت شملۃ الجبین و وقعت حجوة الظینون“ (احتجاج طبری مطبوعہ ایران ص ۱۵۹) اور علامہ باقر مجلسی نے اس روایت کا ترجمہ صحیح الیقین میں یہ لکھا ہے: وخطاہا ہکے ودرشت باسید اوصیاء نمود کہ مانند جنین در رحم پرودہ نشین شدہ و مثل خائنان در خانہ گرینختہ بعد ازاں کہ شجاعان و ہررا بر خاک ہلاک انگندی مغلوب ایناں گردیدہ“ حضرت فاطمہ نے سید اوصیاء حضرت علیؓ کو سخت الفاظ سے خطاب کیا کہ جنین یعنی ماں کے پیٹ کے بچہ کی طرح توجیب گیا ہے اور تائوں کی طرح گھر میں گھس گیا ہے۔ بعد اس کے کہ تو نے زمانہ کے بہادروں کو ہلاک کیا ہے اب تو ان سے مغلوب ہو گیا ہے“

ہمارا سوال

(۱) جب علمائے اہل سنت شیعوں کو الزام دیتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی موجودگی میں حضرت خاتون جنت کی یہ بے حرمتی کیوں ہونے دی اور اپنے گلے میں رسی ڈلوانے کیوں اتنی کمزوری دکھلائی تو شیعہ علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے یہ وصیت فرمادی تھی کہ خواہ آپ پر کتنا ہی ظلم کیا جائے آپ نے بہر حال صبر کرنا ہوگا۔ تو یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ (۱) کیا حضرت فاطمہ الزہراء کو یہ وصیت معلوم نہیں تھی۔

اور اگر نہیں معلوم تھی تو کیوں؟ اور اگر وصیت معلوم تھی تو پھر کیوں حضرت علی المرتضیٰ کو اتنے توہین آمیز الفاظ سے خطاب کیا۔ جبکہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کر رہے تھے۔ (ب) شیعہ مذہب میں حضرت علیؓ ہی معصوم ہیں اور حضرت فاطمہ الزہراء بھی پھر ایک معصوم نے کیوں ایک معصوم کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کیا امام معصوم کو ان الفاظ سے بچنا نامرغاً جائز ہے۔ یہاں شیعوں کے لئے کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی لیکن باوجود حضرت فاطمہ کی اس قد نادر اشگی اور غضب کے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ دو کو معصوم مانتے ہیں مگر مسئلہ مذکور میں اگر روایات میں یہ آگیا ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق پر ناراض ہوئیں تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں بھی حضرت صدیق اکبر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث عدم توریث انبیاء پیش کی تھی۔ اور حضرت فاطمہ کی اپنی زبان سے جواب میں حضرت صدیق اکبر کے خلاف کوئی ایسا توہین آمیز لفظ ثابت نہیں ہوتا۔ غضب فاطمہ کا ظہور تو حضرت علیؓ کے خلاف بہت سخت ہوا ہے پھر حضرت فاطمہ الزہراء کے غضب کے پیش نظر شیعہ حضرت علیؓ کے کیوں مخالف نہیں ہوتے جو حضرت خاتون جنت کے غضب کا باعث بنے ہیں (۲) ذکر ابن عمیر نے شیعہ کی بیان کردہ جھوٹی روایات کے تحت عام شیعوں کو خلفائے ثلاثہ کے خلاف اتنا غصہ آتا ہے کہ وہ ان حضرات کا نام بھی نہیں سن سکتے اور ان سنی علماء سے بھی سخت نفرت کرتے ہیں جو خلفائے ثلاثہ کو برحق خلیفہ مانتے ہیں، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ بالفرض ایسے غیور اور جری شیعہ نوجوان کے سامنے اگر خدا نخواستہ حضرت خاتون جنت کی اس قدر بے حرمتی ہوتی تو کیا وہ بھی اسی طرح صبر کر لیتے جیسا کہ حضرت علیؓ کی تصویر اس موقع پر پیش کی جاتی ہے۔ یا اگر ان کے سامنے کوئی دشمن ان کی مستورات کی اس طرح بے حرمتی کرے تو کیا خاموش رہ کر اس طرح صبر کر سکتے ہیں۔ بہر حال شیعوں نے خلفائے ثلاثہ اور اکثریت صحابہ کو اگر غاصب و ظالم قرار دیا ہے تو حضرت اہل بیت کا بھی وہ خشنہ کھینچا ہے کہ اس سے شہر خدا حضرت علی المرتضیٰ کی خصوص غیرت و شجاعت کی کوئی ادنیٰ اسے ادنیٰ حیثیت بھی باقی نہیں رہتی۔ اور رسولؐ نے حضرت امام حسین کے باقی تمام ائمہ کی مقدس زندگیاں بھی تقیہ نامرضیہ کے تاریک پردوں میں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو اُمّت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتقیہ حضور خاتم النبیین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام

اصحاب میں سے کسی کی پیروی کو غلبہ دین کا ذریعہ بنائے اور کیوں بنائے؟ اُس اسلام اور اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا انبیاء باللہ اُمت کو کیا فائدہ جنہوں نے دور رسالت میں چند کامل اور غالب شخصیتیں بھی پیدا نہیں کیں۔

سے نہ بھجورگے تو بھجورگے تم یہ داستاں کب تک ؟

ماتمی مجتہد حضرت ابو بکر صدیق - حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین سے اس قدر شدید بغض و عناد رکھتے ہیں کہ انہوں نے

بعض ناقابل انکار واقعات کا بھی سرب سے انکار کر دیا ہے جن سے ان حضرت کی کوئی نہ کوئی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابو بکر کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تھے بلکہ آپ بعد میں حضور سے جا ملے تھے۔ آنجناب تو باہر اپنی اپنے برادر خود حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سٹا کر تنہا اس مہم پر روانہ ہوئے مگر جب ابو بکر کو کسی طرح آپ کے اس سفر کی اطلاع ہوئی تو عند معلوم کس مقصد سے راستہ میں آنحضرت سے جا ملے اور ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی اور آنحضرت نے خواہ افشائے راز کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے ان کو واپس نہ لوٹایا بلکہ ہمراہ رکھا۔

وتجلیات مکتبہ

الجواب :- (۱) ہم پوچھتے ہیں کہ جب یہ سفر ہجرت رسول پاک اور حضرت علی کے درمیان راز تھا تو حضرت ابو بکر کو حضور کا سامنا اور پھر غارتگری کی سمت جانا کیونکر معلوم ہوا؟

(ب) اور اگر ان کو حضرت علی نے بتایا جیسا کہ ماتمی مجتہد یہ لکھ رہے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اس راز کا افشاء اپنے اور اپنے رسول کے دشمن کے سامنے کیوں کیا؟

(ج) بالفرض اگر حضرت ابو بکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے دشمن تھے تو آپ نے بجائے خود جانے کے ابو بکر اور اس کی پارٹی کو کیوں نہ بتا دیا کہ حضور غلامی سمت کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور پھر باوجود دشمنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف غارتگری بلکہ مدینہ منورہ تک آپ کو اپنے ہمراہ رکھا۔ اور بالفرض اگر حضرت ابو بکر بعد میں بھی راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے ہوں پھر حضور کا آپ کو مدینہ منورہ تک اپنے ہمراہ رکھنا وغیرہ یہ سب واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر عاشق صادق تھے اور اصحاب مکہ میں سے سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفا شناسی اور ہلاوری پر اعتماد تھا۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لے جا کر حضرت صدیق کو اپنے ساتھ لیا تھا چنانچہ حسب ذیل کتب سیرت و تاریخ

سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (۱) سیرت النبی مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ہے: حضرت ابو بکر سے پہلے سے فرارِ داد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ (جلد اول ص ۲۱) رحمت للعالمین مؤلفہ قاضی محمد سلمان صاحب منصور پوری میں ہے: خدا کا نبی پیارے دوست ابو بکر کے گھر پہنچا۔۔۔ اسی شب کی تاریکی میں دونوں گوارا چل پڑے۔۔۔ ابو بکر نے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ (۳) طبقات ابن سعد مترجم جلد اول ص ۳۲ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر کے مکان پر چلے گئے۔ رات اسی میں رہے۔ پھر آپ اور ابو بکر نکلے اور غار ثور کو روانہ ہو گئے (۴) تاریخ طبری مترجم حصہ اول ص ۱۳ میں ہے: جب آپ نے روانگی کا پورا ارادہ کر لیا تو آپ ابو بکر بن ابی قحافہ کے پاس آئے اور یہاں سے دونوں ایک روشن دان میں سے جوا ابو بکر کے گھر کی پشت پر تھا نکل کر جبل ثور کے غار کی طرف چلے۔ (۵) امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: ذکر و اذ ان تولیتا و

من بحکة من المشركين تعاقدا و اعلى قتل رسول الله صلى الله عليه وسلم فتئل. اذ يملكك الذين كفروا. فاصرا الله تعالى ان يخرج هو ابو بكر اول الليل الى الغار الخ بيان کرتے ہیں کہ قریش اور مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی. واذ يملكك الذين كفروا. پس اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اور ابو بکر رات کے پہلے سوتے ہیں رگھر سے نکل کر غار کی طرف جائیں۔

(۶) ماتمی مجتہد نے اپنی تائید میں تفسیر درمنثور کی ایک روایت پیش کی ہے لیکن وہ بھی ان کے لئے مفید نہیں کیونکہ اسی درمنثور جلد ۳ ص ۲۲ میں ہے: وخرج ابو بکر عن علي بن ابي طالب رضی اللہ عنہ قال خرج رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم وخرج ابو بکر رضی اللہ عنہ معہ لمریامن علی نفسہ غیرہ حتی دخل الغار اور ابن عساکر نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ساتھ ابو بکر بھی نکلے اور حضور رسول ابو بکر کے اپنی ذات کے لئے کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ حتی کہ دونوں غار میں داخل ہوئے۔

(ب) اور درمنثور ہی میں ہے: فلما دأب ابو بکر رضی اللہ عنہ انها قد حفیت حملة علی کاہلہ۔ جب ابو بکر نے دیکھا کہ حضور کے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں تو آپ نے حضور کو اپنے کندھے پر اٹھالیا، کیا ماتمی مجتہد نے درمنثور کی یہ روایتیں نہیں دیکھی تھیں؟ (۷) اور ماتمی مجتہد نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اذالت الخفاء جلد دوم مترجم ص ۱۳ میں یہ الفاظ ہیں: فلما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم هاربا من اهل مكة خرج ليلا فتبعه ابو بكر فجعل

یمنی صرة امامہ ومرتة خلفہ ومرتة عن یمنہ ومرتة عن یسارہ الخ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے بھاگ نکلے۔ تو رات کے وقت نکلے اور ابوبکر ان کے ساتھ ہوتے تو چلنا شروع کیا کبھی ان کے آگے چلنا شروع کرتے تھے اور کبھی ان کے پیچھے اور کبھی ان کے دائیں اور کبھی ان کے بائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوبکر تم کیا کہتے ہو۔ تو ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ گھات لگانے والوں کا خیال آجاتا ہے تو میں آپ سے آگے ہو جاتا ہوں اور تقاب کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو آپ کے پیچھے ہوتا ہوں الخ (ترجمہ از امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤی) عبارت میں فقہ ابوبکر کے الفاظ ہیں جس کا معنی ہے ابوبکر حضور کے پیچھے چلے اور لغت میں بھی تبتہ کا معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یا ساتھ چلنا آتا ہے (ملاحظہ ہو المنجد وغیرہ) لیکن مامی مجتہد نے اس کا مطلب بعد میں گھر سے چلنا نکال لیا۔ یہ ہے ان کی جہالت یا تلبیس۔ اور ازالة الخفاء کی روایت میں یہ بھی ہے:-

فلما رآها ابوبکر رضی اللہ عنہ انھا قد حفیت حملہ علی کاہلہ الخ (جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حالت کو دیکھا کہ آپ کے دونوں پاؤں تھک چکے ہیں تو آپ کو اپنے کندھے پر سوار کیا) (۸۵) آفتاب ہدایت میں حضرت مصنف نے شیعوں کی تفسیر امام حسن عسکری سے بھی یہ عبارت پیش کی ہے:- ان اللہ تعالیٰ اوحی الیہ یا محمد ان العلوی الاعلیٰ یقبأ علیک السلام ویقول لک ان اباجہل والاملاء من قریبین قد دبتوا یریدون قتلاک الخ ان قال وامرک ان تستصحب ابابکر الخ۔ (جبرائیل علیہ السلام رسول پر وحی لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعت قریش نے تیرے قتل کرنے کی تدبیر کی ہے۔ آپ کے چل کر فرمایا۔ اور خدا نے تجھے حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیق سفر بناؤ الخ اس میں چونکہ تصریح ہے کہ ابوبکر کو رفیق سفر بنانے کا اللہ تعالیٰ نے خود حضور کو حکم دیا تھا تو اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں کہ:- اول یہ روایت مرسل و مجہول ہے۔ اور انت الصدیق کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ استفہام انکاری ہے (بجذبت حوت الاستفہام) کیا تو صدیق ہے؟ یعنی صدیق ایسے ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بطور تندییل و تکمیل ہے۔۔۔ مطلب یہ کہ واقعاً تو صدیق ہے یعنی تجھ جیسے ہی صدیق ہوتے ہیں۔

الجواب (۱) مامی مجتہد آفتاب ہدایت کے استدلال سے بالکل مبہوت نظر کرتے ہیں اور وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد مبارک کو کہ: تو صدیق ہے، العیاذ باللہ ایک محمد اور پہلی قرآن سے رہے ہیں۔ (لاحول ولا قوۃ

الابا للہ سے گرمیں مجتہد وہیں مذہب کا شیعہ تمام خواہشمند (۱۰) آفتاب ہدایت میں مذہب شیعہ کی مشہور کتاب نظم حمد حیدری کے اشعار بھی پیش کئے ہیں جن سے رسول اللہ کا حضرت ابوبکر کو خود ہمراہ لینا اور رات میں کندھوں پر اٹھانا مذکور ہے۔ اس کے جواب میں مامی مجتہد رستم طرازی ہیں: حملہ حیدری کا موافقہ و ناظم نہ محدثین شیعہ میں سے ہے اور نہ علماء و مجتہدین میں سے۔ بلکہ وہ صرف فروسی کی طرح شیعی المذہب شاعر ہے۔ ظاہر ہے کہ شعرا کے کلام کو علمی تحقیقات اور فی مشگافیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا (تجلیات ص ۱۲)

الجواب (۱) مامی مجتہد نے قرآن سے مامی اور نہ حدیث و سیرت سے نہ اصول کا ان کی روایات قبول کریں نہ تفسیر قریٰ کی۔ تو حملہ حیدری کو وہ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔

ادنیٰ رے ادنیٰ تیری کوئی کل سیدھی والامعالم ہے۔

بہر حال مذکورہ واقعات صحیح ہیں۔ وٹھو صاحب مامی یا نہ مامی۔ آیت فار سے حضرت ابوبکر کے جو خصوص فی فضائل ثابت ہوتے ہیں ان کا ذکر "بشارت الدارین" میں آگیا ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

آفتاب ہدایت میں کتب شیعہ سے حضرت عمر فاروق کے اسلام عمر کے متعلق رسول خدا کی مخصوص دعا ہے: انما لک شہادت میں یہ روایت پیش کی گئی تھی سدوی العیاشی عن الباقہ علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ قال اللہم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جہل بن ہشام" (بحوالہ بحار الانوار علامہ باقر مجلسی) تو جہل بن ہشام عیاشی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ لے خدا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے عزت بخش "سو حضور کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کی کیفیت حملہ حیدری میں لکھا ہے الخ (آفتاب ہدایت ص ۵۵) اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں (۱) اولاً یہ روایت مرسل ہے اور استفادہ مقام میں ایسی روایات حجت نہیں ہیں۔ ثانیاً اس روایت میں عمر صاحب کو ابوجہل کا ہم پلہ اور ہسر قرار دیا گیا ہے جس سے انہی خدمت ہی ہوتی ہے نہ مدح۔ ثالثاً اس میں عمرؓ یا ابوجہل کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف ان کی وجہ سے اسلام کو تقویت پہنچانے کا ذکر ہے اور سابقہ اوراق میں کئی جگہ بالتفصیل یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ بعض اوقات خداوند حکیم اسلام کی نصرت و تائید فساق و فجار سے بھی کر دیتا ہے (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۰۔ الخ) تجلیات ص ۱۲۳

الجواب :- (۱) امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک حدیث مُرسَل مُطلقاً مقبول ہے۔ (ب) اس حدیث کا تعلق فضائل سے ہے نہ عقائد سے۔ (۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے حضرت عمرؓ کو ایمان نصیب ہوا گیا اور ابو جہل ہمیشہ کے لئے محروم رہا تو کیا آپ کے نزدیک ایمان و کفر اور مومن و کافر ہم پتہ ہیں؟ (۳) حضور رحمت اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان دونوں میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو تقویت پہنچانے کے لئے دعائے فرمائی تھی تو کیا ماتی مجتہد کے نزدیک حضورؐ کی اس دعا مبارک کا یہ مطلب تھا کہ اے اللہ ان میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو غلبہ نصیب فرما لیکن وہ خود فاسق و فاجر ہی رہے۔ بلکہ بزم و ہلکودہ خود مومن نہ بنے۔ کیا اس سے زیادہ بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خاص کی توہین ہو سکتی ہے۔ جس کا ارتکاب ماتی مجتہد کر رہے ہیں یہ صرف حضرت عمرؓ سے بغض و عناد کا اظہار نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت کا تمسخر اڑانا ہے۔ العیاذ باللہ (۴) کسی فاسق و فاجر شخص سے دین اسلام کو تقویت پہنچانا یہ عام حالات میں ہے۔ اور زریحہ مستد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عین دعا کے متعلق ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخصیت (یعنی حضرت عمرؓ) کے ذریعہ اسلام کو طاقت و غلبہ نصیب ہو گا اس کا اپنا ایمان و اسلام بھی اعلیٰ درجہ کا کامل اور مضبوط ہو گا۔ (۵) ماتی مجتہد پانچویں وجہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔ کتب سنہ سے ثابت ہے کہ جناب عمرؓ ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکتے تھے۔ (تجلیات ص ۱۶۵) ماشاء اللہ کیا یہ عیب و زریب عقل و ذہن ہے۔ کوئی اس محروم العقول مجتہد سے پوچھے کہ جب پہلے یہ مان لیا ہے کہ جن کے حق میں حضورؐ کی دعا ہے (یعنی حضرت عمرؓ) ان کے ذریعہ دین اسلام کو طاقت ملے گی۔ تو اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ بہت جبری اور بہادر تھے۔ ورنہ ڈرپوک اور بزدل آدمی بھی کسی کی طاقت کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعائیہ الفاظ نے ہی ماتی مجتہد کے اس الزام کا ابطال کر دیا کہ:۔ اے کاش کہ یہ لوگ یہ ملکی فتوحات حاصل نہ کرتے انہی لوگوں اور انہی کی ان مزبورہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا (تجلیات ص ۹۵) ڈھکوسا صاحب کچھ تو ہوش سے کام لیں جب حضورؐ کی دعا کا نتیجہ ہی یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ذریعہ اسلام کو قوت حاصل ہوگی۔ تو کیا شوکت و قوت اسلام آپ کے نزدیک بولٹ بدنامی ہے؟ جن اغیار یعنی دشمنان اسلام نے خلفائے راشدین کی فتوحات پر طعن و تشنیع کی ہے اس کی وجہ تو یہ ہے کہ خلفائے راشدین حضورؐ کی فتوحات نے انہیں دوس سالہ دور خلافت میں روم و ایران جیسی قدیم و مستحکم سلطنتوں کا خاتمہ ہوا اور قیصر و کرمی کے علاوہ پراسلامی پریم لہرا گیا۔ آپ کیوں ان اسلامی فتوحات سے بیچ و قاب کھا رہے ہیں۔ کیا آپ بھی تو ان اغیار کی فہرست میں

شامل نہیں ہیں؟ (۶) اور اپنے عقیدہ کے تحت یہ بھی تو فرمیں کہ جب حضرت علیؓ جیسے بہادر پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور وہ کامل الایمان بھی تھے۔ تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ العیاذ باللہ حضرت عمرؓ جیسے غیر غلص اور بزدل اور ڈرپوک کے ذریعہ اسلام کو طاقت عطا فرمائے۔ کیا حضرت علیؓ المرتضیٰ سفیر خدا تبدیلے اسلام سے ہی صرف گوشہ نشینی اور تنقید کے ہر دھتے جو کسی طرح بھی قوت اسلام کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے؟

ماتی مجتہد نے حضرت ابو بکرؓ پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ:۔
حضرت ابو بکرؓ پر زندہ انسان کو جلادینے کا الزام ابو بکرؓ نے فجاجہ سلمیٰ کو آگ میں جلادیا۔ حالانکہ شرفا کسی کو آگ میں جلانا ممنوع ہے، (ص ۳۲)

الجواب :- اس شرعی جرم کا ارتکاب تو حضرت علیؓ نے بھی کیا ہے چنانچہ شیعہ مذہب کی مستند کتاب ”رجال کثی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ابن سباہودی کو آگ میں جلادیا تھا۔ جبکہ اس نے تین دن مہلت دینے کے باوجود توبہ نہ کی:۔
 واستتابہ ثلاثاً ایامہ فلسے یثب فاحرقہ بالنار“ (رجال کثی مطبوعہ کربلا ص ۹۸)

” آفتاب ہدایت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیر الحج مقرر فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں ماتی مجتہد لکھتے ہیں:۔
 اگر بعض مجال چند لحظات کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابو بکر امیر الحج تھے تو دو باتیں تو بہر حال غلط ہیں۔ ایک حضرت علیؓ کا ان کے ماتحت و مامور ہونا۔ کیونکہ یہ بات ناقابل رد حقائق سے ثابت ہے کہ جناب امیر پوری حیات رسول میں کبھی بھی کسی کے ماتحت نہیں رہے۔“ (تجلیات ص ۲۹)

الجواب :- (۱) ماتی مجتہد اسی بحث میں یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ:۔ وہ اہل سنت بھی جنہوں نے ابو بکرؓ کو امیر حج ہونا لکھا ہے۔ انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ صرف قافلہ سالار تھے۔ دوسرے کام اور لوگوں کے سپرد تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی

مجلس طبقات ابن سعد حصہ سوم ص ۵۶ میں ہے:۔ قاسم بن عبد الرحمن سے مروی ہے۔ کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ عمرؓ کا اسلام فتح تھی ان کی ہجرت مدینہ اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ ہم نے اپنی وہ حالت دیکھی ہے کہ عمرؓ کے اسلام لانے تک ہم لوگ بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے لوگوں سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے جیسے چھوڑا اور ہم نے بیت اللہ میں نماز پڑھی۔“

نے بیعت النبی ج ۱ ص ۱۳ طبع اول پر لکھا ہے :- حضرت ابو بکرؓ تافلہ سالار۔ حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص۔ جابر۔ ابوسمریۃ وغیرہ معلم تھے، ”بجو الہ بخاری، ”نوجب حضرت ابو بکرؓ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفیر حج کے تافلہ سالار تھے تو کیا حضرت علیؓ المرتضیٰ بھی اس تافلہ کے ایک فرد نہ تھے۔ اسی کا نام ماتحت ہوئے کیونکہ سال تافلہ سالار کے ماتحت ہوتا ہے، امیر تافلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے اور حضرت علیؓ نعمت سب صحابہ آپ کے ماتحت تھے۔ نخواہ کام ان کے جدا جدا پر وکے گئے ہوں۔ (۲) بارگاہ خداوندی میں نماز بھی حضرت علیؓ المرتضیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پیچھے پڑھی ہے۔ کیا مقتدی امام کے ماتحت نہیں ہوتا۔

مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شامل ہونے والے تمام صحابہ کرام نے حضرت عثمانؓ کی غائبانہ بیعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر حاضرانہ بیعت کی تھی جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ المرتضیٰ بھی تھے لیکن حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت مکہ مکرمہ میں تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ فرار دے کر آپ کو غائبانہ اس بیعت میں شامل فرمایا۔ اور اس کی تائید میں اُن فتاب ہدایت میں حضرت مصنف نے شیعوں کی فروع کافی جلد ۳ ص ۱۸۱ کی یہ روایت پیش کی تھی :- ”وَبَايَعُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَهُنَّبَ بِأَحَدِي يَدِيهِ عَلَى الْأَخْرِيِّ لِعَثْمَانَ - وَقَالَ الْمُسْلِمُونَ طَوْفِي لِعَثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَمِعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاحِلًا - قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ - فَلَمَّا جَاءَ عَثْمَانَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ أَطَقْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاطْوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ لَمْ يَطْفُؤْ بِهِ” (ترجمہ) رسول پاک نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا اور عثمانؓ کی (غائبانہ) بیعت کی۔ مسلمان کہنے لگے۔ ”زبے نصیب عثمانؓ نے طواف کعبہ کیا اور صفا اور مروہ کی سعی نصیب ہوئی، آنحضرتؐ فرمایا۔ عثمانؓ ایسا نہیں کرے گا۔ پھر جب عثمانؓ اُسے تو حضور علیہ السلام نے دریافت کیا عثمانؓ کیا تو نے طواف کعبہ کیا؟ عثمانؓ نے کہا میں طواف کیسے کرنا حالانکہ رسول پاک نے طواف نہیں فرمایا۔“ (دُفتاب ہدایت) اس کے جواب میں مامی مجتہد لکھتے ہیں :- اس طرح عثمانؓ سفارت پر بھیجے گئے کہ ان کے کفار قریش سے اچھے تعلقات تھے۔ باقی رہا ان کے لئے آنحضرتؐ کا اپنے ہاتھ پر بیعت لینا تو بنا برحمت روایت جو کہ خبر واحد ہے اور اعتقاد میں ناقابل اعتماد۔ اس میں بھی ان

کی ہرگز کوئی فضیلت نہیں۔ چونکہ آنحضرتؐ کو باعلام اللہ علم تھا کہ عثمانؓ بھی اپنے دو مصاحبوں کی طرح اس بیعت پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور اُنندہ جنگوں سے راہ فرار اختیار کریں گے اس لئے اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو اُنندہ ان کو یہ عذر کرنے کا موقع مل جاتا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے انام حجت کرنے اور ان کے اس عذر کو قطع کرنے کے لئے اپنے ہاتھ پر ان کی طرف سے بیعت کر لی تاکہ وہ سب سے زیادہ بچتہ ہو جائے۔ توڑنے والے کے لئے سب سے زیادہ باعث درد وبال قرار پائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ نکت بیعت میں اپنے صاحبین کے ساتھ برابر شریک رہے (الترجیحات ص ۸۵)

الجواب :- (۱) یہ روایت فروع کافی کی ہے جس کو بقول آپ کے امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اس لئے آپ کے لئے اس میں چون و چراں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۲) آپ کا یہ لکھنا نرمی کم عقلی ہے کہ :- اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو اُنندہ ان کو یہ عذر کرنے کا موقع مل جاتا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا، ”کیونکہ حضرت عثمانؓ نے خود تو یہ بیعت نہیں کی۔ اس لئے اس صورت میں تو ان کے لئے عذر کرنے کا یہ زیادہ موقع ہے کہ میں نے تو بیعت کی ہی نہیں پھر توڑنے کا اس سے کیا تعلق ہے؟ کیا مامی مجتہد اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بیعت اس پر لازم آتی ہے جو خود اپنے ارادہ سے کرتا ہے۔ اور یہاں تو حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہی نہ تھا۔ تو فرمائیے اس غائبانہ بیعت کو آپ کس طرح انام حجت قرار دے سکتے ہیں (۳) یہ مامی مجتہد کی بد نظمی ہے کہ وہ رحمت للعالملین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو ناقابل اعتماد و قرار دے رہے ہیں۔ اس بیعت میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ یا ان کی نیت کا کوئی دخل ہی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اور دست مبارک کا دخل ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ نے بعد میں بیعت توڑنی تھی یا العیاذ باللہ توڑی ہے تو اس کا الزام تو سراسر رحمت للعالملین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک بلکہ خود حضور کی ذات پر آتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضور کے دستان مبارک کا ہی باہمی عہد ہے۔ نہ کہ حضرت عثمانؓ کا۔ (۴) اگر بغض عثمانؓ کی وجہ سے مامی مجتہد کی فہم و دیانت پر پردہ نہ پڑ گیا ہوتا تو وہ اس حقیقت کے قائل ہوجاتے کہ حضرت عثمانؓ کی اس غائبانہ بیعت کے ٹوٹنے کا تو احتمال ہی ختم ہو گیا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیعت لی ہے۔ اور اس یقین کی بنا پر اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا ہے کہ حضرت عثمانؓ اس بیعت کو توڑ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے مامی مجتہد نے حضرت عثمانؓ کی نہیں بلکہ خود و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی قوانین کی ہے۔

سے زخدا ہی بلانہ وصال صم زادھر کے رہے زادھر کے رہے

(۵) یہ اسی حضرت عثمان کی غائبانہ بیعت ہے جو وفار و عشق نبوی میں اسنے کامل ہیں کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کعبہ کی اجازت نہیں ملی آپ نے باوجود قریش کی اجازت کے بھی طواف کعبہ کرنا پسند نہیں کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
مامی مجتہد نے حضرت عمر فاروق پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے: صلح حدیبیہ

حضرت عمر پر شک فی النبوة کا بہتان کے موقع پر جناب عمر کا شک فی النبوت کرنا اور ان کا اظہار ان الفاظ میں کرنا مآشکلکے منذ اسلمت الایویشن۔ کتب کثیرہ میں باسانید کثیرہ مروی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۷ وغیرہ۔ سیرت جلد ۳ ص ۳۷) (تجلیات ص ۳۷)

الجواب (۱) مامی مجتہد نے درمنثور وغیرہ کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے نبوت میں شک ہونا ثابت ہوتا ہو۔ لہذا حضرت عمر فاروق پر ان کا یہ ایک عظیم بہتان ہے کہ آپ نے نبوت میں شک کیا تھا۔ آفتاب ہدایت میں اس بہتان کے جواب میں یہ لکھا گیا ہے کہ: ہم نے تو کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب نے التجم میں اس کے متعلق شیعہ کو پانسو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا ہے کہ اگر کسی معتبر کتاب حدیث سے یہ قول دکھلا دیں، اور سالہا سال سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعلان شائع ہے لیکن آج تک کوئی شیعہ عالم و مجتہد یہ الفاظ نہیں ثابت کر سکا کہ حضرت عمر نے یہ کہا تھا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ اگر مامی مجتہد صاحب کے پاس کوئی مستند ثبوت ہے تو وہ کیوں نہیں پیش کرتے۔ جو عبارت انہوں نے لکھی ہے اس میں تو سرے سے نبوت کا لفظ ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہد موصوف نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا تاکہ جھوٹ کا پول نہ کھل جائے۔

جنگ اُحد میں جو صحابہ میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے اس کی خدانے تو معاف کر دیا لیکن مامی مجتہد؟ مختلف وجوہ ہیں۔ جن کا ہم نے بشارت الدارین، میں ذکر کر دیا ہے۔ اور جن اشخاص سے بھی یہ تصور ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کرنے کا قرآن مجید میں اعلان فرما دیا ہے۔ (۱) وَلَقَدْ عَفَا عَنْكَ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اور یقیناً خدانے تم سے درگذر کی۔ اور اللہ مومنوں بڑا فضل کرنے والا ہے۔ (ترجمہ مقبول - ۱) (ب) اور یقیناً سچو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر

(سورۃ آل عمران ع ۱۶) (۲) وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ لِيَنذَرُ لِقَوْمٍ كَثِيرٍ مِّمَّنْ ظَلَمَ لِنَفْسِهِ وَلِيَُنذِرَ لِقَوْمٍ كَثِيرٍ مِّمَّنْ ظَلَمَ لِنَفْسِهِ وَلِيَُنذِرَ لِقَوْمٍ كَثِيرٍ مِّمَّنْ ظَلَمَ لِنَفْسِهِ (۱۶) اور یقیناً سچو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے علم والے ہیں۔ (مولانا تھانوی، رب اللہ تعالیٰ ان کے قصور سے درگذر کی۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بردبار ہے۔) (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دینے کا اپنی قطعی وحی میں اعلان فرما دیا۔ تو اب کسی اہل ایمان کے لئے تو ان پر طعن کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی لیکن بغض صحابہ نے مامی مجتہد کو پھر بے قرار کر رکھا ہے اور وہ دل سے معاف کرنے کے لئے آمادہ نہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ: یہ درست ہے کہ جنگ اُحد کے جھگڑوں کو رتب کریم کی بارگاہ سے معافی مل گئی تھی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس معافی کا مطلب کیا ہے۔ ارباب عقل پر غشی نہیں کہ: حق تعالیٰ کے اس عفو کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں سزا نہیں دی۔ اس عفو سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جرم فرار سے بھی بری کئے گئے الخ (تجلیات ص ۳۷)

الجواب (۱) ارباب عقل اور اہل ایمان تو اعلان خداوندی کے بعد یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے خوش نصیب صحابہ میں جن کو رتب غفور نے معاف فرما دیا ہے۔ اب بھی اگر ان کو کوئی شخص اس تصور کی بنا پر محل طعن بنائے تو وہ ان کا نہیں بلکہ خدے غفور و رحیم کا مقابلہ کر رہا ہے اور اس کو اس قرآن پر ایمان نصیب نہیں ہے۔ (۲) قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ان کی شان عصمت کے باوجود کسی لغزش کے صدور پر استغفار اور پھر حق تعالیٰ کا معاف فرما دینا مذکور ہے تو کیا مامی مجتہد و حکو صاحب ان انبیائے معصومین کے متعلق بھی دل میں وہی بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں جن کا اظہار انہوں نے ان صحابہ کے بارے میں باوجود اعلان معافی کے کر دیا ہے۔

از خندا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

حضرت صدیق اکبر کے فضائل کا کتب شیعہ سے ثبوت پیش کر کے مامی مجتہد کو بیکر۔۔۔ وقوفی قلبہ کرتے ہوئے آفتاب ہدایت میں لکھا ہے کہ: کتاب کے معنی میں مامی مجتہد کی جہالت ہے مجاہد المؤمنین مجلس سوم ص ۱۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر کی شان میں صحابہ کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیشہ یوں فرمایا کرتے تھے۔ ماسبقکم ابوبکر بصوم و صلوة ولكن بشیخی و قوفی قلبی (ترجمہ) ابوبکر نے تم سے زیادہ نماز و روزہ ادا کرنے میں نوبت حاصل نہیں کی بلکہ اس کے صدق و صفاء قلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے۔ اس کے جواب

میں مامی مصنف لکھتے ہیں کہ: حسب عادت یہاں بھی مولف نے خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے اور روایت نقل کرنے میں تحریف لفظی و معنوی کی ہے۔ لفظی اس طرح کہ ایک تو اس کے ماقبل و مابعد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ فی حدیث کو فی قلبہ لکھا ہے۔ پوری روایت دیکھنے کے بعد ابوبکر کی بجائے فضیلت کے ردیلت ثابت ہوتی ہے۔ منقولہ بالا عبارت کا پہلا حصہ یوں ہے۔۔۔ یعنی جناب نے ابوبکر کو مال و جہا کا طمع دلایا یہاں تک کہ اسی لالچ میں اگر وہ مسلمان ہو گیا اس کے بعد آنحضرتؐ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابوبکر و بھوسہ و صلوة و لکن بشی و قوفی حدیث۔ و مراد آنحضرتؐ۔۔۔ یعنی آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ ابوبکر کے سینہ میں حسب ریاست جاگزیں ہے جس کی وجہ سے اسلام لایا ہے۔ ورنہ اس نے نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی میں تم لوگوں پر کوئی سبقت حاصل نہیں کی۔ اس سے ابوبکر کے سابق الاسلام ہونے والا نظریہ بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ سابق الاسلام ہوتا تو سابق فی الصور و الصلوٰۃ بھی ضرور ہوتا۔ اور معنوی تحریف اس طرح کی گئی ہے۔ و لکن بشی و قوفی حدیث کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ صحیح ترجمہ یوں ہے کہ ابوبکر نے نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے تم سے سبقت نہیں کی بلکہ وجہ اس چیز کے سبقت کی ہے جو اس کے سینہ میں مرکوز ہے۔ لفظ و قوفی (مجرد) کی ماضی جمہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے معنی جاگزیں ہونے کے ہیں۔ اسے باب تفعیل سے فرار دینا اور پھر اس کا صلہ فی بنانا کلام عربی سے اپنے نابلد ہونے کا ثبوت فراموش کرنے کے مترادف ہے اور پھر اس کا ترجمہ یوں کر نا۔۔۔ بلکہ اس کے صدق تصانیف قلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے۔ عجائبات روزگار میں سے ہے۔ (تجلیات ص ۱۱۱)

الجواب (۱) آفتاب ہدایت میں نہ لفظی تحریف کی گئی ہے اور نہ معنوی۔ کیونکہ (۱) ماقبل اور مابعد کی عبارت کو بجز طوالت نہ لکھنے کو لفظی تحریف نہیں کہا جاتا۔ اس کو لفظی تحریف کہنا خود مامی مجتہد کی جہالت ہے۔

(ب) آفتاب ہدایت میں فی قلبہ کے الفاظ بھی غلط نہیں ہیں کیونکہ صحیح البخاری میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں بھی فی القلب ہے۔ نہ کہ فی صدرہ۔ (ج) اور مجلس المؤمنین جو اردو ترجمہ شیعوں کے عمدۃ الفضلاء العظام مولانا سید محمد بشیر صاحب نے لکھا ہے اس میں بھی انہوں نے دل کا لفظ لکھا ہے جو لفظ قلب کا ترجمہ ہے نہ کہ صدر کا۔ (د) اور تحریف معنوی ثابت کرنے کے لئے مامی مجتہد نے جو و قوفی (مجرد) کے باب سے استدلال کیا ہے وہ بھی ان کی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ و قوفی (مجرد) کا مصدر اور اسم بھی وقار آتا ہے۔ چنانچہ لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں بھی جس کے حوالجات آپ نے بھی پیش کئے ہیں، اس حدیث کے الفاظ لکن بشی و قوفی قلبہ کے تحت لکھا ہے۔

أخى سکن فیہ و بشت من الوقار و الحلم و الذنائة۔ و قوفی وقاراً یعنی حضرت ابوبکر کے دل میں ساکن اور ثابت ہو گیا۔ وقار، علم اور بروہاری۔ یہ و قوفی وقاراً آتا ہے۔

(د) مجمع البحار کی تشریح سے معلوم ہوا کہ حدیث میں و قوفی لازم معروف مستعمل ہے نہ کہ متعدی جمہول۔ لہذا آپ کا اس کو فعل جمہول لکھنا غلط ہے۔ اور آپ نے خود یہ لکھا ہے جس کے معنی جاگزیں ہونے کے ہیں، یہ بھی اس کے فعل لازم معروف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ فرمائیے۔ جاگزیں ہونا لازم ہے یا متعدی؟ اب بتائیے کلام عربی سے نابلد آپ ہیں یا آفتاب ہدایت کے مصنف مولانا دبیر مرحوم جو عربی کے ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ لیکن آپ تو حسن خود و مجتہد ہیں۔

(ج) مجالس المؤمنین کا جو ترجمہ شیعہ عالم مولانا محمد بشیر صاحب نے کیا ہے اس میں بھی انہوں نے وقار کا لفظ لکھا ہے۔ لا اور ہمیشہ آپ اپنے اصحاب کے صحیح میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر نے تم پر روزہ و نماز کے سبب سے سبقت نہیں کی۔ اس کی سبقت برسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا، (موافقت المؤمنین) ترجمہ مجلس المؤمنین مطبوعہ آگرہ ص ۱۱۱

(۳) حدیث کے الفاظ ما سبقکم میں حضرت ابوبکر کی سبقت سے مراد فضیلت میں سبقت لے جانا ہے۔ چنانچہ مجمع البحار میں جو حدیث منقول ہے اس میں بجائے ما سبقکم کے لکن یخینکم کے الفاظ ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ حدیث زیر بحث میں سبقت سے مراد دوسرے اصحاب پر حضرت ابوبکر کا فضیلت میں سبقت اور فوقیت حاصل کرنا ہے۔ اور آفتاب ہدایت میں بھی یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ لہذا مامی مجتہد کے سارے اعتراضات باطل ہونگے اور ان کا علم و اجتہاد بالکل ناقص قرار ہو گیا۔ اور اس حدیث سے آپ کا یہ ثابت کرنا بھی کہ حضرت ابوبکر طمع اور لالچ کی وجہ سے اسلام لائے تھے باطل ہو گیا اور بھی تو ملحوظ رہے کہ حضرت ابوبکر تو خود اہل مکہ میں بالدار تھے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مالدار بھی نہ تھے۔ تو پھر حضور مال کا لالچ کیونکر دیتے؟ باقی رہا ریاست اور حکومت کا لالچ تو اس وقت کے حالات میں حضرت ابوبکر کو یہ کیونکر یقین آسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہو گا اور پھر وہ ابوبکر پہلے خلیفہ بنیں گے۔ اور بالفرض وہ ریاست و حکومت کے پیش نظر مسلمان ہوئے تھے تو حضور کے پیچھے رسول ہونے کی بنا پر ہی تو اس کا یقین آیا ہو گا تو اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر کا کامل الایمان ہونا ثابت ہو گیا۔ اور حضور کی پیشگوئی کے مطابق آپ ہی اول خلیفہ و جانشین رسول بنے۔ پھر حضرت ابوبکر کی خلافت راشدہ کے آپ کیوں منکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کو نصیب ہوئی ہے۔ (مجالس المؤمنین) روایت کا ماقبل اور مابعد اپنے مضمون کے لحاظ سے خود ہی ایک عجوبہ ہے لیکن یہاں مزید بحث کی گنجائش نہیں۔

حضرت عمر فاروق کے مطاعن میں شیعہ علماء و عموماً حدیث
حدیث قرطاس میں لفظ ہجر کی بحث | قرطاس بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ اور روایت کے لفظ ہجر کا معنی
 ہجرت کر کے یہ الزام دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہے۔ اس کے جواب میں
 آفتاب ہدایت میں مفصل بحث موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ: نیز ہجر کا معنی ہجرت کرنا شیعوں کی ڈبل جہالت کی دلیل ہے۔
 معنی عبارت یہ ہے کہ حضور کا کیا حال ہے۔ کیا آپ دینا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں؟ آپ نے دریافت تو کر و اگر ہجر کا معنی ہجرت
 کے لئے جاتے تو راستہ ہموکا معنی صحیح نہیں ہو سکتا الخ (آفتاب ہدایت) اس کے جواب میں مآثری مجتہد کتب لغت سے
 ہجر کا معنی ہجرت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: مولف آفتاب نے بموجب ذاد فی الطنبور نعمة کے ہجر کے جو معنی
 ہجرت کے ہیں یہ ان کی ذاتی ذہنی اختراع ہے: یہ معنی لغات عرب میں مذکور نہیں ہیں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
 ہونے کے مطلب کو ادا کرنا ہو تو عربی زبان میں ہا ج و ہا ج و ہا ج و ہا ج استعمال ہوتا ہے نہ ہا ج و ہا ج و ہا ج و ہا ج
 الجواب :- (۱) مآثری مجتہد کی حالت قابل حرم ہے۔ بغیر تحقیق کے الزام دوسروں پر لگا دیتے ہیں اور اس طرح
 خود اپنے جہل مرکب کا ثبوت دیتے ہیں۔

انکس کہ نلاند و بدانکہ بدانند در جہل مرکب ابدالہمربانند

حقیقت یہ ہے کہ ہجر کا معنی جہالتی اور فراق ہے جو وصل کی ضد ہے اور ہجر اور وصال کے الفاظ عام طور پر استعمال کے جاتے
 ہیں۔ چنانچہ یہ شعر مشہور ہے۔

اُریدُ وصالہ و بیڈکھجری فَا تَوَكُّرُ مَا اُریدُ لَنَا یُویدُ

دیں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ میرا فراق چاہتا ہے۔ پس میں اپنے ارادہ کو اُس کے ارادہ کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہوں اور
 ہجرت کا معنی بھی جہالتی ہے۔ چنانچہ منتہی الادب میں ہے ہجرت بالکسر جہالتی اور لغت حدیث صحیح البخاری میں ہے:-
 الْهَجْرَةُ فِي الْاَصْلِ الْاَسْمَاءُ مِنَ الْهَجْرِ وَ هِيَ الْخُرُوجُ مِنَ الْاَرْضِ إِلَى اَرْضٍ
 يُقَالُ مِنْهُ هَاجَرَ وَ هَاجِرَةٌ (ہجرت اصل میں اسم ہے ہجر سے جو ضد ہے وصل کی۔ پھر ایک زمین سے دوسری زمین کی
 طرف نکلنے پر اس لفظ کا اطلاق غالب ہو گیا ہے اور اسی سے ہے ہا ج و ہا ج و ہا ج (اس سے ثابت ہوا کہ ہجر کا معنی چھوڑنا اور
 حیدر ہوتا ہے۔ (۲) مآثری مجتہد نے جو یہ کہا ہے کہ مولف آفتاب ہدایت نے ہجر کا معنی جو ہجرت کیا ہے یہ ان کی ذاتی اختراع

ہے یہ معنی لغات عرب میں مذکور نہیں ہیں، تو یہ بھی ان کی ڈبل جہالت ہے کیونکہ زیر بحث روایت اھجرو استنفھمو کے
 معانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مجمع البحار میں لکھتے ہیں:- و یجتمل ان معناه هَجْرٌ كَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
 وَ سَلَّمَ مِنَ الْهَجْرِ وَ هِيَ الْوَصِيْلَةُ - و روى اھجرو استنفھمو ای یھجرو من السلا نبا الخ (اور اس میں
 اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ رہے ہیں۔ اور یہ ہجر سے ہے جو وصل کی ضد ہے) اب مآثری مجتہد ہی نہیں
 کہ از روئے لغت ہجر کا معنی دنیا سے انتقال کرنا ثابت ہو گیا یا نہ۔ اور کلام عربی سے نا بلند کون ثابت ہوا۔ آپ یا حضرت مولانا
 محمد کم الدین صاحب مرحوم۔ اس کو کہتے ہیں۔

سب او وہ جو در پر چھڑ کر بولے۔

آفتاب ہدایت میں قرآنی آیات سے فضائل صحابہ کے ثبوت میں
مآثری مجتہد کی "محال" کے مفہوم سے جہالت | آیات بھی پیش کی گئی ہے:- وَ اعْلَمُوا ان نیکم رسول

اللّٰهُ لَوْ یطیعکم فی کثیر من الاصل لعینتم و لکن اللّٰهُ حَبَّبَ اَیْکُم الایمان وَ زَیَّنَهُ
 فی قلوبکم وَ کثرَ اَیْکُم الکفر و الفسوقُ الْعَصِیَان ط اُولَئِکَ هُمُ السَّارِکُونَ فَصَلِّاْتِیْنَ
 اللّٰهُ وَ نِعْمَ وَ اللّٰهُ عَلَیْمٌ حَکِیْمٌ ۵ دپ ۲۶ سورة الحجرات دکوع ۱۳) تَرَجَّحَ کَھْر :- مسلمانو جان لو کہ
 تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لے تو تمہیں تکلیف ہو۔ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب
 بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و فسق و نافرمانی سے تمہیں متنفر بنا دیا ہے۔ یہی لوگ ہدایت پانے
 والے ہیں اور یہ ان پر اللہ کا احسان ہے۔ خدا دانا و حکیم ہے" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں خدا نے
 ایمان راسخ اور مصبوط کر دیا ہے اور ایمان کے ساتھ ان کو محبت طبعی ہو گئی ہے اور کفر و فسق سے ان کو ہمیشہ کے لئے نفرت
 ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی۔ پھر ان پاک نفوس پر یہ الزام کہ ان کی ایمانی
 حالت ایسی متزلزل تھی کہ نبی کریمؐ کی زندگی میں بھی ان کا ایمان صرف رسمی اور ظاہری تھا۔ ظاہر میں نبی کریمؐ کے دوست اور
 اندر سے دشمن بنے رہے اور آپؐ کی وفات کے بعد خاندان رسالت پر مسلمانیت ظلم کرنے شروع کر دیے۔ کیا یہ آیت کریمہ مذکورہ
 کی صریح تکذیب نہیں ہے؟ ہجرت - ہجرت - ہجرت (آفتاب ہدایت ص ۱۵۵) اس کے جواب میں مآثری مجتہد لکھتے ہیں:-
 مگر معرفت کی مبالغہ آرائی دیکھئے کہ ایسے لوگوں کو صرف پاک نفوس کہنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ ایمان کے خلاف

کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی۔ "مالائکہ حقیقی معصوم بھی ترک عصیان پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ اس کی عصمت اختیار ہی ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے۔ خیر سے موکت کو "محال" کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے۔ ورنہ ایسی بے پڑکی نڈاڑتے۔ سچ ہے سہ
پیسداں نمی پرند مریداں می پرانند

ہاں ہر حقائق اصحابِ ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا کیا قرآن کی متعدد آیات۔ پیغمبر اسلام کی معتبر روایات اور تاریخی مسلمات کی صریح تکذیب نہیں ہے الخ (تجلیات ص ۱۱۱)

الجواب (۱) آفتاب ہدایت کے حضرت موکت تو محال کا مفہوم جانتے تھے۔ لیکن خیر سے ماتی مجتہد خود محال کی قسموں سے ناواقف ہیں۔ واضح ہو کہ محال کی دو قسمیں ہیں (۱) محال بالذات (۲) محال بالغیر۔ اور موکت آفتاب ہدایت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی مراد یہاں محال بالذات ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معصوم نہیں ہیں اور ان سے کفر و عصیت کا صدور ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ قرآن مجید میں یہ اعلان فرمادیا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے۔ اور کفر و فسق وغیرہ سے ان کو نفرت و لادمی ہے اس لئے اب ان سے کفر وغیرہ کا صدور نہیں ہو گا اور یہی مطلب محال بالغیر ہونے کا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ملحوظ رہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا بھی اعلان فرمادیا ہے۔ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) لہذا ان اعلانات خداوندی کے بعد بھی اگر ان سے کفر وغیرہ کا صدور ہو یا ان سے ایسے افعال کا ارتکاب ہو جو باعث غضب الہی میں تو پھر حق تعالیٰ کی رضا کا اعلان عملِ طعن بن جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ انہوں نے ایسے افعال کا مرتکب ہونا ہے تو پھر ان پر راضی ہونے کا اعلان کیوں فرمایا۔

(۲) چونکہ شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ انبیاء کرام کی طرح معصوم ہیں۔ اس لئے ان آیات سے ان کی شخصیتیں مراد نہیں ہو سکتیں۔ ان کا مصداق تو وہی حضرات صحابہ ہیں جو معصوم تو نہیں ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ان کو بے ارفع مقام حاصل ہو گیا ہے۔ اور چونکہ مہاجرین و انصار اور تمام صحابہ کرام نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کر لی تھی اس لئے وہ بطریقِ اولیٰ ان آیات کا اعتقاد ہوں گے۔

(۳) ماتی مجتہد کا یہ لکھنا کہ اصحابِ ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا آیات۔ احادیث اور تاریخی مسلمات کے خلاف ہے تو یہ ان کا روایتی جھوٹ ہے جس کے مرتکب ہو کر وہ تقیہ کا ثواب لٹے رہتے ہیں۔

آیت استخلاف :- وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَيْتُ فِيهِمْ
میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفاسیر اور احادیث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں خلفائے ثلاثہ
برحق ہیں اور وعدہ خداوندی کے مطابق ان کو ذہنی تمکین و اقتدار نصیب ہوا۔ اور ماتی مجتہد علم و دیانت کی حد میں رہ کر کوئی
ایک فرمائی آیت بھی نہیں پیش کر سکتے جس سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت یا ان کے ایمان کی نفی ہوتی ہو۔ اور سبائی پارٹی نے
ان کے مظالم کی جو داستانیں گھڑی ہیں ان کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور کتب اہل سنت میں اگر کہیں کوئی ایسی روایت
پائی جاتی ہے تو اس میں بھی ان کذابین کی دخل اندازی ہے۔

(۴) سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں شیعی مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی انتہائی مضحکہ خیز
ہے۔ فرماتے ہیں:- کافی اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حَبِيبُ الْيَهُودِ الْاِيْمَانِ
سے اور ذِيْنَئِهٖ فِي قَلْبِكُمْ فِي صَمِيْرٍ غَابٍ سے مراد جناب امیر المومنین ہیں۔ اور كَرِهَ الْيَكْفُرُ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ
وَالْعَصِيَانِ میں الكُفْرُ سے مراد ہیں حضرت اول۔ اور الفسوق سے مراد ہیں حضرت ثانی اور العصيان سے مراد ثالث الخ (حاشیہ
نزجہ مقبول مطبوعہ دہلی) البیاد باللہ۔ یہاں اول۔ ثانی اور ثالث سے مراد خلفائے ثلاثہ ہیں۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یہ قرآن کی
تفسیر نہیں بلکہ ایک عنادیر ہے جو امام جعفر صادق کی ظلم مستوجب کر دیا گیا ہے۔

آفتاب ہدایت میں بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء
امام حسن حضرت معاویہ سے گزارہ الاؤنس لیتے رہے | ص ۳۵ کے حوالے سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ:-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسنؑ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا "کیا کوئی خلیفہ اپنے دشمن کے
ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتا ہے حاشا وکلاً۔ ان کے آپس میں ذاتی عناد نہیں تھا الخ اس کے جواب میں ماتی مجتہد لکھتے ہیں:-
مضمون نگار نے جس وظیفہ کا ذکر کیا ہے وہ وظیفہ نہ تھا بلکہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت امام کے لئے گزارہ الاؤنس
تھا جو بوجہ حقیقی خلیفہ رسول ہونے کے ان کا حق تھا نہ معاویہ کا (اصحاح) (تجلیات ص ۱۹۲)

الجواب (۱) ما شاء اللہ وظیفہ نہ کہیں اس کو گزارہ الاؤنس ہی کہ دیں۔ بہر حال یہ تو مان لیا کہ امام معصوم حضرت
معاویہ سے سالانہ وصول فرماتے تھے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا امام معصوم کے لئے حسب اعتقاد شیعیہ ایک ظالم و فاسق
خلیفہ کے بیت المال سے یہ رستم یعنی حلال تھی۔ اور سالانہ لاکھوں روپے وصول کرنے کی شرط منوعہ کرنا بیانی امانت یعنی حضرت

علی المرتضیٰ سے ملی ہوئی خلافت راشدہ کو ایک فاسق و فاجر حکمران کے سپرد کر دینا اور خود گھر میں بیٹھ کر راحت و عافیت کی زندگی گزار دینا اور اُمتِ موجودہ کو یوں کس میرسی کی حالت میں چھوڑ دینا کیا اس کے بعد بھی امام کی عصمت باقی رہ جاتی ہے۔ اور اس کے باوجود بھی مامی مجتہد کا یہ فرمانا کہ امام حسن ہی حقیقی خلیفہ تھے اتہائی کج فہمی اور برٹ دھرمی پر مبنی ہے۔ اور یہ بھی ان کے ان علمی غرابیات میں کا ایک غرابیہ ہے جو وہ قارئین کرام کی ضیافتِ بلج کے لئے چھوڑتے رہتے ہیں۔ اب مامی مجتہد کو کون یہ بات سمجھائے کہ خلیفہ تو شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ملکی اقتدار بھی حاصل ہو۔ اور یہ حقیقت آیت استخلاف کے الفاظ و لیکچن لہم سے ثابت ہے۔ اور جب امام حسن نے اقتدار خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا تو پھر آپ نے حقیقی خلیفہ رہے نہ مجازی۔ البتہ آپ کو اس معنی میں امام کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ آپ خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد بھی اہل سنت کے ایک دینی اور روحانی رہنما تھے۔ اور مابعد کے ائمہ کو بھی اسی بنا پر امام کہا جاتا ہے۔ ادا ان کے علاوہ امام عظیم ابو حنیفہ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل اور دیگر سے اکابر اُمت مثلاً امام غزالی اور امام رازی وغیرہ کو بھی اس معنی میں امام کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے دور میں اہل حق کے دینی رہنما ہوئے ہیں۔ امام جعفر صادق بھی اہلسنت کے دینی و روحانی رہنما اور امام ہیں اور امام زین العابدین وغیرہ ائمہ اہل بیت بھی۔ اور شیعوں کے ہاں جو امامت کا مفہوم ہے کہ یہ بارہ امام سابقہ انبیاء کے کرام علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔ تو یہ عقیدہ بے بنیاد ہے جو روافض نے منصب نبوت کی تنقیص کے لئے وضع کر لیا ہے اور جس کے بعد عقیدہ خم نبوت کی کوئی عظمت باقی نہیں رہتی۔

مامی مجتہد کے بعض تصاددات (رسم ذوالجناح) کے تحت لکھتے ہیں:- اور ظاہر ہے کہ تعزیر لے جان چیز قرار پھر کی شبیہ ہے اور نہ ہی اسے شبیہ ذوالجناح پر تطبیق کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ جاندار کی جاندار شبیہ ہے نہ بے جان۔ یعنی سرکار سید الشہداء کے راہوار کی شبیہ ہے۔ اور بے جان چیزوں کی تصویر کشی کے جواز پر سب مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے الخ (تجلیات ص ۵۳۸)

الجواب:- (۱) یہاں مامی مجتہد امام حسین کے راہوار (گھوڑے) کا نام ذوالجناح بتا رہے ہیں حالانکہ اپنی کتاب "سعادت الدارین فی مقل حسین" میں ذوالجناح نام کا انکار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:- اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟ عام طور

پر مشہور ذوالجناح ہے مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب پر مقتاتل کی روگردانی کے بعد بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ اس کی رو میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملتے ہیں "سعادت الدارین ص ۳۳۳"

(۲) جس چیز کی تصویر کے جواز پر مذہب اسلام کا اتفاق ہے وہ بے جان چیز کی تصویر ہے۔ نہ کہ بت۔ یعنی مجسمہ اور تصویر اور بت میں فرق ہے۔ اور تعزیر بت ہے نہ کہ تصویر۔

(۳) امام حسین کا گھوڑا سواری کے لئے تھا جو آج موجود نہیں۔ ہمارے زمانہ کے گھوڑے بھی مستقل جانور ہیں۔ آج کے گھوڑے کو امام حسین کے گھوڑے کی شبیہ قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ چونکہ مسئلہ مامی کی مفصل بحث "بشارت الدارین" میں آگئی ہے۔

اس لئے یہاں اس مسئلہ پر مزید بحث

کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ یہاں صرف ذوالجناح کے بارے میں مامی مجتہد کی تصاددات کا ثبوت مقصود تھا۔ جو پیش کر دیا گیا۔ آفتاب ہدایت میں شیعوں کی عملی حالت کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ ہمارے

شیعہ مساجد کی آبادی وغیر آبادی کے شیعہ میں فیصد شاید دو شخص بشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں باقی سب نماز یا نماز میں سخت سست نظر آئیں گے۔۔۔۔۔ جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویرانہ والے

آباد ہیں۔ ہم نے دو جگہ مناظرہ کے دیکھے ایک کنڈیاں ضلع میانوالی دوسرا چک بلی خاں تحصیل گوجر خاں (ضلع راولپنڈی) ظہر کی نماز کا وقت میدان مناظرہ میں آیا۔ تمام مسلمانوں نے ضرورت پڑھی مگر شیعہ کے شیعہ اور مقتدی سب پر نہی کھڑے رہے۔ لیکن شیعہ کو تکلیف برداشت کرنے کی نماز باجماعت ہی کیا تھی۔ صرف متعہ جیسا کار ثواب کرنے سے امام حسین۔

امام حسن۔ علی المرتضیٰ۔ رسول پاک کا درجہ مل جاتا ہے۔ عید غدیر کا ہی شیعہ کے ہاں ۱۸ ذی الحجہ روز متبرک ایسا آجاتا ہے کہ شیعان علی کے اس روز تمام صغیرہ کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور نویسندگان اعمال کو حکم ہوتا ہے کہ شیعان علی کے گناہ تین روز تک کھو۔ یعنی اٹھارہویں سے بیسویں تک "تحفۃ العوام ج ۲ ص ۱۶۱" آفتاب ہدایت ص ۲۲۵ اس کے جواب

میں مامی مجتہد لکھتے ہیں:- علاوہ بریں یہ کہنا کہ شیعہ دو شخص فیصد ہی بشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں۔ اتنا بڑا کذب و افتراء ہے کہ قریب ہے کہ اس کی شدت سے آسمان کا شامیانہ چھٹ جائے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور فرشتہ زمین پر پانی دہنس جائے۔ بفضلہ تعالیٰ مملکت خدا و پاکستان میں دو کروڑ کے لگ بھگ شیعان

حیدر کو تار موجود ہیں۔ ہر جگہ ان کی شاندار مساجد موجود ہیں۔ جمعہ و جماعت کا مبارک سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں۔ صرف ماہی نماز گزار بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے شیعان حیدر کو تار موجود ہیں جو شب زندہ دار اور عبادت گزار ہیں۔ بالخصوص شیعہ مملکت ایران صانہا اللہ عن الخدثان میں یہ ایمان افروز مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ع۔ میرے کہنے پر کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے“ (تجلیات ۱۵)

حضرت مصنف آفتاب ہدایت نے شیعوں کی نماز اور ان کی مساجد کی ایرانی شیعہ مساجد کی دوسری تصویر کے متعلق جو کچھ فرمایا پچاس برس پہلے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اور جس کا اقرار پچاس سال گزرنے کے بعد بھی خود مآثر تجلیات صدقات کی تصنیف سے صرف دو سال پہلے اپنی کتاب سعادت الدارین ۱۹۷۴ء پر کرچکے ہیں۔ چنانچہ شیعوں کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: مگر یہ تو بتائیے کہ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو مذکورہ بالا صفات کا پرعمل کرتے ہیں۔ صرف فرائض ہی کو لیجئے۔ نماز، حج، زکوٰۃ، جماعت، تلاوت قرآن ہم میں کس قدر ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا ہے۔ عقبات عالیہ کی زیادہ کو اگر سو جائیں گے تو جگہ کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان ہیں۔ ہزاروں روپیہ کا شیشہ آلات موجود ہیں مگر مساجد ویران پڑی ہیں۔ اول تو مسجدیں نماز کی پابندی ہی نہیں۔ اگر سے تو کسی وقت ایک نماز پڑھ گیا کسی وقت دو آگے۔ کسی وقت چار۔ ایسی حالت میں ان کا دعائے پروردی حسین اس شخص سے بلند درجہ پر نہیں جو مسلمان ہی نہ ہو الخ۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ

یہاں لکھ رہے ہیں کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار۔ لیکن اس کتاب تجلیات صدقات پر آفتاب ہدایت کے چیلنج کے جواب میں ۱۴۱۱ھ عہد شیعہ حفاظ کی ایک فہرست پیش کر دی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ اس وقت صرف صوبہ پنجاب میں بفضل ایزدی بیسیوں شیعہ حفاظ قرآن موجود ہیں، لیکن یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے کیونکہ جب اہل سنت کی طرف سے چیلنج دیا جاتا ہے تو کسی حفاظ کے مقابلے میں کوئی شیعہ حافظ میدان میں نہیں نکلتا۔ ایک مشہور عالم شیعہ عالم مولوی کفایت حسین انجمنی کا نام عموماً شیعوں کی طرف سے پیش ہوتا رہا ہے اور واقف بعض اہل سنت بھی مولوی کفایت حسین مذکور کو حافظ کہہ دیتے ہیں حالانکہ مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب کے سامنے وہ قرآن مجید نہیں سنا سکے تھے۔ میرے کہنے پر کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہیے۔

پاکستان میں شیعوں کی آبادی دو کروڑ تارنا بھی ترا جھوٹ ہے۔ اور شیعہ اس سے بہت کم تعداد میں ہیں۔

مآثر مجتہد کی ان دو ٹوکناؤں (سعادت الدارین اور تجلیات صدقات) کی تصنیف کی درمیانی مدت صرف دو سال ہے۔ سعادت الدارین میں وہ خود لکھ چکے ہیں کہ: مساجد ویران پڑی ہیں، اور پچاس سال پہلے آفتاب ہدایت میں یہی لکھا گیا تھا کہ: جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران ہیں لیکن اب یہ مآثر مجتہد اپنے ہی لکھے ہوئے کے خلاف اپنی کتاب ”تجلیات صدقات“ میں یہ فرما رہے ہیں کہ: مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں، ”یہ ہے ان کی تعداد و بیانی اور تاریخی جھوٹ کہ جس پر ان کے یہ الفاظ چسپاں ہوتے ہیں کہ: ”قرب ہے کہ اس کی شدت سے آسمان کا شامیازہ چھٹ جائے الخ“

اب قارئین اندازہ لگائیں کہ جو مصنف شیعہ مساجد کی ویرانی اور آبادی کے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا ہے حالانکہ یہ ایک مشاہدہ کی بات ہے تو وہ دوسرے علمی نزاعی مسائل اور حوالہ کتب وغیرہ میں کیونکر جھوٹ نہ بولتا ہوگا۔ کیا ایسے مصنف کی کوئی تصنیف قابل اعتماد ہو سکتی ہے۔

یہ ثابت جھوٹ ان کا آزمائے جس کا جی چاہے۔

آفتاب ہدایت کی مندرجہ زیر بحث عبارت میں شیعہ مذہب کی رو سے بجا التفسیر منج العاص و قین متعہ کا ثواب متعہ کا یہ ثواب لکھا گیا ہے کہ ایک دفعہ متعہ کرنے سے امام حسین کا . . . اور چار مرتبہ متعہ کرنے سے العیاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔ داؤد ہم نے بشارت الدارین میں بھی یہ روایت شیعہ مجتہد سید علی حسینی لاہوری کے والد سید ابوالقاسم لاہوری کی کتاب برہان المتعہ سے نقل کر دی ہے)

اس کے جواب میں مآثر مجتہد لکھتے ہیں: خداوند عالم اسی سورۃ نساء میں جس میں آیت متعہ موجود ہے فرماتا ہے۔ من یطع اللہ و الرسول فاعرف مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصّٰدقین و الشہداء و الصّٰلحین و حسن و اوبیک و ذیقاً دپ ۵۔ (سورۃ النساء ۶۷) اور جو اللہ اور رسول کا کہا ملنے تو ایسے ہی لوگ رحمت میں، ان (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور ریزہ میرے، نیک بندے۔ اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں“ (ترجمہ تفسیری) جب اس آیت کی روشنی میں خدا و رسول کی اطاعت کرنے والا جنت میں۔ صدیقیوں اور شہیدوں کے درجہ میں ان کی رفاقت کر سکتا ہے تو پھر وہ متعہ جسے خدا و رسول نے حلال و جائز قرار دیا تھا اور بعض حکام وقت نے ممانعت فی الدین کرتے ہوئے اُسے ممنوع قرار دے دیا۔ تو اگر کوئی شخص اس مردہ حکم شریعت کو زندہ کرنے کی غرض سے اس پر عمل کرے اور جنت میں اسے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام

کی رفاقت نصیب ہو جائے تو اس میں کیا اعتراض ہے؟ حلالیہ میں یہ تو نہیں کہ ایک کرنے والا معاذ اللہ خود امام حسن عیسیٰ بن جاناتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ رفاقت جب ہی ہو سکتی ہے کہ درجہ ایک ہو جو قرآن سے ثابت ہے، (تجلیات ص ۲۶۹)

الجواب (۱) یہ آیت پارہ ۵ ج ۶-۷ اور سورۃ نسا کے رکوع ۹ میں ہے) ماشاء اللہ مائمی مجتہد نے مذکورہ ثواب متہ کا مان لیتے ہیں۔ یہاں متہ پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ المبتدئ ضروری گزارش یہ ہے کہ جو متہ پہلے مباح تھا وہ باقاعدہ نکاح ہوا تھا اور اس میں دو گواہ بھی ضروری ہوتے تھے۔ المبتدئ اس میں نکاح کی مدت مقرر کر دی جاتی تھی۔ اور بعد میں یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ لیکن جس متہ کو مائمی مجتہد جاری کرنا چاہتے ہیں اس میں شیعوں کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے مرد اور عورت اپنی رضائے کوئی معاوضہ مقرر کر لیں اور کسی کو بھی معلوم نہ ہو تو وہ مقررہ مدت میں آپس میں مجامعت کر سکتے ہیں۔ اب بتلائیے کہ زمانہ میں اور اس متہ میں کیا خاص فرق باقی رہ جاتا ہے۔ کیا زنا بھی مرد و عورت کی مرضی پر باہمی مجامعت کا نام نہیں ہے؟ کیا مائمی مجتہد کے نزدیک صرف زنا بالجبر ہی ناجائز ہے۔ اور باہمی رضائے مندی سے سب کچھ حلال ہے؟

۲۔ اگر متہ شریعت میں باعث اجر و ثواب عمل ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے دور خلافت میں تو اس کے حلال ہونے کا ضروری حکم نافذ فرماتے اور جو لوگ متہ کو حرام قرار دیتے ان کو شرعی سزا دی جاتی۔ حالانکہ فروج کافی ج ۳ کتاب الروضہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی اپنے دور خلافت میں بھی متہ کے حلال ہونے کا حکم نہیں دے سکے۔ فرمائیے۔ اس وقت ان کو کس کا خوف لاحق تھا۔ اگر متہ حکم شریعت اور سنت تھا العیاذ باللہ۔ تو پھر حضرت علی نے بحیثیت خلیفہ اسلام ہونے کے اس سنت کو کیوں زندہ نہیں کیا۔ جبکہ اس پر عمل کرنے کا اتنا ثواب ہے کہ متہ کرنے والے کو الیاذ باللہ رسول خدا کا درجہ بھی مل سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اپنے دور اقتدار میں بھی حضرت علی کا متہ کو حلال نہ قرار دینا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک بھی متہ کی اجابت منسوخ ہو چکی تھی۔

(۳) شیعوں کی کتب الرجلیہ میں سے کتاب تہذیب الاحکام میں خود حضرت علی سے یہ روایت منقول ہے: حرّم رسول اللہ لحوم الاحمار الاھلیة و نکاح المتنتحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بلوگھے کا گوشت اور نکاح متہ حرام فرمایا۔

جب شیعوں کی مستند کتاب سے متہ کی حرمت میں حضرت علی المرتضیٰ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخرت میں انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت ان مومنین کو نصیب ہوگی جنہوں نے اطاعتِ خلد رسول کی ساری شرطیں پوری کی ہوں گی۔ لہذا صرف متہ کے عمل سے ان حضرات کی رفاقت نصیب نہیں ہو سکتی اس سے مائمی مجتہد کی تاویل بھی باطل ہو گئی اور خود مذکورہ درجات کے حصول کی روایت بھی مسترد ہو گئی کیونکہ اس میں صرف متہ کرنے سے العیاذ باللہ امام حسین وغیرہ کا درجہ مل جانا مذکور ہے۔

(۵) یہ عجیب بات ہے کہ جو نکاح شرعی دائمی بالاتفاق حلال ہے۔ اس میں تو امام حسین وغیرہ کا درجہ حاصل ہو سکے لیکن اس متہ سے یہ درجات مل جائیں جو زمانہ سے ملتا جلتا ہے۔

(۶) اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں مومن کے لئے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ صرف شرعی نو نکاح کی اجازت ہے۔ اگر یہ متہ بھی ہمیشہ کے لئے حلال ہوتا اور یہ شرعاً نکاح ہی منظور ہوتا تو پھر چار بیویوں کی حد تو ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ متہ والی عورتوں کے لئے کوئی حد ہی مقرر نہیں تھی کہ متہ شیعہ میں کنواری عورت سے بھی متہ حلال ہے اور نکاح والی عورت سے بھی۔ اس صورت میں تو کسی عورت کی سعادت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اگر اس متہ کو حلال سمجھ کر اور پھر عظیم کام کار ثواب قرار دے کر قوم میں رواج دیا جائے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ادبائش نوجوان اور ملنگ و دھڑنگ لوگ شیعہ مذہب زیادہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کو متہ کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں یہ اور آخرت میں وہ نعمتیں جن کو مائمی مجتہد قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

سے مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

مائمی مجتہد نے تمام حجبات اتار کر یہ بھی فرما دیا ہے کہ:- یہ کہنا کہ کتب شیعہ سے ثابت آئمہ نے بھی متہ کیا ہے کہ کسی امام نے متہ نہیں کیا، یہ کتب شیعہ سے ناواقفی کی دلیل ہے ورنہ کتب شیعہ سے آئمہ طاہرین کا اس سنت نبویہ پر عمل کرنا مذکور ہے۔ ملاحظہ ہوا انوار نعمانیہ (۱) باب النکاح میں قابل دید ہے اور وسائل شیعہ وغیرہ الخ (تجلیات ص ۲۷۷)

الجواب:- مبارک صد مبارک۔ آئمہ طاہرین کا ایسا ہی کردار چاہیے؟ استغفر اللہ۔ تم تفصیل میں نہیں جانتے صرف یہاں ہمارا یہ سوال ہے کہ ان آئمہ طاہرین کی منکوہ بیویوں کے نام تو ان کے نسب نامہ میں مذکور ہیں اور ان کی اولاد کے نام بھی مشہور ہیں۔ کیا ساداتِ عظام کا کوئی متہ نامہ بھی مائمی مجتہد پیش کر سکتے ہیں کہ جس میں یہ

ثابت ہو گیا تو پھر مآمی مجتہد خواہ مخواہ کیوں متعہ جیسے فعل حرام کو راجح کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) قرآن مجید کی کسی آیت سے شیعہ متعہ کی حلت ثابت نہیں۔ اور نہ ہی یہ متعہ جس میں گواہوں کی بھی ضرورت نہیں کبھی اسلام کے کسی دور میں مباح ہوا ہے۔

(۵) مآمی مجتہد نے متعہ کے ثواب میں امام حسین سے لے کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک کا درجہ پالینے پر جو سورۃ النساء کی آیت اذینک مع الذین انعم اللہ علیہم سے استدلال کیا ہے یہ ان کی کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آیت میں تو صرف یہ مذکور ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہیں ان کو انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت اور رفاقت نصیب ہوگی۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ ان کو انبیاء وغیرہم کا درجہ ملے گا۔

(ب) ان حضرات کی صحبت اور رفاقت کے لئے یہ مستحکم ہی نہیں کہ ان کا درجہ بھی ایک ہو۔ چنانچہ سورۃ الممتحنہ آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشد اعم علی الکفار رحمنا بینہم (حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر بہت سخت ہیں اور آپس میں ہنسے رحمت ہیں) تو کیا اس آیت میں معیت اور رفاقت رسول کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کا درجہ ایک تھا اور وہ ہمیشہ ایک ہی درجہ و مقام میں رہتے تھے۔ اسی طرح جنت میں جن مومنین کو انبیاء اور صدیقین کی محبت اور معیت نصیب ہوگی ان کے جنت میں درجے اور مقامات جدا جدا ہوں گے۔

(ج) مآمی مجتہد کا بیان کہ وہ معیت کا مطلب حضرت امام جعفر صادق کے ارشاد کے خلاف ہے چنانچہ شیعہ مفسر مولوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن دو قسم کے ہیں ایک تو اللہ پر وہ ایمان لائے والا جس نے وہ کل شرطیں پوری کی ہوں جو مومن کے لئے اللہ نے مقرر کی ہیں۔ پس وہ تو انبیاء و شہداء و صدیقین و صالحین کے ساتھ ہوگا اور اس سے بہتر رفاقت اور کون سی ہو سکتی ہے؟ ۔۔۔ اور ایک وہ مومن ہے جس کے قدم پھسل جائیں گے اس کی حالت زراعت کے دستخیز کی سی ہوگی کہ جلد ہر توانے جھکایا جھک گیا یہ وہ ہے جس کو دنیا میں بھی خوف پیش آئیں گے اور آخرت میں بھی اس کی شفاعت کی حاجتگی اور انجام بخیر ہوگا۔ (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی)

تفصیل ہو کہ فلاں امام نے فلاں فلاں مومنہ عورت سے متعہ کیا تھا اور پھر ان سے فلاں فلاں اولاد پیدا ہوئی۔ الخ۔

آفتاب ہدایت میں روافض کی تکفیر کے تحت یہ غلیظۃ الطالبین کے حوالہ میں مآمی مجتہد کا فریب لکھا ہے کہ:- روافض کے کفر کا فتویٰ جب درگاہ

عوث اعظم حضرت پیران پر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے صادر ہو چکا ہے جیسا کہ غلیظۃ الطالبین میں بروایت حضرت انسؓ یہ حدیث منقول ہے۔ سبیحی فی آخر الزمان قوم ینقسمون اصحابی فلا تقبلوا سواہم ولا تشاربوہم ولا تلوا کلہم ولا تلنا کھوہم ولا تقبلوا علیہم ولا تصلوا صلہم (آخر زمان میں ایک قوم ہوگی جو میرے اصحاب کی تنقیح نشان کریں گے۔ پس تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو۔ نہ ان سے مل کر پیو اور کھاؤ نہ ان سے رشتہ بندی کرو۔ نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ نہ ان سے مل کر نماز پڑھو)۔ آفتاب ہدایت ص ۳۱۹ اس کے جواب میں مآمی مجتہد لکھتے ہیں:- اگر عبدالقادر جیلانی نے شیخان علی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس سے ہمارے مولف محترم کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے سنان قلم کی زد سے خفی حضرات بھی محفوظ نہیں رہے بلکہ انہوں نے جہنمی فرعون کی فہرست میں نعمان بن ثابت کوئی امام اعظم کے نام لیواؤں کو بھی شمار کیا ہے۔ رلاحظہ ہو غلیظۃ الطالبین بجوالہ شرح فقہ اکبر ج ۱ ص ۳۱۹ (تعمیرات) (مجاہد) حضرت عوث اعظم نے تو امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کے خلاف فتویٰ لگایا ہے اور نہ ہی امام اعظم کے ماننے والے اصحاب پر۔ بلکہ ان کا فتویٰ ان لوگوں کے خلاف ہے جو فرقہ مرجئیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور دعویٰ امام ابو حنیفہ کے پیروکار بننے کا کرتے تھے۔ چنانچہ غلیظۃ الطالبین کی عبارت یہ ہے:- واما الحنفیۃ فہم بعض اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت زعموا ان الایمان هو المعرفۃ والافتاد بالذہب و ما جاء من عندہ جملۃ الخ (اور مرجئیہ میں سے) حنفیہ میں ہیں وہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے بعض ماننے والے ہیں جو گمان رکھتے ہیں کہ ایمان معرفت اور اللہ رسول اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس کے اقرار کا نام ہے الخ اور حضرت پیران پیر امام اعظم کے خلاف کیونکر فتویٰ دے سکتے ہیں جب کہ آپ کے امام احمد بن حنبل نے (جن کے حضرت پیران پر مقلد ہیں) حضرت امام ابو حنیفہ کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ:-

انہ من اهل الودع والنہد وابتداء الآخوۃ بحمل لا یدک کہ احد (امام ابو حنیفہ) درجہ۔ زہد اور آخرت کے آثار میں ایسا مقام رکھتے ہیں جو کوئی نہیں پاسکتا۔ (انجرات الحسان مؤلفہ علامہ ابن حجر ص ۲) امام اعظم اور ان کے مقلدین حضرات فرقہ مرجئیہ کے مخالف ہیں چنانچہ خود امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں تحریر فرمایا ہے:- ولا

نقول ان حسناتنا مقبولتہ و سبباً متنا معفورتہ بقول المرءة داویم اس طرح نہیں کہتے جس طرح مرجعہ کہتے ہیں کہ: ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور ہماری برائیاں (مذمومہ) بخش جائیں گی اس کے بعد اپنا عقیدہ یہ لکھتے ہیں: - و ما کان من السیئات دون الشرك و الکفر و لم یتب عنها صاحبها حتی مات موصفاً فانه فی مشیت اللہ تعالیٰ ان شاء عدّ یدہ بالنار و ان شاء عفا عنه و لم یدعہ بہ بالنار اَصلاً (ہم یہ کہتے ہیں کہ شرک اور کفر کے ماسوا جو گناہ ہوں گے۔ اور اس شخص نے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی مگر مومن ہونے کی حالت میں وفات پائی ہے تو بیشک اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو اس کو دوزخ کا عذاب دے اور چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بالکل عذاب نہ دے) اور فرم فرم فرم فرم کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر صرف ایمان اور تصدیق حاصل ہو تو پھر آخرت میں گناہوں کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن امام اعظم فرماتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے بھی وہ عذاب پاسکتا ہے۔ اور اعمال گویا ایمان کی جزء نہیں لیکن اعمال صالحہ سے ایمان کی قوت اور نورانیت بڑھتی ہے اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں امام اعظم کے عقیدہ کی وضاحت کر کے شہادت کا جواب دیدیا ہے۔ بخوف طوالت ہم نے یہاں خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اور اہل مشہم کے لئے اتنا کافی ہے۔

ماتمی مجتہدنا فتاویٰ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: - دو سرا الزام سب صحابہ سے ہم کی مرتبہ واضح کر سب شیخین کا حکم | چکے ہیں کہ ہم کفار و مشرکین کو بھی سب کرنا روا نہیں سمجھتے اور اگر بالفرض کوئی شخص اس فعل کا ارتکاب کرے تو اہل سنت کے اصول مذہب کے مطابق یہ گناہ کفر نہیں ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص ۷۶ پر ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں: -

ات سبب الشیخین لیس بکفر یعنی شیخین ابوبکر و عمر کو گالی دینا کفر نہیں ہے اسی طرح علامہ عبدالحی اپنے فتاویٰ ج ۱ ص ۱ پر لکھتے ہیں: - سب شیخین موجب کفر نمی شود و ہمیں مذہب موافق قول امام اعظم است، یعنی سب شیخین موجب کفر نہیں اور یہی نظر یہ امام اعظم کے قول کے موافق ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔ (تجدیبات مذاقات ص ۶۰)

الجواب (۱) اس مسئلہ میں فقہار کا اختلاف ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: - ایں مسئلہ قدیم و حدیثاً مختلف فید است و تحقیق نیست کہ کیسک فضیلت و اد حضرت علی مرتضیٰ را بر حضرت ابوبکر و متذرع است کافر نیست و کیسک مذکور خلافت صدیق اکبر یا منکر استحقاق جناب ایشان برائے خلافت یا حلال دانندہ سب شیخین

باشند در اکثر کتب فقہ اور کافر نوشتمہ اند۔ فی الخلاصۃ و الرافضی ان فضل علیاً علی غیرہ فهو مبتدع و لو انکر خلافتہ الصمدین فهو کافر (متطبی) (فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم ص ۱۰۰) یہ مسئلہ قدیم و حدیثاً (یعنی پہلے بھی اور بعد میں بھی) مختلف فید رہا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جو شخص حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے کافر نہیں ہے اور جو شخص حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا منکر ہے یا آپ کے خلافت کے استحقاق کا منکر ہے یا شیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو سب کرنا حلال سمجھتا ہے تو اکثر فقہ کی کتابوں میں اس کو کافر لکھا ہے، اور علامہ میں ہے کہ رافضی اگر حضرت علیؑ کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور اگر وہ حضرت صدیق کی خلافت کا منکر ہے تو کافر ہے الخ۔ تو حضرت مولانا عبدالحی کے فتویٰ سے ہی ثابت ہوا کہ شیخین کو سب کرنا حلال سمجھنے تو وہ کافر ہے۔ اور مولانا شیبہ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو سب کرتے ہیں تو وہ اس فعل کو جائز اور حلال سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ (۲) ہاتھی مجتہد نے شرح فقہ اکبر کی مابعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جس میں لکھا ہے کہ: - نعمہ لو استحل السب اذ اقتل فهو کافر فلو اجماعاً۔ (ماں اگر شیخین کے سب کرنے اور قتل کرنے کو حلال سمجھتا ہے تو وہ لا محالہ کافر ہے) اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ سب صرف ماں بہن کی گالی دینے کو ہی نہیں کہتے بلکہ کسی کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن سے اس کی توہین ہوتی ہے وہ بھی سب کہلاتا ہے۔ اور خود ماتھی مجتہد نے اپنی اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے بارے میں فاسق۔ فاجر۔ ظالم۔ غاصب۔ منافق وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ سب نہیں تو اور کیا ہے۔ (۳) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ فعذہب اذی حنیفۃ و صلیٰ عنہ ان من استکر خلافتہ الصمدین و عظمٰں فهو کافر (صواعق محرقة ص ۱۵۱) ایں امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور شیخہ جو سب کرتے ہیں وہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی خلافت کے منکر ہو کر ہی کرتے ہیں لہذا ایسے لوگ حسب تصریح فقہائے کرام کافر ہوں گے۔

(۴) امام ربانی حضرت مجدد اللہ ثانی فرماتے ہیں: - سب شیخین کفر است و احادیث صحیحہ بران دال است، رسالہ رد الوافض ص ۱۰۰) یعنی سب شیخین کفر ہے اور صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

(ب) شک نیست کہ شیخین از اکابر صحابہ اند بلکہ افضل ایشان پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشان موجب کفر و مذقہ و ضلالت باشد (ایضاً ص ۱۰۰) یعنی اس میں شک نہیں ہے کہ شیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا برصحابہ میں سے

ہیں بلکہ ان میں سے افضل ہیں۔ پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص بھی کفر۔ زندقہ اور شدائت کا موجب ہے۔“

چونکہ شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

اہل السنۃ والجماعت کے نام میں ماتی مجتہد کی تلبیس | بھی شیعہ تھے اور اس کی تائید میں وہ آیت و آیت صحت

شیعہ لآبراہیم پیش کرتے ہیں۔ اس لئے آفتاب ہدایت میں لفظ شیعہ اور لفظ سنت پر بحث کی گئی ہے اور وہ

آیات پیش کی گئی ہیں جن میں لفظ شیعہ کفار اور انحراف کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں ماتی مجتہد نے عنوان

”اہل سنت نہیں بلکہ اہل سنت“ لکھتے ہیں کہ: اگر بغرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ سنت (سین کے پیش

اور نون کی شد کے ساتھ) ہر جگہ اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے تو تب بھی مولوی کرم الدین صاحب یا ان کے ہم

نذہبوں کو اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ وہ اہل سنت نہیں بلکہ اہل سنت“ (سین کی زبر اور نون بغیر شد یعنی سال) یعنی ایک خاص

سال والے لوگ اور اس سال سے مراد ہے صلح حدیبیہ کے بعد معاویہ کے تخت حکومت پر متمکن ہونے والا سال۔ چنانچہ

فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۵۲۲ و استیعاب برعاشیہ صاحب جلد ۱ ص ۳۳۶ وغیرہ میں ہے کہ اس کے بعد معاویہ کو فوج

میں داخل ہوا۔ اور لوگوں نے اس کی بیعت کی۔ اور اس سال کا نام سنۃ الجماعۃ رکھا گیا۔ کیونکہ اس سال جنگ ختم ہوئی

اور سب لوگ حکومت معاویہ پر جمع ہو گئے۔ حیوۃ الحيوان ج ۱ ص ۱۳۵۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۷۔ منہج الوصول ص ۱۲۷ میں بھی اس

سال کا نام عام الجماعۃ لکھا گیا ہے اور معاویہ والے ”اہل سنۃ الجماعت“ جماعت کے سال والے لوگ کہلائے پھر

مرد و ایام سے یہ لفظ بدلتے بدلتے ”اہل السنۃ والجماعت“ بن گیا۔ یہ ہے موجودہ اہل السنۃ والجماعت کے مذہب کی اصل

حقیقت جو ہم نے بلا کم و کاست انہی کی کتابوں سے پیش کر دی ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ مذہب معاویہ بن ابی سفیان

کا خود کاشتہ پودا ہے۔ بانی اسلام کا اس کی تائیس و تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے الخ (تجلیات ص ۵۱۷)

ماتی مجتہد نے یہاں جو کچھ لکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نام میں سنۃ سے مراد سنۃ

تلبیس بی تلبیس

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ لفظ سنۃ یعنی سال ہے۔ اور سال جماعت والے لوگوں کا یہ

نام ہے۔ تو یہ استدلال ماتی مجتہد کے دلیل و فریب کا ایک تاریخی شکار ہے۔ اور تا وقت لوگوں پر علمی رعب ڈالنے کے لئے

استیعاب اور فتح الباری وغیرہ کتابوں کا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ اہل سنۃ کا نام دراصل

اہل سنۃ الجماعت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماتی مجتہد نے کسی کتاب کی عربی عبارت نہیں لکھی تاکہ ان کے اس جھوٹ

کا پردہ چاک نہ ہو جائے۔

(۲) جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ خض سال حضرت امام حسنؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کی صلح ہوئی اور تمام اہل اسلام کا حضرت

معاویہؓ کی حکومت پر اتفاق ہو گیا۔ تو اس سال کا نام عام الجماعۃ پڑ گیا۔ یعنی وہ سال جس میں مسلمانوں کی ساری باعت متحد و متنق

ہو گئی اور حضرت امام حسنؑ بھی اس متفقہ جماعت میں شامل ہیں۔ نہ کہ جدا جدا چنانچہ علامہ ابن عبد البر کی استیعاب

میں ہے۔ و سلم الاموال الحسنی الی معاویۃ فی النصف من جمادی الاولی من سنۃ احدی و اربعین

و یایع الناس معاویۃ حینئذ و معاویۃ یومئذ ابن سنیہ و سنیہ الا شہدین قال ابو عمر رضی اللہ عنہ

ہذا صح ما قبل فی تاریخ عام الجماعت الخ (اور حضرت حسنؑ نے اس خلافت حضرت معاویہؓ کو نصف جمادی اول ۱۷ھ

میں سپرد کیا اور اس وقت لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کی۔ اور اس وقت حضرت معاویہؓ کی عمر دو ماہ کم چھ ماہ سال تھی

حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تاریخ عام الجماعت کے متعلق یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے، فرمائیے اس عبارت

میں اہل سنۃ الجماعت کہاں ہے۔ یہاں تو لفظ عام الجماعت کا ہے نہ کہ سنۃ الجماعت کا۔ اور اس عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ

کس سال میں یہ صلح ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعت رکھا گیا تھا۔ اور عام الجماعت نام ایسا ہی ہے جیسا کہ

اس سال کا نام عام الفیل رکھ دیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ابلیس نے ابرہہ بادشاہ کے ہاتھوں کے لشکروں کو

تباہ کر دیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں آتا ہے۔ اکتس ترکیت فعل ربک باصحاب الفیل۔ کیا ماتی

مجتہد عام الفیل کے نام کی بنا پر یہ کہہ دیں گے کہ اس سال والے لوگوں کا نام اہل عام الفیل ہے؟

(۲) نہ ہی حضرت امیر معاویہؓ اور آپ کی جماعت نے اپنا نام اس سال کی بنا پر اہل سنۃ الجماعت رکھا اور نہ ہی مخالفین

آپ کی جماعت کو اس نام سے پکارا۔ اور نہ ہی کسی کتاب میں اس نام کا ثبوت ہے۔ ماتی مجتہد تو یہ جھوٹ بول کر صرف تلبیس

کا اجر عظیم حاصل کر رہے ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

(۳) امام حسنؑ اور امیر معاویہؓ کی اس تاریخی صلح سے بہت پہلے اہل سنۃ (سین کے پیش اور نون کی شد کے ساتھ) کی

اصطلاح مشہور تھی چنانچہ شیعوں کی مستند کتاب احتجاج طبری میں حضرت علی المرتضیٰ کی زبان مبارک سے اہل سنۃ اور

اہل جماعت کی تعریف منقول ہے۔ فرماتے ہیں:- اما اهل الجماعۃ فانما وکون تبعی وان قلدوا اور اہل

جماعت میں ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں (ب) و اقل اهل السنۃ

قَالَ الْمَسْكُونُ بِمَا سَنَّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَإِنْ قَلُوا (اور اہل سنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ قحوطے ہوں) اب مامی مجتہدیہ برتائیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے یہاں اہل سنت کی تعریف میں سنت کے لفظ سے سنت رسول مراد لی ہے یا سنت جماعت (جماعت کا سال)

(۴) حافظ عماد الدین محدث اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورہ آل عمران ح ۱۱ کی آیت یوم تبیت وجہ کے لکھتے ہیں:

یعنی "یوم القیمة حین بقیض وجہ اهل السنة والجماعة وتسود وجہ اهل البدعة والفرقة قاله ابن عباس" یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے روشن ہونگے اور اہل بدعت و فرقتہ کے چہرے سیاہ ہوں گے)

(۵) حضرت قاضی ثنار اللہ صاحب پانی پتی نے بھی یہ روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔

اسی سلسلہ میں مامی مجتہد لکھتے ہیں کہ:- جس طرح ہم نے شیعیان علی کا نام اور ان مامی مجتہد کے پیچ کا جواب کے فضائل اور ان کا ناجی ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اگر اہل سنت میں کچھ جرات و ہمت ہے تو اسی طرح یہ بھی احادیث میں اپنا پورا نام (اہل سنت والجماعت) دکھائیں اور پھر اس کا ناجی ہونا ثابت کریں۔ اگر وہ ایسا کر دکھائیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں الخ (تجلیات ص ۱۷)

الجواب :- (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاحی نام کے طور پر ثابت نہیں آپ نے جو روایات پیش کی ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ قابل احتجاج ہیں یا نہیں؟ ان میں لفظ شیعہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ب) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شیعہ ہوں اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ نے کبھی اپنے شیعہ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

(۲) احتیاج طبری کی مذکورہ عبارت میں حضرت علی نے اہل سنت اور اہل جماعت کی مدح فرمائی ہے اور اہل بدعت اور اہل فرقتہ کی مذمت کی ہے۔ اگر اس زمانہ میں شیعہ کوئی مذہبی نام ہوتا اور یہ قابل مدح بھی ہوتا تو آپ شیعہ کی تعریف فرماتے نہ کہ اہل سنت کی۔

(۳) فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا گیا ہے چنانچہ آفتاب ہدایت میں لکھا ہے:-

میرے شیعہ بھائی بڑا نہ منائیں۔ اگر ان کو رافضی کے لقب سے خطاب کیا جائے کیونکہ یہ مبارک لقب ان کو بقول امام جعفر صادق بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے۔ جیسا فروع کافی کتاب الروضہ جلد ۳ ص ۱۷ میں قول امام ہمام درج ہے۔ لا والله ما هم مستوکم بل اللہ متاکم (مترجم) خدا کی قسم تمہارا یہ نام لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ خدا نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔ اس کے جواب میں مامی مجتہد اس روایت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:- رافضی کے لغوی معنی ہیں "ترک کرنا۔ چھوڑنا" جس طرح اچھائی کا ترک کرنا بڑا ہے اس طرح بُرائی کا ترک کرنا اچھا ہے۔ لہذا اگر حضرات شیعہ کو اس اعتبار سے رافضی کہا جائے کہ یہ بڑے لوگوں اور بُری باتوں کے تارک ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور یہی امام علیہ السلام کے مفصل فرمان کا حاصل ہے جس کا صرف ایک جملہ اور پر استدلال میں پیش کیا گیا ہے۔ امام نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل یہ لقب فرعون اور فرعونوں نے ان جادو گروں کو دیا تھا جو اعجاز موسوی دیکھ کر حلقہ بگوش توحید ہو گئے تھے اور فرعون کی ربوبیت کا تجوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا اور شیعیان حیدر گڑا کو بھی اسی لئے رافضی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امت محمدیہ کے بعض فرعون صفت مدعیان خلافت و امامت کی اتباع و پیروی ترک کر کے خدا کے مقرر کردہ الہ ہدایت کو مرکز رشد و ہدایت تسلیم کیا ہے۔ اہل انصاف قارئین کرام خود کریں کہ امام عالی مقام کے اس تمام فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعہ خیر المرید کی اس سے مدح ظاہر ہوتی ہے یا قدح الخ (تجلیات ص ۱۷)

الجواب :- (۱) چونکہ بقول آپ کے رافضی کے نام سے مدح ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے آفتاب ہدایت میں یہ لکھا گیا ہے کہ:-

میرے شیعہ بھائی بڑا نہ منائیں الخ۔ لیکن پھر بھی خدا جانے شیعہ فرقہ کے لوگوں کو اگر رافضی کہا جائے تو کیوں اس پر بڑا مناتے ہیں؟

(۲) جب حسب ارشاد امام جعفر صادق رافضی نام اللہ نے رکھا ہے تو پھر مامی مجتہد اس نام کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت کریں اور رافضیوں کا ناجی ہونا بھی باریک بارشاد رسول ثابت کریں؟ ہا تو اب بڑھانکمان گنتر صدقین۔

ہم نے بشارت الدارین میں یہ پوری روایت مع ترجمہ نقل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے (خادم اہل سنت بفقہ)

ہم نے ”بشارت الدارین“ میں لفظ سنت اور لفظ شیعہ اور ارشاد رسالت اہل سنت کا ثبوت کے نام اہل سنت والجماعت کے موضوع پر مفصل بحث کر دی ہے۔ یہاں تاہی مجتہد کے چیلنج کے تحت حسب ذیل احادیث پیش کرتے ہیں۔

(۱) تفسیر و مشور میں آیت یوم تبيض وجوه و وجوه کے تحت یہ حدیث لکھی ہے۔ عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله تعالى يوم تبيض وجوه وتسود وجوه - قال تبيض وجوه اهل السنة وتسود وجوه اهل البدعة حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یوم تبيض وجوه و تسود وجوه کی تفسیر میں فرمایا کہ قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(۱۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ رسع اور تقویٰ کے بیان میں لکھتے ہیں۔ ولا يعلم تفصيل ذلك الا بالاقتداء بالفرقة الناجية وهم الصحابة فانه عيسى السلام لما قال الناجي منها واحدة قالوا يا رسول الله ومن هم قال اهل السنة والجماعة۔ لہ راجع العلوم جلد ثالث مطبوعہ مصر ص ۱۹۹، توحید اور اس کی تفصیل سوائے فرقہ ناجیہ کی پیروی کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور وہ یعنی فرقہ ناجیہ صحابہ کرام ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ۳۷ فرقوں میں سے ناجی ایک فرقہ کو فرمایا تو صحابہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول اور وہ کون لوگ ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ اہل سنت والجماعت (۱)۔ لیجئے۔ تفسیر و مشور کی روایت سے اہل سنت اور احیاء العباد کی روایت سے اہل سنت والجماعت کے الفاظ کے علاوہ اہل سنت کا ناجی ہونا بھی خود رحمت للعالمین۔ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا۔ اب ہم تاہی مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو بالقاب سے کوئی اور انعام نہیں طلب کرتے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولنا چھوڑ دیں اور مذہب اہل سنت والجماعت کی اتباع میں جنت اور رضائے خداوندی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ وصا علينا الا البلاغ۔

بہت بہت اختصار کے ساتھ تاہی مجتہد کی ”تبیحیات صداقت“ پر تنقید کر کے ان کی بعض علمی خیااتوں اور غلط بیانیوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان شاء اللہ حسب فراغت بعد میں اس کا مفصل جواب بھی لکھا جائے گا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اللہ تعالیٰ غافل سنی مسلمانوں کو احساس عطا فرمائیں اور ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ اس فانی حیات میں ہم اپنے مذہب اہل سنت کی خدمت و نعت کا فریضہ سرانجام دے کر حق تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ آمین۔

بجاء النبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔
خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ ندنی جامع مسجد چکوال ء ضلع جہلم
ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ

”مناجات فارسی“

از مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین دبیر

دراں روزے کہ از اہوال دوزخ پر خطر باشند
دو دست من بدانان قبول و جملہ اولادش
چوں عمر خویش کرم وقت بہر خدمت اسلام
سر خودی سبیل اللہ تو پر من فدا کردہ
شفیع من رسول پاک و صدیق و عمرض باشد
شفیق حال زارم سرور جن و بشر باشد
چرا از شر شیطان بس مرارنج و ضرر باشد
اگر منظور حق شد یا ورم لخت جگر باشد

الہی رسم فرما برو بر سر خستہ حال خود
بفر دوس پریشش یوم محشر مستقر باشند

۱۔ یہ فارسی مناجات آفتاب ہدایت کے ماہی کے دوسرے صفحہ پر لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ تاہی مجتہد ڈھکو صاحب کے لئے بھی ایک تازہ یاد دہانی ہے جو اپنی کتاب میں جا بجا حضرت مولانا مرحوم پر نامی ہونے کا الزام لگاتے ہوئے یہ بہتان تراشی کرتے ہیں کہ مصنف آفتاب ہدایت العباد باللہ حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اس مناجات اور دعا سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا دبیر مرحوم کا قلب بگرنے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت فاطمہ قبول اور آپ کی مقبول و محبوب اولاد کی محبت و عظمت سے بے ریزہ ہے۔ ان سب حضرات کے توسل سے حق تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کے طلب گاریں۔ ۲۔ اس سمراد میرے بڑے بھائی نازی اسلام مولوی منظور حسین صاحب شہید مرحوم ہیں جن کے محقر حالات آفات ہست کے مقدمہ میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ ۳۔ رعلمان محمد کی برائی رسم ہے ء کورے ہیں آگ میں چڑھتے ہیں اکثر دار پر

شیعوں کا جداگانہ کلمہ اسلام

عموماً نادان واقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں کا کلمہ تو وہی ہے جو تمام دنیا کے مسلمان مشروع سے بالاتفاق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مانتے اور پڑھتے چلے آتے ہیں۔ اور خود شیعہ بھی عموماً کہتے ہیں کہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا کلمہ وہی ہے جو سب مسلمانوں کا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا کلمہ بھی بعض دوسرے عقائد کی طرح عام اہل اسلام سے بالکل جدا ہے۔ چنانچہ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء کے جس اجلاس لاہور میں سرکاری سکویوں میں شیعہ دینیات نافذ کرنے کا حکومت کے دو نمائندوں وفاقی وزیر تعلیم پرزادہ صاحب اور وفاقی وزیر زراعت رفیع رضا اور ۱۶ شیعہ علماء و زعماء کے مابین ہجھوتہ ہوا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے:-

نویں اور دسویں جماعت میں شیعہ طلبہ کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کی کتابین فوری طور پر شروع کر دی جائیں گی۔
د ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء وغیرہ۔ اور خدام اہل سنت کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ "ایک غیر منصفانہ فیصلہ" کے صلا پر بھی یہ عبارت منقول ہے۔ تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے، ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ایم اے پی۔ ایچ ڈی کا جو نصاب دینیات اس اجلاس میں حکومت نے منظور کیا ہے، اس کے "دینیات" کے نام پر ہی پانچ حصے ہیں جن کو "امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ انارکلی لاہور" نے شائع کیا ہے۔ ان میں سے "دینیات" حصہ اول میں کلمہ کے عند ان کے تحت یہ لکھا ہے کہ:-

اسلام کی اچھی اور نیک برادری میں شامل ہونا بہت آسان ہے۔ بس جو آدمی یہ مان لے کہ:-

(۱) ہمارا پیدا کرنے والا۔ ہمیں پالنے والا۔ ہمیں روزی دینے والا اور ہمارا مالک اللہ ہے۔

(۲) ہمارے مالک کے احکام ہمیں اس کے اچھے اور نیک بندے اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے پہنچاتے ہیں اور

(۳) ہمیں اسلام کی سچی راہ پر قائم رکھنے کے لئے اللہ نے جو امام مقرر کئے ہیں ان میں سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام

ہیں۔ وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لئے عربی زبان میں کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس اقرار کو کلمہ پڑھنا کہتے ہیں۔ کلمہ یہ ہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ عَلِيُّ وَوَلِيُّ

لا الہ الا اللہ - اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں - محمد رسول اللہ - حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔
حضرت علی اللہ کے ولی ہیں۔ الخ (دینیات حصہ اول ص ۲۲ تا ۲۳)

شیعوں کے مذکورہ کلمہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صرف شیعہ بننے کے لئے علی ولی اللہ کے الفاظ کلمہ ہیں۔ کیونکہ مذکورہ عبارت میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے یعنی حضرت علی کو پہلا امام جو شخص مان لے "وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے،" لہذا تعبیر یہ نکلا کر شیعوں کے نزدیک جب تک کوئی شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرے وہ اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اور جن مسلمانوں نے اب تک کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کیا وہ سب دائرہ اسلام سے خارج اور غیر مسلم ہیں۔ العیاذ باللہ اور یہ کسی ایک شیعہ فرد پاکستان شیعہ قوم کے نمائندہ ۱۶ علماء زعماء کا متفقہ عقیدہ ہے جنہوں نے حکومت سے مذکورہ اجلاس میں کا یہ مرتبہ نصاب دینیات منظور کرایا ہے۔ اور ان شیعہ زعماء میں نواب مظفر علی قزلباش - جسٹ اور مسٹر مظفر علی شمسی بھی شامل ہیں۔

لے یہاں یہ ملحوظ رہے کہ کل میں حضرت علی اللہ کے ولی ہیں کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی اللہ کے برابر ہیں بلکہ شیعوں کی انکے نزدیک ولایت یعنی امامت ہے۔ اور ان الفاظ یعنی علی ولی اللہ کا مطلب اس سے پہلے دینیات کے مصنف کے فرمایاں میں یہ بیان کر دیا ہے کہ:- سب سے پہلے امام حضرت علیہ السلام ہیں۔

(ب) علی ولی اللہ کے الفاظ نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ اسلام میں پڑھائے ہیں اور نہ خود حضرت علی المرتضیٰ

